بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

وَاِذَا سَمِعُوْا

مولانا
محمد اکرم اعوان

7

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

وَإِذَا سَمِعُوا

مولانا
محمد اکرم اعوان

7

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ.................... ہفتم

باراوّل.................... فروری 2011ء

تعداد.................... دو ہزار

قیمت.................... -/470 روپے

ناشر عبدالقدیر اعوان

ناظم نشرواشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہو گی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

از دل خیزد بردل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی' نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے' نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں' یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرّم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ

خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل ورسل ورسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی' ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا وکرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب

بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرّم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسیرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن وحدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرّم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی ﷺ کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی ﷺ قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرّم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکر قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں' لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں' قانون وراثت سے پریشان ہیں' جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرّم اسی قرانی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکر قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرّم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کر لو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ' قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فرد جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرّم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری

انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دوراسی فکرِقرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیرالمکرّم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کواس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیرالمکرّم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاءاللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیرالمکرّم کے زوردار انداز بیان میں فکرِقرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیرالمکرّم نے فکرِقرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ امت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیرالمکرّم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیرالمکرّم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن

سے آگے مفکر قرآن نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرّم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے' آپ کا تعارف بطور ''مفکر قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرّم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاء اللہ جان' سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین و تالیف میں معاونت کی' اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

پارہ 7 وَاِذَا سَمِعُوْا

سورہ المائدہ رکوع 11 آیات 83 تا 86

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا (یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں ﴿۸۳﴾ اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ

ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور اس بات کی اُمید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کردے گا ﴿۸۴﴾ سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کے صلہ میں ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیکوکاروں کی یہی جزا ہے ﴿۸۵﴾ اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں ﴿۸۶﴾

خلاصۂ رکوع

کلام الٰہی کی اثر آفرینی اور سچے نصاریٰ کے طالب حق ہونے اور حق سن کر متاثر ہونے کے تذکرے سے ساتواں پارہ شروع ہوتا ہے۔ اسی رکوع کی گذشتہ آیت سے یہ بات چل رہی ہے کہ نصاریٰ میں سے کچھ لوگ اہل علم بھی ہیں اور کچھ درویش منش تارک الدنیا بھی ہیں اور ان میں تکبر نہیں ہے۔ یہاں یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ کیا عیسائیوں میں سے کچھ لوگ مسلمانوں کے دوست ہیں؟ اس کی وضاحت یہاں فرمادی گئی کہ مسلمانوں کے دوست عیسائیوں میں سے صرف وہ لوگ ہیں **وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ** کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اسے سن کر **تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ** ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں **مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ** اس لئے کہ وہ حق کو پہچانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہم ایمان لائے اور ہمیں ایمان پر شہادت دینے والوں کے ساتھ رکھیئے اور کہتے ہیں کہ ہمیں کیا ہے؟ ہم کیوں اللہ پر اور اللہ کی طرف سے جو حق آیا ہے اس پر ایمان نہ لائیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں، ہماری تو یہ آرزو ہے کہ اللہ ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے۔ **فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا** تو ان کی اس تمنا کو اللہ تعالیٰ پوری فرماتے ہیں۔ انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے جہاں نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ **وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ** جو لوگ خلوص دل سے اطاعت الٰہی کرتے ہیں یہ ان کا انعام ہے اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اور ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں تو وہ دوزخ کے رہنے والے ہیں۔

تفسیر و معارف

قرآنِ حکیم کی روشنی میں اصلاح ملت:

واقعہ یہ ہوا کہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے چند صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہجرت حبشہ کا حکم ارشاد فرمایا اور کچھ صحابہ کرامؓ اپنے اہل و عیالؓ سمیت ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ حبشہ کا حکمران نجاشی نیک دل اور سچا عیسائی تھا۔ جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تو اہل مکہ نے تحفے تحائف دے کر بادشاہ کے پاس اپنا ایک وفد بھیجا اور کہا کہ یہ لوگ ہمارے دین کے باغی ہیں۔ انہوں نے نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ ہمارے معاشرے اور تہذیب کو تباہ کر رہے ہیں اور چونکہ یہ ہمارے بھاگے ہوئے لوگ ہیں لہٰذا انہیں ہمارے حوالے کر دیا جائے تاکہ ہم انہیں واپس مکہ مکرمہ لے جائیں۔ مشرکین مکہ کا یہ وفد جب شاہی دربار میں پہنچا تو شاہ حبشہ نے مسلمان مہاجرین کو دربار میں بلوایا کہ ان کی بات بھی سنی جائے۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات بیان کیں۔ کچھ سوال و جواب ہوئے۔ اس پر شاہ نجاشی نے کہا کہ مسلمان جو کچھ کہہ کر رہے ہیں یقیناً یہ اوصاف ایک نبیؑ اور رسولؑ کے ہی ہو سکتے ہیں۔ جس دین کے بارے یہ بات کر رہے ہیں وہ سراسر نیکی ہے اور میں ایسے نیک لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ یہ میرے ملک میں پورے آرام سے رہ سکتے ہیں چنانچہ اس نے اہل مکہ کے تحائف واپس کر دیئے اور انہیں ناکام لوٹنا پڑا۔ دریں اثنا حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے۔ جو لوگ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہ بھی مدینہ منورہ آ گئے تو شاہ نجاشی نے تحقیق حال کے لئے ستر آدمیوں پر مشتمل اپنا وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ ستر افراد شاہی دربار کے علماء تھے اور صاحب علم نیک اور درویش منش لوگ تھے۔ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ حضور اکرم ﷺ سے قرآن حکیم کی آیات سنیں۔ قرآن حکیم یہ واقعہ بیان کر رہا ہے **وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ** کہ جب انہوں نے وہ آیات سنیں جو رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوئیں **تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ** تو آپ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ **مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ** ان کے اس بے تابانہ گریہ کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا تھا۔

یہاں یہ وضاحت ہوگئی کہ عیسائیوں میں سے جن لوگوں کی تعریف کی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں سے دشمنی نہیں رکھتے بلکہ ان تک حق نہیں پہنچا تو وہ عیسائی رہے اور جب حق پہنچ گیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یعنی عیسائیوں میں سے جس تک تعلیمات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پہنچیں اس نے قبول نہیں کیں، انکار کر دیا تو وہ ویسا ہی کافر ہے جیسا مشرکین اور یہود کافر ہیں۔

عیسائیوں میں سے وہ لوگ قابل تعریف ہیں جنہوں نے آیات قرآن سنیں۔ ان کے دل پر اثر انداز ہوئیں اور وہ فوراً ایمان لے آئے۔ ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے کلام کو پہچان لیا اور وہ کہنے لگے **يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا** اے اللہ ہم ایمان لے آئے تیرے رسول ﷺ پر، تیرے دین پر، تیری توحید پر **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۸۳﴾** سو ہمیں لکھ لے ان لوگوں میں جو تیرے نبی کریم ﷺ کی صداقت اور تیری توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ شہید یا شاہد گواہ کو کہتے ہیں۔ راہِ حق میں قتل ہو جانے والے کو اسی لئے شہید کہا جاتا ہے کہ وہ دین کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے جان دینے کی صورت میں اعلیٰ ترین گواہی دیتا ہے۔ فرمایا: اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے ساتھ شامل فرما جو تیرے دین کی حقانیت کے گواہ ہیں۔ **وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ** ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثتِ عالی کے بعد قرآن حکیم سننے کے بعد کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ ہم ایمان نہ لائیں بلکہ ہماری تو آرزو اور تمنا یہ ہے کہ تو ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالے **وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴿۸۴﴾** ہم تمنا کرتے ہیں کہ ہمیں صالحین میں شمار فرمالے۔

اطاعت گذاروں کے لئے احتیاط:

الحمدللہ قرآن حکیم کی ساری باتیں خوبصورت، بے مثل و بے مثال ہیں۔ ہر آیت میں مفاہیم کے خزانے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان ہی میں سے یہ جملہ کتنا خوبصورت ہے **رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۸۳﴾** ایمان لانے کے بعد ہماری تو یہ آرزو ہے کہ ہمارا فکر و عمل سب کچھ صالح ہو۔ ہمارا ساتھ صالحین کے ساتھ ہو۔ گویا بتایا جا رہا ہے کہ کردار کی درستگی ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں دو اُمور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ **وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا** اوّل یہ کہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ وہ کسی کو توفیق عمل عطا کر دے۔ اللہ کے مخلص بندوں نے یہی کہا کہ یہ ہمارے ربّ کا کرم ہے کہ وہ ہمیں نیک لوگوں میں داخل کر دے۔ ہم اپنی بہادری سے ایسا نہیں کر سکتے۔ توفیق عمل اس کی عطا ہے اور اس کی رضا کی دلیل ہے۔ جس سے راضی ہوتا ہے اسے نیکی کی توفیق ارزاں کر دیتا ہے لہٰذا اگر کسی کو نیکی کی توفیق نصیب ہے، اگر وہ سچ بولتا ہے، حلال کھاتا ہے، عبادت کا پابند ہے تو اسے نیکی پر نازاں ہونے کی ضرورت نہیں کہ نیکی بھی اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہوئی۔ یہ بھی یاد

رکھنا چاہیے کہ جس سے وہ ناراض ہو جائے اس سے توبہ کی توفیق سلب کر لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دعویٰ ایمان رکھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ پر نگاہ رکھے۔ اپنے عقیدے اور اپنے عمل پر پہرہ بٹھائے کہ ایمان اور عقیدہ درست ہو تو عمل صالح ہوتا ہے صلاحیت کی دلیل بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں قبولیت پا جانا ہے۔ دعویٰ ایمان تو ہر ایک کرتا ہے لیکن عمل میں صلاحیت کا معیار بھی ہر ایک کا اپنا ہی ہوتا ہے ہر غلط کار کے پاس بھی اپنے عمل کا کوئی نہ کوئی جواز ہوتا ہے لیکن صلاحیت کی صرف ایک دلیل ہے کہ جو کام کرنے کا حکم حضور اکرم ﷺ نے دیا اور جس کام کو حضور اکرم ﷺ نے پسند فرمالیا، صرف وہی صالح ہے۔ اور جو کام اور کام کرنے کا جو طریقہ بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مقبول نہیں وہ غیر صالح ہے۔ یہ کہنا کہ میں ایک مومن ہوں یہ ایک دعویٰ ہے۔ ہر دعویٰ اپنے دلائل کے ساتھ اپنے ثبوت کو پہنچتا ہے۔ عدالت میں بھی وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنے دعوے کے ساتھ ثبوت پیش کرتا ہے اسی طرح خود کو مسلمان کہنا بھی ایک دعویٰ ہے۔ اس دعوے کا ثبوت کردار ہے۔ اعمال اور افکار ہیں اس لئے کہ سوچ اور فکر ہی کردار کی بنیاد بنتے ہیں۔ جیسا ہم سوچتے ہیں اور جس کی ہم خواہش کرتے ہیں یا آرزو کرتے ہیں، اسی کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب سوچ وفکر سے لے کر عمل تک اتباع نبوت میں ڈھل جائے تو پھر وہ عمل صالح کہلاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں ہیں جن کی پسند ناپسند اتباع نبوی ﷺ کے تابع ہو چکی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین قرآن حکیم کے مثالی مسلمان اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے مثالی گواہ ہیں۔ قرآن کے کتاب اللہ ہونے کے گواہ ہیں۔ اللہ کی ذات وصفات اور وحی الٰہی کے تمام علوم کے گواہ ہیں کہ یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے تمام علوم براہ راست بارگاہ نبوی ﷺ سے حاصل کئے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ صحابہ کرامؓ کی ہم بات نہیں مانتے تو پھر اسلام کا وجود ثابت کرنا ممکن نہیں رہتا یعنی اگر صحابہ کرام پر اعتماد مجروح ہو جائے کہ یہ بھی معاذ اللہ سچ نہیں بتا رہے تو اسلام کا وجود ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی تمام لوگ تو حضور اکرم ﷺ کے مخالف تھے۔

حضور اکرم ﷺ سے صحابہؓ کی مثالی محبت نے انہیں قرآن کا مثالی مسلمان بنایا:

حضور اکرم ﷺ کی محبت نے انؓ کے مزاج تک بدل دیئے۔ بات حکم کی تعمیل کی ہی نہ رہی بلکہ تعمیل حکم منتہائے آرزو بن گئی۔ طبیعت کا تقاضا بن گئی۔ محبت اگر دنیا میں کسی نے کسی سے کی ہے تو صحابہ کرامؓ نے

حضور اکرم ﷺ سے کی ہے۔ اگر ہم اس موضوع پر بات کریں تو شاید ہماری زندگی ختم ہو جائے لیکن امثالِ صحابہؓ ختم نہ ہوں۔ انؓ کی مبارک زندگیوں کے چھوٹے چھوٹے واقعات تک اس پر دلیل بن چکے ہیں صحابہ کرامؓ ایسے مزاج کے لوگ تھے کہ جو چیز حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ آتی اس کا وجود باقی رکھنا انہیں گوارا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ سرخ رنگ کی چادر اوڑھے حاضر خدمت ہوئے آپ ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا اور چہرہ انور متغیر ہو گیا صحابیؓ نے بھانپ لیا، بارگاہ عالی میں عرض کی کہ کیا چیز آپ ﷺ کی طبع مبارک کو ناگوار گزری آپ ﷺ نے مرد کے لئے اس رنگ کو پسند نہ فرمایا۔ کئی دن بعد حضور اکرم ﷺ نے اس چادر کے بارے استفسار فرمایا تو صحابیؓ نے عرض کی کہ وہ انہوں نے تنور میں جھونک دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرد کے لئے یہ رنگ پسندیدہ نہیں آپ گھر میں کسی خاتون کو دے دیتے تو انہوں نے عرض کی کہ جو چیز آپ ﷺ کو پسند نہ آئے اس پر میرا اختیار بھی ہو تو وہ دنیا میں باقی کیوں رہے؟

یہ ہیں قرآن کے مثالی مسلمان جنہیں اتباع نبوت کا اتنا پاس تھا! ان کی محبت مفادات کے حصول کے لئے نہیں تھی مفادات کو اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان کرنا ان کی محبت کا اظہار تھا۔ ایک بزرگ صحابیؓ تھے عشاء کے بعد گھر سے کوئی لڑکا آتا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا اور فجر کے لئے گھر کا کوئی فرد انہیں پکڑ کر مسجد تک لے آتا۔ دن بھر وہ ٹھیک ٹھاک چلتے پھرتے اور اپنا کام کاج خود کرتے رہتے تھے۔ کسی نے انہیں اس کے بارے پوچھ لیا کہ بعد عشاء اور قبل فجر آپ کو سہارے کی ضرورت کیوں پیش آجاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب حضور اکرم ﷺ عشا پڑھاتے ہیں تو آپ ﷺ کے رُخِ روشن کی زیارت ہو جاتی ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ بعد عشاء حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے ہیں تو میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی اور کو دیکھوں، اور سحری کے لئے میں یوں ہی بند آنکھوں کے ساتھ آتا ہوں تاکہ میری آنکھ کھلے تو حضور اکرم ﷺ پر میری نگاہ پڑے۔ جو فرد اس حد تک محبت کرے کیا وہ تعمیل حکم میں کوتاہی کرے گا؟ ایک ہم ہیں دن بھر کلمہ بھی پڑھتے ہیں اللہ اللہ بھی کرتے ہیں عہد مسلمانی کا دعویٰ بھی ہے اور دنیا کا ہر ظلم ہم کر گزرتے ہیں۔

یہ کون سا اسلام ہے اور کیسی مسلمانی ہے؟

پورے ملک میں جو مر رہے ہیں وہ بھی کلمہ گو ہیں اور جو مار رہے ہیں وہ بھی کلمہ گو ہیں۔ جتنا قتل عام

پاکستان میں ہورہا ہے اتنا شاید بغداد میں نہیں ہوا، مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ منورہ کے دس سالہ عہد مبارک میں تراسی غزوات وسرایہ ہوئے اور مقتولین کی کل تعداد چودہ سو سے زائد نہیں ہے۔ یہ جنگیں اسلامی ریاست کی کفار کے خلاف تھیں پھر بھی دس سالوں میں مقتولین کی تعداد چودہ سو سے تجاوز نہیں کرتی دکھائی دیتی اس لئے کہ مقصد کفر کی ظلمت کو روکنا اور توحید باری کو پھیلانا تھا۔ اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا مقصد تھا۔ بندوں کا قتل عام مقصود نہیں تھا۔ آج وطن عزیز میں صرف ایک مہینے میں چودہ سو کلمہ گو دوسرے کلمہ گو لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں اور حکمران ان واقعات کی صرف مذمت کرتے ہیں۔ بھلا مذمت تو وہ کرے جس کے اختیار میں کچھ نہ ہو جسے اللہ نے اختیار دیا ہے اس کا کام تو انصاف کرنا ہے۔ مذمت کر کے وہ کیسے بری الذمہ ہوسکتا ہے؟ حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ جو بے گناہ لوگوں کو بازاروں میں مارتے ہیں ان کو انہی بازاروں میں پھانسی دیں کہ قوموں کی زندگی انصاف کرنے میں ہے۔ قصاص اور بدلے میں قوموں کی حیات ہے۔ جیسا کہ اللہ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ البقرہ:179 اے اہل دانش! قصاص اور عدل میں تمہاری قومی زندگی ہے۔ عدل کسی کو بطور سزا نہیں دیا جاتا یہ زندگی کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔ جہاں سے عدل اٹھ جاتا ہے وہاں دہشت گردی ہوتی ہے۔

وطن عزیز میں دہشت گردی کی بنیادی وجہ انگریز کے غلامانہ نظام کو جاری رکھنا ہے جس کے تحت ملک کے سترہ کروڑ لوگ محنت کرتے ہیں اور اس کا ثمر حکمران طبقے کو ملتا ہے۔ عوام بنیادی ضروریات سے محروم رہتے ہیں اور حکمرانوں کی اولاد غیر ملکی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ایوان اقتدار میں نازل ہوجاتی ہے پھر ہر سال جشن آزادی منایا جاتا ہے اور ٹیکسوں میں جکڑے عوام، غلامانہ نظام کی زنجیریں ہاتھوں میں پہنے آزادی کی خوشی میں تالیاں پیٹتے ہیں لوگ اب اس غلامی سے تھک گئے ہیں جس کا نام آزادی رکھا ہوا ہے۔ حکمران اور سیاستدان اسلام سے ڈرتے ہیں۔ ایک تو ان کی گردنوں میں گویا سریا پڑا ہوا ہے کہ وہ اللہ کے آگے جھکنا نہیں چاہتے دوسرا وہ عوام سے عوام کا پیسہ Share نہیں کرنا چاہتے۔

اگر وہ اسلامی نظام نافذ نہیں کرنا چاہتے تو ان ممالک کے نظام کو ہی نافذ کردیں جنہوں نے اسلام سے اصول سیکھ کر اپنے ممالک میں ایسا نظام رائج کیا ہے کہ محنت کر کے جو اوپر آسکتا ہے اسے اوپر آنے دیا جاتا ہے۔ امریکی نظام میں اتنی گنجائش تھی کہ وہ لڑکا آج امریکہ کا صدر بن چکا ہے جو کسی غریب گھر کا بچہ تھا۔

اس کی ماں کو اس کے باپ نے طلاق دے دی تھی جبکہ وہ ابھی بچہ تھا، اس کے سر پر باپ کا سایہ بھی نہیں تھا۔ کیا ایسا وطن عزیز میں ہونا ممکن ہے؟ یہاں تو عوام میں بھی ایمان کی کمی ہے آخرت کا خوف اور اتباع رسالت مفقود ہو چکا ہے اور حکمرانوں نے بھی غلامی کو اتنا سخت کر دیا ہے کہ عوام ان زنجیروں کو توڑنے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔

موجودہ نظام بدل دینے سے دہشت گردی ختم ہو سکتی ہے:

آج دونوں طرف دہشت گردی ہو رہی ہے۔ دہشت گرد بھرے بازاروں میں عورتوں، بچوں کو قتل کر رہے ہیں۔ حکومت اپنے عوام پر بم گرا رہی ہے۔ کب تک یہ قتل عام جاری رہے گا؟ قتل کے بدلے قتل ہوتا رہے گا تو ظلم کے بدلے ظلم بھی چلتا جائے گا سحر انصاری نے کہا تھا

نیا دستور ہے نئے زمانے کے لئے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لئے

خانہ جنگی اور دہشت گردی عذاب الٰہی ہے۔ جب قوموں کے عقائد و اعمال خراب ہو جائیں تو اللہ کی طرف سے عذاب مسلط ہو جاتا ہے عذاب الٰہی کا علاج صرف توبہ اور اصلاح احوال میں ہے۔ اگر حکمران توبہ نہیں کرتے تو ہم افراد تائب ہو جائیں۔ ہم میں سے ہر ایک کے برائی چھوڑنے سے کچھ نہ کچھ فرق تو ضرور پڑے گا۔ وطن عزیز کی کروڑوں کی آبادی میں کتنے ایسے دکاندار اور تاجر ہیں جو بھاؤ بھی صحیح بتائے اور سامان بھی صحیح دے؟ حالانکہ دکاندار اور تاجر تو حاجی بھی ہیں نمازی بھی۔ داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے اور تسبیح بھی ہاتھ میں ہے۔ اب تو عالم یہاں آن پہنچا ہے کہ میرے پاس ایسے لوگوں کی فہرست ہے جنہوں نے بیعت کر رکھی ہے۔ اللہ اللہ بھی کرتے ہیں اور مجھ سے مالی معاملہ کرتے ہوئے بددیانتی بھی کرتے ہیں۔ مجھے کسی نے کہا کہ آپ ایسے لوگوں کو جماعت سے نکال کیوں نہیں دیتے؟ میں نے کہا میں کون ہوتا ہوں کسی کو اللہ اللہ کرنے سے روکنے والا؟ میں تو ایک بادشاہ کا غلام ہوں۔ میری ذمہ داری ہے کہ جو آئے اسے اللہ اللہ سکھاؤں۔ کوئی میرے ساتھ اچھا کرے یا برا تو یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں کسی کو اللہ کے نام سے نہیں روک سکتا۔ ہاں حیران ضرور ہوں کہ اگر اپنے شیخ سے معاملہ کرنے میں بددیانت ہیں تو دوسروں کے ساتھ کیا کرتے ہوں گے؟ اور یہ کردار عام آدمی سے حاکم اعلیٰ تک ایک جیسا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک اسی ہزار ارب ڈالر کا مقروض ہے۔ اگر چند پاکستانی حکمران اپنے باہر کے اکاؤنٹ کی رقم پاکستان لے آئیں جو انہوں نے پاکستان سے لوٹ کر باہر جمع کر رکھی ہے تو کئی اسی ہزار ارب ڈالر واپس آ جائیں۔ غریب تو ہے ہی بدنصیب، نہ

اسے اللہ کی اطاعت نصیب ہے نہ دنیا کا سکون۔ لوٹ کوئی اور رہا ہے اور یہ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ متحد ہو کر اس نظام کے خلاف کیوں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ کیوں غریبوں کی جانیں لیتے ہیں؟ کیوں اپنے لئے دوزخ خریدتے ہیں؟ کیوں تدارک نہیں کرتے؟ تدارک یہی ہے جو اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اپنے کردار کو محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں ڈھال لو۔

ایمان کی نشانی:

ایمان کی نشانی یہ ہے کہ یہ آرزو پیدا ہو جائے کہ اے اللہ! مجھے صالحین میں داخل کر، میرا کردار ویسا بنا دے جو میرے رسول اللہ ﷺ کو پسند ہو، میرے اعمال ایسے کر دے کہ تیری بارگاہ میں مقبول ہو جائیں۔ فرمایا: وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم سنا اور ایمان لے آئے۔ ان کے دل پر چوٹ پڑی اور ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے تو انہوں نے دعا کی کہ اللہ ہمیں نیک لوگوں میں داخل فرما دے تو ان کے اس نیک کلمے **فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا** کے سبب اللہ نے انہیں ان کی منزل تک پہنچا دیا۔ جو وہ چاہتے تھے انہیں عطا کر دیا۔ آخرت میں بھی ان کے لئے جنت ہے جس میں نہریں جاری ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ **وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾** جو خلوص دل سے تمنا کرتا ہے اس کو ہم ایسے ہی انعامات سے نوازا کرتے ہیں۔ اگر کافر تائب ہو جائے اسلام قبول کر لے اور خلوص دل سے صالحین کی صحبت کے لئے دعا کرے تو اللہ اس کی زندگی اور آخرت دونوں بدل دیتا ہے تو مومن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو، اگر خلوص دل سے تائب ہو جائے تو اللہ اسے کیا نہیں دیتا؟ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** اور جو لوگ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد بھی ایمان نہیں لائے۔ خواہ وہ یہود و نصاریٰ کہلائیں یا ہنود جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں ایمان نہیں لاتے **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾** یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔

سورہ المائدہ رکوع 12 آیات 87 تا 93

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ
لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝٨٧
وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝٨٨ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ
بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ
اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ
تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ
ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝٨٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ
الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٩٠ اِنَّمَا يُرِيْدُ

الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو پاک ولذیذ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں انہیں حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے ﴿۸۷﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ﴿۸۸﴾ اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کرو (پھر توڑ دو) سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو، یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھا لو (پھر توڑ دو) اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو اسی

طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تا کہ تم شکر کرو ﴿۸۹﴾
اے ایمان والو! (بات یہی ہے کہ) شراب اور جوا اور بت (وغیرہ) اور قرعہ کے تیر (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو ﴿۹۰﴾ شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے تو کیا اب بھی باز نہیں آؤ گے؟ ﴿۹۱﴾ اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ﴿۹۲﴾ ایسے لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں، اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں۔ پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں، پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں ﴿۹۳﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا: اے ایمان والو! اللہ نے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام مت کرو اور زیادتی بھی نہ کرو کہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ کریم نے جو عطا فرمایا ہے حلال اور طیب کھاؤ۔ اللہ جل شانہٗ سے اپنا تعلق قائم رکھو اور یہی تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔ جو فضول قسمیں عادۃً اور بلا وجہ تم کھاتے ہو ان پر کفارہ تو نہیں لیکن ایسا کرنا اچھی بات نہیں۔ واقعی اگر کسی بات پر قسم کھاتے ہو اور اسے پورا نہیں کرتے تو اس کا کفارہ دس غرباء کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے اور انہیں کپڑے پہنانا ہے یا غلام اور لونڈی آزاد کرنا ہے اور اگر ان میں سے کچھ بھی دینے کی استطاعت نہیں تو تین روزے رکھے۔ یہ قسم کا کفارہ ہے اور اچھی بات یہ ہے کہ جس بات پر قسم کھاؤ اسے پورا کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ کریم تمہارے لئے باتیں کھول کر بیان فرماتے ہیں تا کہ تم اللہ کریم کا شکر ادا کر سکو۔

اے ایمان والو! یقیناً شراب، جواء، بت لاٹری کے تیر وغیرہ یہ سب خراب کام ہیں اور شیطانی اعمال ہیں۔ ان سے سخت دُور رہو تاکہ تم فلاح پا سکو۔ یقیناً شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد سے روک دے۔ جب یہ کام اس قدر نقصان دہ ہے تو کیا تم اس سے باز آجاؤ گے؟ اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اور احتیاط کرو۔ یہ بات یاد رکھو کہ اگر تم بے رخی کرو گے تو نبی کریم ﷺ کا فریضہ تو اللہ کی بات کو پہنچانا ہے جو لوگ ایمان لائے وہ اس آیت کے نزول سے پہلے کچھ غلط چیزیں کھا چکے ہیں ان کے اس عمل پر گرفت نہ ہوگی۔ اور جب وہ ایمان لاتے ہیں تو اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ اس سے ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور اعمال میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے وہ پھر مزید محنت کرتے ہیں تو ایمان میں نکھار آتا ہے۔ مزید محنت کرتے ہیں تو حضورِ حق نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کریم ایسے لوگوں کو جنہیں حضورِ حق نصیب ہو بہت زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

تفسیر و معارف

گزشتہ آیات میں نصاریٰ کے صاحب علم اور صاحب تقویٰ اشخاص کی تعریف کی گئی کہ وہ نہ تو دنیا کا لالچ کرتے ہیں اور نہ غرور کرتے ہیں۔ نصاریٰ کے ہاں رہبانیت اور ترک لذائذ کے ذریعے دنیا کے لالچ سے محفوظ رہنے کی کوشش کی جاتی تھی اور گوشہ نشینی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا تو اللہ کریم نے وضاحت فرمادی کہ اے ایمان والو! **لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ** جو چیزیں اللہ نے تم پر حلال کی ہیں انہیں اپنے آپ پر حرام نہ کرو۔

● اسلام میں نہ رہبانیت کی گنجائش ہے نہ زیادتی کرنے کی اجازت ہے۔ زیادتی سے مراد یہ ہے کہ غیر ضروری امور پر خرچ نہ کرو، محض نمائش کے لئے یا دکھانے کے لئے اخراجات نہ کرو، اللہ نے جو حیثیت دی ہے اس کے مطابق گھر بناؤ، لباس پہنو، بچوں کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرو لیکن اپنی حیثیت سے بڑھ کر لوگوں کے دکھاوے کے لئے فضول خرچی میں گرفتار نہ جاؤ کہ بناوٹی حیثیت بناتے بناتے مقروض ہوتے چلے جاؤ۔ ہمارے معاشرے میں عموماً شادی بیاہ پر دکھاوے کے لئے غیر ضروری اخراجات کئے جاتے ہیں اور ان کے لئے قرض لیا جاتا ہے اور یوں زندگی مسائل کا شکار رہتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جتنی حیثیت ہے اس کے مطابق رہو۔ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے اور دنیوی اعتبار سے آسان بھی ہے کہ اس طرح کسی پر بوجھ

نہیں پڑتا۔ اسلام میں فطری زندگی ہی مقبول ہے یعنی حیثیت کے مطابق رہنا اور جو حیثیت سے بڑھے گا وہ گناہ گار بھی ہوگا اور اس کی دنیوی زندگی خرابیوں کی شکار بھی ہوگی اسی طرح اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق استعمال نہ کرنا بھی مقبول رویہ نہیں۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اس کے کپڑے میلے کچیلے اور سر و داڑھی کے بال بے ترتیب تھے۔ معاشی طور پر خستہ حال نظر آتا تھا۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ صاف ستھرا رہنا اور اپنی حیثیت کے مطابق لباس پہننا چاہیے کہ نظر آئے اللہ نے وسعت بخش رکھی ہے۔ یہ بھی ادائے شکر کا ایک طریقہ ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ملتا ہے

وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ۝ الضحیٰ: 11

حد سے تجاوز کرنا محبت الٰہی سے محرومی کا سبب ہے:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ۝ حد سے بڑھ جانے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتے۔ ایسوں سے اللہ کریم محبت نہیں کرتے۔ جب کوئی اللہ کریم کی محبت سے محروم ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے اللہ کی اطاعت چھوٹ جاتی ہے اور اطاعت الٰہی چھوٹ جائے تو نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کسی کی بات ماننے کے لئے بھی ایک رشتہ چاہیے۔ اس تعلق اور رشتے کی بنیاد پر ہی کسی کی بات مانی جاتی ہے۔ وہ رشتہ اگر والد سے بھی نہ رہے وہ ادب و احترام والد کا نہ رہے تو لوگ والد کی بات بھی نہیں مانتے۔ بھائی سے رشتہ محبت نہ رہے تو بھائی کی بات نہیں مانتے، اسی طرح اللہ کریم سے رشتہ ٹوٹ جائے تو پھر اطاعت الٰہی چھوٹ جاتی ہے۔ فرمایا: اللہ کریم ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے جو اپنی حیثیت سے زیادہ نظر آنا چاہتے ہیں۔ جو اس کمال کا دعویٰ کرتے ہیں جو ان میں نہیں ہے۔ لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے، رعب جمانے کے لئے، بناوٹ کرتے ہیں۔ اللہ کریم کی محبت سے محروم ہونا بہت بڑی بدنصیبی ہے کہ بندہ تو اللہ سے محبت کرتا ہی اس وقت ہے جب اللہ اس سے محبت کرتا ہو۔ **یحبھم و یحبونہ** جن سے اللہ محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ بندہ جواباً محبت کرتا ہے بندے کی کیا حیثیت ہے اور بندے کی کیا مجال ہے کہ از خود اللہ سے محبت کرے؟ اللہ کی عظمت کا تو کوئی پیمانہ ہی نہیں، نہ اس کی کوئی مثال، نہ مثل نہ انسان اپنے علم و عقل یا حواس سے اسے پہچان سکتا ہے۔ اللہ کی ذات تو بندے کی علمی و عقلی استعداد سے ماورا ہے۔ بندہ اس سے کیسے محبت کرے گا؟ یہ تو اللہ خود محبت کرتا ہے تو بندے جواباً محبت کرتے ہیں اللہ کریم نے اس کا طریقہ نبی کریم ﷺ کے ذریعے سکھایا، فرمایا: اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ

رَّحِیۡمٌ O آل عمران: 31 اگر تم اللہ کی محبت کے طالب ہو تو میرا اتباع کرو میرے اتباع میں زندگی بسر کرنے سے اللہ تم سے محبت کرے گا۔ جب وہ تم سے محبت کرے گا تو تمہاری خطائیں بھی معاف کر دے گا۔ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا، تمہاری خطائیں بخش کر تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ تمہاری لغزشیں معاف فرما دے گا اس کی رحمت تمہیں ڈھانپ لے گی۔ آئندہ کے لئے اطاعت کی توفیق عطا فرما دے گا۔

بہترین زندگی وہ ہے جس میں توازن ہو:

اعتدال میں کمال ہے۔ دین اسی کا نام ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے سارے فرمودات اسی کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں کہ کسی کام میں بھی حد سے تجاوز نہ ہو۔ دکھاوا اور بناوٹ نہ ہو۔ سچائی اور راست بازی ہو۔ جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں انہیں اپنے پر حرام نہ کیا جائے، اس حکم پر عمل کرنے میں عموماً ایک رویہ دیکھنے میں آتا ہے جو حد سے تجاوز کرتا ہے یعنی رہبانیت کی طرف چل پڑنا۔ حق یہ ہے کہ جس چیز کو شریعت نے حرام کہا ہے اسے حلال سمجھنا اور حلال کو حرام سمجھنا تو ویسے ہی کفر ہے اور حد سے تجاوز کر کے رہبانیت اختیار کرنا یعنی اچھی غذا ترک کر دینا سونا چھوڑ دینا۔ اچھا لباس اور اچھی رہائش نہ رکھنا کڑے مجاہدے کرنا، یہ رویہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے اس لئے شرعاً درست نہیں۔ غیر مسلم اس طرح کے مشقت آمیز مجاہدے اس لئے کرتے ہیں کہ دنیاوی کمالات حاصل ہو جائیں۔ سلاسلِ تصوف میں بعض لوگ ایسے مجاہدے کرتے ہیں جو رضائے الٰہی کے لئے نہیں ہوتے بلکہ مشاہدات کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا کمال اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اللہ کریم راضی ہو گئے تو سب کام ہو گئے اور اللہ کریم ناراض ہیں تو وقتی طور پر کسی کو کمال حاصل ہو بھی گیا تو اس کا کیا فائدہ ہوا؟ رہبانیت میں کوئی کمال نہیں۔ کمال یہ ہے کہ زندگی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق بسر ہو پھر اگر کوئی کمی رہ بھی جاتی ہے تو اللہ کی رحمت بے کراں ہے، شرط صرف یہ ہے کہ بندے کی نیت خالص ہو، ارادہ مضبوط ہو اور پورے خلوص سے اتباع رسالت علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں محنت کرے۔ خلاصہ یہ کہ زندگی میں توازن قائم رکھنا ہی حد سے تجاوز نہ کرنا ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کو جو حد سے بڑھ جاتے ہیں پسند نہیں فرماتا اور اللہ کی محبت سے محرومی اطاعت الٰہی سے محروم کر دیتی ہے اور اطاعت سے محرومی بالآخر عقائد کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ یہ راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے لہٰذا بندے کو خبردار رہنا چاہیے کہ زندگی اتباع رسالت میں بسر ہو۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ فرمایا: ضرور کھاؤ،

پیو جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے لیکن اس کی دو شرطیں ہیں۔ حلال اور طیب ہو، جائز ذرائع سے کمایا گیا ہو، کسی سے چھین کر، دھوکہ کر کے یا چوری ڈاکہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ طیب ہو ناپاک نہ ہو۔ ناپاک کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً حلال رزق میں کوئی ایسا عنصر شامل کر دیا جائے جو شرعاً حرام ہو یا کھانا پکاتے ہوئے کوئی ناپاک چیز شامل کر دی جائے یا کوئی ناپاک ہاتھوں سے کھانا بنائے، اس طرح بعض چھوٹی چھوٹی باتوں میں احتیاط لازم نہ کرنے سے حلال رزق بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں خواتین کو پاکی اور ناپاکی کے مسائل سے مکمل طور پر آگاہی نہیں ہوتی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کھانا بنانے والی خاتون پر غسل واجب تھا۔ اسے غسل کا درست طریقہ ہی معلوم نہیں تو وہ اسی طرح نمازیں بھی پڑھتی رہے گی اور کھانا بھی بناتی رہے گی۔ یوں نہ تو اس کی صلوٰۃ ادا ہو گی نہ کھانا طیب ہوگا۔ اس طرح یہ معمولی معمولی بے احتیاطیاں محنت کی حلال کمائی کو ناپاک کر دیتی ہیں۔

جمعے کا سعید دن اللہ نے مقرر فرمایا ہے اور اس میں ظہر کی چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ دو رکعت کے قائم مقام اس کے دو خطبے ہوتے ہیں عربی میں جو خطبہ دیا جاتا ہے وہ دو رکعت کا قائم مقام ہوتا ہے اور عموماً قرآن ہی سے دیا جاتا ہے ہم چونکہ عربی نہیں جانتے اس لئے اردو کا خطبہ یا بیان اس لئے ہوتا ہے کہ لوگوں کو دینی مسائل سمجھائے جائیں۔ روزمرہ کے امور کو دین کے مطابق سرانجام دینے کے لئے شریعت مطہرہ بیان کی جائے لیکن اکثر لوگ اس وقت کو اشعار پڑھنے اور قصہ کہانیاں بیان کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کو دین کے بنیادی امور حتیٰ کہ غسل، وضو اور تیمم کے فرائض واجبات کے بارے بھی پوری معلومات نہیں ہوتیں۔ مثلاً واجب غسل کا ایک مسنون طریقہ وسلیقہ ہے۔ یہ پسندیدہ بات ہے کہ وضو کیا جائے لیکن اگر کوئی وضو نہیں کرتا تو تین مرتبہ غرغرہ کرنا فرض ہے۔ ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے۔ اس کے بعد سارے بدن کو تین بار دھوئے اور آخر میں پاؤں دھو لے تو غسل ہو جاتا ہے لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ وضو کرے پھر نہائے۔ اگر پہلے وضو نہیں کیا تو نہانے میں وضو ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی نے غرغرے نہیں کئے یا ناک میں پانی نہیں ڈالا تو دونوں فرائض رہ گئے اور غسل پورا نہیں ہوا۔ اگر کسی کا ایک بال بھی خشک رہا یا اس کی جڑ خشک رہ گئی تو غسل نامکمل ہوگا۔ خواتین کو مزید احتیاط کرنا چاہیے کہ کانوں یا ناک میں زیور پہننے کے لئے جو سوراخ کروائے جاتے ہیں انہیں بھی مل کر ان تک پانی پہنچائیں۔ غسل کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی سوراخ خشک نہ رہے۔ فرمایا: **وَّاتَّقُوا اللّٰهَ** اور اللہ سے اپنا تعلق استوار رکھو۔ اپنا رشتہ قائم رکھو۔ یوں تو اردو میں ترجمہ

کرتے ہوئے تقویٰ کا مطلب ڈر لکھا جاتا ہے لیکن یہ لفظ عربی کے لفظ تقویٰ کا صحیح مفہوم ادا نہیں کرتا اس لئے کہ ڈر تو کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مالی نقصان کا ڈر یا موذی جانور کا ڈر یا صحت کے خراب ہونے کا ڈر یا دشمن کا ڈر وغیرہ۔ تقویٰ سے مراد اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ جب اللہ سے ایسا تعلق ہو جائے کہ جس کے بغیر گزارہ ہی نہ ہوتا ہو تو اس تعلق کے مجروح ہونے کے ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اللہ کریم سے ایسا تعلق قائم رکھو کہ تم اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرسکو کہ اللہ کے حبیب ﷺ خفا نہ ہو جائیں۔ اللہ ناراض نہ ہو جائے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ تم نے اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جو اللہ کو نہیں مانتا اس کی تو بات الگ ہے۔ اسے تو عظمت الٰہی اور نبیؐ کی صداقت کے دلائل دیئے جائیں گے تاکہ وہ اللہ کو الہ ومعبود اور نبیؐ کو اللہ کا رسولؐ مانے اللہ کی کتاب کو برحق مانے لیکن جو مان چکا ہو جس نے کلمہ حق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کو قبول کر لیا ہو تو اب اسے یہ حق نہیں رہا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے۔ جس نے اللہ کو اللہ مان لیا۔ اللہ کے نبی ﷺ اور قرآن حکیم کی حقانیت کو قبول کر لیا تو اب اس کے پاس یہ گنجائش نہیں کہ اپنی مرضی سے جیئے۔ اسے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ فرمایا اللہ تمہارے لغو یعنی فضول قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں اور پرواہ نہیں کرتے کہ انہیں یاد ہی نہیں رہتا۔ ہر بات میں ''قسم سے'' کہہ دینا ان کا انداز گفتگو بن جاتا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے لیکن اس میں چونکہ ان کی نیت یا ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا تو ان کی فضول گفتگو اور یاوہ گوئی کا کوئی مواخذہ بطور قسم کے مواخذہ کے نہیں ہوگا۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ جو قسمیں تم وعدہ مستحکم کرنے کے لئے کھاتے ہو اسے پورا کرو۔ ایسی قسمیں کھانا شرعاً ناجائز ہے جن میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہو یعنی کسی گناہ کے کرنے کے لئے قسم کھانا ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کے زیر اثر ایک رواج بن گیا ہے کہ ماں کی قسم یا اولاد کی یا کسی بزرگ کی قسم کھائی جاتی ہے۔ یہ درست نہیں۔ ایسی قسم منعقد ہی نہیں ہوتی۔

قسم اور قسم کا کفارہ:

قسم سے مراد ہے کہ جس کی قسم کھائی جا رہی ہے وہ اس معاہدے پر گواہ ہے۔ اور یہ شان صرف اللہ کریم کی ہے کہ وہ ہر وقت، ہر چیز پر گواہ ہے۔ لہٰذا قسم صرف اللہ کی کھائی جاسکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن جب اپنے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد انؓ کے وجود مبارک کو دیکھا کہ انؓ کے اعضاء کو کاٹ کر وجود سے جدا کر دیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ اسّی کافروں کا یہ حال کروں گا۔ اللہ کریم کی طرف سے وحی آ گئی کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ بدلہ لینا چاہتے ہیں تو ایک کے بدلے ایک کا یہ حال کر سکتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس ایک کو بھی معاف کر دیتا ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔ حضرت حمزہؓ سگے چچا بھی تھے، آپؓ نے اسلام کی بہت خدمت کی۔ بہت بہادر اور جری تھے۔ بہت جرأت سے بدر میں لڑے اور مکہ والوں کا بہت نقصان ہوا تو اہل مکہ نے دھوکے سے شہید کروایا اور پھر وجود مبارک کا مُثلہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تکلیف پہنچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی لیکن پھر رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سب کو معاف فرما دیا اور قسم کا کفارہ بھی ادا فرما دیا۔

فرمایا قسم کا کفارہ یہ ہے **فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ** کہ جیسا کھانا اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو اس معیار کا کھانا دس مساکین کو صبح و شام کھلا دو یا انہیں کپڑے خرید دو۔ علماء فرماتے ہیں کہ اتنا کپڑا ہونا لازمی ہے جو ستر عورت کے لئے کافی ہو لیکن مناسب یہ ہے کہ اوسط معیار کا پورا لباس خرید کر دیا جائے۔ اگر کسی کے پاس کھانا اور کپڑا دینے کی استطاعت نہیں تو جو غلام یا لونڈی ہو اسے آزاد کر دیا جائے۔

دور حاضر میں نہ لونڈیاں ہیں نہ غلام، وہ مخصوص حالات اور وہ زمانہ بیت گیا لہٰذا موجودہ دور میں کفارے کی یہ صورت موجود نہیں۔ اس موضوع پر مجھے ایک سوال موصول ہوا تھا کہ کیا کسی انسان کو خرید کر غلام بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ آج کل لوگ اپنی اولاد بیچ رہے ہیں۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ یہ جائز نہیں اور یہی سوال دارالعلوم کراچی بھجوا دیا۔ دارالعلوم سے جواب آیا کہ انسان کی خرید و فروخت حرام ہے۔ کسی انسان کو خرید کر غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

اللہ کریم کے حکم کے مطابق لونڈی اور غلام صرف وہ لوگ بنتے ہیں جو اسلامی افواج کے بالمقابل میدان جنگ میں لڑتے ہوئے گرفتار ہو جاتے ہیں یا وہ مارے جائیں تو ان کے اہل و عیال جو جنگ میں مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے ساتھ ہوتے ہیں وہ لونڈی اور غلام بنتے ہیں۔ لونڈی اور غلام کے احکام و مسائل کی تفصیل اور فقہی احکام پوری شرح و بسط کے ساتھ علوم شریعت میں موجود ہیں۔ یہ صرف

اسلام کی خوبصورتی ہے کہ مسلمانوں کے مقابل لڑنے والوں تک کو حقوق دیئے ہیں انہیں زندہ رہنے کا حق دیا ہے۔ انہیں مذہب رکھنے کا حق دیا ہے لباس سے ضروریات زندگی تک مہیا کئے ہیں صرف ایک پابندی ہے کہ ان کی آزادی سلب کی جاتی ہے۔

فرمایا ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۚ یہ تمہاری اس قسم کا کفارہ ہوگا جسے تم پوری نہ کر سکے لیکن یاد رکھو جب قسم کھاؤ تو پھر اسے پوری کرنے کی حتی المقدور کوشش کرو۔ اس کی حفاظت کرو۔ جو بات حلفاً کہتے ہو اس پر قائم رہو۔ اسے پورا کرو كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اس طرح اللہ کریم زندگی کے ہر گوشے کے بارے بڑی وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ ہر کام کا طریقہ وسلیقہ ارشاد فرماتے ہیں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ تا کہ تم اللہ کریم کا شکر ادا کرسکو۔

شکر ادا کرنا کیا ہے؟

اس کی تشریح میں اہل علم کے کئی اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً ایک قول یہ ہے کہ جب کسی کو یہ احساس ہو جائے کہ اللہ کریم کے اس پر اس قدر احسانات ہیں کہ وہ شکر ادا کر ہی نہیں سکتا تو یہی شکر ہے۔ کسی دوسرے کا قول ہے کہ بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ اسے جو کچھ حاصل ہے وہ اس کا اپنا نہیں سب اللہ جل شانہٗ کا ہے۔ اسی کی عطا ہے تو یہی شکر ہے۔ لیکن اس آیہ مبارکہ میں اللہ کریم ارشاد فرما رہے ہیں کہ شکر تو یہ ہے کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ کریم نے اپنے احکام اور اپنے نبی ﷺ کے اتباع کو ان کی جزئیات تک کے ساتھ وضاحت سے بیان فرما دیا ہے تا کہ تم ان باتوں کو سمجھ کر ان پر خلوص دل سے عمل کرو تو یہی شکر ہے۔ اتباع رسول ﷺ دراصل اطاعت الٰہی ہے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے لیکن اگر کوئی عملی زندگی میں خلاف سنت چلتا ہے اتباع رسول ﷺ نہیں کرتا اور زبانی شکر کرتا رہتا ہے تو یہ شکر نہیں ہے۔

اللہ کریم اپنی آیات بڑی وضاحت سے بڑی تفصیل سے چھوٹی چھوٹی جزئیات تک کو بیان فرما رہا ہے تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرسکو۔ گویا اللہ جل شانہٗ کی، اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت، اپنی پوری ہمت سے، پورے خلوص دل سے کی جائے تو یہ اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ کچھ عوامل ایسے ہیں جو انسانی کردار کو متاثر کرتے ہیں غذاؤں میں سے کچھ ایسی ہیں جو انسان کو اطاعت الٰہی سے روکتی ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ان چیزوں کا تذکرہ آیا ہے جو انسانی

حواس کو مختل کر دیتی ہیں۔ جیسے نشہ آور غذائیں۔ نشہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پینے والے کے حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ وہ بات سمجھنے سے عاری ہو جاتا ہے۔ اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی۔ ایسی حالت میں وہ اطاعت کیا کرے گا؟ اس آیت میں خمر کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ہر نشہ آور مشروب خمر ہے۔ ہمارے ہاں اس کا ترجمہ شراب لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ عربی میں پینے والی چیز کو شراب کہتے ہیں۔ شراب کا مصدر ہے شرب یشرب یعنی اس نے پیا، وہ پیتا ہے یا پئے گا۔ اس طرح عربی میں پینے والی چیز کو شراب کہتے ہیں۔

ہم میدان عرفات میں تھے اور وہاں مشروبات سے بھرے ٹن بیچنے والے شراب، شراب کی صدا لگا کر جوس وغیرہ بیچ رہے تھے ہمارے ایک ساتھی حیران ہو کر کہنے لگے میدان عرفات ہے اور شراب بیچ رہے ہیں؟ تو انہیں بتایا گیا کہ شراب کا مطلب ہے پینے والے مشروبات۔

ہمارے ہاں شراب ایک خاص مشروب کا نام ہے جس سے نشہ ہوتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا یقیناً ایسا مشروب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے **وَ الْمَيْسِرُ** اور جوا **وَ الْاَنْصَابُ** اور بتوں سے اُمیدیں **وَ الْاَزْلَامُ** اور پانسے یعنی فال کے تیر۔ **وَ الْاَزْلَامُ** کی موجودہ صورت لاٹری ہے اگر چہ مروجہ تراجم میں قرعہ کے تیر لکھا جاتا ہے لیکن اس وقت صورت یہ تھی کہ کوئی اونٹ خریدتا اسے ذبح کیا جاتا اس میں پندرہ بیس لوگ حصے دار ہوتے جو مل کر رقم اکٹھی کر کے اونٹ خریدتے پھر جتنے حصے دار ہوتے اتنے تیر لے لئے جاتے پھر تیر پر کبھی کچھ اور کبھی کچھ لکھ دیا جاتا۔ مثلاً اگر دس من گوشت ہے تو کسی تیر پر ایک من کسی پر کچھ اور مقدار لکھی جاتی اور کوئی تیر خالی چھوڑ دیا جاتا پھر سب تیر یکجا رکھ دیئے جاتے اور ہر کوئی ایک ایک تیر نکال لیتا۔ اس پر جو لکھا ہوتا اسے اتنا مل جاتا۔ باقی خالی رہ جاتے۔ یوں وہ اونٹ دو چار اشخاص میں تقسیم ہو جاتا اور باقی کثیر تعداد خالی ہاتھ رہ جاتی۔ یہی حال آج کی لاٹری کا بھی ہے بے شمار لوگ لاٹری کے ٹکٹ خریدتے ہیں۔ دو چار کا انعام نکل آتا ہے باقی لوگ محروم رہ جاتے ہیں اس لئے ترجمے میں جو قرعہ کے تیر لکھا گیا ہے اس سے مراد اس طرح کی لاٹری ہے ورنہ قرعہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ برابر کی اشیاء کی برابر تقسیم کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی جائے مثلاً ایک چیز کے پانچ حصے دار ہیں اس کے پانچ برابر حصے کئے گئے لیکن سب حصہ دار اس پر متفق نہیں ہوتے تو پھر پانچ پرچیاں بنا کر ان پر 1 تا 5 نمبر لکھ دیئے جائیں اور جس کو جو نمبر ملے وہ اسے قبول کر لے اسے قرعہ کہتے ہیں اور یہ جائز ہے کہ اس سے کسی حصہ دار کا نقصان نہیں ہوتا۔ **الْاَزْلَامُ** لاٹری ہے جس میں بہت سے لوگ محروم رہ جاتے ہیں ان کے بارے فرمایا **رِجْسٌ** یہ بہت قبیح کام ہیں **مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ** شیطانی کاموں میں سے

ہیں۔ نشہ آور اشیاء استعمال کرنا جواء کھیلنا، بتوں سے امیدیں وابستہ کر لینا یا لاٹری ڈالنا یہ شیطان کے کام ہیں۔ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ ان کے قریب بھی نہ پھٹکو تا کہ تم کامیاب رہو۔ قرآن حکیم میں تو اس سے شدت کے ساتھ روکا جا رہا ہے اور ہمارے ایک دانشور چونکہ خود شراب کے رسیا ہیں تو وہ میڈیا پر بیان فرما رہے تھے کہ ''شراب کے بارے قرآن حکیم میں حُرمت کی کوئی آیت نہیں ہے، اسے قرآن میں حرام قرار نہیں دیا گیا بس یہی کہا گیا ہے کہ اس سے اجتناب کرو فَاجْتَنِبُوْهُ اس سے پرہیز کرو۔ تو کبھی بد پرہیزی بھی ہو جائے تو کیا فرق پڑتا ہے''۔

یہ مغالطہ دراصل عربی کے لفظ فَاجْتَنِبُوْهُ کو اردو کے لفظ اجتناب کرو سمجھنے سے ہوا ہے اردو میں اجتناب کا معنی شاید پرہیز ہی ہو لیکن قرآن کریم کے لفظ فَاجْتَنِبُوْهُ کے معنی سے مراد یہ ہے کہ اس کے متعلقات تک سے بچو۔ ان کاموں سے بھی بچو جو اس کی طرف راغب کرتے ہیں۔ گویا اس کے اسباب سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لئے فقہا کہتے ہیں کہ شراب کے جتنے متعلقات ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ مثلاً کوئی شخص خود تو شراب نوشی نہیں کرتا لیکن شراب کی خرید و فروخت کرتا ہے یا اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا ہے یا کسی کو پکڑا ہی دیتا ہے تو یہ سارے اعمال شراب کے متعلقات کے ضمن میں آتے ہیں اور تمام متعلقات حرام ہیں۔ شراب اور خنزیر دو ایسی اشیاء ہیں جن کے تمام متعلقات حرام ہیں۔ یعنی ان سے جن جن چیزوں کا تعلق بنتا ہے وہ بھی حرام ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ اس قدر گندے، خبیث اور شیطانی کام ہیں کہ قرآن کریم نے منع فرما دیا ہے کہ ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ لہٰذا خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم میں جہاں اجتناب کا حکم آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان کاموں کی طرف لے جانے والے اعمال کو بھی ترک کر دو۔ مثلاً شرابیوں کی صحبت میں بیٹھنا بھی حرام ہے۔ اس وجہ سے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا اس کے اثرات کی زد میں نہ آ جائے۔ اسی طرح شراب کے کام پر مزدوری اور اس کی اجرت بھی حرام ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان کس طرح شریعت کو مسخ کر کے حرام کاموں کے لئے جواز تراشتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھے ڈنمارک جانے کا اتفاق ہوا۔ معاشی طور پر مستحکم حالات دیکھنے کو ملے۔ ان کا نظام ایسا ہے کہ ہر فرد و بشر کے روزگار کا انتظام کیا جاتا ہے۔ وہاں ایسے مسلمان دکانداروں سے ملے جو نمازیں پڑھتے تھے، داڑھیاں رکھی ہوئی تھیں، تسبیح ہاتھ میں رہتی اور اکثر اوقات تبلیغ کے لئے دورے پر رہتے تھے لیکن ان کی دکانوں پر شراب بکتی تھی۔ سخت حیرانی ہوئی۔ انہیں شراب کے بارے فرمان الٰہی سنایا تو انہوں نے بتایا کہ ان کے پیر صاحب نے فتویٰ دے دیا ہے کہ بند بوتل

بیچنا جائز ہے خواہ اس میں کچھ ہی ہو۔ لہٰذا وہ مطمئن تھے کہ وہ شراب تو نہیں بیچتے۔ بند بوتل بیچتے ہیں اس میں کیا ہے کیا نہیں؟ اس کے وہ پابند نہیں بقول ان کے پیر صاحب کے۔ میں نے ان سے کہا اپنے پیر صاحب کو کہنا کہ کیا وہ اس فتوے کو قیامت کے روز اللہ کے روبرو ثابت کریں گے؟ اور تمہیں چھڑا لیں گے؟ جب کہ اللہ نے شراب کے قریب بھی جانے کو منع فرما دیا ہے۔

دراصل شریعت کے ساتھ اس طرح کے حیلے بہانے کرنا تو ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ شریعت کو نہ ماننے کے لئے بہانے تراشنے کے مترادف ہے۔ ایسے تمام مشروبات جو حواس سے بے گانہ کردیں اور ہوش کو مختل کردیں وہ سب حرام ہیں۔ شراب کو اس فہرست میں سرفہرست رکھا ہے کہ یہ سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

عربی میں حرام کا لفظی معنی ''منع'' ہے شریعت میں جو کام ممنوع ہیں انہیں حرام کہا جاتا ہے اور منع کی جگہ حرام لکھا جاتا ہے۔ عرب بول چال میں لفظ حرام ممنوع کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اجتناب کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھ کر غور کریں کہ جب یہ کہا جائے کہ یہ کام کرنا منع ہے اور جب یہ حکم دیا جائے کہ اس چیز کے قریب بھی مت پھٹکو تو ان دونوں میں کتنا فاصلہ ہے۔ جس کام سے منع کیا جا رہا ہے وہاں لفظ حرام استعمال ہوگا اور جہاں اجتناب کا لفظ آئے گا تو مفہوم ہوگا کہ اس کے قریب بھی مت جاؤ کہ یہ حرام سے زیادہ شدید ہے اس لئے جتنی چیزیں اس کی طرف مائل کرتی ہیں انہیں بھی چھوڑ دو۔ لفظ اجتناب عربی معنی کے لحاظ سے حرام سے زیادہ سخت لفظ ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے **فَاجْتَنِبُوْهُ** کا ترجمہ لکھا ہے ''ان چیزوں سے بالکل الگ رہو'' یہ ترجمہ باقی تراجم کی نسبت ایک حد تک مفہوم کی کفائیت کرتا ہے کہ جو چیزیں اس تک لے جانے والی ہیں وہ بھی منع ہوگئیں۔ **فَاجْتَنِبُوْهُ** کا جب اردو ترجمہ کرتے ہیں تو کئی مترجم اسے پرہیز کرو لکھ دیتے ہیں جو مناسب نہیں۔ اور دانشوروں نے اس سے جو معنی اخذ کیا ہے اس کی شریعت میں کہیں گنجائش نہیں۔ اس آیہ مبارکہ کی جو تعبیر نبی کریم ﷺ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔

وَالْمَيْسِرُ اور جوا بھی شیطانی کام ہے۔ یہ بھی حرام ہے۔ اس کے متعلقات بھی ممنوع ہیں۔ یعنی ایسی محفلوں میں بھی نہ جاؤ جو جوئے کی طرف لے جائیں۔ **وَ الْاَنْصَابُ** اور بت بھی۔ بت دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ مجسمہ ہے جو پتھر، مٹی، لکڑی یا کسی اور چیز سے تراشا جاتا ہے اور لوگ اس میں خدائی اوصاف مان کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ ایسے بت بنانا، خواہ بنانے والا خود نہ پوجتا ہو۔ اس کا محض روزگار کا ذریعہ ہو تو

یہ ذریعہ روزگار حرام ہوگا۔ چونکہ یہاں اجتناب آیا ہے لہٰذا حکم بھی وہی ہے کہ اس کے متعلقات سے بھی بچ کر رہو۔ دوسرے بت وہ ہیں جو نظر نہیں آتے۔ وہ زندہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور وسائل و اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔ جن سے اتنی امیدیں وابستہ ہو جائیں کہ اللہ کی نافرمانی کر کے ان کی اطاعت کر لیں۔ احکام شریعت چھوڑ دیں لیکن ان کی فرمانبرداری ضروری سمجھیں۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی خوبصورت وضاحت کی ہے، فرماتے ہیں کہ جو دکاندار اذان سن کر دکانداری جاری رکھتا ہے کہ مبادا گاہک کسی اور دکان پر چلے جائیں، ادائیگی صلوٰۃ کے لئے کاروبار میں وقفہ نہیں کرتا تو فرمایا اس کی دکان ہی بت ہے کہ اسے اللہ کی رزّاقیت پر بھروسہ نہیں۔ اسی دکانداری سے امیدیں وابستہ ہیں۔ اس نے دکان کو ہی اپنا رب مان لیا ہے، گویا وہی اسے پالنے والی ہے۔

تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے، ہمارے گاؤں میں ایک مولانا ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ سخت قحط سالی کا زمانہ آ گیا۔ کاشتکاروں تک کا گذارہ مشکل ہو گیا تو ان کے پاس ایک بھینس تھی۔ لوگ گھی وغیرہ ان سے خرید لیتے تو ان کا گذارہ اچھا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھ لیا کہ اس قحط سالی کے زمانے میں آپ کا گذارہ کیسے ہوا کہ وہ تو سب پر ہی بہت سخت دور تھا تو ان کی بیوی کہنے لگیں کہ ہمیں تو بھینس نے بچا لیا۔ ہم اس کا گھی بیچ دیتے اور ضرورت کی ہر چیز خرید لیتے اور گذارہ اچھا ہو جاتا تھا۔ مولانا نے یہ سنا اور خاموش رہے۔ دوپہر ڈھلے بھینس کو پانی پلانے کے لئے تالاب پر لے گئے۔ جب وہ گہرے پانی میں آ گئی تو چھری سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ شور بپا ہو گیا۔ لوگوں نے گھسیٹ کر بھینس باہر نکالی اور ذبح کر دی۔ مولانا سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا میری نیک بخت نے اسے رب سمجھ رکھا تھا، کہتی تھی قحط سالی میں اس نے ہمارا اچھا گذارا کروا دیا۔ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ وہ اسے رب سمجھتی تھی کہ اگر یہ رب ہے تو اسے ختم کرو۔ ہمارا گذارا پہلے بھی اللہ رب العالمین نے کروایا تھا اب بھی وہی کروائے گا۔ لہٰذا **وَ الْاَنْصَابُ** وہ بت بھی ہیں جن سے امیدیں وابستہ کر کے بندہ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر ان کی اطاعت کرے۔ خواہ وہ بت انسان ہوں، حکمران ہوں، طاقتور عہدیدار ہوں یا دکان وغیرہ ہو۔ **وَالْاَزْلَامُ** اور لاٹری وغیرہ جو جوئے ہی کی ایک قسم ہے۔ **رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ** یہ بہت غلیظ کام ہیں۔ یہ شیطانی کام ہیں۔ یہ کام وہی کرتے ہیں جو خود شیطان بن جاتے ہیں۔ کسی میں ذرہ بھر انسانیت ہو تو وہ یہ کام نہیں کرتا۔ **فَاجْتَنِبُوْهُ** ان سے اجتناب کرو۔ کوئی ایسا کام بھی نہ کرو جو ان کی طرف لے جانے والا ہو۔ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾** تاکہ تم فلاح پا سکو۔ فلاح کا

لغوی معنی کامیابی ہے۔ جب قرآن حکیم فلاح کی بات کرتا ہے تو اس سے مراد ایسی کامیابی ہے جو دنیاوی امور میں بھی ہو۔ عندالموت بھی ہو، بعد الموت بھی ہو۔ قبر میں، حشر میں، آخرت میں اور ابدالآباد میں بھی کامیابی نصیب رہے۔

حصول فلاح کی لازمی شرط:

جس طرح ایمان لانے کے لئے کفر سے بیزاری شرط ہے اسی طرح نیکی کرنے کے لئے برائی کا چھوڑنا ضروری ہے۔ کلمہ اسلام میں پہلے کفر کا انکار ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پہلے نفی ہے پھر اثبات ہے۔ اسی طرح اللہ سے نیکی کی توفیق پانے کے لئے برائی سے بچنا ضروری ہے۔ جو شخص بھی برائی چھوڑ دے گا اللہ کے حکم سے نبی کریم ﷺ کا اتباع کرے گا اللہ اسے نیکی کی توفیق عطا کر دے گا۔ جب اسے نیکی کی توفیق نصیب ہوگی تو وہ نیکی کر سکے گا اور ایسا شخص دنیوی اور اخروی فلاح پالے گا۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ فرمایا: شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور ایک دوسرے کے خلاف غصہ پیدا کر دے۔ شیطان کی تو یہ آرزو ہے کہ کہیں امن نہ ہو اور لوگوں میں دشمنیاں قائم رہیں حقیقت یہ ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں نیکی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے ایک دوسرے کا لحاظ کیا جاتا ہے ایک دوسرے کی جان، آبرو، مال کا تحفظ ہوتا ہے اور جہاں دشمنی ہوتی ہے وہاں کوئی چیز نہیں بچتی۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب نوشی سے تمہارے حواس مختل کر دے کہ جب ہوش و حواس ہی نہ ہوں تو حقوق کی پاسداری کیسے ممکن ہوگی؟ جوا کھیلو گے تو دوسروں کا مال لوٹو گے۔ ناجائز طریقے سے حصول مال کے نتیجے میں دشمنیاں پیدا ہوں گی ایک دوسرے کے خلاف غصہ پیدا ہوگا۔ جب تم آپس کی دشمنیوں میں مصروف ہو جاؤ گے تو نتیجہ یہ ہوگا وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ کہ شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے بھی محروم کر دے گا۔ تم سے اللہ کی عبادت چھوٹ جائے گی یعنی جب برائی اختیار کرو گے تو نیکی چھوٹ جائے گی۔

ذکر الٰہی ایک دائمی امر ہے اور صلوٰۃ اپنے وقت کے ساتھ فرض ہے:

اس آیہ مبارکہ میں ایک ہی جملے میں ذکر الٰہی اور صلوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی اور صلوٰۃ دو علیحدہ عبادات ہیں۔ ذکر الٰہی ایک دائمی کام ہے اور صلوٰۃ اپنے اوقات کے ساتھ مومنین پر فرض ہے۔ جیسا اللہ کریم نے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ النساء: 103 یعنی جب

تک صلوٰۃ کا وقت نہ آجائے صلوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوسکتی۔ ذکر اللہ، یادالٰہی ہر آن کرنے کا کام ہے جو ہر لحظہ، ہر جگہ اللہ کی عظمت کو یاد رکھنے کا سبب ہے۔ جب ہر بات میں عظمت الٰہی کا احساس ہو، ہر کام میں اللہ کی یاد موجود ہوتو ہر کام اللہ کی اطاعت میں کرنے کی توفیق ارزاں ہونے لگتی ہے۔آپس کی محبتیں پروان چڑھتی ہیں۔ فرمایا: جب ممنوع امور سے اجتناب نہیں کروگے تو پھر آپس میں دشمنیاں پھوٹ پڑیں گی۔ایک دوسرے کا مال لوٹنے لگو گے اور تم سے ذکر اللہ یعنی اللہ کی یاد بھی چھوٹ جائے گی اور صلوٰۃ یعنی اللہ کی عبادت بھی چھوٹ جائے گی۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴿۹۱﴾ کیا اب باز آجاؤ گے؟ یہ سب کچھ جانتے ہوئے کیا تم باز آنا چاہتے ہو؟ اس سب سے آگاہ ہونے کے بعد تمہیں باز آجانا چاہیے۔

آیہ مبارکہ کی روشنی میں ملکی مسائل کا وقتی علاج اور مستقل حل:

کسی بھی مرض کے علاج کے لئے اس مرض کے اصل سبب کو تلاش کرنا اور اس سبب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہی مستقل حل ہے۔ دوران علاج وقتی سکون اور آرام کے لئے دوادینا علاج کی ایک صورت ہے۔ پہلے اطباء اسی طریقے سے بیماریوں کو جڑ سے نکال دیتے تھے۔مثلاً کسی کو بخار ہوتا تو اس کے معدے کا علاج کرتے۔ ہاضمہ درست ہوجاتا تو بخار بھی اتر جاتا تھا۔ جدید طریقہ علاج میں دوادی جاتی ہے وقتی طور پر بخار اتر جاتا ہے چند گھنٹوں بعد دوبارہ چڑھ جاتا ہے یعنی علامات کا علاج ہوتا ہے اصل سبب کا نہیں۔ آج کی دہشت گردی کا علاج بھی ہم اسی طرح کرتے ہیں حالانکہ ضروری یہ ہے کہ وقتی علاج کے ساتھ ساتھ مستقل علاج بھی کیا جائے۔ اپنی دانست میں حکومت نے دہشت گردی کا یہ علاج ڈھونڈا ہے کہ مالاکنڈ سوات میں فوج بھیج دی جائے۔فوج نے وہاں امن قائم کیا۔ اچھا کام کیا لیکن کیا فوج ہمیشہ وہاں مقیم رہے گی؟ جب بھی واپس آئے گی وہی حال ہوجائے گا، اب یہ مرض صرف وزیرستان تک محدود نہیں رہا پورے ملک میں پھیل چکا ہے۔کوئی مسجد، مدرسہ، بازار، سکول محفوظ نہیں تو کیا فوج میں اتنا اضافہ کیا جانا اس کا علاج ہے کہ فوج ہر سکول ہر بازار اور ہر کونے میں پہرہ دے؟ اس مرض کا مستقل علاج یہ ہے کہ حکومت لوگوں کا مال ظلماً لینا چھوڑ دے۔لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرے۔ اللہ نے جس کا جو حق رکھا ہے اسے وہ دیا جائے۔ ہمارا اصل مسئلہ ناانصافی ہے اور اس کا حل انصاف کرنا ہے۔ ملک میں اس وقت انصاف کا یہ عالم ہے کہ لوگ مساجد میں غیر محفوظ ہیں۔ ہر آن دہشت گردی کا خطرہ ہے اور ایک ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار کی حفاظت پر کروڑوں روپے خرچ ہورہے ہیں۔ بلٹ پروف گاڑیاں ہیں۔سینکڑوں محافظ محض چند افراد کی حفاظت کے لئے کروڑوں کا

اسلحہ لئے متعین ہیں اور ملک کی کروڑوں کی آبادی دہشت گردی کی زد میں ہے۔ یہ کون سا انصاف ہے کہ امراء کے محلات پر پہرے لگے ہوں اور عوام کے بچوں کے سکول دھماکوں سے اڑائے جا رہے ہوں؟ اگر حکومت یہ بے انصافیاں ختم نہیں کرے گی تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ جس جھاڑی پر کانٹے لگے ہوں اور زہریلے پھول اُگتے ہوں اس کے چند پھول اور کانٹے، کاٹنے سے بات نہیں بنے گی اگلے موسم میں وہ پھر اگ آئیں گے۔ جب تک اس پودے کو جڑوں سے نہیں اکھاڑیں گے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

سب سے بہتر علاج:

سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ اللہ کریم کا عطا کردہ، اللہ کے رسول ﷺ کا لایا ہوا نظام نافذ کردیا جائے ہم سب مسلمان ہیں اور ہم نے یہ ملک اسی وعدے پر حاصل کیا تھا۔ لیکن انگریز کے چلے جانے کے بعد بھی ہم آزاد نہیں ہوئے اس لئے کہ انگریزوں نے برصغیر کی پوری آبادی پر غلامانہ نظام مسلط کیا جس کے تحت عوام کام کرتے اور آمدن تاج برطانیہ کو جاتی تھی۔ انگریز چلا گیا لیکن ہم پچھلے باسٹھ سال سے جکڑے ہوئے ہیں۔ پورا ملک غلام ہے اور انگریز حکمرانوں کی جگہ مقامی آقا مسلط ہیں۔ اب پورا ملک مشقت کرتا ہے اور حکمران ٹیکسوں کی بھرمار کرکے اس پیسے سے عیاشی کرتے ہیں۔ میری ذاتی رائے میں ہم پر لاگو نظر نہ آنے والے ٹیکس ستر فی صد سے بھی زیادہ ہیں۔ یعنی جو چیز ہم سو روپے میں خریدتے ہیں اگر ان پر اتنے ٹیکس نہ ہوں تو وہ چیز تیس روپے میں مل سکتی ہے۔ اتنے زیادہ ٹیکس اس لئے لگائے جاتے ہیں تاکہ حکمران کروڑوں، اربوں میں کھیلیں۔ ہم غلاموں کے یہ دیسی آقا ملکی سرمایہ جمع کرتے ہیں۔ ملک سے باہر لے جاتے ہیں۔ باہر ہی کارخانے لگاتے ہیں۔ باہر ہی دولت جمع کرتے ہیں۔ بچوں کو باہر ہی پڑھاتے ہیں اور ان کے اہل وعیال بھی باہر ہی رہتے ہیں۔ ان کے گھر بھی پاکستان سے باہر ہیں جس کو اقتدار ملتا ہے وہ وہاں سے یہاں آجاتا ہے۔ پاکستان دنیا کا وہ ملک ہے جس پر ابھی تک غیر ملکیوں کی حکومت قائم ہے۔ پہلے انگریزوں کی تھی اب پاکستان میں پیدا ہونے والے غیر ملکیوں کی ہے جو پیدا تو پاکستان میں ہوئے لیکن ان کے گھر اور کارخانے باہر ہیں۔ ہندوستان بھی ہمارے ساتھ آزاد ہوا تھا انہوں نے انگریز کا نظام مکمل طور پر تو نہیں بدلا لیکن جہاں جہاں ضرورت سمجھی تبدیلی کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تو مجبوری ہے کہ ان کا مذہب انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔ انہیں کوئی رہنمائی حاصل نہیں لیکن انہیں جہاں بھی اس غلامانہ نظام نے تکلیف دی انہوں نے اسے تبدیل کرکے اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لیا۔ ہمارے ہاں کہنے کو سب مسلمان ہیں اور کسی کو اسلام سے رہنمائی لے کر غلامانہ

نظام کی جگہ اسلام کا عادلانہ نظام نافذ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اگر دہشت گردی ختم کرنا ہے تو اس کا مستقل علاج کرنا ہوگا۔ اس کے اصل سبب کو ختم کرنا ہوگا لیکن حکمران کی ابھی تک یہی کوشش ہے کہ اس غلامانہ نظام کو جمہوریت کا نام دے کر جاری رکھا جائے۔ لوگوں کا منہ بند کر دیا جائے یا پھر انہیں گولی سے اڑا دیا جائے۔ دہشت گردی، جہالت، پس ماندگی سب کا علاج صرف ایک ہے۔ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے نظام کو نافذ کر دیا جائے جس میں ہر انسان کے حقوق ہیں۔ جب ہر ایک کو حقوق مل جائیں گے تو کون ظلم کرے گا؟ حق تو صرف یہی ہے اور اگر یہ نہیں کرتے تو پھر کسی مغربی ملک کا وہ نظام قائم کر دو جس میں زندہ رہنے کی گنجائش تو ہو۔ اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر مار کر دیکھ لو کہ کب تک جنگ سے جنگ ختم ہوتی ہے۔ کب تک آگ کو آگ سے بجھاتے ہو؟ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنیاں پیدا کر دے اور تم ایک دوسرے کے گلے کاٹتے پھرو۔ کیا آج شیطان یہی کھیل نہیں کھیل رہا؟ ملک کا ایک بڑا طبقہ شراب بھی پیتا ہے۔ جوا بھی کھیلتا ہے، لاٹری بھی رائج ہے، رشوت، دھوکے اور ظلم کا بازار گرم ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کسی ظالم کا احتساب نہیں، عام آدمی معمولی جرم میں شدید سزا کا مستحق بنتا ہے اور جو اربوں روپے کھا جائے، لاکھوں آدمیوں کی قسمت سے کھیلے ملکی وسائل تباہ کرے، ملک سے غداری کرے، ہزاروں لاکھوں کی جانوں سے کھیلے، کثیر تعداد میں لوگوں کو قتل کرے، اس کے لئے معافی نامہ آ جاتا ہے۔ اس کے قرضے معاف ہو جاتے ہیں، ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اگر یہ حال ہوگا تو پھر نتائج بھی ایسے ہی ہوں گے۔ آج کی دہشت گردی شیطان کا کھیل ہے۔ وہ یہی چاہتا ہے کہ تمہیں مُسکرات اور جوئے وغیرہ کے ذریعے دشمنی میں مبتلا کر دے۔ اللہ کی یاد بھلا دے اور اللہ کی عبادت سے روک دے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہی اللہ کی اطاعت ہے:

فرمایا: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اللہ کریم کی اطاعت کرو کہ کائنات اس کی ہے۔ تمام نعمتیں اس کی ہیں۔ انسان کو اس کائنات میں رہنے کے لئے تھوڑی سی مہلت ملی ہے۔ یہ اللہ کی مہمان سرائے ہے۔ اس میں نعمتوں کے خوان سجے ہیں۔ یہاں انسان کو ہر نعمت اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرنی ہے۔ یہاں اپنا وقت اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق پورا کرنا ہے۔ اور یہ ضابطے بتانے والی ذات محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ لہٰذا فرمایا وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ یہ منصب رسالت ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ ہی وہ ہستی ہے جو بتاتے ہیں کہ اللہ کا حکم کیا ہے؟ کیا کام کرنے سے اور کس طریقے سے

کرنے پر اللہ کریم راضی ہوں گے اور کس کام سے خفا ہوں گے؟ یہی بات قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد فرمائی گئی۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ O النساء: 80 جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی کہ اللہ کا رسول ﷺ وہی حکم دیتا ہے جو اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O النجم: 3/4 آپ ﷺ کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتے۔ وحی الٰہی سے جو طریقہ آپ ﷺ تک پہنچتا ہے وہی امت تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا اس دنیا میں اگر باعزت، خوش حال اور پرسکون رہنا چاہتے ہو اور اس کے بعد آنے والی دائمی زندگی میں بھی عزت واحترام سے رہنا چاہتے ہو تو صرف ایک راستہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرلو۔ وَاحْذَرُوْا اور عدم اطاعت سے ڈرتے رہو۔ سخت احتیاط کرو کہ کسی بھی کام میں آپ ﷺ کے تعمیل ارشاد میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ یہ زندگی بہت مختصر سی مہلت ہے۔ لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ اس میں اللہ کی تقسیم بھی اپنی ہے۔ کسی کو اللہ نے بہت رزق دیا ہے۔ کسی کو کم دیا ہے۔ کسی کو کمزور بنا دیا ہے اور کسی کو طاقت وجوانی دی ہے۔ کسی کو قوت واقتدار دیا ہے اور کوئی مجبور و بے بس ہے۔ لیکن وہ ایسا کریم ہے کہ ہر ایک کے لئے ایک آسانی رکھ دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا البقرہ: 286 کسی کو اس کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا جو اس کے اختیار میں نہ ہو۔ اور جو اس کے اختیار میں ہو وہ کام محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق کرنا اس کے لئے لازم بھی ہے اور مفید بھی۔

اسلامی نظامِ حیات ہر ہر قوم کے لئے سربلندی کا باعث ہے:

اس ضمن میں علمائے کرام نے' اللہ ان کی قبریں روشن رکھے' لکھا ہے کہ اگر صرف احکام پہنچانا، عبادات بتانا، حلال وحرام کا بتانا ہی مقصد ہوتا تو پھر شاید ہجرت کی ضرورت پیش نہ آتی۔ جو آیہ کریمہ نازل ہوتی حضور اکرم ﷺ ارشاد فرما دیتے اور بس۔ لیکن بات یہاں مکمل نہیں ہوئی۔ ہر حکم کی عملی شکل اسوۂ حسنہ کی صورت میں رہتی دنیا تک کے لئے محفوظ ہے۔ اور یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ یہ اللہ کے رسولوںؑ کے حوصلے ہوتے ہیں کہ اللہ انہیں عزیمت عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اللہ کی تائید انؑ کے ساتھ ہوتی ہے۔ ورنہ مکے میں رہ کر مشرکین کے بتوں کو باطل کہنا اور اللہ کی توحید کی بات کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اور نہ یہ آسان کام تھا کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو بچپن سے موت تک کی زندگی کا سارا نصاب دے دیا جاتا۔ غیر مسلم دنیا کے احوال دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ملک کے قوانین ودستور ساتھ والے ملک کے لئے قابل عمل نہیں ہوتے۔ دانشور بڑی عرق ریزی سے چند ضابطے بناتے ہیں جب عملاً نافذ کرتے ہیں تو کئی کئی

ترامیم کرنا پڑتی ہیں۔ یہ کام انتہائی مشکل ہے کہ لوگوں کی عادات، ان کے مزاج، ماحول، رہن سہن کے اختلاف کے باوجود ایسا نظام دیا جائے جو روئے زمین کے ہر انسان کے لئے قابل عمل بھی ہو اور مفید بھی ہو۔ جو بیک وقت ہر قوم وملک کے لئے یکساں مفید ہو اور جس میں کبھی ترمیم کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ یہ نظام صرف اللہ ہی دے سکتا ہے اور اللہ کا رسول ﷺ ہی بیان کرسکتا ہے آج ہم پندرہویں صدی سے گذر رہے ہیں اور چودہ صدیوں کے طویل فاصلے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جہاں بھی، جو بھی اسلام پر عمل کرنا چاہے وہ سب سے سربلند رہتا ہے۔ آسانیاں بھی اسی کے لئے ہیں اور عزت واحترام بھی اس کا نصیبہ ہے۔ اسلامی نظام حیات ہر موسم، ہر ملک وقوم کے لئے صرف قابل عمل ہی نہیں بہترین عمل ہے۔ نبوت ورسالت کی یہی دلیل ایسی اٹل ہے جس کا کوئی جواب نہیں کہ بغیر اللہ کے عطا کئے بغیر نبی کریم ﷺ کے بتائے کوئی یہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ جو قانون اللہ نے عطا فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ نے اسے عملاً نافذ کر دیا۔

معاشرے کو اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے ریاست مدینہ عطا ہوئی:

علماء کرام لکھتے ہیں کہ دین حق بیان کرنے کی حد تک تو مکہ مکرمہ میں بیان ہو رہا تھا۔ اگر محض عقائد و اعمال کی کی تبلیغ ہی مقصود ہوتی تو شاید ہجرت کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اللہ کریم تو قادر ہے جس نے مدینہ منورہ میں ریاست بنادی وہ مکہ میں بھی بنا دیتا اور مکہ مکرمہ تو بعد میں فتح بھی ہو گیا اور اس پر اسلام بھی لاگو ہو گیا لیکن ہجرت مدینہ کے وقت مسلمان کمزور تھے، تعداد میں تھوڑے تھے وہ مکہ مکرمہ میں اپنا قانون نافذ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں ایک ایسا خطۂ زمین درکار تھا جہاں وہ اپنی مرضی سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اپنا پورا طرز حیات نافذ کرسکیں تو اللہ کریم نے مدینہ منورہ کو پسند فرمالیا۔ وہ اللہ جو آٹھ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح کرواسکتا تھا وہ ہجرت کے وقت فتح نہیں کرواسکتا تھا وہ تو قادر ہے جب چاہے اور جو چاہے کرے۔ اس کی حکمت ہے کہ اس نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک آزاد خطہ زمین عطا فرمادیا جس میں کوئی ان کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے وہاں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی کہ مسلمانوں کو کس طرح جینا ہے، کس طرح رہنا ہے، فوج، عدلیہ، پولیس، حکومتی ادارے، معیشت، تعلیم وتعلم اور معاشرت سب شعبوں کو ان کی جزئیات سمیت مکمل رہنمائی عطا فرمائی اور دین عملاً نافذ فرمادیا۔ کیا نصیب ہے انصار مدینہ کا کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے۔ اہل مکہ طاقتور تھے لیکن حضور اکرم ﷺ کی قدر شناسی سے کورے تھے۔ اہل مدینہ نے حاضر خدمت ہو کر منت سماجت کی کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائیں ہم جانیں اور اولاد قربان

کر کے آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ اللہ کریم نے ان کا خلوص قبول فرمالیا اور اپنے حبیب ﷺ کی رفاقت ہمیشہ کے لئے ان کے حصے میں کر دی لیکن یہ خطۂ زمین عطا ہوا جس پر پوری طرح احکام الٰہی کی تنفیذ ہوئی وہاں اگر جرم ہوا تو اللہ کے قانون کے مطابق انصاف مہیا کیا گیا۔ کمانے سے لے کر خرچ کرنے تک، رشتے ناتے جوڑنے سے لے کر دوستی دشمنی تک ہر کام نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور طریقے کے مطابق ہوا۔ غرض زندگی صبح سے شام اور شام سے صبح تک اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھل گئی۔

حیرت ہوتی ہے آج کی مسلمانی پر۔ آج تو حج پر جانے والوں کے گلے شکوے ہی ختم نہیں ہوتے۔ ہندوستان کے ایک عالم دین نے کسی ٹی وی چینل پر تقریر کے دوران بہت خوبصورت تقابل کیا۔ فرمانے لگے صحابہ کرامؓ کیسے عجیب لوگ تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ حضور اکرم ﷺ حج پر جا رہے ہیں تو ساتھ ہو لئے اور لاکھوں لوگ جمع ہو گئے۔ ان کے پاس نہ آج کی طرح کی پرآسائش سواریاں تھیں نہ وافر زادراہ تھا۔ ضروری زادِراہ لے کر نکل کھڑے ہوئے انہیں حضور اکرم ﷺ کی معیت چاہیے تھی ان کے لئے لوازم سفر کا پُرآسائش ہونا اہم نہ تھا۔ علماء حضور اکرم ﷺ کی رفاقت میں حج کرنے والوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ بتاتے ہیں یہ وہ تعداد تھی جو حجۃ الوداع پر میدان عرفات میں موجود تھی اور جو صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ ساتھ نہ جا سکے وہ الگ تعداد ہے۔ ہندوستانی عالم دین نے جو بات کہی وہ بہت خوبصورت کہی کہنے لگے کہ عجیب بات ہے وہ لوگ فاقہ مست ہیں، کھانا پینا قلیل ہے، کسی کے پاس گھوڑا ہے یا اونٹ، کوئی پیدل ہے، پاؤں زخمی ہیں، بال گرد آلود ہیں لیکن جو کلمۂ شکر ان کے منہ سے نکلتا ہے وہ ایسا قیمتی ہے کہ اسے لینے کے لئے ملائکہ دوڑتے ہیں اور ایک ہم آج کے حاجی ہیں ہوائی جہاز کے فرسٹ کلاس میں جاتے ہیں، ائرپورٹ پر ٹرانسپورٹ منتظر ہوتی ہے، بہترین ہوٹل میں کھانے پینے اور رہائش کا بہترین انتظام ہے لیکن ہمارے منہ سے کلمہ شکر ادا نہیں ہوتا جس سے پوچھو اسے اللہ سے شکایت ہے، لوگوں سے شکایت ہے، اپنی تکلیفوں کا شکوہ ہے کہ مجھے یہ تکلیف ہوئی اور یہ دکھ لگ گیا۔ وہ کیا لوگ تھے! وہ بھی مسلمان لوگ تھے۔ اور ہم بھی مسلمان کہلاتے ہیں!!!

حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع پر فرمایا: **فلیبلغ الشاھد منکم الغائب** کہ میں نے جو بات تمہارے سامنے ارشاد فرمادی ہے یہ میری طرف سے اللہ کی مخلوق کو پہنچا دو تو صحابہ کرامؓ نے یہ نہیں سوچا کہ مجھے کہاں جانا چاہیے؟ کہاں میری واقفیت ہے؟ میں وہاں جاؤں جہاں لوگ مجھے جانتے ہوں یا یہ کہ میں کس کے پاس ٹھہروں گا؟ بلکہ کوئی اونٹ پر بیٹھا تھا یا گھوڑے پر جس طرف سواری کا رُخ تھا اس طرف چل

پڑا کہ آگے جو بستی بھی آئے گی وہاں لوگوں کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچاؤں گا اور صحابہ کرامؓ بھی اسی لئے سرفراز تھے۔ اس وقت بھی دنیا میں بڑی طاقتور اور عظیم سلطنتیں آباد تھیں۔ آج بھی دنیا میں جس کے پاس تھوڑی بہت قوت ہے اسے سپر پاور کہا جاتا ہے حالانکہ سپر پاور کی اصطلاح کسی دنیاوی طاقت کے لئے استعمال کرنا ہی غلط ہے اس لئے کہ سپر پاور تو صرف ایک ہستی ہے۔ اللہ اکبر! ساری قوت و طاقت صرف اللہ کی ہے۔ سب بڑائی اللہ کے لئے ہے۔ سب اللہ کے محتاج ہیں۔ اس وقت کی مادی طاقتیں آج کی مادی طاقتوں سے زیادہ طاقتور تھیں۔ اس وقت جنگ کی قوت اسلحہ اور سپاہ تھی۔ تلوار اور افراد کی جنگ تھی۔ قیصر و کسریٰ جیسی عظیم طاقتیں بیٹھی تھیں قیصر کے ایک ایک گورنر کے ماتحت ڈیڑھ لاکھ شمشیر زن سپاہ تھی۔ کسریٰ کی ریاست قدیم اور بڑے لاؤ لشکر رکھنے والی قوت تھی لیکن حضور اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک کو سن کر وہ سانڈھنی سوار، دبلے پتلے گھوڑوں پر سوار اور پھٹے پرانے کپڑوں والے چل پڑے اور اس مشن کو لے کر بڑھتے چلے گئے۔ اس حکم مبارک کے ارشاد فرمانے کے کچھ مہینے اور کچھ دن بعد حضور اکرم ﷺ تو دنیا سے پردہ فرما گئے لیکن صحابہ کرامؓ نے تیئیس برسوں میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک، ہسپانیہ سے بنگالہ تک، چین سے سائبریا، افریقہ تک ہر جگہ اللہ کی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور خود کو سپر پاورز کہلانے والی طاقتیں یوں بہہ گئیں کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ یوں صحابہؓ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ تبلیغ سے مقصود محض عقائد و اعمال کی تبلیغ نہیں ہے۔ تبلیغ کا حق یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو فرد کی ذاتی زندگی پر اور معاشرے کی مجموعی زندگی پر لاگو کیا جائے۔ اسی لئے ہجرت مدینہ ہوئی تھی ہجرت کی بے شمار حکمتیں ہوں گی لیکن ایک بڑی وجہ نفاذ اسلام تھا۔

ایک ہم ہیں۔ ہم نے بھی ہجرتیں کیں۔ ہمارے پاس بھی مہاجر آئے۔ ہم نے بھی ملک تقسیم کیا۔ ہمیں بھی بتایا گیا کہ مسلمانوں کو ایک آزاد خطہ زمین چاہیے جہاں اسلام کے مطابق اپنے عقیدے اور ایمان کے مطابق اپنا معاشرہ قائم کر سکیں اس مقصد کے لئے لوگوں نے محنتیں کیں، قربانیاں دیں، لاکھوں خاندان لٹ گئے اور مسلمانوں کی عزتیں برباد ہوئیں۔ کیا یہ ساری قربانیاں اس لئے دی گئی تھیں کہ انگریز کا غلامانہ نظام مسلط رہے۔ چند لوگ عیش کرتے رہیں اور باقی لوگ پستے رہیں اور ظلم بدستور جاری رہے۔ کتنی بدقسمتی ہے کہ ہمارے خود ساختہ لیڈر اور سیاسی رہنما ہی نہیں دینی عالم بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ انگریز کا بنایا ہوا غلامانہ نظام ختم کرو اور اسلام کا آبرومندانہ نظام نافذ کرو۔ سب یہی کہتے ہیں جمہوریت کو سنبھالا دو حالانکہ وطن عزیز میں ہم نے ہمیشہ شخصی حکومتیں ہی دیکھی ہیں۔ جو آتا ہے اس کا طوطی بولتا ہے باقی اس کے گرد خوشامدی ہوتے ہیں۔

ان میں سے کسی کا نام وزیر ہوتا ہے کسی کا نام سفیر۔ سب عہدوں کے بس نام ہی ہوتے ہیں۔ مرکز میں طاقت کا محور ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ وہ فوجی ہو یا سویلین فوجی ڈکیٹیٹر ہوتا ہے یا سویلین ڈکیٹیٹر۔ باسٹھ سالوں میں ہم نے تو شخصی حکومتیں ہی دیکھی ہیں جن کا نام جمہوریت رکھا ہوا ہے۔ جس طرح سود کا نام مارک اپ یا منافع رکھ لیتے ہیں اسی طرح آمریت کو جمہوریت کہہ دیتے ہیں۔ کیا خنزیر یا کتے کا نام بکرا رکھ دیا جائے تو وہ واقعی بکرا بن جائے گا؟ یہاں کسی کو معلوم نہیں کہ جمہوریت ہے کیا؟ قبل بعثت کی تاریخ نکال کر تحقیق کرلیں سب جگہ شخصی حکومتیں ہی تھیں۔ طاقتور ہی کی حکومت تھی۔ رائے دہی کا حق تو اسلام نے دیا۔ یہ آزادی تو اسلام نے دی کہ فرد کو رائے دینے کا حق ہے، بات کرنے کا حق ہے۔ خواتین کو باعزت مقام اسلام نے دیا۔ حقیقی جمہوریت اسلام نے روشناس کروائی۔

مغربی اقوام میں امن کا سبب:

کہا جاتا ہے کہ مغربی اقوام مسلمان نہیں ہیں۔ مشرق بعید والے بھی مسلمان نہیں ہیں لیکن وہاں بڑا امن ہے۔ لوگ طریقے سلیقے سے رہ رہے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ بجا! لیکن ایک بات میری بھی یاد کرلیجیے جب ظہور اسلام ہوا تو یہ مشرق اور مغربی ممالک دنیا کے نقشے پر موجود تھے تاریخ سے ثابت کیجیے کہ کہاں امن تھا؟ کیا امریکہ میں امن تھا؟ کینیڈا، فرانس، جرمنی، یورپ سکینڈے نیویا، انگلینڈ، وسط ایشیاء، چین، جاپان، کس جگہ امن تھا؟ یہ سب وحشی اقوام تھیں امریکی انسانوں کا شکار کر کے پکا کر کھا جاتے تھے۔ برصغیر میں عورتوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ آج اگر برطانیہ، یورپ، جاپان، میں امن وانصاف ہے تو یہ بات دیکھنی پڑے گی کہ بعثت نبوی ﷺ اور نفاذ اسلام کے بعد انہوں نے کتنی چیزیں اسلام سے لے کر اپنے نظام میں داخل کیں۔ حضور اکرم ﷺ کے احکام میں یہ برکت ہے کہ اگر کافر بھی انہیں اپنالے تو اسے اس عمل کا دنیاوی فائدہ ضرور ہوگا۔ جس طرح کسی کافر کو ٹھنڈا اور صاف پانی دیں تو اس کی پیاس بجھے گی اور صحت اچھی ہوگی اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے نظام پر اگر کافر اقوام بھی عمل کریں گی تو ان کا معاشرہ پُرامن ہو جائے گا۔ ان کے معاشرے کو دیکھ لیں تجارت کے اصول انہوں نے اسلام سے لئے، عدالت اور غریب پروری کے اصول اسلام سے لئے اور ان شعبوں میں وہ کامیاب ہوگئے۔ جہاں کہیں انہوں نے اسلامی اصولوں سے روگردانی کی ہے وہاں نتائج بھی بھیانک نکل رہے ہیں۔ مثلاً معاشی نظام میں سود کو روا رکھا ہے تو ان کے عوام اس نظام کی چکی میں بری طرح پس رہے ہیں۔ امیر، امیر تر ہوتا جارہا ہے اور غریب، غریب تر۔ نیویارک،

لندن اور فرانس جیسے شہروں میں عوام فٹ پاتھ اور پلوں کے نیچے راتیں بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اسی طرح انہوں نے شراب نوشی کو جاری رکھا ہے اور اس معاملے میں اسلام کی رہنمائی اختیار نہیں کی تو اس کے نتائج بھی وہ بھگت رہے ہیں۔ عورت کو اس کے مقام سے دور رکھا ہے اور اسلامی احکام کی پرواہ نہیں کی تو انسانی رشتوں کے تقدس اور پیار سے وہ یکسر محروم ہو چکے ہیں۔ آج مغرب کا مفکر اعتراف کرتا ہے کہ ہم چاہیں بھی تو آج کی عورت کو واپس نہیں لا سکتے۔ یعنی جہاں جہاں انہوں نے اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے وہاں وہ اس کے نتائج کو بھی بھگت رہے ہیں اور جہاں وہ اسلام کے احکام کی رہنمائی لیتے ہیں وہاں وہ کامیاب ہیں ظاہر ہے پھر دنیوی غلبہ تو انہی کو حاصل ہوگا۔ یہ کامیابی اسلامی اصولوں سے مستعار لی گئی ہے۔ اور جہاں انہوں نے ظلم کیا ہے وہاں وہ شکست سے دوچار ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ویت نام اور کوریا جیسے چھوٹے ممالک سے مار کھا کر امریکہ کے دانت کھٹے ہو گئے کس کو امید تھی کہ عراق امریکہ کے مقابل جم کر کھڑا رہے گا؟ افغانستان میں چھتیس ممالک مل کر زور لگا چکے۔ شکست ان کا مقدر ہو چکی۔ مقابلہ کرنے والے سخت جان اور مضبوط ایمان والے ہیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادی جتنا ظلم چاہے کر لیں نتیجہ ان کے خلاف ہی نکل رہا ہے اس لئے کہ وہ ظلم کی روش پر چل رہے ہیں۔ امریکہ کی یہ کتنی بڑی رسوائی ہے کہ ویت نام ہو یا کوریا عراق ہو یا افغانستان ہر جگہ اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ سپر پاور تو صرف اللہ ہے اس کے راستے سے ہٹ کر زندگی گزارنے والا کیسے فتح یاب ہو سکتا ہے؟

سو فرمایا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر سربلندی چاہتے ہو تو ذات سے لے کر قوم تک ذاتی معاملات ہوں، خانگی امور ہوں، قومی اُمور ہوں یا بین الاقوامی امور ہر جگہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔ وَاحْذَرُوْا اس بات سے ڈرتے رہو۔ اس لئے کہ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۹۲﴾ اگر تم نہیں کرو گے تو اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ نہ عظمت رسول اللہ ﷺ میں رائی برابر فرق آئے گا بلکہ تم یقیناً دنیا میں رسوا ہو جاؤ گے اور آخرت کی ناکامی بھی تمہارے گلے پڑ جائے گی۔ اگر کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع سے رخ پھیر لے گا تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ میرے نبی کریم ﷺ کا کام تھا کہ حرف بحرف حق تم تک پہنچا دیتے اور وہ انہوں نے پہنچا دیا۔ اپنا حق تبلیغ ادا کر دیا۔ اسلامی ریاست بنا کر، اسلامی احکام معیشت، عدالت معاشرت وحکومت غرض اسلام کے تمام شعبوں کو عملاً نافذ کر کے ریاست چلا کر تمہیں ثابت کر دیا کہ عرب کے وہ خانہ بدوش جنہیں سوائے خانہ جنگی کے کچھ نہ آتا تھا وہ اسلامی نظام کے نفاذ

کی بدولت روئے زمین پر غالب قرار پائے۔ تاریخ بھی تمہارے سامنے ہے اور حال بھی سامنے ہے لہٰذا اگر سلامتی، عزت، وقار اور دونوں جہان کی سرخروئی چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرلو۔ اپنے آئین و دستور، اپنے طور طریقے، اپنے کاروبار کے انداز اپنی معیشت و سیاست، اپنی فوج، پولیس اپنی ذاتی زندگی، گھریلو زندگی، قومی وبین الاقوامی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کے تابع کرلو۔ سلامتی کا صرف ایک ہی راستہ ہے اس سے باہر جس طرف بھی جاؤ گے رسوا بھی ہو گے نقصان بھی اٹھاؤ گے۔ اس دنیا میں تکلیف بھی ہوگی اور آگے پرسش بھی ہوگی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ اس ممانعت سے پہلے جو کھا پی چکے ان پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔ آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ جس معاشرے میں مبعوث ہوئے وہ روئے زمین کی تقریباً تمام برائیوں کا مرکز بن چکا تھا۔ اور ہر طرح کی قباحتیں اس میں موجود تھیں اور جو چیزیں اسلام نے حرام کیں وہ پہلے سے ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں اگرچہ ان میں ایسے لوگ موجود تھے جو اس زمانے میں بھی شرک سے مجتنب رہے اور اس زمانے کی برائیوں سے اللہ نے انہیں محفوظ رکھا۔ بالخصوص خلفائے راشدین اور اصحاب کبارؓ عہد جاہلیت میں بھی ان برائیوں سے بچے رہے لیکن پھر بھی لوگوں کی ایک کثیر تعداد ایسی تھی جو اس معاشرے کی ہر برائی میں حصہ دار تھی۔ چنانچہ اللہ کریم نے اپنے کرم کا اظہار فرمایا کہ ایسے لوگ جب توبہ کرلیں، ایمان لے آئیں تو ایمان لانے سے قبل جو کھا پی چکے اس کا ان پر کوئی گناہ نہیں۔

نبی رحمت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت:

حبیب کبریا رحمۃ للعالمین ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو بھی اور جب بھی آپ ﷺ کا دامن تھام لے اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن ہو جاتی ہے وہ خواہ کتنی کوتاہیاں کر چکا ہو، کتنے گناہوں کا ارتکاب کر چکا ہو، اس سے کتنا ہی کفر و شرک سرزد ہوا ہو، جو بیت گیا سو بیت گیا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا اظہار ہے کہ جس لمحے اس نے دامانِ محمد رسول اللہ ﷺ تھاما اسی لمحے اس کی ساری خطائیں معاف ہوگئیں اور دوسری زندگی نئے سرے سے شروع ہوئی۔ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت آج بھی موجود ہے کوئی بڑے سے بڑا کافر و بدکار خواہ کچھ بھی کر چکا ہو کفر و شرک سے توبہ کرے لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے اسلام قبول کرتا ہے دل میں اس کی تصدیق کرتا ہے تو اسکی پہلے کی ساری خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ اگر کافر پر یہ رحمت ہے تو مومن پھر مومن ہے۔ کسی

بھی لیے خلوص دل سے قبول کرے تو وہ اس کی پہلی تمام خطاؤں کو معاف کرنے کے لئے کافی ہے۔

مومن موت کے وقت بھی توبہ کرے تو قبول ہو جاتی ہے:

مومن گناہگار، برزخ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر برزخ منکشف ہو جائے تو بھی مومن کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ جبکہ کافر و مشرک کا ایمان ہی آخرت پر نہیں ہوتا اس لئے کافر کی توبہ برزخ کے منکشف ہو جانے کے بعد یا فرشتے نظر آ جانے کے بعد قبول نہیں ہوتی۔ چونکہ ایمان کے لئے ایمان بالغیب درکار ہے تو دوزخ یا عذاب کو دیکھ کر سب ہی مان جائیں گے لیکن وہ ماننا عنداللہ مقبول نہیں۔ اس طرح تو فرعون بھی جب غرق ہونے لگا تو کہنے لگا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ یونس:90 میں ایمان لایا اس اللہ پر جس پر بنواسرائیل ایمان لائے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔ اس پر اللہ کریم کا ارشاد ہوا آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ○ یونس:91 اب ایمان لاتے ہو جب آخرت منکشف ہوگئی اور جب تمہارے پاس مہلت تھی اس وقت تم کفر اور سرکشی کرتے رہے۔

مسلمان کو یہ رعایت ایمان بالغیب کی بدولت نصیب ہوتی ہے کہ وہ اگر عندالموت بھی توبہ کرے تو توبہ قبول ہو جاتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ مسلسل گناہ اور برائیوں میں غرق رہنے کو پسند کرنے والے میں ایسی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں کہ توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ مجھے ایک شخص کا واقعہ یاد ہے جو بدکار نہیں تھا لیکن سود کو نہیں چھوڑتا تھا۔ اس زمانے میں ڈاک خانے میں سود پر رقم دینے لینے کا کام ہوتا تھا۔ اسے بہت سمجھایا جاتا تھا لیکن باز نہیں آتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا کہ تم اچھے بھلے شریف آدمی ہو سود کیوں لیتے ہو؟ اس کے جواب کا مفہوم یہ تھا کہ میں سود خود نہیں کھاتا لے کر غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ میں نے اسے سمجھایا کہ یہ کیسی نیکی ہے کہ اپنے گھر تو بکرے کا گوشت لے کر جاؤ اور غریب کو کتے کا گوشت کھلاؤ۔ سود بہر حال حرام ہے اسے چھوڑ دو۔ پھر بات آئی گئی ہوگئی۔ کچھ عرصے بعد وہ فوت ہوگیا۔ حکیم صاحب جو اسے دیکھنے گئے فرماتے ہیں کہ اسے پیٹ میں شدید درد تھا بڑی تکلیف سے ہائے ہائے کر رہا تھا حکیم صاحب فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا یہ وقت ہائے ہائے کرنے کا نہیں توبہ کرنے کا ہے۔ توبہ کرلو۔ وہ کہنے لگا جی تو چاہتا ہے کہ توبہ کروں لیکن میرے منہ سے یہ الفاظ ادا نہیں ہو رہے۔

یہ اثر ہوتا ہے مسلسل برائی اور ایسے کردار کا کہ توبہ کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے تو یہاں ارشاد فرمایا کہ

نزولِ حکم سے پہلے اگر کسی سے کوئی غلطی ہوئی۔ جواء کھیلا، شراب پی معاف کر دیئے گئے لیکن شرط یہ ہے کہ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔

حسنِ کردار کے تربیتی مراحل:

1۔ **وَاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ**: قرآن حکیم میں جہاں ایمان کا ذکر آتا ہے وہاں **عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے اس لئے عمل صالح کے بغیر ایمان کا کوئی گواہ نہیں۔ ایمان ایک دعویٰ ہے اور ہمارا کردار اس کا گواہ ہے۔ ہمارا کردار ہمارے ایمان کی گواہی دیتا ہے کہ بندہ فرائض کے وقت فرائض ادا کرتا ہے، سنن کی پابندی کرتا ہے، سچ بولتا ہے، محنت کرتا ہے، حلال کھاتا ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا، برائی نہیں کرتا اور عمل صالح کرتا ہے۔ اتباع رسالت ہی عمل صالح ہے تو ایمان کی شرط یہ ہے کہ جب اللہ ایمان نصیب کرے تو بندے کا کردار حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے تابع ہو جائے۔

2۔ **دامانِ رسالت کو تھامنا**: قرآن حکیم نے خوبصورت ترتیب بتائی ہے کہ بندہ ایمان لے آتا ہے۔ ایمان کیا ہے؟ دامان پیغمبر ﷺ سے وابستہ ہو جانا پھر وہ اس طرح عمل کرتا ہے جیسے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ دامن تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتا جائے۔ اب جب بحمد للہ ہمارے ہاتھ میں دامانِ محمد ﷺ آ گیا تو ہم اگر پیچھے پیچھے چلیں گے تو دامنِ پاک ہاتھ میں رہے گا۔ جہاں سے ہم راستہ بدلیں گے دامن چھوٹ جائے گا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اگر دامن ہاتھ میں رہے گا تو ہر لحہ ترقی ہوتی رہے گی۔

3۔ **تقویٰ نصیب ہونا**: فرمایا **اِذَا مَا اتَّقَوْا** بندے نے اعمال صالح کئے اسے ان کے طفیل قرب الٰہی نصیب ہوا تقویٰ نصیب ہوا۔ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ سے ایسا تعلق کہ بندہ خیالوں میں بھی اس کی نافرمانی سے ڈرتا رہے۔ یہ سوچ کر بھی اسے ڈر لگے کہ اس کے کسی عمل سے کہیں اللہ کریم اس سے خفا نہ ہو جائیں۔ ایسے لوگ متقی ہوتے ہیں۔ ان کی خصوصیت ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے اور آپ ﷺ کے نقشِ کف پا کو اپنا قبلہ بنا کر چلتے ہیں۔

4۔ **دامانِ رحمت ﷺ کے سائے میں مزید عمل صالح کرنا**: انہیں تقویٰ نصیب ہوتا ہے ان کا اللہ کریم سے ایسا رشتہ بن جاتا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کا سوچتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں مزید اعمال صالح کی توفیق ملتی ہے۔ وہ مزید دامن رحمت کے سائے میں چلتے ہیں۔ کیفیت تقویٰ میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

جوں جوں اللہ سے تعلق بڑھتا چلا جاتا ہے توں توں اتباع رسالت ﷺ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتباع رسالت ﷺ کے طفیل اللہ کے ساتھ قرب کی کیفیت بھی مزید بڑھتی چلی جاتی ہے۔

5۔ درجہ احسان کو پالینا: فرمایا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا حتیٰ کہ درجہ احسان پر لے جاتا ہے درجہ احسان کیا ہے؟ حضور الٰہی اور حضور حق کے شعور کو پالینا۔ اللہ کے حضور حاضر ہونے کی کیفیت کو پالینا۔ حدیث احسان میں ملتا ہے کہ جبرئیل امینؑ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ فرمایئے احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **ان تعبد اللہ کانك تراہٗ فان لم تکن تراہٗ فانہٗ یراك او کماقال رسول اللہ** ﷺ درجۂ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کو روبرو پاکر اس کی عبادت کرو۔ عبادت بہت وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے۔ عبادت فرائض عبادات اور عملی زندگی کے امور دونوں پر محیط ہے۔ کسی کو اللہ درجۂ احسان نصیب کرے تو اس کا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے اس لئے کہ وہ ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق اور نبی کریم ﷺ کے تابع ہوئے طریقے کے مطابق کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس کی بہترین مثال ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں انؓ کے بارے ارشاد ہوتا ہے **تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا** ۡO الفتح: 29 کہ تو انہیں جب بھی دیکھتا ہے وہ رکوع وسجود میں ہی ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جہاد کئے، ممالک فتح کئے، ممالک کا انتظام وانصرام کیا، سیاست وحکومت کی، شادیاں کیں، اولادیں ہوئیں، گھربار کی ذمہ داریاں پوری کیں، کاروبار وتجارت کئے، غرض مکمل عملی زندگی گذاری لیکن قرآن حکیم کے الفاظ میں وہ ہر لمحہ رکوع وسجود کی حالت میں گذارتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں درجۂ احسان نصیب تھا۔ وہ اللہ کریم کو سامنے محسوس کرتے ہوئے کام کرتے تھے۔ اس لئے ان کے سارے کام رکوع وسجود بن گئے۔ ان کے سارے کام عنداللہ ایسے ہوگئے جیسے وہ رکوع وسجود کررہے ہوں۔ رکوع وسجود کیا ہے؟ کائنات سے کٹ کر، رشتے ناتے بھول کر، کاروبار کی مصروفیات سے الگ ہوکر صرف اللہ کے سامنے جھک جانا اس کی تسبیح پڑھنا پھر زمین پر سر رکھ کر اس طرح اس کی عظمت بیان کرنا کہ ایک اللہ ہو اور اس کا بندہ ہو تیسرا درمیان میں کوئی نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی عبادات سے معاملات تک اسی کیفیت میں گذری جسے درجہ احسان کہا گیا ہے۔

تربیتی مراحل کا خلاصہ یہ ہے کہ دامان محمد رسول اللہ ﷺ وا ہے۔ جو ایمان لایا اس نے یہ دامانِ رحمت تھام لیا۔ پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اتباع رسالت ﷺ کرتا رہا تو متقی ہوگیا یعنی اسے اللہ کریم اسے ایسا تعلق

نصیب ہوگیا کہ مالک کی نافرمانی کے بارے سوچنے سے بھی ڈرنے لگا۔ مزید اتباع رسالت نے اس کیفیت کو مضبوط کیا تو درجہ احسان کو پہنچ گیا۔ اب وہ اپنے اللہ کو اپنے روبرو پانے لگا، سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، خلوت وجلوت میں، سفر وحضر میں، کاروبار میں گھر میں ہر جگہ اسے حضورِ حق نصیب ہوگیا۔ بندہ جب درجہ احسان کو پالیتا ہے تو پھر محبوب خدا بن جاتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴿۹۳﴾ اللہ محسنین سے محبت فرماتے ہیں۔ یہ اللہ کا کرم ہے دامان پیغمبر ﷺ اتنی بڑی نعمت ہے کہ گناہگار سے گناہگار بندہ بھی جب دامان رسالت سے وابستہ ہوجائے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جب کسی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے یعنی توبہ کی قبولیت کی دلیل یہ ہے کہ پھر بندے کا گناہ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ گناہ کڑوے لگنے لگتے ہیں۔ جیسے کہیں زخم لگ جائے اور جب شفا ہونے لگے زخم مندمل ہونے لگے تو زخم والی جلد جسم کے دوسرے حصے سے زیادہ حساس ہوجاتی ہے۔ کوئی چیز چھو جائے تو درد ہوتا ہے۔ اسی طرح جب توبہ قبول ہوجاتی ہے تو گناہ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اگر بندہ گناہ کی طرف رغبت نہ کرے اور اتباع رسول ﷺ کرے تو تقویٰ نصیب ہوجاتا ہے۔ دراصل اسلام بہت آسان دین ہے۔ اسلام نے دین کے کسی فطری تقاضے کو پورا کرنے سے نہیں روکا۔ شادی کرنا، گھر بنانا، کاروبار، ملازمت، کمانا، خرچ کرنا، اچھا لباس پہننا، اچھی سواری رکھنا، کسی کام کی ممانعت نہیں کی گئی بس ایک رہنمائی دی گئی کہ ہر کام کرو لیکن اس طریقے سے کرو جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ زندگی تو ایک بہاؤ ہے اس کے آگے بند باندھیں گے تو بہاؤ نہیں رکے گا۔ اس کے اوپر سے گزر جائے گا۔ لہٰذا اسلام نے روکا نہیں متبادل اور محفوظ راستہ دیا ہے۔ جیسے ایک دریا ہو جو پہاڑوں اور پتھروں پر سر پٹختا پھرتا ہو۔ اسے کوئی موڑ دے کر زرخیز زمینوں کی طرف کردے تو اس کی سیرابی سے باغات لگیں گے۔ کھیت بار آور کھلیان بن جائیں گے، چمن گلوں کی خوشبو اور رنگوں سے بھر جائیں گے۔ دنیا آباد اور پر رونق ہوجائے گی۔ اسی طرح زندگی کا حسن اتباع سنت میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں ہر کام میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ اتباع رسالت سے قرب الٰہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بندہ اپنے رب کو روبرو پاتا ہے۔ صوفیاء اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ جب کوئی ایمان لاتا ہے اور صدقِ دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ قبول کرتا ہے زبان سے اقرار کرتا ہے تو نور کی ایک تار قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے اس کے دل کے ساتھ جڑ جاتی ہے۔ پھر جب وہ اللہ کے فرمان کے مطابق چلتا ہے حضور اکرم ﷺ کی شریعت پر زندگی گزارتا ہے تو وہ باریک سی تار مضبوط رسے کی مانند ہوجاتی

ہے۔ وہ تعلق مضبوط ہوتو گویا ایک ندی بن جاتی ہے۔ مزید اتباع رسالت سے دریا بھی بن سکتا ہے۔ یہ بندے کی محنت اور اس کے خلوص پر منحصر ہے۔ انوارات اور روشنی میں اضافہ ہوتے ہوتے ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ بندے کو حضور حق نصیب ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے موت بھی خوشی کا پیغام لاتی ہے۔ انہی کے بارے کہا گیا ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کہ موت تو ایک پل ہے جس سے گزر کر محبوب محبوب سے ملتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے موت وصال حق کی گھڑی ہے۔ صوفیاء کی وفات کو عرس بھی اسی لئے کہتے ہیں حالانکہ عرس کے معنی تو شادی ہے۔ موت کو شادی اس لئے کہتے ہیں کہ موت نے اللہ کے بندے کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر کر دیا۔ موت تو وہ پل تھا جس نے محبوب اور محبّ کو یکجا کر دیا۔ موت وہ ذریعہ ہے جو حبیب کو حبیب سے، محبوب کو محبوب سے ملا دیتا ہے۔ اللہ اس بندے کا محبوب تھا اور وہ اللہ کا محبوب تھا۔ زندگی کا حاصل یہ ہے کہ زندگی میں وہ کیفیت حاصل کر لیں کہ جب آنکھ بند ہو تو دکھ نہ ہو۔ شادمانی ہو کہ الحمد للہ بدن کا بوجھ اترا اور روح بارگاہ الوہیت میں تجلیات باری سے باریاب ہوئی۔

اللہ کریم تو اس خوبصورت راستے کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور لوگوں کا ایک عجیب رویہ ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید عبادت کرنے سے بندے کو بیماری نہیں آنی چاہیے، کاروبار، دکانداری میں اضافہ ہونا چاہیے، بچوں کو روزگار ملنا چاہیے، اس آیہ مبارکہ میں اللہ کریم نے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ اللہ کی عبادت کاروبار کے لئے نہیں ہے۔ اللہ کی عبادت اللہ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ہے۔ فرمایا اللہ سے رشتہ استوار کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ دامان رسول ﷺ کو تھام لو۔ مضبوط تھام لو۔ جدھر چلائیں ادھر چلو تو تمہیں تقویٰ نصیب ہوگا۔ **وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾** ایمان لائے اور نیک عمل کئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لے آئے یعنی ایمان میں تقویٰ کے سبب پختگی آئی پھر تقویٰ میں مزید ترقی کی منزلیں طے کیں اور احسان تک پہنچے اور اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔ محسن وہ ہوتے ہیں جنہیں درجہ احسان نصیب ہو جاتا ہے اللہ کریم ان پر اپنا جمال جہاں آرا منکشف فرما دیتا ہے۔ ہر کام میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ انہیں وہ لذتیں نصیب ہوتی ہیں جو سوچی نہیں جا سکتیں اور جنہیں نصیب نہ ہوں ان کے لئے سوچنا ممکن نہیں۔ یہ سارے اللہ کے کرم ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی برکات ہیں جسے درجہ احسان کہتے ہیں۔ جنہیں درجہ احسان نصیب ہو جائے اللہ انہیں محبوب بنا لیتا ہے۔

سورہ المائدہ رکوع 13 آیات 94 تا 100

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ
الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ
مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا
الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ
مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَ بَالَ
اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ
اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ
صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ
وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ

الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے ﴿۹۴﴾ اے ایمان والو! وحشی شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالتِ احرام میں ہو اور تم میں سے جو شخص اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے خواہ بطور کفارہ مساکین کو کھانا دے دیا جائے خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تا کہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے اللہ تعالیٰ نے

گزشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں ﴿۹۵﴾ تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا جب تک کہ تم حالتِ احرام میں ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے ﴿۹۶﴾ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں یہ اس لئے کہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں ﴿۹۷﴾ تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور رحمت والے بھی ہیں ﴿۹۸﴾ رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو ﴿۹۹﴾ آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿۱۰۰﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا: اے ایمان والو: اللہ کریم تمہاری آزمائش کریں گے اس چیز سے کہ تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے شکار تک پہنچ سکتے ہوں گے۔ یہ جاننے کے لئے کہ اللہ سے تعلق غائبانہ کون رکھتا ہے۔ اور جو زیادتی کرے گا اس کے بعد اسے سخت عذاب ہوگا۔ حکم یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم شکار کا جانور مت مارو یعنی شکار نہ کرو جب تک حالت احرام میں ہو۔ اگر کسی نے حالت احرام میں جان بوجھ کر کوئی جانور شکار کر لیا تو پھر اس پر کفارہ یہ ہوگا کہ جس طرح کا جانور اس نے مارا ہے اس کے بدلے میں بیت اللہ شریف کے پاس یا حد حرم میں قربانی دے۔ اور یہ مقرر کریں گے دو عادل آدمی جو وہاں کے رہنے والے ہوں جو جانوروں کو جانتے

ہوں اور جنہیں جانوروں کی قیمت کا بھی خوب اندازہ ہو۔ وہ دو شخص اندازہ کر کے مقرر کریں گے کہ بدلہ میں کیسا جانور دینے کے لائق ہے۔ وہی متعین کریں گے کہ بھیڑ کافی ہے یا بکری یا کئی بھیڑ بکریاں یا گائے، بیل، اونٹ قربان کرنا ہے۔ اس کا اندازہ کر کے وہ جانور متعین کریں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر وہ قربانی نہیں کر سکتا تو جانور کی قیمت کے برابر رقم سے غریبوں کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اسے اپنے کیئے کی کچھ سزا بھی ملے۔ اور نزول حکم سے پہلے جو کچھ ہو چکا وہ اللہ کریم نے معاف فرما دیا لیکن اب کوئی اس طرح کی حرکت کرے گا تو اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ غالب ہے اور وہ بدلہ لینے پر قادر ہے۔ فرمایا: مسلمانو! تمہارے لئے بحری شکار، مچھلی وغیرہ حلال ہے خواہ حالت احرام میں بھی ہو اور اس کا کھانا مسافروں کے لئے اور حج پر آنے والوں کے لئے بھی جائز ہے۔ اور خشکی کے جانور تم پر حرام کر دیئے گئے ہیں جب تک تم حالت احرام میں ہو۔ اللہ کریم سے تعلق قائم رکھو اور اس بات کو یاد رکھو کہ تمہیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ادب کا مقام اور لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے۔ اسی طرح حرمت والا مہینہ، قربانی والا جانور اور وہ جانور جن کے گلوں میں پٹے ڈالے جاتے ہیں قربانی کی نشانی کے طور پر انہیں اللہ نے ایک خاص عظمت دی ہے اس لئے کہ تم اس بات سے باخبر رہو کہ یقیناً جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور اس بات سے بھی باخبر رہو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور یقیناً اللہ ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ کے ذمے اللہ کی بات کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ اللہ کریم جانتا ہے جو باتیں کوئی پوشیدہ رکھے یا ظاہر کرے۔ آگے معاملہ بندے اور اللہ کے درمیان ہے اور فرمایا میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ ناپاک، ناجائز اور حرام چیزیں پاک، جائز اور حلال اشیاء کے برابر نہیں ہو سکتیں خواہ وہ چیزیں کثرت سے ہوں اور ان کی کثرت تمہیں حیرت میں ڈال دے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر تم میں دانش ہے اور تم صاحب خرد ہو تو اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھو تاکہ تم کامیابی حاصل کر سکو۔

تفسیر و معارف

ان آیات کی ابتداء بڑی خوب صورت بات سے ہوئی ہے اور وہ ہے ایمان کی آزمائش۔ یہی بات ایک سوال کی صورت میں دہرائی جاتی ہے کہ مسلمان ہو کر مسلمان جرائم کرتے ہیں اور دوسروں کی نسبت زیادہ کرتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ اللہ کریم نے اس کا جواب ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی ایمان لے آتا ہے اور وہ

کہتا ہے کہ میں عظمت الٰہی کا قائل ہوں۔ آقائے نامدار ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرتا ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ دین اسلام کے احکام کی پورے خلوص، پوری ہمت اور محنت سے اطاعت کروں گا تو فرمایا پھر اس کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ اسے گناہ کے مواقع بھی میسر آتے ہیں۔ جو بندہ دعویٰ ایمان کرتا ہے اس کے پاس گناہ کے مواقع بھی کافی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اللہ کریم اس دعوے کو اس کے حال سے پرکھنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اپنے عمل سے ثابت کرے کہ وہ اللہ پر غائبانہ ایمان رکھتا ہے۔ اللہ کو حاضر و ناظر اور موجود سمجھتا ہے اور اللہ کے سامنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ اور جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور جرم کرتا ہے تو پھر اس کا دعویٰ ایمان مشکوک ہو جاتا ہے۔ فرمایا: اسی طرح جب حالت احرام میں شکار حرام ہے تو یہ آزمائش ہو گی کہ جنگلی جانور بے تکلف ہو کر تمہارے قریب پھرتے ہوں گے کہ تم ہاتھ سے بھی پکڑ سکتے ہو اور تمہارے نیزے ان تک پہنچ سکیں گے۔ لیکن ایسا کیوں؟ فرمایا **لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾** اس لئے کہ اللہ تمہاری آزمائش فرما رہے ہیں کہ تم اللہ سے غائبانہ ڈرو۔ تمہارے دعویٰ ایمان کی آزمائش ہے کہ جب تم ایمان لائے ہو یہ مانتے ہو کہ اللہ حاضر و ناظر ہے، ہر جگہ موجود ہے، ہر چیز پر قادر ہے اس کے نبی ﷺ کو برحق مانتے ہو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی پورے خلوص کے ساتھ پیروی کرنے کا عہد کرتے تو ہو پھر کیا عملاً پیروی کرتے بھی ہو یا نہیں؟ اور اگر کسی نے پرواہ نہ کی اور جرم کیا جانور کو مارا تو فرمایا: **فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾** اس کے لئے پھر بڑا دردناک عذاب ہے کہ اس نے اپنے دعویٰ ایمان کی خود ہی تردید کر دی۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ کو ایسا مانتا ہے جیسا رسول اللہ ﷺ نے منوایا اور حضور اکرم ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانتا ہے آپ ﷺ کی اطاعت کا عہد کرتا ہے لیکن جب اسے حکم دیا گیا کہ حالت احرام میں شکار نہیں کرو گے اور شکار کو اس کے اردگرد پھیلا کر اس کا امتحان لیا گیا تو وہ اپنے عہد سے پھر گیا۔

ایمان کی آزمائش پوری زندگی پر محیط ہے:

جس طرح حالت احرام میں آزمائش کی جاتی ہے کہ بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا خواہش نفس کی پیروی، اسی طرح یہ آزمائش پوری زندگی میں ہوتی رہتی ہے۔ اللہ کریم کسی کو عہدہ دے دیتے ہیں جہاں ایسے مواقع آتے رہتے ہیں کہ وہ رشوت لے سکتا ہے یا کسی کو ایسی جگہ متعین کر دیتا ہے جہاں جرائم کرنے کے مواقع آسان ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر ایمان مضبوط ہو، کامل ہو تو بندہ ان مواقع پر جرائم نہ کر کے کامیاب رہتا ہے

مضبوط ایمان کے سبب جرم سے پرہیز کرتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے۔ اور اگر بندہ جرم کرتا ہے تو پھر وہ اپنے دعویٰ ایمان کی نفی کر رہا ہوتا ہے تو فرمایا اس کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے اس عذاب کا سبب بندے کا خودسری کا رویہ ہے کہ اللہ نے تو اسے اشرف المخلوقات بنایا اسے یہ شرف بخشا کہ روئے زمین کی ہر چیز اس کی خدمت پر مامور کردی۔ بے شمار جانوروں کو وہ ذبح کرتا ہے، کاٹتا ہے، گوشت کھاتا ہے، جانوروں کا دودھ پیتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے، ان کے چمڑے اور ہڈیوں تک کو استعمال کرتا ہے۔ پھر کائنات کی قوتیں اس کے لئے مسخر کردیں لیکن صرف ایک پابندی لگائی کہ میری کائنات اور میری مخلوقات کی تمام نعمتیں تمہارے استعمال کے لئے ہیں لیکن ان کا طریقۂ استعمال وہ ہوگا جو میں بتاؤں گا تاکہ ظاہر اور واضح رہے کہ سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے۔ مالک نے یہ نعمتیں تمہیں استعمال کرنے کے لئے دی ہیں لہٰذا جس طرح استعمال کرنے کا حکم دیا ہے ویسے کرو۔ بعض چیزیں اور بعض امور اس نے حرام کردیئے ہیں بعض چیزیں مخصوص موقعوں کے لئے مختص کردی گئی ہیں۔ ان تمام احکام میں انسانوں کی بھلائی ہے جتنی حرمت شرعی آئی ہے وہ خواہ کھانے پینے کی چیزوں میں ہو یا تعلقات میں وہ انسانوں کی جسمانی اور روحانی صحت کے لئے مضر ہیں۔

کسی حرام میں کوئی شفا نہیں:

جن اشیاء کو اللہ نے انسانوں کے لئے حرام قرار دیا ہے وہ صحت کے لئے مضر ہیں۔ بعض طبیب علاج کے لئے دوا میں حرام اجزاء استعمال کرتے ہیں اور تعویذ دھاگے کرنے والے حرام چیزیں کھلاتے ہیں۔ یاد رکھیں کسی حرام چیز میں کوئی شفا نہیں۔ اگر شفا ہوتی تو اللہ کریم اسے حرام نہ فرماتے۔ اس کے علاوہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے استعمال سے یا کچھ کام ایسے ہیں جن کے کرنے سے یا کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے کہنے سے انسان کی جسمانی صحت پر اثر پڑے یا نہ پڑے روحانی صحت تباہ ہوتی ہے۔ آدمی کا ضمیر مرتا ہے۔ اس کی ایمانی صحت پر چوٹ پڑتی ہے اس کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے جسمانی صحت بھی خراب ہوتی ہے اور روحانی صحت بھی خراب ہوتی ہے۔ لہٰذا جتنی چیزیں شریعت مطہرہ نے حرام کی ہیں ان میں انسان کے لئے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ شراب پی لو اس میں فلاں بیماری کا علاج ہے تو اسے ہرگز شفا نہ ہوگی اُلٹا حرام خوری کا مرتکب ہوگا یا کوئی یہ کہے کہ حرام جانور مار کر کھا لو یہ فلاں مرض کا علاج ہے تو وہ غلط کہتا ہے۔ اس میں اگر شفا ہوتی تو اللہ کریم اسے حرام قرار نہ دیتے۔

پہلی امتوں پر خصوصاً بنی اسرائیل پر بعض ایسی چیزیں حرام کر دی گئی تھیں جو فی نفسہٖ نفع بخش تھیں لیکن ان کے ساتھ ایسا سلوک ان کے اعمال و کردار کی وجہ سے ہوا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ جب انہوں نے شریعت کی پامالی کی، اپنے نبی علیہ السلام سے کج بحثی کی تو ان کے اعمال بد کے سبب اللہ نے ان پر اپنی نعمتیں حرام کر دیں۔ اور مشکل احکام نازل فرما دیئے مثلاً ایک جانور حلال ہے لیکن اس کی وہ چربی حرام ہے جو سینے اور پشت پر ہے اور جو پیٹ میں اور انتڑیوں کے ساتھ ہے وہ حلال ہے۔ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بطور سزا انہیں ایسے مشکل احکام دیئے گئے لیکن امت مرحومہ پر جتنی حرمت شرعی ہے وہ اس کے فائدے کے لئے ہے صرف وہ چیزیں حرام کی گئی ہیں جو انسان کی جسمانی اور روحانی صحت کے لئے نقصان دہ ہیں۔

اُمت مرحومہ پر انعام:

تمام شرعی احکام نعمت ہیں جیسے کچھ چیزیں وقتی طور پر حرام کی دی جاتی ہیں مثلاً رمضان میں روزہ بند ہونے کے بعد کھانا پینا اور دیگر ممانعتیں یہ احکام بندے کو اللہ کی حضوری عطا کرتے ہیں۔ ان احکام کی بجا آوری پر پہلا انعام یہ عطا ہوتا ہے کہ بندے کو یہ کیفیت عطا ہو جاتی ہے کہ اسے یاد رہے کہ جن چیزوں کو وہ اپنا کہتا ہے وہ چیزیں اس کی اپنی نہیں ہوتیں۔ مالک کی ہیں اس لئے جب مالک نے روک دیا تو حلال رزق، پاک و صاف پانی اس کی دسترس میں ہے لیکن وہ ابھی نہیں کھا سکتا نہ پی سکتا ہے۔ جب مالک کا حکم آ گیا کہ افطار کے وقت کھا پی سکتے ہو تو اس کی اجازت کے وقت کا انتظار کرتا ہے۔ اس حکم کی پابندی سے اسے عظمت الٰہی کا ادراک نصیب ہوتا ہے۔ دوسرا انعام یہ ہوتا ہے کہ اس سے روزہ دار کا باطن اور روح پاک ہوتے ہیں۔ بندے میں اوصاف ملکوتی پیدا ہوتے ہیں اور اللہ کریم کی طرف سے مزید برکتیں وصول کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ روزہ دار پر اللہ کریم بہت کرم فرماتے ہیں بے پناہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ بے پناہ شفقتیں نچھاور فرماتے ہیں، نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ نیکیوں کو لاکھوں گنا بڑھا دیتے ہیں یوں انسان کو دونوں جہانوں کی بھلائیاں عطا ہوتی ہیں۔ اور رمضان کا یہ سبق صرف رمضان میں نہیں بلکہ غیر رمضان تک اثر پذیر ہوتا ہے۔ رمضان کی تربیت بندے کو سکھاتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی مال و دولت کو، اسباب و وسائل کو، اپنی ذاتی پسند کے مطابق نہیں بلکہ اللہ کی مقرر کردہ شرعی حدود کے اندر کر سکتا ہے کیونکہ مالک اللہ ہے اور بندے کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ جیسے شکار ایک پسندیدہ عمل ہے لیکن حالت احرام میں ممانعت ہے۔ عربوں کو شکار کی بہت عادت تھی۔ صحرا میں جانور بھی بہت ہوتے تھے، فرمایا: جو شخص حالت

احرام اور حد حرم میں نہیں ہے وہ شکار کر کے لائے اور اُسے دے جو حالت احرام میں ہے تو اس کے کھانے میں کوئی قباحت نہیں۔ صحابہ کرامؓ جب شکار کرتے تو حضور اکرم ﷺ اس گوشت کا کھانا پسند فرماتے تھے۔ اسی سنت کو اکثر سلف صالحین نے اپنایا ہے۔ برصغیر کی مشہور ہستی شاہ اسمٰعیل شہید کو شکار کی بہت عادت تھی تو کسی نے انہیں کہا کہ آپ جنگلی جانوروں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں انہیں مار ڈالتے ہیں تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ حلال جانوروں کا شکار اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ شکار کی دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ نشانہ بازی کی اور جسمانی چستی کی اچھی مشق ہے۔ اس میں گھات لگانا، جانور کو گرانا جیسے امور ساری وہ مشقیں ہیں جو جہاد کی ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ ''اطیب الرزق'' ہے یعنی یہ سب سے زیادہ پاکیزہ رزق ہے کہ جانور اللہ کی ملکیت ہیں۔ آپ نے نشانہ لگا کر اسے گرا لیا پھر اللہ کا نام پڑھ کر اسے ذبح کر دیا تو آپ نے یہ رزق براہ راست اللہ سے لیا۔ درمیان میں کوئی تیسرا نہیں ہے۔ تو شکار کرنا فی نفسہٖ منع نہیں لیکن اس کی حدود و قیود ہیں۔ وہ یہ کہ شغل کے طور پر جانور نہیں مارنے چاہئیں۔ جانوروں کی نسلیں ختم نہیں کرنی چاہئیں۔ تماشے کے لئے جانور مارنا درست نہیں جیسے لوگ کتے دوڑانے کے لئے خرگوش کے پیچھے لگا دیتے ہیں ان کا مقصد شکار کرنا نہیں محض کتوں کی دوڑ دیکھنا ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اپنے کھانے کے لئے شکار کرے۔ اس میں اگر اس نے شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں اور وہ جانور کو پکڑ لیتے ہیں اور شکار کرنے والے جانور کو ذبح کر کے اسے اپنی غذا بنا لیتے ہیں تو یہ درست ہے۔ اسی طرح جنگلی جانور کا اتنا شکار کرے جسے وہ استعمال کر لے یہ نہیں کہ جنگل جا کر محض شکار کرے اور جانور مار کر ڈھیر کر دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۹۵ اس آیت مبارکہ میں حالت احرام اور حد حرم میں ہو جانے والی خطا کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا اگر کوئی شخص حالت احرام میں اور حد حرم میں جانور شکار کرتا ہے تو پھر وہاں کے رہنے والے دو اشخاص جو دیندار بھی ہوں اور دنیاوی سوجھ بوجھ بھی رکھتے ہوں اور جانوروں کی پہچان اور ان کی قیمت کا بھی انہیں اندازہ ہو **ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ** میں چند شرائط ہیں اول وہ تم میں سے ہوں۔ مسلمان ہوں، نیک ہوں اور صرف نیک و پرہیزگار ہی نہ ہوں بلکہ وہ دنیاوی طور پر زمانے کے حالات کا شعور بھی رکھتے ہوں۔ ایسے دو اشخاص

فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ اگر دو نہ ہوں، ایک ہی ہو تو بھی جائز ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر کے کہ جو جانور تم نے شکار کر لیا ہے اس کی قیمت کیا بنتی ہے؟ اس قیمت میں گائے آتی ہے، بھیڑ، بکری آتی ہے یا ایک سے زائد بھیڑ بکریاں آتی ہیں یا اونٹ آتا ہے تو اس ایک جانور کے بدلے میں قربانی کرو۔ اور یہ قربانی حد حرم میں کرنا ہوگی۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر غلہ مساکین میں تقسیم کر دو۔ یا اتنی رقم سے مساکین کو کھانا کھلا دو اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر وہی معتبر لوگ فیصلہ کریں کہ قربانی کے جانور کی قیمت کے اندازے کے مطابق روزے رکھو گے۔ مساکین کو کھانا کھلانا یا روزے رکھنا اس کے لئے حرم کی قید نہیں ہے۔ وہ شخص کہیں بھی ہو مساکین کو کھانا بھی دے سکتا ہے اور روزے بھی رکھ سکتا ہے۔

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ اور اگر کوئی بار بار جرم کرے گا، گناہ کو عادت بنا کر اس کا اعادہ بار بار کرے گا تو اللہ اس کا بدلہ لے گا، اللہ غالب ہے اور بدلہ لینے پر قادر ہے۔ اس سے نہ کوئی بھاگ سکتا ہے نہ کوئی بات چھپا سکتا ہے۔ خطا کا ہو جانا خاصۂ بشریت ہے لیکن حکم یہ ہے کہ پھر توبہ کرے، اللہ سے معافی چاہے اگر اس جرم پر کوئی جرمانہ یا کفارہ ہے تو وہ ادا کرے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرے۔ گناہ پر ندامت ہو تو اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں اور گناہ کو عادت بنا لیا جائے تو یہ رویہ اس کے ایمان کو کمزور کرتے کرتے ختم کر دیتا ہے۔

کفارے کا حکم اصلاح کے لئے:

شریعت کے ہر حکم میں رحمت ہے کسی جرم کی تلافی کے لئے کفارہ ہو یا کسی جرم پر کوئی سزا متعین کی جائے تو وہ صرف تکلیف پہنچانے کے لئے نہیں ہوتی۔ کسی جرم کے بدلے جو سزا دی جاتی ہے اس کا مقصد اس بندے کو یہ احساس دلانا ہوتا ہے کہ اس نے جو کیا وہ غلط تھا اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سزا کے اس نظام کا مقصد بندے کو آئندہ جرائم سے بچانے کی تربیت کرنا ہے۔ قید خانوں کا نظام بھی ایسا ہونا چاہیے کہ کسی کو قید کی سزا ہو جائے تو وہاں رہ کر اسے یہ سمجھ آجائے وہ تائب ہو جائے اور جب وہ وہاں سے باہر نکلے تو اس کی تربیت ہو چکی ہو وہ ایک شریف آدمی ہو، شریف شہری اور نیک مسلمان ہو، اسلام میں یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ سزا مجرم یا گناہگار کو ایذا پہنچانے کے لئے نہیں ہوتی اس کا اصل مقصد اصلاح ہوتا ہے تاکہ وہ آئندہ گناہ کی طرف واپس نہ جائے اور اگر اس کوشش کے باوجود وہ پھر بھی گناہ کی طرف واپس جائے گا تو اللہ کریم فرماتے ہیں پھر میں اس کا بدلہ خود لوں گا۔ میں اسے اس کی سزا دوں گا۔ **اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ**

وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ فرمایا: سمندری شکار حالت احرام میں بھی حلال ہے اللہ قادر ہے، کائنات اس کی ہے، احکام اس کے ہیں، عبادت و اطاعت اس کے احکام کو ماننا اوران پر عمل کرنا ہے۔ وہی رب کریم جس نے حکم دیا ہے کہ حالت احرام اور حد حرم میں خشکی کے جانور کا شکار نہیں کر سکتے وہی فرما رہا ہے کہ سمندری شکار تمہارے لئے حلال ہے خواہ تم احرام باندھ کر جہاز یا کشتی میں سوار ہو، حج کے لئے جا رہے ہو یا عمرے کے لئے احرام باندھا ہے۔ اس حالت میں بحری شکار یعنی سمندر کی مچھلیاں پکڑنا اور کھانا جائز اور حلال ہے۔ اللہ کریم کے ہر حکم میں ہزاروں مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ مصلحت بھی ہوسکتی ہے کہ سمندر میں راشن ختم ہونے کا یا خراب ہونے کا امکان ہوسکتا ہے۔ بہر حال سمندری شکار حالت احرام میں جائز ہے اور اللہ کی طرف سے آسانی ہے کہ مچھلیاں پکڑ کر گذارہ کرلیا جائے۔ فرمایا اس حکم میں مسافروں کے لئے اور تم سب کے لئے فائدہ حاصل کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ اسی رب کریم نے جس نے سمندری شکار حالت احرام میں حلال کیا ہے اسی نے خشکی کا شکار حرام کر دیا۔ اس سے یہ سمجھنا مقصود ہے کہ احکام شریعت بیکار نہیں ہوتے۔ انعامات الٰہیہ ہوتے ہیں اور انسانوں کے فائدے کے لئے ہوتے ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پہلی بات عظمت الٰہی کا اظہار ہے۔ ہر عبادت میں اللہ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں انسان کا فائدہ ہوتا ہے۔ یعنی بندہ عبادت کرتا ہے اس کی روحانی اصلاح بھی ہوتی ہے اور جسمانی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ سے اپنے معاملات درست رکھو۔ اللہ کریم کی عظمت کا احساس ہر لمحے زندہ رکھو۔ خواہ تم کہیں بھی ہو یہ یاد رکھو کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس احساس حضوری سے کرداریوں مضبوط ہوتا ہے کہ ایک طرف غیر اللہ کا رد ہو جاتا ہے بندہ جب محسوس کرتا ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے تو اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرنے والی بات ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم جرم کرنے لگتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ کوئی ہمارے جیسا انسان ہمیں دیکھ رہا ہو تو ہم جرم نہیں کرتے تو جب اللہ کریم دیکھ رہا ہو تو کیا کوئی جھوٹ بول سکتا ہے یا جرم کر سکتا ہے؟ سو فرمایا: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

ایمان ایک کیفیت ہے:

فرمایا اس کیفیت کو زندہ رکھو۔ مسلمانی اسی کیفیت کا نام ہے۔ ایمان اسی کا نام ہے۔ بندۂ مومن اسی کو کہتے ہیں جو اس کیفیت کا حامل ہے کہ اللہ کریم میرے پاس ہے، میرے ساتھ ہے، موجود ہے، دیکھ رہا ہے،

سن رہا ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔ میں اللہ کے روبرو ہوں۔ اور یاد رکھو دنیا کا وقت تو بہر حال گزر جائے گا یہ ہمیشگی کا زمانہ نہیں ہے۔ آگے ایک زمانہ ہے جسے حشر کہتے ہیں اور اللہ وہ ذات ہے الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ جس کی بارگاہ میں تم سب کو حاضر ہونا ہے۔ اُمورِ زندگانی کی جوابدہی ہوگی۔ اس کی نعمتوں کا حساب ہوگا۔ تمہاری لغزشیں بھی سامنے آجائیں گی تو ان لمحات کو یاد رکھو اور محسوس کرو وہ کیسی گھڑی ہوگی!

دنیاوی مقدمات کی پریشانیوں سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے ہمارا کوئی مقدمہ عدالت میں پیش ہوا ہو اور جب فیصلے کی گھڑی آجائے اور جج فیصلے کو ایک دو دن کے لئے موخر کر دے تو اتنے دن اور راتیں نہ نیند آتی ہے نہ بھوک لگتی ہے۔ ایسی پریشانی لاحق رہتی ہے کہ نجانے کیا فیصلہ سنایا جائے۔ قید ہو جائے یا سزائے موت اگر ایک انسان کے فیصلے پر اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ جو ہمارے جیسا انسان ہی ہے۔ جس کے سامنے جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ جھوٹی شہادتیں بھی دے سکتے ہیں، جسے رشوت بھی دے سکتے ہیں، کسی سے سفارش کروا سکتے ہیں، اور جج دوسروں کی گواہیوں اور عدالتی ریکارڈ سے متاثر بھی ہو سکتا ہے لیکن جب معاملہ اس ذات کے سامنے پیش ہوگا جو آج دنیا میں ہمیں ذاتی طور پر دیکھ رہا ہے، ہر کام اس کے سامنے ہو رہا ہے وہ خود موجود ہے۔ انسان گناہ کر کے بھول جاتا ہے لیکن اس کے علم میں ایک ایک چیز ہے اور وہ ہر ایک کے اعمال پر ذاتی طور پر گواہ ہے۔ فرمایا: حشر میں معاملہ اس علیم خبیر ذات کریم کے ساتھ ہے۔ لہٰذا دنیا میں اس احساس کو زندہ رکھو تا کہ گناہوں سے دور رہو۔ احکام شریعت اور شرعی پابندیاں صرف اس لئے لگائی جاتی ہیں کہ تمہیں عظمت باری کا احساس رہے اور حشر کے میدان میں پیش ہونے کی کیفیت یاد رہے۔ آج دنیا میں اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کے احساس کو زندہ رکھو حشر میں تم سرخرو ہو گے احکام شریعت ماننے میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اللہ کریم ہمیں گناہوں سے بچائے اور اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

کعبۃ اللہ انسانیت کے قیام کا سبب ہے:

اس آیہ مبارکہ میں ربّ جلیل نے بیت اللہ شریف کی ایک عجیب عظمت کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ مہبط تجلیات الٰہی محض ایک مکان نہیں بلکہ یہی مکان دنیا کی آبادی کے قیام کا سبب ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ قرب قیامت میں ٹیڑھی ٹانگوں والا ایک یہودی ہوگا جو حرم شریف پر قبضہ کر کے بیت اللہ کو گرا دے گا اور حج ختم کر دے گا جب حج ختم ہوگا یا بیت اللہ گرا دیا جائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا آباد نہیں رہ سکے گی۔ بظاہر تو یہ سادہ سے پتھروں کا ایک مکان ہے لیکن یہ مکان اس عظیم مقام کی نشاندہی کے لئے ہے جو اللہ کی ذاتی تجلیات کا مہبط ہے۔ عالم امر سے لے کر دوسری طرف

عالم امر تک یہ تجلیات باری کا مرکز ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے زمین پھیلائی گئی۔ اللہ کریم نے یہی نقطہ پہلے پیدا فرمایا جس پر بیت اللہ شریف ہے۔

بیت اللہ کی تاریخ:

حضرت آدمؑ نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ یہ عمارت مستطیل تھی۔ مربع نہیں تھی۔ آج جو حصہ حطیم کی صورت میں نظر آتا ہے پہلے یہ بیت اللہ کے اندر تھا۔ اس کے کونے پر جو حجر اسود لگا ہوا ہے یہ وہ پتھر ہے جو حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور بیت اللہ کے کونے میں نصب کیا گیا۔ اس کی اپنی ایک طویل تاریخ ہے۔ محققین لکھتے ہیں کہ یہ بڑا شفاف، چمکدار اور روشن تھا۔ لوگوں کے مَس کرنے سے آہستہ آہستہ سیاہ ہوگیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن یہ ہراس شخص کے لئے گواہی دے گا جس نے کبھی اس کا طواف اللہ کے لئے خلوص سے کیا ہوگا۔ بیت اللہ شریف طوفان نوح تک قائم رہا۔ طوفان نوح میں یہ منہدم ہوگیا اور اللہ کریم کے حکم سے جبرائیلؑ نے پتھر اٹھا کر پہاڑوں میں رکھ دیا۔ یوں عمارت منہدم ہوگئی لیکن یہ پتھر محفوظ رہا تب سے لے کر حضرت ابراہیمؑ تک یہ عمارت منہدم ہی رہی۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تمام عرصے میں عمارت نہیں تھی لیکن اس مقام کا طواف ہوتا رہا۔ وہ تمام انبیاءؑ جن کی اُمتیں عذاب میں گرفتار ہوئیں، غرق یا تباہ ہوئیں وہ انبیاءؑ ہجرت کر کے بیت اللہ شریف کے مقام پر تشریف لے جاتے اور طواف کرتے رہے۔ یہ ایسا مقام بن گیا تھا کہ درمیان میں چھوٹی سی ایک گول پہاڑی تھی جس پر بیت اللہ شریف تھا۔ مکہ مکرمہ کے جو چار پانچ بازار ہیں وہاں مختلف پہاڑوں سے پانی آکر نالے کی شکل میں گزرتا ہے۔ آج سب پہاڑوں کا پانی یہاں جمع ہوکر آتا ہے پھر ایک نالے کی طرف نکل جاتا ہے۔ آج بھی زیر زمین وہی نظام بنا ہوا ہے کہ تمام بازاروں کا پانی بیت اللہ شریف کے نیچے سے ہوکر ایک بازار سے گزر جاتا ہے۔ اسی گول سی پہاڑی پر انبیاءؑ تشریف لے آتے، صلحاء آتے، جو اُمتی ان کے بچ جاتے وہ آجاتے، یہاں قیام کرتے، طواف کرتے اور ان کی اکثریت یہیں اسی پہاڑی کے گرد دفن ہوگئی۔ بعض ایسے بھی آئے جو تنہا تھے کوئی دفن کرنے والا نہیں پہنچا تو خاک اڑا اڑا کر از خود ان کے وجود مبارک پنہاں ہوگئے لیکن اس مقام پر آمد و رفت جاری رہی۔ جب ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور انؑ کی والدہ ماجدہ کو وہاں چھوڑ آئیں تو اس وقت نہ بیت اللہ کی عمارت تھی نہ چاہ زمزم تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ واقعہ معروف ہے کہ آپؑ تھوڑا سا زادِ راہ کچھ کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ دے کر اپنے اہل خانہ سے جدا ہونے لگے تو مائی صاحبہ نے پوچھا کہ آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا اللہ کا یہی حکم ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو اللہ خود ہماری حفاظت فرمائے گا۔ آپؑ کے جانے کے کچھ عرصے بعد جب پانی اور راشن ختم ہو گیا حتیٰ کہ پیاس کی شدت کے باعث دودھ مبارکہ بھی خشک ہو گیا اور شیر خوار اسمٰعیلؑ بھوک سے بلبلانے لگے تو مائی صاحبہ نے انہیں ایک جگہ لٹا کر یہ دیکھنے کے لئے کہ کہیں پانی کے کوئی آثار ہیں، پہاڑوں پر چڑھنا شروع کیا، صحراؤں میں جہاں پانی ہوتا وہاں آثار تلاش کئے جاتے کہ کہیں پرندے، نخلستان یا درخت نظر آئیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پانی وہاں ہو گا۔ یوں پہلے وہ کوہِ صفا پر چڑھیں۔ آج تو یہاں فرش بن چکا ہے اس وقت یہ پہاڑیاں تھیں۔ صفا کی بلندی پر پہنچ کر انہوں نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ کوئی آثار نظر نہ آئے تو نیچے اتریں۔ اور اترتے ہوئے بچے پر نگاہ رکھی لیکن جب مروہ کی طرف جاتے ہوئے گہرائی میں اتریں اور جب حضرت اسمٰعیلؑ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو مائی صاحبہ نے دوڑنا شروع کر دیا تا آنکہ اگلی چڑھائی تک پہنچیں جہاں سے وہ نظر آرہے تھے۔ پھر وہ آرام سے چلتی ہوئی اوپر چڑھیں وہاں سے بھی کچھ آثار نہ ملے تو اسی طرح بے قرار ہو کر نیچے اتریں جب آپؑ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو دوڑنے لگیں۔ اسی طرح صفا پر آئیں۔ جب ساتویں چکر پر صفا پر پہنچیں تو دیکھا کہ جہاں اسمٰعیلؑ ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ اللہ کریم کو ان کی سعی کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ تب سے لے کر آج تک اور قیامت تک جب تک حج رہے گا۔ حج اور عمرہ کرنے والے لوگ طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان اسی طرح سعی کرتے رہیں گے۔ اسی ترتیب سے صفا سے شروع کرتے ہیں آرام سے چلتے ہیں، جہاں اس وقت گہرائی تھی آج وہیں دوڑتے ہیں اور مروہ تک جہاں تک مائی صاحبہ دوڑی تھیں، دوڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس پر عمل فرمایا اور آپ ﷺ کی امت ہمیشہ اس پر عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ اس پانی کا نام زم زم بھی اسی وجہ سے پڑا کہ جب یہ پانی ابل کر بہنے لگا تو مائی صاحبہ نے ارد گرد ریت اکٹھی کر کے بند سا بنا دیا اور فرمایا زم زم، ٹھہر جا، رک جا۔ نبی کریم ﷺ نے زم زم کے بہت سے فضائل ارشاد فرمائے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس میں ہر مرض کے لئے شفا ہے۔ اسے پینے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف پیاس بجھانے کے لئے نہیں بلکہ جتنی گنجائش پیٹ میں ہو اتنا زیادہ پیا جائے۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ بڑے ہوئے تو اللہ نے ابراہیمؑ کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا۔ جبرئیل امینؑ نے آپؑ کو انہی بنیادوں کی نشاندہی کی جو آدمؑ کے زمانے کی تھیں اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر بیت اللہ کی تعمیر شروع کی۔ اللہ کریم نے معجزاتی طور پر حضرت ابراہیمؑ کی مدد فرمائی۔ جس پتھر پر آپؑ کھڑے ہو کر تعمیر فرما رہے تھے وہ پتھر قدرتی طور پر جوں جوں دیوار بلند ہوتی جاتی ساتھ ہی بلند ہوتا جاتا تھا۔ اسمٰعیلؑ پتھر گارا

پکڑاتے اور ابراہیمؑ دیوار بناتے جاتے تھے۔ اس دوران آپؑ کے پاؤں اس پتھر میں دھنس گئے وہ پتھر آج تک مقام ابراہیمؑ کے نام سے بیت اللہ شریف کے سامنے موجود ہے اور دونوں قدم مبارک کے نشان اس میں دھنسے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یوں بیت اللہ شریف کی تعمیر ہوئی۔ تب یہ مستطیل تھا اور زمین کے برابر تھا۔ اس کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ جہاں آج ہے وہاں پر تھا اور ایک اس کے سامنے لوگ طواف کے بعد اندر بھی جاتے اور دوسری طرف سے باہر نکل جاتے تھے۔ اس عمارت پر زمانے گزر گئے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کے لڑکپن کے زمانے میں یہ بہت مخدوش ہوگئی۔ اہل مکہ نے باہم مشورہ کیا کہ اسے شہید کر کے نئے سرے سے تعمیر کیا جائے۔ اگرچہ وہ مشرک تھے لیکن حلال وحرام کی اہمیت سے واقف تھے۔ انہوں نے یہ طے کیا کہ بیت اللہ کی تعمیر نو کے لئے جو شخص بھی رقم دے وہ یہ تسلی کر کے دے کہ رقم حلال ہو کسی دھوکہ بازی یا حرام ذریعے سے کمائی ہوئی نہ ہو۔ جب رقم جمع ہوئی تو وہ اتنی نہیں تھی کہ پوری مستطیل عمارت کی تعمیر کے لئے کفائیت کرتی لہٰذا جتنی رقم تھی اس کے حساب سے عمارت تعمیر کردی۔ چھت اور ستونوں کی لکڑی ایک بحری جہاز سے حاصل کی گئی۔ ایک سوداگر جدہ میں تھا جس کا جہاز مخدوش ہو چکا تھا اور وہ اس پر سفر کرنے سے گریزاں تھا اس نے کہا کہ آپ لوگ اگر میرا سامان میرے ملک پہنچا دیں تو یہی اس کی قیمت ہے آپ جہاز لے لیں، جہازوں کی لکڑی اچھی اور خاص قسم کی ہوتی ہے اور پانی میں رہنے سے پختہ تر ہو جاتی ہے اور تعمیر کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ یوں قریش مکہ نے اس کے لئے اونٹوں کا انتظام کر دیا تا کہ وہ اپنے سامان کے ساتھ اپنے دیس پہنچ جائے اور وہ جہاز قریش مکہ کو مل گیا۔ اس سے انہوں نے بیت اللہ شریف کی چھت بنائی اور چھت کے نیچے اور بیت اللہ کے اندر لکڑی کے تین بڑے بڑے ستون کھڑے کئے۔ جو آج بھی موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ اکثر ان ستونوں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا کرتے تھے۔

حرمین کی زیارت کے وقت ایک مرتبہ مجھے بھی بیت اللہ شریف کے اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے ان ستونوں کو دیکھا۔ اندر نوافل بھی پڑھے۔ سب کو شوق ہوتا ہے کہ چاروں طرف منہ کر کے دو دو رکعت پڑھے لیکن سعودی حکومت نے ستونوں کے ساتھ پانچ چھ فٹ بلند تختیاں سی لگا دی ہیں اس لئے کہ لوگ ستونوں سے لپٹتے اور طرح طرح کی حرکات کرتے تھے۔ لوگوں کی اس بے اعتدالی سے ہم اس لکڑی کی زیارت سے بھی محروم ہو گئے جس سے ٹیک لگا کر حضور اکرم ﷺ بیٹھا کرتے تھے۔ لوگوں کا عجیب رویہ ہے جس کے باعث بیت اللہ شریف کے پردے اوپر کر کے باندھ دیئے جاتے ہیں کہ لوگ طواف کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کا پردہ شریف کاٹ کر ٹکڑے لے آتے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کون سی عقیدت ہے؟ کون سا ادب ہے؟

کون سا احترام ہے؟

بہر طور پر تعمیر تو اس طرح ہوئی کہ حلال رقم پوری نہ ہونے کے باعث قریش مکہ نے بیت اللہ کو مربع شکل میں تعمیر کر کے حطیم کا حصہ باہر بنا دیا تا کہ جہاں بیت اللہ شریف تھا وہاں تک حد کعبہ قائم رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس میں دو تبدیلیاں کر دیں۔ ایک یہ کہ عمارت کی کرسی زمین سے چھ سات فٹ بلند کر دی اور دروازہ اونچا کر کے لگا دیا اور دوسری یہ کہ باہر نکلنے کا دروازہ بند کر دیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جو بھی بیت اللہ شریف میں جائے ان کی اجازت سے جائے اور انہیں کوئی فیس وغیرہ بھی دے کر جائے۔ ان کی بنائی ہوئی صورت آج بھی قائم ہے۔

فتح مکہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تیری قوم نئی نئی مسلمان ہوئی ہے تو بیت اللہ کو شہید کر کے اس کو واپس اصل صورت پر کر دیتا یعنی مستطیل بنا دیتا لیکن لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں وہ شاید اس میں نہ پھنس جائیں کہ بیت اللہ کو شہید کیوں کیا گیا۔ چنانچہ جب حضرت معاویہؓ کے بعد یزید حکمران بنا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کی اطاعت نہیں کی اور مکہ میں اپنی حکومت قائم کر لی تو فرمایا کہ خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اگر یہ عذر نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی اصل شکل پر تعمیر کرنا چاہتے تھے لہٰذا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیت اللہ شریف کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء مبارک کے مطابق دوبارہ تعمیر فرما کر مستطیل عمارت بنا دی۔

ولید بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر دیا اس کی سنگ باری اور آتش بازی سے بیت اللہ شریف کے پردے جل گئے اور دیواروں کو بھی نقصان پہنچا۔ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی مخالفت میں بیت اللہ شریف کو دوبارہ شہید کر کے قریش مکہ کے مطابق مربع عمارت بنا کر حطیم کو باہر بنا دیا۔ اس تعمیر کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حجاج نے جب مکہ مکرمہ پر قبضہ کیا تو اس کشاکش میں بیت اللہ شریف کے پردے بھی جل گئے تھے اور دیواروں کو بھی نقصان پہنچا تھا ولید بن عبدالمالک بن مروان مکہ مکرمہ آیا تو اس نے حجاج سے کہا کہ ابن زبیرؓ نے اگرچہ ہماری اطاعت نہیں کی لیکن اس کا یہ کام سنت کے مطابق تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی یہی خواہش تھی جسے ابن زبیرؓ نے پورا کیا۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس پر ولید نے ارادہ کیا کہ بیت اللہ شریف کو شہید کر کے مستطیل بنا دیا جائے لیکن علماء وقت نے اسے اس کی اجازت نہ دی انہوں نے فرمایا یہ بادشاہوں کا کھیل بن جائے گا کوئی مربع بنائے گا کوئی

مستطیل لہٰذا اب اسے اسی حال میں چھوڑ دیں۔ تب سے اب تک اسی حال میں قائم ہے۔ موجودہ حکومت سعودی خاندان کی ہے۔ انہوں نے مسجد الحرام کی تعمیر و توسیع اور مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع پر بھی بے پناہ دولت خرچ کی ہے ایسی خوبصورت عمارتیں بنائی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن انہوں نے بیت اللہ کی اصل عمارت کو نہیں چھیڑا۔ چھت کو مرمت کر کے پختہ تر کر دیا ہے اسی طرح اندر دیواروں پر خوبصورت پتھر لگا دیئے ہیں، فرش خوبصورت بنا دیا ہے لیکن چھت اور ستون وہی ہیں البتہ ان پر پالش کر دی گئی ہے۔

بیت اللہ کے بارے اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں **جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ** اللہ کریم نے کعبہ کو نہایت ادب کی جگہ بنایا ہے۔ یہ حضور حق میں حاضری کی کیفیت عطا ہونے کے لئے بے مثال ہے۔ زائر کا حالت احرام میں ہونا قیامت کا نقشہ پیش کرتا ہے کہ جب آدمی دو اَن سلے کپڑے زیب تن کرتا ہے تو گویا اس طرح ہو جاتا ہے جیسے کفن دیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ **دنیا ومافیھا** سے کٹ کر **اللھم لبیك** کہتا ہوا اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ کے مقرب بندے کفن کی دو چادریں لپٹے میدان حشر میں اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور جب تک پروانہ نجات نہیں ملتا کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوگی سب اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ حالت احرام میں بھی بندہ اسی طرح جہان سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

قِيٰمًا لِّلنَّاسِ فرمایا یہ لوگوں کے قیام کا سبب بھی ہے کہ جب تک بیت اللہ شریف قائم ہے اور اس کا طواف ہو رہا ہے تب تک دنیا بھی قائم ہے۔ دنیا کی آبادی بھی قائم ہے۔ اگرچہ ابراہیمؑ کے بعد گمراہی پھیلی، دین کی جگہ رسومات آگئیں، تلبیہ کی جگہ لوگوں نے مشرکانہ کلمات گھڑ لئے، ادب ملحوظ رکھنے کے بجائے سیٹیاں بجاتے، تالیاں پیٹتے، مختلف حرکات کرتے رہتے لیکن اس کا طواف بہر حال جاری رہا۔ بعثت نبی کریم ﷺ کا ابرِ رحمت برسا، لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور پھر **لبیك اللھم لبیك** کی صدائیں گونجیں اور اب یہ تب تک گونجتی رہیں گی جب تک دنیا آباد رہے گی۔ جب یہ صدائیں اٹھنا بند ہو جائیں گی تو یہ دنیا کے خاتمے کی دلیل ہوگی۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ فرمایا: جس طرح یہ مہینہ حرمت والا ہے اسی طرح قربانی کے جانور جنہیں نشانیاں لگا دی جاتی ہیں یہ سب اسی طرح حرمت والے ہیں۔ اس مہینے کا احترام کیا جائے اس میں اللہ کی نافرمانی اور جنگ وجدل سے بچا جائے۔

نسبت کی اہمیت:

فرمایا: جو جانور اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لئے مقرر کر دیئے گئے ہیں ان کو مارنا، چُرانا، نقصان

پہنچانا اتنا شدید جرم ہے کہ لوگوں کو اس سے محتاط ہو کر بچنا چاہیے۔ یعنی بات کسی جانور کسی مکان یا جگہ کی نہیں۔ بات اس نسبت کی ہے جو انہیں اللہ جل شانہٗ سے نصیب ہوئی۔ یوں تو قربانی ایک جانور اونٹ، گائے، بیل یا بکرے، بکری کی کی جاتی ہے۔ وہ ایک عام جانور ہی ہوتا ہے لیکن جب وہ اللہ کے لئے قربان کرنے کے لئے اللہ سے منسوب ہو جائے تو اس کی عظمت ہے کہ وہ اللہ کے نام پر اللہ کی رضا کے لئے قربان کیا جائے گا لہٰذا اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے اگر اس نسبت کے باعث ان جانوروں کے لئے ایک عظمت اور احترام ہے جو اللہ کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں تو اہل اللہ، اللہ کے وہ بندے جن کی زندگیاں اللہ، اللہ میں بسر ہو جاتی ہیں اور جو لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ کر لیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مقام کیا ہے؟

بیت اللہ بظاہر تو عام پتھروں کی عمارت ہے اور آج دنیا میں بلند و بالا اور عظیم عمارتیں بن رہی ہیں۔ ان میں ایسے ایسے عجیب شیشے لگے ہوئے ہیں کہ پتھر تو پتھر وہ گولی مارنے سے بھی نہیں ٹوٹتے لیکن یہ عمارتیں نہ خود ہمیشہ کے لئے ہیں نہ ان عمارتوں کے سبب کسی کو ہمیشگی حاصل ہے۔ نہ ان کے سبب کسی کو دوام حاصل ہے نہ وہ خود دائم ہیں۔ بیت اللہ شریف کی عمارت انسانیت کے قیام کا سبب ہے جب تک یہ قائم ہے دنیا قائم ہے، آباد ہے۔ لوگ اس میں جیتے بستے ہیں جب یہ عمارت اور اس کا طواف نہ رہے گا تو دنیا قائم نہیں رہے گی۔

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اللہ آگاہ ہے۔ وہ زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی بات سے واقفیت رکھتا ہے۔ وہ خود جانتا ہے کہ کون کیا سوچ رہا ہے؟ کس کی کیا نیت ہے؟ وہ ہر چیز کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے۔ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ (بخاری و مسلم) کہ ''جسے حج نصیب ہو جاتا ہے وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسے آج دنیا میں پیدا ہوا ہے''۔

یاد رہے کہ حج کی کچھ شرائط بھی ہیں مثلاً حج کا ارادہ کرنے والا صاحب نصاب ہو، رزق حلال ہو، عقیدہ درست ہو، حج اسی طرح کیا جائے جیسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے حکم فرمایا ہے، خلوص نیت سے خالص رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں، کردار تبدیل ہو جاتا ہے اور زندگی مثبت رویوں کی طرف تبدیل ہو جاتی ہے، گناہ معاف ہونے کا معنی ہے کہ اسے آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ اور اگر حج کر کے بھی آیا ہو اور اس کے عقیدے، کردار میں کوئی فرق نہ آئے اور بندہ ویسے ہی بدعات کا اور رسومات کا اسیر ہو، دین پر عمل نہ کرے تو پھر اس نے حج نہیں کیا۔ سیر و تفریح کر کے

آ گیا، اگر حج پر خرچ ہونے والی رقم ہی حرام ہوئی تو ایسے لوگوں کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واضح ہے۔ فرمایا کہ ایک شخص بہت دور سے بیت اللہ شریف آئے گا اس کا لباس گرد آلود، اس کے بال پریشان اور اس کے چہرے پر تھکن کے آثار ہوں گے۔ وہ بڑے درد سے طواف میں تلبیہ پکار رہا ہوگا۔ لبیک اللھم لبیک عرض کر رہا ہوگا لیکن اس کی پکار کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی، ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا اس لئے کہ اس کا مال حرام ہوگا۔ حرام آمدنی وائے زادراہ رکھنے والے کا حج اللہ کریم قبول نہیں فرمائیں گے۔ اور اخلاص نیت سے اللہ کے فرمان کردہ مناسک حج پورے کرنے والے کو گویا نئی زندگی ملے گی۔ سیرۃ پاک میں ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے موقع پر کم وبیش ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ کرام ہمرکاب تھے۔ سب صحابہؓ نے رمی جمار کیا یعنی شیطان کو کنکریاں ماریں۔ ہر حاجی تین دن کنکریاں مارتا رہے تو کنکریوں کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ علمائے کرام لکھتے ہیں کہ ان کی کنکریاں رات کو فرشتے اٹھا لیتے اور صبح وہ جگہ صاف ہوتی، کوئی کنکر نہیں بچتا تھا۔ میں نے یہ روایت اسرار التنزیل میں لکھ دی۔ ہمارے ایک مولانا ہنگو میں تھے ان کا مدرسہ تھا اچھے عالم، نیک اور صالح انسان تھے اور بڑے خوش مذاق بھی تھے۔ انہوں نے اسرار التنزیل میں یہ روایت پڑھی تو مجھے خط لکھا کہ آپ نے تو مقبول حاجیوں کی کنکریوں کے بارے لکھا ہے کہ وہ کنکریاں فرشتے اٹھا لے جاتے ہیں لیکن میں جب حج پر گیا تو میں نے دیکھا کہ رات کو سعودی حکومت کے ٹرک کنکریاں بھر کر لے جاتے تھے۔ میں نے انہیں لکھا کہ علماء نے جو روایت بیان کی ہے وہ حاجیوں کے بارے ہے اور یہ سیرۃ کی کتابوں میں موجود ہے۔ آج کل جو لوگ حاجی کہلانے کے لئے یا حج کے نام پر پکنک، تفریح کے لئے جاتے ہیں یا حرام آمدنی سے جاتے ہیں یا بدعقیدہ رکھنے والے یا بدعتی جاتے ہیں ان کی کنکریاں تو سعودیہ کے ٹرک ہی اٹھائیں گے۔ یہ اصول تو چونکہ ہمیشہ کے لئے ہے کہ جو حج کی وہ شرائط پوری کرتا جو اللہ اور اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں اس کا حج قبول ہوتا ہے، فرشتے ہی اس کی کنکریاں لے لیتے ہیں، قیامت کو اس کے اعمال کے وزن میں رکھی جائیں گی۔ **وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ** ﴿۹۷﴾ فرمایا: یہ بات غور سے سن لو! تم جو کہتے ہو۔ جو کرتے ہو، جو سوچتے ہو اللہ اس سب سے واقف ہے۔

اسلام کی ایک انقلابی خصوصیت:

اسلام کی یہ انقلابی خصوصیت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو اللہ کے روبرو کر دیا۔ اسلام کی یہی وہ بنیادی خصوصیت ہے جو انسانیت کی اصلاح کا سبب ہے۔ بندہ جرم کرتا ہی اس وقت ہے جب وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ یورپ، امریکہ اور مغرب میں سخت قوانین ہیں۔ ان قوانین پر عمل درآمد بھی

پوری تندہی سے کروایا جاتا ہے۔ قانون نافذ ہے۔ جرم کی کھوج میں برسوں لگتے رہتے ہیں اور کسی کو رعایت نہیں دی جاتی اس کے باوجود وہاں جرائم کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے اور اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ انسانی نفسیات پر غور کرنے سے پتہ چل جاتی ہے۔ کسی حکومت کے ڈر سے جرائم نہیں رکتے اس لئے کہ انسان سے چھپ کر جرم کیا جا سکتا ہے۔ مجرم کو پتہ ہوتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا لیکن جب اسے یہ یقین ہو کہ اللہ اس کے پاس ہے۔ اسے دیکھ رہا ہے تو پھر اسے جرم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ جب بندہ بندے کے سامنے جرم نہیں کرتا تو اللہ کریم کے سامنے کون کرے گا؟ یہی اسلام کا بنیادی کمال ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے بندوں کو اللہ کے ہونے کا یقین عطا فرما دیا۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کو سجدہ کرتا ہوں اور تم مجھے سجدہ کرو۔ جیسے آج کل کے پیر کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ اللہ کرتے ہیں اگر تم اللہ' اللہ کرو گے تو بیمار پڑ جاؤ گے۔ ذہن خراب ہو جائے گا۔ تم بس ہمیں نذرانے دیتے رہو ہم تمہارے لئے دعا کرتے رہیں گے۔

حضور اکرم ﷺ نے ہر آنے والے کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے فرمایا میں بھی رب کو سجدہ کرتا ہوں تم بھی براہ راست رب العالمین کو سجدہ کرو۔ یوں آپ ﷺ نے ہر بندے کو اللہ کے حضور کھڑا کر دیا اور یہی مسلمانی ہے کہ بندہ ہر لمحہ اللہ کریم کو اپنے ساتھ سمجھے۔ جسے ایسا ایمان نصیب ہو جائے اسے نہ کسی دشمن کا ڈر رہتا ہے نہ کسی جادوگر کا نہ کسی جن اور پری سے ڈر لگتا ہے۔ ہمارے ہاں کیسی مسلمانی ہے کہ ہر بندہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ عجیب بات ہے جب اللہ کسی کے ساتھ ہو تو اللہ کی موجودگی میں کس جادوگر کی جرأت ہے کہ انسان کو تکلیف پہنچائے۔ لیکن ہم عملاً اللہ کے ساتھ سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہم کلمہ گو ہیں اور بدعات و رسومات کے اسیر ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے جس کا مفہوم ہے کہ بدعات پر عمل کرنے والے کی اگر کسی نے تعظیم کی۔ اسے عزت و احترام سے بلایا تو اس کا قیامت کو اس بات پر مواخذہ ہو گا۔ یعنی کسی بدعتی اور رسوم پرست کی تعظیم کرنا بھی جرم ہے جس پر پوچھ گچھ ہو گی۔

آج نکاح اور مرگ کی رسمیں بدعات ہیں۔ ہم رسومات میں اتنے گھر چکے ہیں کہ شادی کے موقع پر نماز جو فرض عین ہے وہ قضا ہوتی رہے کوئی پرواہ نہیں لیکن گانہ باندھنا اور سہرا باندھنا جو کہ ہندوؤں کی رسمیں ہیں ان کی ادائیگی عبادت پر فوقیت رکھتی ہے۔ کسی کے ہاں مرگ ہو جائے تو اکثریت کو جنازے کی نماز پڑھنا نہیں آتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ مولانا صفیں بندھواتے ہیں، پھر نیت بتاتے ہیں گویا اب بتانے سے یاد ہو جائے گی۔ سوچنے کی بات ہے جنہیں نیت کرنا نہیں آتا انہیں بھلا نماز آتی ہو گی۔ تو سیدھا سیدھا اعلان کر دینا چاہیے

کہ جنہیں جنازہ پڑھنا نہیں آتا وہ باہر بیٹھیں، کسی کو تو شرم آئے گی، کوئی تو سیکھے گا۔ جو مولوی صاحبان نیت کرنا سکھاتے ہیں ان کے لئے عرض ہے کہ زبان سے نیت کرنا تو خود بدعت ہے۔ نیت تو قلبی ارادے کا نام ہے۔ نماز کے لئے یا نماز جنازہ کے لئے صرف ان لوگوں کو زبان سے نیت کرنے کی اجازت شرع نے دی ہے جو ذہنی طور پر کمزور یا بیمار ہوتے ہیں۔ انہیں یاد نہیں رہتا لہٰذا وہ آہستہ سے زبان سے دہراتے ہیں تاکہ اس وقت کی ہی نماز پڑھیں جس کا وقت ہوا ہے۔ زبان سے نیت نماز کا حصہ نہیں ہے اس لئے کہ نماز تو ساری عربی میں ہے اور نیت اپنی زبان میں کی جاتی ہے۔ اگر زبانی نیت نماز کا حصہ ہوتی تو یہ بھی عربی میں ہوتی۔ اس طرح کے رواجات پختہ ہو چکے ہیں اور دین کے ارکان چھوٹ گئے ہیں۔

اس ضمن میں فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ یہ بات جان رکھو! کہ اللہ کی سزائیں بہت سخت ہیں۔ اللہ مہلت دے رہا ہو تو اس بات پر دلیر نہ ہو جاؤ کہ میں نے یہ کر لیا میرا کچھ نہیں بگڑا، ہر گستاخی پر انسان کا بہت کچھ بگڑ جاتا ہے جو ہمیں سمجھ نہیں آتا جب آنکھ بند ہو گی تو حقیقی جہان میں آنکھ کھلے گی۔ ہر چیز سامنے ہو گی۔ پتہ چل جائے گا کہ کتنا کچھ بگڑ چکا ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ اللہ معاف کرنے والا یقیناً معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے۔

اگر زندگی کی مہلت باقی ہے تو توبہ کر لو۔ رجوع الی اللہ کر لو۔ بندہ زمین و آسمان کو گناہوں سے بھر دے اور خلوص دل سے توبہ کر لے تو اس کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتا۔ لیکن زندگی میں توبہ کر لے۔ اس عالم دنیا سے جانے سے پہلے توبہ کر لے۔ اللہ معاف کرنے والے بھی ہیں۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ بڑی خوبصورت اور چند لفظوں میں قرآن حکیم نے ایک بات ارشاد فرمادی ہے۔ یاد رہے قرآن اللہ کا کلام ہے اور محاورہ ہے ''کلام الملوک ملوک الکلام''۔ بادشاہوں کا کلام جو ہوتا ہے وہ کلام کا بادشاہ ہوتا ہے اس کے ہر لفظ میں اتنے خزانے ہیں کہ قیامت تک اس میں خوش نصیب لوگ غوطہ زن ہوتے رہیں گے اور نئے نئے گوہر مراد پاتے رہیں گے۔ کہنے کو یہ چند الفاظ ہیں مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ اللہ کے رسول ﷺ کے ذمے یہ ہے کہ وہ اللہ کی بات اللہ کے بندوں تک پہنچائے یہ رسالت کی ذمہ داری ہے۔ چند الفاظ کے اس چھوٹے سے جملے کو دیکھیں اور ایک ایسی ہستی کا تصور کریں کہ جس کی زندگی کا ہر لمحہ پوری انسانیت کے لئے رہنمائی کا سبب ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے دانشور بھی ہوئے فلاسفر بھی ہوئے، بڑے بڑے لوگوں نے فکر و تدبر بھی کیا کام کرنے کے مختلف انداز دریافت کیے، چیزیں بنائیں، مخلوق کو ان کا فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ بتایا لیکن یاد رکھو ہر چیز، ہر ایک کے لئے نہیں بنتی۔ کسی ایک ملک میں اگر قوانین

بنے ہیں تو وہ دوسرے ملک میں نا قابل عمل ہیں ان پر عمل ممکن نہیں ہے کسی ایک ملک میں ایک چیز استعمال ہوتی ہے دوسرے ممالک کی رسائی سے ہی باہر ہوتی ہے یہ کون تھا؟ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا ایک ایسا خاص بندہ جس کے شب و روز میں، حیات طیبہ میں، ایک ایک لمحہ میں، ایک ان پڑھ چرواہے گڈریے سے لے کر ایک حاکمِ وقت تک ہر ایک کے لئے رہنمائی ہے۔ دنیا میں لوگوں کی زبانیں مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، قد کاٹھ مختلف ہیں، سوچ وفکر کے انداز مختلف ہیں، غذائیں مختلف ہیں، رات اور دن ہیں۔ موسم مختلف ہیں لیکن ہیں تو سارے انسان۔ انہیں زندگی تو انسانی گزارنی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف زبانی پہنچایا بلکہ عملاً ہر بات پر عمل کر کے دکھایا کہ یہ حکم ہے اس کی تکمیل کس انداز سے کی جائے گی اور حکم پر عمل کس طرح کیا جائے گا۔ اور صرف یہ نہیں ایک قوم تیار کی، ایک مملکت تیار کی، ایک ریاست بنائی، ایک ملک بنایا بلکہ سارا جزیرہ نمائے عرب عہد نبوی میں اسلام کے زیرِ نگیں آ چکا تھا اور وہ ریاست جو تین ہزار گھروں کے ایک گاؤں مدینۃ النبی سے شروع ہوئی انہی تین ہزار گھروں کی آبادی اسلامی ریاست کی بنیاد بنی۔ اور چند سالوں میں وہ ریاست پورے جزیرہ نمائے عرب پر پھیل چکی تھی اس میں گڈریئے، چرواہے بھی تھے جانوروں کی تجارت کرنے والے بھی تھے، منڈیاں بھی تھیں، بیچنے والے اور خریدار بھی تھے، دکاندار تھے، تاجر تھے، آجر بھی تھے اور گاہک بھی تھے۔ بڑے بڑے زمیندار کاشتکار تھے۔ کھیتی باڑی کرنے والے تھے۔ حکومت کے عہدیدار اور ان کے ماتحت بھی تھے۔ تمام محکمے موجود تھے۔ قاضی تھے، عدالتیں تھیں، فوج تھی اور ملکی دفاع کا پورا نظام تھا یہ سب کچھ تیئس برس کے قلیل عرصے میں عملاً نافذ کر کے ثابت کر دیا کہ اللہ کا حکم یہ ہے اس طرح سے زندگی بسر کرنی ہے اور اس کا عملی ثبوت یہ ریاست ہے۔ حجۃ الوداع کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اسی یا بیاسی دن قیام فرما کر پردہ فرما گئے۔ بعض روایات کے مطابق وہ صحابہؓ جو حج کے لئے آئے ان صحابہؓ کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی وہ صحابہؓ جو حج پر نہ جا سکے ان کی تعداد کا اندازہ نہیں۔ تو اس کا مطلب ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثالی ملک اور ایک مثالی قوم بنا کر ہمیں ماڈل عطا کر دیا کہ اللہ کا حکم یہ ہے، اس کا مفہوم یہ ہے اور اس پر عمل اس طرح سے کیا جائے۔

صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت ہی وہ ماڈل ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ شفقت سے تیار کی صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں ہیں جن کے سامنے قرآن نازل ہوا۔ قرآن میں نے نہیں سنا، آپ نے نہیں سنا، ہمارے آباؤ اجداد نے نہیں سنا، عہد نبوی میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ وحی کسی دوسرے نے نہیں سنی۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں، مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے'' تو ایمان لانے والے فوراً ایمان لے آئے، سب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دل و جان سے تسلیم کی، اس وحی الٰہی کو کسی نے نہیں سنا،

کوئی وحی کے الفاظ کا گواہ نہیں ہے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو اللہ کریم نے نازل کئے۔ یہ منصب صرف اللہ کے رسول ﷺ کا ہے کہ اللہ نے وحی نازل کی اور حضور ﷺ نے قبول کی۔ یہی فرمایا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ الفتح:28 گواہی کے لئے ''میں اللہ کافی ہوں'' کسی دوسرے کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ میں گواہ ہوں اپنے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا۔ اپنے کلام کی حقانیت کا۔ کسی دوسرے کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ اس ایک ہستی نے اس کلام الٰہی کو سہل کر دیا۔ عمل کے لئے اتنا آسان کر دیا کہ ہر بندہ جو زندگی کی کسی سطح پر بھی ہے، کاشتکار ہے، مزدور ہے، غریب ہے، امیر ہے، مفلس ہے، قلاش ہے یا کسی ملک کا حکمران ہے ہر بندے کے لئے اس میں رہنمائی فرمائی۔ اللہ کا وہ بندہ ﷺ جس کی رسالت اور زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے۔ اللہ کریم نے خود وعدہ فرمایا قرآن کے بارے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ الحجر:9 یقیناً ہم نے یہ کتاب نصیحت نازل فرمائی ہے اور ہم اس کی حفاظت فرمائیں گے تو کتاب کی حفاظت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے صرف حروف، الفاظ کی حفاظت کی جائے گی، نہیں بلکہ کتاب کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ جس پر کتاب اتری ہے اس کی رسالت کا بھی تحفظ ہوگا۔ اس کی رسالت ہوگی تو کتاب، کتاب اللہ ہوگی جن کو اس نے سکھائی ہے اور جنہوں نے اس پر عمل کیا ہے ان کی بھی حفاظت ہے اس کا جو مفہوم ارشاد ہوا ہے، اس کی بھی حفاظت ہے، صحابہؓ ہی حضور اکرم ﷺ کی رسالت کے گواہ ہیں اور قرآن کے مثالی مسلمان بھی وہی ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تیار کئے۔

دنیا کی حالت یہ تھی کہ کہیں انصاف کا نام نہیں تھا۔ زمین ظلم و جور سے بھر گئی تھی، وحشت و بربریت کا عہد تھا۔ افریقہ میں لوگ انسانوں کا شکار کر کے انہیں پکا کر کھایا کرتے تھے۔ روم میں، یورپ میں وحشی قومیں تھیں انسانوں پر بھوکے درندے چھوڑے جاتے، امریکہ کو لوگ وحشی امریکہ کہتے تھے۔ وسط ایشیاء میں ہر طاقتور کمزور کو لوٹ لیتا تھا۔ اس برصغیر میں زندہ عورتوں کو جلا دیا جاتا تھا۔ بندروں اور خنزیروں کے سامنے انسانوں کو ذبح کر کے ان کی قربانی دی جاتی تھی۔ لوگ کس پستی میں گرے ہوئے تھے۔ کوئی انسانی قدر محفوظ نہیں تھی۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ایسی خوبصورت زندگی کا نمونہ پیش فرمایا جو روئے زمین کے ہر ملک، ہر موسم، ہر قوم اور قیامت تک ہر زمانے کے لئے قابل عمل ہے اور الحمد للہ جنہیں توفیق ہے وہ آج بھی روئے زمین کے ہر کونے میں اس پر عمل کر رہے ہیں اور اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ معمولی بات نہیں تھی۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ بلاغ یعنی پہنچانا بہت وسیع معنی رکھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا انداز تبلیغ:

تبلیغ ضروری ہے لیکن تبلیغ کا طریق کار کیا ہے؟ کیا یہ تبلیغ ہے جو آج ہم کرتے ہیں ایک چلہ چھوڑ کے تین سال بھی تبلیغ پر لگا آؤ تو اپنا عمل ویسا ہی ہے جیسے گئے تھے یا پھر اس سے بھی بدتر ہو جاؤ اپنے اندر تبدیلی نہ ہو، تبدیلی کیا ہوتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے جو تبلیغ فرمائی وہ یہ تھی کہ اللہ کا حکم سنایا خود اس پر عمل کیا جو ساتھ تھے ان سے عمل کروایا اس کے نتائج سامنے آئے۔ ایک بکھری ہوئی قوم، خانہ بدوشوں کی قوم، لوٹ مار کرنے والوں کی قوم، ایک ایسی قوم جس کے ایک طرف کسریٰ بیٹھا تھا اور ایک طرف قیصر بیٹھا تھا دنیا کی دو سُپر پاورز بیٹھی تھیں کوئی انہیں اپنی ریاست میں شامل کرنے کو تیار نہ تھا نہ کسریٰ شامل کرتا تھا اپنی ریاست میں اور نہ قیصر کرتا تھا کیوں؟ اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھوکے لوگ ہیں، علاقہ ریتلا ہے اور اُجڑا ہوا ملک ہے۔ یہاں کوئی شئے نہیں اُگتی، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے آپس میں لڑتے رہتے ہیں لوٹ مار کرتے ہیں ہم اس قوم کو اگر اپنی ریاست میں شامل کریں گے تو ان کا بوجھ بھی ہم پر آپڑے گا تو ہمیں کیا ملے گا اس لئے انہیں کوئی حکومت میں شامل نہیں کرتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے باہر سے بندے درآمد نہیں کئے تھے اسی وحشی قوم کو! ایسا نصابِ زندگی دیا اور صحابہ کرامؓ نے بھی ماننے کا حق ادا کر دیا۔ کیا خوب بات ہے کہ بتانے کا حق، پہنچانے کا حق اللہ کے نبی کریم ﷺ نے ادا کر دیا اور ماننے والوں نے ماننے کا حق ادا کر دیا۔ زندگی کا ہر لمحہ اس طرح وقف ہو گیا جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ایسے لگتا ہے کہ جنہیں لوگ خواہ لٹیرے کہیں یا اس طرح کے اور لقب دیتے تھے ان میں اللہ نے ایسا خمیر رکھا تھا ایسا مزاج رکھا تھا وہ اس لئے بنائے گئے تھے یعنی انہیں اللہ نے اس طرح تخلیق کیا تھا کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ایمان کی مثل بن گئے اور قیامت تک کے لئے نبوت کی، قرآن کی، اسلام کی، اللہ کی توحید کی دلیل بن گئے۔ آج صحابہ کرامؓ کو درمیان سے نکال دیں تو آپ کو کوئی حضور ﷺ کی نبوت بتانے والا، قرآن کو اللہ کی کتاب بتانے والا نہ ملے گا۔ یہ بات بتانے والا کوئی نہیں صرف اور صرف اس سارے فلسفے کے گواہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے محض ریاست نہیں ایسی خوبصورت ریاست بنائی اور ایسے خوبصورت انداز زندگی دیئے جو ہر فرد کے لئے عمر کے ہر حصے میں اور ہر ملک میں قابل عمل تھے اور پھر اس کو کامیاب کر کے دکھایا کہ کتنے چوروں، ڈاکوؤں، مشرکوں، کافروں، بت پرستوں کی زمین پر جب اسلامی حکومت بنی تو دنیا کا مثالی امن اس میں موجود تھا کوئی افلاس سے روتا نہیں تھا۔ کسی بوڑھے کی آہ نہیں نکلتی تھی، کسی عورت کی آنکھ میں آنسو نہیں تھا، کتنی حیرت کی بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ

تو ساری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے۔ ساری دنیا کے لئے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ''اے اولاد آدم! تم جہاں تک ہو اور قیامت تک جو بھی آؤ گے **یا ایھا الناس انی رسول اللہ علیکم جمیعاً** میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ﷺ ہوں لیکن جو ریاست آپ ﷺ نے بنائی وہ صرف جزیرہ نمائے عرب پر بنائی اور پھر دنیا سے تشریف لے گئے اور عرب سے باہر کسی زمین کو یہ خوش بختی نصیب نہیں ہوئی کہ وہ قدوم مبارک کو بوسہ دیتی۔ کسی زمین نے حضور اکرم ﷺ کے پائے مبارک نہیں چومے سوائے عرب کے۔ گویا ایسی قوم حضور ﷺ نے تیار فرمائی تھی اس پر امت کو دین حق سے سرفراز کرنے کی ذمہ داری ڈال دی کہ میں نے یہ ریاست بھی بنا دی یہ قوم بھی بنا دی اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اسے روئے زمین کے دوسرے سرے تک پہنچاؤ اور انہوں نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھیے تیئس برس میں حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کی ریاست اور عرب کی ریاست بنائی۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد تیئس برسوں کے اندر اندر ہسپانیہ سے لے کر جاپان اور چین سے لے کر سائبیریا تک ان لوگوں نے پیغام پہنچا دیا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور تاریخ عالم میں ایک ایسی ریاست بنا دی جس کی مثال نہ اس سے پہلے ملتی ہے نہ اس کے بعد ملتی ہے کہ ہسپانیہ سے لے کر چائینہ تک اور سائبیریا سے لے کر افریقہ تک ایک ریاست تھی جس کا سلطان جس کا امیر المومنین مسجد نبوی ﷺ کا امامؓ تھا اور تمام مفتوحہ علاقوں میں امن تھا۔ دیگر اہل دنیا بھی ممالک فتح کرتے ہیں حال ہی میں عراق فتح ہوا، افغانستان فتح ہوا، کتنی چیخیں ہیں۔ اگر ہمارے کان بہرے نہ ہو گئے ہوں تو سوائے چیخوں، سسکیوں، آہوں کے اور فضا میں کیا رکھا ہے آج کی سائنس کا دعویٰ ہے کہ وہ پرانی باتیں جو کسی کے منہ سے نکلی تھیں آج سائنس انہیں لوٹا سکتی ہے کہ وہ فضا میں موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں پرانی باتیں چھوڑو آج جو انسانیت سسک رہی ہے وہ صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ صرف شان رسالت ہے اور اتنا کرنے کے بعد اب ہم یہ چاہیں کہ حضور اکرم ﷺ ہی ہمیں نماز کے لئے اٹھوائیں، روزہ بھی آپ ﷺ ہی رکھوائیں، برائی سے بھی آپ ﷺ ہی رکوائیں اور نیکی پر بھی آپ ﷺ کاربند کروائیں۔ فرمایا یہ معاملہ تو اللہ کے اور بندے کے درمیان ہے لیکن ایک بات یاد رکھو کہ میرے رسول ﷺ نے اپنا حق ادا کر دیا اس کے بعد کیا ہے **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾** اس کے بعد تم ہو اور تمہارا اللہ ہے وہ ہر شئے جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور وہ بھی جو تم چھپ کر کرتے ہو تم دنیا سے چھپ کر کرتے ہوئے اس سے چھپے ہوئے نہیں ہو۔ اس فیصلے کا اختیار تمہیں اللہ نے دیا ہے کہ تم میرے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو پسند کرتے ہو یا خواہشات نفس کے پیچھے جاتے ہو؟ معاملہ بندے اور اللہ کے

درمیان ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ پھر بڑے خوبصورت انداز میں انسانی کمزوری کو اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کثرت مال کا بڑا حریص ہے یعنی جس کے پاس دو بھیڑیں ہیں، وہ چاہتا ہے کہ پانچ ہو جائیں، جس کے پاس دو گاڑیاں ہیں وہ چاہتا ہے کہ چار ہو جائیں، جس کے پاس دو گھر ہیں وہ چاہتا ہے دس ہو جائیں، جس کے پاس دو جوڑے کپڑے ہیں وہ چاہتا ہے چار ہو جائیں، جس کے پاس دو لاکھ ہے وہ چاہتا ہے دس لاکھ ہو جائیں۔ انسان کا ایسا مزاج ہے کہ یہ بلا تفریق جائز و ناجائز کثرت مال کے پیچھے دوڑتا ہے۔ حرام حلال پاک پلید کی اسے پرواہ نہیں ہوتی۔ اور عجیب بات ہے ایک عام آدمی سے لے کر حاکم وقت تک ہر ایک اسی دوڑ میں شامل ہے کہ کچھ اور لے لوں! اللہ کریم نے فرمایا ایک بات یاد رکھو زندگی میری عطا کردہ ہے تمہیں میں نے فیصلہ کرنے کا اختیار دے رکھا ہے لہٰذا جو لوٹ مار کرتے ہو اس کے بارے یہ یاد رکھو یہ جو خباثت کا مال ہے، یہ جو لوٹ کا مال ہے، یہ جو حرام کا مال ہے وہ بڑا مہنگا پڑے گا جب اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی اور جب اس کی سزا ملے گی۔ لہٰذا اس حرام کی کثرت کی بجائے ایک لقمہ حلال کا مل جائے تو وہ کروڑوں روپے حرام سے ایک لقمہ حلال کا بہتر ہے۔ اس سے خون بھی طیب پیدا ہوگا، اس سے جو قوت دماغ کو جائے گی اس سے سوچ بھی صالح ہوگی اور جو توفیق عمل ہوگی وہ بھی صالح اعمال کی ہوگی اور عنداللہ اس پر جو نتیجہ انجام ہوگا وہ بھی اچھا ہوگا۔ محض لوٹ کھسوٹ سے جمع کر کے کہاں لے جاؤ گے؟ چھوڑ کے مر جاؤ گے۔ بڑے بڑے سلاطین، بڑے بڑے فرماں روا جن کے خزانے، ٹنوں سونے سے بھرے رہتے تھے، کہاں لے گئے؟ آج تو پتہ نہیں ہم کیوں دیکھتے نہیں؟ ایسے ایسے نشانِ عبرت موجود ہیں۔ میں ایک دفعہ لاہور گیا ہمارے ایک ساتھی ہوتے تھے اللہ بخشے اور ان پر رحم فرمائے فوت ہو گئے وہ مجھے کہنے لگے مقبرہ جہانگیر پر جانا ہے۔ میں نے کہا کیا کریں گے؟ کہنے لگے مجھے شوق ہے جانے کا چلو چلتے ہیں۔ وہ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ مقبرہ جہانگیر پہ ہم نے یہ دیکھا بہت بڑا مقبرہ ہے، بڑا اعلیٰ انداز تعمیر ہے، سب کچھ ہے، اندر قبر ہے، سنگ مرمر ہے، آیات لکھی ہیں لیکن ایک ایسا حکمران جس کی حکومت بنگالہ سے خیبر تک اور ہمالہ سے دکن تک تھی، جس کے اشارہ ابرو پر سلطنتیں، ریاستیں، حکومتیں بدل جاتی تھیں۔ اس کے مقبرے پر سکول کے بچے اور آوارہ گرد لوگ ٹانگیں پھیلائے بے ہنگم طریقے سے خوش گپیوں میں مصروف سوڈے کی بوتلیں پیتے نظر آتے ہیں۔ اس سے بڑی بھی کوئی عبرت کی بات ہے کہ جس کا لقب ہی جہانگیر تھا دنیا کو فتح کرنے والا، دنیا کا حکمران، کہاں گیا اس کا دبدبہ؟ کہاں گئے وہ شیش محل؟

کہاں گئے وہ لاؤ لشکر؟ کہاں گئی وہ فوج؟ کدھر گئے وہ خزانے؟ آج کوئی کہنے والا بھی نہیں جو بچوں سے کہہ دے قبر کی بے حرمتی نہ کرو۔ کوئی دربان کوئی چوکیدار، کوئی فوجی، کوئی سپاہی، کوئی نہیں۔ اور وہیں اللہ کے بندے ایسے پڑے ہیں جن کے پاس نہ حکومت تھی نہ سلطنت تھی نہ خزانہ تھا نہ لاؤ لشکر تھے۔ آج چوبیس گھنٹے لوگ ان کی قبروں پر بیٹھے تلاوت کرتے ہیں۔ قرآن پڑھا جارہا ہے اللہ سے دعائیں کی جارہی ہیں وہیں اللہ کا ذکر ہورہا ہے نہ حشمت ہے نہ کوئی محافظ رکھا گیا ہے، نہ کوئی تنخواہ دار ملازم ہے نہ کوئی سپاہی ہے نہ وہ خود اس وقت اس دنیا میں ہیں لیکن کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس قبر کی بے حرمتی کریں۔ کیا حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اسی لاہور میں دفن نہیں ہیں؟ کہاں؟ کون سی گارڈ وہ چھوڑ گئے؟ کون سی فوج وہ چھوڑ گئے؟ کون سا خزانہ وہ چھوڑ گئے؟ اس زمانے پہ، فضاؤں پہ، درودیوار پر یہ ساری حکایات آویزاں ہیں ہم پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ ساری چیزیں سامنے ہیں۔ آویزاں ہیں۔ اور فرمایا یاد رکھو میرے رسول اللہ ﷺ کے ذمہ میرا پیغام پہنچا دینا تھا انہوں نے پہنچانے کا حق ادا کردیا تمہارے ذمہ ہے ماننا اور یہ سوچ لو کہ تمہاری کوئی بات اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ جو کرتے ہو وہ اسی معیار رسالت پر پرکھی جائے گی۔ اگر ہم نوٹ چھاپتے رہیں اور سرکاری نوٹوں سے زیادہ قیمتی کاغذوں پر چھاپتے رہیں، سرکاری نوٹوں سے خوبصورت چھاپ لیں لیکن ان پر اگر سرکاری مہر نہیں ہوگی تو وہ نوٹ مارکیٹ میں نہیں چلیں گے۔ کرنسی وہی چلتی ہے جس پر سرکاری مہر ہو۔ آخرت میں بھی ہر عمل پر محمد رسول اللہ ﷺ کی مہر چاہیے کہ آپ ﷺ نے یہ تعلیم فرمایا تھا کہ یہ کام ایسے کرو۔ **فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا** ○ النساء: 41 حشر میں جب دفتر عمل پیش ہوگا تو گواہی چاہیے ہوگی محمد رسول اللہ ﷺ کی کہ میرے حبیب ﷺ نے جو پہنچایا تھا جس کی تبلیغ کی تھی جو دین سکھایا تھا کیا اس بندے کے اعمال اسی کے مطابق ہیں تو یہ مہر ہے اس پر۔ نہیں ہوگی تو زندگی کا سارا کیا دھرا کھوٹا سکہ ثابت ہوگا۔ نقلی سکہ بنانے کا جرم الگ ہوگا ہمیں دیکھنا یہ ہے۔ یہی بات اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ **قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ** خبیث وہ کام ہے جس سے حضور اکرم ﷺ نے روک دیا اور طیب وہ ہے جسے حضور اکرم ﷺ نے کرنے کا حکم دیا۔ میرے نبی ﷺ کا اتباع اور اس کو چھوڑنا یہ دو باتیں برابر نہیں ہوسکتیں جو بغاوت کرنا چاہتا ہے کرلے۔ کہاں تک کرے گا آخر ایک دن اللہ کے پاس آئے گا، ایک دن بارگاہ الوہیت میں پکڑے ہوئے آئے گا۔ جواب دینا ہوگا۔ اس سے تو نہیں بھاگ سکتے پھر فرمایا **فَاتَّقُوا اللّٰهَ** لوگو! کم از کم اللہ سے معاملہ ٹھیک رکھو اللہ سے جھوٹ نہیں بولو وہاں جھوٹ نہیں چلتا۔ تمہارا اور تمہارے رب کا جو تعلق ہے اسے جوڑے رکھو اس کا احسان مانتے رہو۔ وہ تمہیں بے پناہ نعمتیں دے رہا ہے اتنی کہ تم شمار نہیں کرسکتے۔ تم گن بھی

نہیں سکتے۔ اس کا شکر ادا کرتے رہو۔ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ اگر تمہاری خرد، تمہاری عقل سلامت ہے تو یہی کام ہے لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ پھر یہ کام کامیابی کی کنجی ہے تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔ فلاح کا لفظ جب قرآن استعمال کرتا ہے تو فلاح سے مراد ہے ہر شعبہ میں کامیابی۔ بیماری سے صحت مندی بھی فلاح ہے۔ مقروض ہونے سے نجات ملنا بھی فلاح ہے۔ مصیبت سے نجات بھی فلاح ہے۔ تنگی سے فراخی بھی فلاح ہے۔ دنیا کے ہر کام میں کامیابی بھی فلاح ہے۔ موت میں کامیاب رہنا بھی فلاح ہے۔ آخرت میں کامیاب ہونا بھی فلاح ہے۔ جب قرآن فلاح کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے اس لمحے سے لے کر قیامت تک تم ہر جگہ کامیاب ہو جاؤ گے شرط یہ ہے کہ تمہارے عقیدے اور تمہارے کردار پر وہ مہر ثبت ہو جو محمد رسول اللہ ﷺ کی ہو۔ کائنات کی اس انسانیت کا جو عہد نبوی سے لے کر قیامت تک آئے گی سب کی نجات، دنیوی فلاح اُخروی فلاح اتباع رسول اللہ ﷺ میں ہے۔ آج ہم کہتے ہیں کہ ہم کلمہ گو ہیں، مسلمان ہیں اور یہ ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہورہی ہے کہ حکمران ہمیں لوٹ لیتے ہیں اور بھوکے ہمیں قتل کرتے ہیں۔ عجیب تماشہ ہے جن کے پاس دولت ہے وہ حکومت میں آجاتے ہیں اور مزید لوٹتے ہیں اور جو بھوکے ہیں زیادہ مفلس ہیں وہ ہمیں قتل کرتے ہیں ہم تو دونوں طرف سے مار کھا رہے ہیں۔ بم پھٹ رہے ہیں۔ نہ مسجد محفوظ ہے نہ عبادت گاہیں محفوظ ہیں، نہ گھر محفوظ ہیں نہ بازار محفوظ ہیں۔ عجیب بات ہے تھانہ اور کچہری حصول تحفظ کے لئے ہیں لیکن تحفظ کے لئے جانے والے عوام عدالتوں میں قتل ہورہے ہیں تھانوں میں قتل ہورہے ہیں۔ دکانوں میں مارے جارہے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ یہ وہی ہورہا ہے جو ہم اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ کر رہے ہیں۔ وہی ہمارے ساتھ دنیا میں ہورہا ہے سیدھی سی بات ہے دو اور دو چار ہوتے ہیں ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہر بندہ تبدیلی چاہتا ہے مثبت تبدیلی آجائے، کوئی نیک آدمی حکمران آجائے، عادل حکمران آجائے، کیسے آجائے جبکہ اللہ کریم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ O الرعد: 11 یقیناً اللہ لوگوں کے حالات کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو نہیں بدلتے جب تک ہم اللہ کے نبی کریم ﷺ سے وفا نہیں کرتے اللہ کو کیا پرواہ ہے کہ اس بے وفائی کے بدلے ہم پر کون سی مصیبت نازل ہورہی ہے؟ ہوتی رہے۔ قرآن نے بہت مثالیں دے دے کر سمجھایا ہے۔ فرمایا اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً O البقرہ: 208 اسلام ایک قلعہ ہے اُس میں حفاظت کے لئے فوج بھی ہے، پہرے دار بھی ہیں، دروازے بھی ہیں، جو اندر داخل ہو جائے محفوظ ہو جاتا ہے لیکن جو بندہ ایک ٹانگ اندر رکھ لے ایک باہر رکھے اب باہر کی ٹانگ بھیڑیئے کھا جائیں تو شکوہ قلعے والوں سے کرے گا۔ فرمایا اسلام میرے نبی کریم ﷺ کا پہنچایا ہوا ایک قلعہ ہے اُدْخُلُوْا فِی

السِّلْمِ كَآفَّةً سارے کے سارے اس کے اندر آ جاؤ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا، جینا مرنا ہر کام اس کے اندر اس کی حد کے اندر لے آؤ۔ تم محفوظ ہو۔ اب تم زبان سے کہتے ہو میں قلعے کے اندر ہوں۔ عملاً رہتے باہر ہو تو باہر جو مصیبت آئے گی وہ تو تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ کہنے سے تو نہیں ہوتا۔ جب تک اٹھ کر اندر داخل نہ ہو جاؤ۔ کہتے ہیں لا الہ الا اللہ ہم مسلمان ہیں اور کھاتے حرام ہیں سود کھاتے ہیں، چوری کرتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں یہ کیا کوئی مسلمانی ہے؟ بازاروں میں جا کر گولی چلا دینا بم بلاسٹ کر دینا جن لوگوں کو آپ جانتے نہیں انہیں قتل کر دیتے ہو یہ کون سی مسلمانی ہے۔ مجھ سے میڈیا والوں نے خودکش حملوں کے بارے میں پوچھا آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا دین میں کسی کی رائے نہیں ہوتی۔ رائے صرف اللہ کی ہوتی ہے خودکشی حرام ہے اللہ نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو مارنا حرام ہے تو اپنے ساتھ اور لوگوں کو مارنا کہاں حلال ہو گیا اور وہ بھی بے گناہ معصوم جنہیں آپ جانتے ہی نہیں ان کو مارنے کی کیا تک ہے یہ کیوں ہو رہا ہے؟ ہم عجیب لوگ ہیں ہم کاشت کرتے وقت تو جو کاشت کرتے ہیں اور فصل کاٹتے وقت ہمیں امید ہوتی ہے گندم ہونی چاہیے۔ مولانا سعدی نے کہا تھا

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بہ روید جَو بہ جَو

کہ اعمال کے نتائج کو نہیں بھولو۔ گندم کاشت کرنے سے گندم اُگتی ہے اور جَو کاشت کرنے سے جَو ہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ اللہ کا نظام ہے کارگہ حیات ہے۔ اس میں مکافاتِ عمل یہ ہمارا کردار ہے جو ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ اگر دہشت گردی کو روکنا ہے، ملکی لوٹ مار کو روکنا ہے، لوگوں کو، حکومت کو، آپ چاہتے ہیں کہ اچھی ہو تو پہلے آپ خود اچھے ہو جائیں۔ لیکن ہم اس انتظار میں رہتے ہیں کہ سارے لوگ ایسا کرتے ہیں کمال ہے اگر سارے لوگ ایک گھر کو آگ لگا رہے ہیں تو آپ پانی نہیں ڈال سکتے تو تیل تو نہ ڈالیں۔ میں ذمہ دار ہوں اپنے کردار کا جو کچھ میں کرتا ہوں کم از کم اس وجہ سے دوسروں پر تو مصیبت نہ آئے میں اپنا کردار ٹھیک کروں آپ اپنا کریں ایک ایک بندہ اگر ٹھیک ہونے لگے تو پاکستان میں تین کروڑ بندے ہیں ایک بندہ ٹھیک ہو جائے تو بیس کروڑواں حصہ تو ٹھیک ہو گیا۔ بات جب بنے گی جب ہم دوسروں کو دیکھنے کی بجائے اپنے آپ کو تلاش کریں اپنے آپ کو ڈھونڈیں کہ ہم کہاں ہیں اور اپنے آپ کو وہاں لے آئیں جہاں ہونا چاہیے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے دائرے کے اندر یہ آیت ہمارے سارے سوالوں کا جواب ہے۔ دہشتگردی کا بھی علاج ہے خانہ جنگی کا بھی علاج ہے ظلم و جور کا بھی علاج ہے اور ناانصافی کا بھی علاج ہے، ہم یہ کریں باقی کام از خود درست ہوتے چلے جائیں گے۔ اللہ کریم کر دے گا تو یہ مشکل سوال نہیں ہے، مشکل اپنی اصلاح ہے۔

سورہ المائدہ رکوع 14 آیات 101 تا 108

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ
اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ
ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ
ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ
ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ
اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا
قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا
فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ
مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖؗ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى
وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اے ایمان والو! ایسی فضول باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی سوالات گزشتہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں، بڑے حلم والے ہیں ﴿۱۰۱﴾ ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کا حق نہ بجالائے ﴿۱۰۲﴾ اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے ﴿۱۰۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو، تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے۔ کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں ﴿۱۰۴﴾ اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو، تو جو شخص گمراہ ہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے ﴿۱۰۵﴾ اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخصوں کا وصی ہونا مناسب ہے جب کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز کے روک لو، پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے ورنہ ہم اس حالت میں سخت گنہگار ہوں گے ﴿۱۰۶﴾ پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں کھڑے ہوں پھر

دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا ورنہ ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ بہت قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کردیں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد ورثاء پر قسمیں متوجہ کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہ کریں گے ﴿۱۰۸﴾

خلاصۂ رکوع

اے ایمان والو! ایسی چیزیں نہ پوچھا کرو کہ جو بیان کردی جائیں تو پھر وہ تمہیں اچھی نہ لگیں۔ اور اگر تم اس حال میں پوچھو گے کہ قرآن نازل ہو رہا ہے اور حضور اکرم ﷺ پر سوال کرو گے تو وحی آجائے گی اس کا جواب آجائے گا اور بیان کردیا جائے گا۔

جو پہلے ہو چکا وہ گذر چکا۔ اللہ کریم اسے معاف فرماتے ہیں اس لئے کہ اللہ کریم مغفرت والے اور بہت حلم والے ہیں تم لوگوں سے پہلے جو قومیں گذری ہیں انہوں نے ایسا کیا تھا کہ انبیاءؑ سے یوں سوالات کئے کہ باتوں کی مین میخ نکالنے لگے پھر جب ان باتوں کو واضح کر کے بیان کردیا گیا تو وہی لوگ انکار کر بیٹھے لہٰذا آپ زیادہ سوال نہ کیا کریں۔

اللہ نے کوئی بُحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ نہیں بنائے۔ کافروں نے اللہ پر جھوٹ بولا اور ان کی اکثریت بیوقوف ہوتی ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ اس بات پر آؤ جو اللہ نے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو دیکھا۔ خواہ ان کے آباء نہ علم ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت۔ اے لوگو! جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا ہے تمہاری ذمہ داری تم خود ہو، اپنی فکر کرو، تم سب کو لوٹ کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے پھر وہ تم سب کو بتادیں گے جو تم سب کیا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! تمہارا آپس میں دو لوگوں کا وصی ہونا مناسب ہے جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو وہ وصیت کرنا چاہے تو دو صاحبِ عدل مسلمان، نیک اور صالح ہوں اگر دو مسلمان میسر نہ آسکیں تو غیر مسلموں میں سے دو معتبر اشخاص بطور وصی مقرر کئے جاسکتے ہیں اس صورت میں کہ حالت سفر ہو اور موت قریب آجائے۔ جب ان سے

شہادت لینی ہو تو انہیں نماز کے بعد مسجد میں روک لیا جائے اور وہ یہ شہادت دیں کہ وہ اس سے کوئی ذاتی مفاد نہیں لینا چاہتے۔ خواہ قرابت دار بھی ہوں اور اگر شہادت کو چھپائیں تو اللہ کے نزدیک گنہگار ہوں گے۔ اور اگر کوئی ایسی بات ہو کہ وہ دونوں غلط کہہ رہے ہوں یا گناہ کے مرتکب ہوئے ہوں تو پھر جو حق دار ہیں، جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ کھڑے ہوں اور وہ قسم دیں کہ ہم ان سے زیادہ سچے ہیں، ہم حق دار ہیں، ہم زیادتی نہیں کر رہے اور اگر ہم زیادتی کریں گے تو ہم گنہگار ہوں گے اور کم از کم یہ بات یاد رکھیں کہ یہ جو شہادات ہیں یا قسمیں ہیں۔ اللہ کے سامنے انہیں حاضر کیا جائے گا اور اس بات کا ان کے دل میں خوف رہے کہ کل بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے معاملات ہمیشہ درست رکھیں اس لئے کہ اللہ بدکاروں کو ہدایت نہیں دیتے۔

تفسیر ومعارف

یہ بڑی خوبصورت بات ہے اگر چہ بڑی نازک ہے کہ عمل کے لئے جاننا شرط ہے۔ انسان کسی بات پر عمل تب ہی کر سکتا ہے جب وہ اس بات کو جانتا ہو اور جاننے کے لئے پوچھنا پڑتا ہے۔

بارگاہ رسالت کے ادب کی نزاکت:

اس بارگاہ کی نزاکت یہ ہے کہ بندے نے کوئی بات پوچھی اور حضور اکرم ﷺ نے جواباً ارشاد فرمادیا تو جو حضور اکرم ﷺ نے فرمادیا اس میں سے جو اس شخص کو سمجھ آیا اس کے مطابق عمل کر لے اس پر جرح وقدح نہ کرے۔ مین میخ نہ نکالے۔ جو ارشاد فرمادیا جو ارشاد پاک حضور اکرم ﷺ سے سن لیا اور جو سمجھ میں آگیا اس پر عمل کیا جائے اور بس بات ختم ہوگئی۔

مومنین سے خطاب فرمایا جارہا ہے کہ اگر آپ لوگ حضور اکرم ﷺ کے فرمادینے کے بعد جرح کریں گے مختلف سوالات کریں گے تو وحی نازل ہونے کا زمانہ ہے پھر جواب اللہ کی طرف سے آجائے گا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی طرف سے تو جواب نہیں دیتے وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞ النجم: 3/4 حضور اکرم ﷺ زبان نہیں کھولتے جب تک وحی نہ آجائے تو پھر ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ جن کی وضاحت جب اللہ کریم کی طرف سے ہو جائے تو پھر تمہیں وہ ناگوار لگیں۔ ایسی باتیں پوچھتے ہی کیوں ہو؟ یعنی جاننے کے لئے جو ضروری ہے وہ ضرور پوچھو لیکن عادتاً محض بات بڑھانے کے لئے پوچھتے رہنا درست نہیں۔ اس

لئے کہ جتنے سوالات کئے جائیں گے اتنی ہی مشکلات بڑھیں گی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ نزول وحی کے دوران جو کچھ پوچھو گے ان کا جواب اللہ کی طرف سے آئے گا اور اس میں کوئی بہانہ بنانے کی یا کمزوری دکھانے کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔

اس آیہ مبارکہ سے تصوف کا یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر یہی روش مشائخ کے ساتھ بھی روا رکھی جائے تو سالک کے لئے مشکلات کا سبب بنتی ہے مثلاً کسی شخص نے پوچھا کہ کوئی وظیفہ بتا دیجیے۔ شیخ نے فرما دیا کہ درود شریف پڑھیں۔ یہاں بات ختم ہوگئی اس طرح بہت سہولت رہتی ہے کہ بہت سے مسنون درود شریف ہیں وہ شخص کوئی سا بھی درود شریف پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اپنی سہولت کے مطابق ایک تسبیح یا زائد مقرر کر لیتا ہے تو اسے وہ فائدہ حاصل ہو جائے گا جو اسے مطلوب تھا۔ اگر یہی شخص سوال کر دیتا ہے کہ جناب کون سا درود شریف پڑھوں؟ انہوں نے متعین کر دیا کہ فلاں درود شریف پڑھو تو اب اس نے خود پر ایک پابندی لگا دی۔ اب اسے فائدہ حاصل کرنے کے لئے وہی متعین درود پڑھنا ہوگا۔ پھر اگر ایک اور بار سوال کر دیا کہ کتنی بار پڑھوں؟ وہ فرما دیں کہ پانچ تسبیح روزانہ پڑھو پھر اس تعداد کو ملحوظ رکھنا بھی مجبوری ہو جائے گی۔ اب فائدہ تب ہی ہوگا جب وہی درود اتنی ہی بار روزانہ پڑھے۔ اس لئے فالتو اور زائد سوالات کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے۔ ان سے بچنا چاہیے۔ فرمایا بارگاہ نبوی ﷺ میں ایسے سوالات نہ کئے جائیں۔

یہاں ایک اور بات ضمناً بڑی واضح طور پر آگئی نزول وحی کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ کے بعد بند ہو گیا۔ آیہ مبارکہ کے الفاظ ہیں حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ اس وقت تو قرآن نازل ہو رہا ہے وحی نازل ہو رہی ہے۔ تُبْدَ لَكُمْ اس کا جواب آجائے گا لہٰذا بے جا سوالات نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی اور پر وحی نہیں آئے گی۔ یہ آیہ مبارکہ اس بات پر دلیل دے رہی ہے کہ وحی حضور اکرم ﷺ پر ختم ہوگئی۔ اس کے بعد اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی آتی ہے تو وہ کذاب ہے اور جن لوگوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ بھی باطل ثابت ہوتے ہیں۔

فرمایا جو سوال جواب پہلے ہو چکے وہ اللہ کی بخشش سے معاف ہیں۔ اللہ کریم بڑا بخشنے والا، معاف کرنے والا، بڑا بردبار اور بڑا حلم والا ہے۔ یہ اس کی عظمت اور اس کے حلم کی عظمت ہے کہ انسانوں کو ان کے موجودہ کردار سمیت برداشت کر رہا ہے۔ زمین نہیں پھٹتی آسمان سے عذاب نہیں آتا لوگوں کی ظاہری شکلیں نہیں بگڑتیں کہ یہ آقائے نامدار ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ اجتماعی عذاب ختم کر دیئے گئے لیکن ہمیں یہ

دیکھنا ہوگا کہ جن قوموں پر عذاب آئے ان کا کردار کیا تھا۔ اور کیا کہیں ہم تو ویسے کام نہیں کررہے جیسے وہ کرتے تھے! اس لئے کہ بے شک اجتماعی عذاب نہ بھی آئے لیکن اس کردار کا ردعمل ضرور وارد ہوتا ہے ظاہری شکلیں بھی نہ بگڑیں روح کی شکل انسانی نہیں رہتی، بگڑ جاتی ہے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ ایمان کا نام زندگی ہے۔ زندگی اسے حاصل ہوتی ہے جس میں نور ایمان ہے ورنہ اس کی روح حیات نہیں پاتی۔ وہ ایک جانور کی طرح جیتا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ O الاعراف :179 یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں کہ جانوروں کو تو اللہ نے تخلیق ہی جانور کیا لیکن بنی آدم کو انسانی عظمت سے نوازا پھر بھی ان کا کردار حیوانوں جیسا ہو گیا!

اس آیہ مبارکہ میں دو باتیں واضح کردی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جو حکم بارگاہ رسالت سے سنو جس طرح سمجھا ہے اس پر ویسے عمل کرو۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کرتے رہے۔ جس کی ایک مثال غزوہ خندق کے بعد کا واقعہ ہے۔ غزوہ خندق میں تیس دن سے زیادہ دیر تک محاصرہ جاری رہا۔ اگرچہ کفارو مشرکین کی بڑی جمیعت تھی اور مدینہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن مسلمانوں نے اس بڑے لشکر کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور کفار و مشرکین کو بالآخر محاصرہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ خود نبی کریم ﷺ مسلسل محاذ جنگ پر رہنے سے تھک چکے تھے۔ صحابہ کرام بھی نڈھال تھے۔ راشن کی کمی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے کہ خالی پیٹ رہنے سے ہوا بھر جاتی اور فاقے کی تکلیف بڑھ جاتی تھی۔ اس تکلیف سے افاقہ کے لئے عرب پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ اس غزوہ میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شکم مبارک پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ اس حال میں مسلسل ایک مہینے سے زیادہ رات دن حالت جنگ میں رہنے کے بعد مشرکین کو اللہ نے ہزیمت و شکست دی۔ ان پر آندھیاں اور طوفان بھیج دیئے اور وہ بھاگ گئے۔ حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لائے ابھی سر اقدس سے خود مبارک اتار کر دو چلّو پانی ڈالا تھا اور تیسرا ڈالنے لگے تو وحی نازل ہوگئی کہ پہلے یہود کی خبر لیجئے۔ یہود کے اس قبیلے کو کیفر کردار تک پہنچایئے جو اس سازش میں شریک تھا۔ جو مشرکین کے ساتھ بھی تعاون کرتا رہا اور مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرتا رہا اور جو اسلحہ سے انہیں مسلح بھی کرتا رہا۔ اللہ کریم کی طرف سے آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ زرہ مت اتاریئے اور پہلے بنو قریظہ تشریف لے جایئے۔ آپ ﷺ نے تمام مجاہدین کو حکم فرمادیا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ جا کر پڑھیں گے۔ بنو قریظہ تک چند میل کا فاصلہ تھا۔ صحابہ کرامؓ فوراً چل دیئے۔ صحابہ کرام ایسے عجیب لوگ تھے کہ ان میں سوال کرنے یا بہانے بنانے

کی بات نہیں تھی۔ وہ ارشاد رسول اللہ ﷺ سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ جب حکم سنا فوراً چل پڑے۔ راستے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ کچھ صحابہ کرامؓ نے راستے میں نماز پڑھنے کا مشورہ دیا کہ حضور اکرم ﷺ کا منشا عالی یہ تھا کہ بنوقریظہ جلدی پہنچا جائے اور نماز تو وہاں پہنچ کر بھی ادا کرنی ہے تو یہیں اوّل وقت میں ادا کر لیتے ہیں صحابہ کرامؓ میں دوسری رائے یہ تھی کہ الفاظ مبارک یہ تھے کہ عصر کی نماز بنوقریظہ جا کر پڑھو لہٰذا بات ختم اب اسی حکم پر عمل ہوگا۔ یوں صحابہؓ میں دو رائے ہو گئیں۔ کچھ لوگوں نے راستے میں پڑھ لی اور باقی نے وہاں پہنچ کر ادا کی۔ یہ بات بارگاہ رسالت میں پیش ہوئی آپ ﷺ خاموش رہے اور لوگوں کی رائے کو پسند کر لیا۔ اس لئے کہ ارشاد عالی ایک تھا اس کے دو پہلو نکلتے تھے یوں دونوں پر عمل ہو گیا۔ یہ رویہ ہوتا ہے ان لوگوں کا جو عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ عمل نہیں کرنا چاہتے انکا انداز کج بحثی کا ہوتا ہے وہ بے عملی کے بہانے ڈھونڈنے کے لئے بات کو طول دیتے ہیں اس رویے سے باز رکھا گیا ہے اور اس انداز سے سوال کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

دوسری بات اس آیہ مبارکہ میں یہ واضح کی گئی ہے کہ جب قرآن نازل ہو رہا ہے وحی نازل ہو رہی ہے تو جو سوال بھی کرو گے جواب اللہ کی طرف سے وحی کی صورت نازل ہو جائے گا۔ اس طرح جو پابندی آئے گی وہ مستقل شریعت ہوگی اور پابندی کی تکلیف ہوگی۔ اس آیت سے مفہوم یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد وحی نہیں آئے گی اور آپ ﷺ کے بعد جو کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی آتی ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کذاب ہے اور مسلمان نہیں رہ سکتا۔

فرمایا قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ تم میں سے پہلے بھی کچھ قومیں تھیں جن کے پاس نبیؑ آئے۔ انبیاءؑ و رسلؑ آئے۔ صاحبان وحی آئے اور ان پر ان لوگوں نے اسی طرح سوال کئے لیکن جب اللہ کی طرف سے جواب آئے تو پھر وہ ان کا انکار کر بیٹھے۔ احکام الٰہی کے انکار کے باعث کفر میں چلے گئے۔ لہٰذا اس معاملے کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے احتیاط کرو۔ جاننے کے لئے پوچھنا اور بات ہے اور محض کرید نے اور بات کو الجھانے کے لئے سوال در سوال کئے جانا دوسری بات ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ اللہ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ نہیں بتائے یہ کافروں نے اللہ پر جھوٹ افتراء کیا ہے اور ان کی اکثریت عقل نہیں رکھتی۔ مشرکین عرب نے کئی مختلف رواج بنا رکھے تھے جنہیں وہ عبادت کی طرح لازمی قرار دیتے تھے مثلاً بتوں کے نام پر اونٹوں کو چھوڑ دیتے اور ان کا نام رکھ

دیتے پھران جانوروں کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا کہ یہ بت کے نام پر چھوڑا گیا ہے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی اسی طرح کے جانوروں کے نام تھے سب میں معمولی سا فرق تھا۔ کچھ اونٹ اس لئے چھوڑتے تھے کہ وہ اتنی مرتبہ جفتی کر چکا ہے اور کچھ مادہ اونٹنیاں اس لئے چھوڑ دیتے تھے کہ جتنی مرتبہ اس نے بچے دیئے مادہ ہی دیئے اور اتنے بچے دے چکی ہے اس کے بعد وہ بت کے نام پر آزاد ہے تو اس طرح آزاد کئے گئے جانوروں کی بہت عزت کرتے تھے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ نہ کسی نبیؑ نے یہ بتایا نہ کسی کتاب الٰہی میں یہ آیا کہ اس طرح جانوروں کو بتوں یا غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے۔ اور کافروں کی یہ کیسی بدبختی ہے کہ ان کے جہنم جانے کے لئے تو کفر ہی کافی ہے۔ اس پر مزید عذاب اکٹھا کر رہے ہیں جب رسومات ایجاد کر کے اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور یہ ایسے بے وقوف اور بے عقل ہیں کہ اپنی تباہی کے اسباب خود ہی بنا رہے ہیں۔

مسلمانوں میں مشرکانہ رواجات در آنے کے اسباب:

بہت سے مشرکانہ رواجات آج مسلمانوں میں در آئے ہیں۔ یہ رسومات پورے عالم اسلام میں کم ہیں اور برصغیر میں بہت زیادہ ہیں جس کی ایک وجہ ہندو معاشرے کے اثرات ہیں اور دوسری وجہ حکمران ہیں۔ برصغیر میں کچھ حکمران ایسے گزرے ہیں جنہوں نے کوشش کی کہ ہندو مسلم اکٹھے ہو جائیں تاکہ وہ ان پر حکومت کرتے رہیں جیسے مغل بادشاہ اکبر اس کی سرپرستی میں ہندوؤں کی رسومات مسلمانوں میں آگئیں اور اب وہ اتنی راسخ ہو گئی ہیں کہ لوگ فرائض ترک کر سکتے ہیں لیکن رسومات ترک نہیں کرتے۔ نماز، روزہ، نہیں کرتے لیکن رسومات کی پابندی ضرور کرتے ہیں کچھ ایسی رسومات شادی بیاہ کے موقع پر ہوتی ہیں اور کچھ موت کے موقع پر کی جاتی ہیں۔

رسومات اور بدعت:

ایسی رسومات ایجاد کرنا جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہوں اور ان پر عمل کرنے کو ثواب سمجھنا بدعت کہلاتا ہے۔ بدعت کے لفظی معنی ہے ''نیا کام شروع کرنا'' لیکن دنیا میں انسان تو بے شمار نئے کام کرتا ہے۔ نیا لباس، نیا گھر یا نیا کام کرتا ہے تو وہ بدعت نہیں کہلاتا۔ اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں کسی نئے کام کو شریعت میں داخل کرنا اور اسے نبی کریم ﷺ سے منسوب کر دینا۔ اس طرح وہ امور بدعت ہیں جو قرآن و سنت میں نہیں ہیں انہیں اپنی طرف سے بنا کر باعث ثواب کہا گیا ہے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا بدعت ایجاد

کرنے والا اپنی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔

میرے پاس بھی اس طرح کے عجیب وغریب خط آتے ہیں۔ کسی نے لکھا کہ میں نے عشاء کے بعد دو نفل پڑھے اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے کوئی ایسا کام بتا دے جو میں کیا کروں۔ اور اس نے حوالہ دے کر کہا کہ فلاں کتاب میں یہ عمل کرنے کو کہا گیا ہے۔ میں نے کہا اللہ کے بندے! کیا تو نبوت کی تمنا رکھتا ہے؟ اور اگر نہیں رکھتا تو پھر تُو محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے کون سا کام ہے جس میں رہنمائی نہیں فرمائی۔ پھر تو تیرے لئے وہ کافی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بس اس پر عمل کر اور اگر تو چاہتا ہے کہ اس سب کے باوجود قرآن وسنت کے باوجود تجھے براہِ راست اللہ کوئی کام بتائے تو اس کا مطلب ہے کہ پھر تو نبوت کا متمنی ہے اور یہ کتنی جاہلانہ بات ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ ملنے کے لئے آئے۔ کہنے لگے کچھ پڑھنے کو بتائیں۔ میں تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے کہا قرآن پڑھتے ہو؟ یہ تیس پارے پڑھنے کے لئے ہی ہیں۔ کہنے لگے ہمارا مطلب ہے کوئی وظیفہ بتا دیں میں نے کہا یہی وظیفہ ہے۔ قران حکیم روز پڑھو۔ رکوع پڑھو یا زیادہ پڑھو، جتنا ہو سکے پڑھو۔ ترجمہ پڑھو، اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس سے بڑا وظیفہ کون سا ہوگا۔

یاد رکھیے! دین مکمل ہو گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا** ۝ المائدہ: 3 اس میں اللہ کریم نے تین باتیں واضح کر کے بتا دیں۔ ایک یہ کہ دین مکمل ہو گیا اس میں کوئی کمی بیشی ممکن نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بندہ اللہ کریم سے جتنی نعمتیں حاصل کر سکتا تھا وہ سب اس دین کے اندر سمو دی گئیں اس سے باہر کوئی ایسا عمل یا وظیفہ نہیں ہے کہ وہ مزید نعمتیں لے آئے۔ اور اللہ نے دین اسلام کو اپنی رضامندی کا مظہر بنا دیا ہے لہٰذا اس سے باہر نکل کر رضائے الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی نہ رضائے الٰہی کا کوئی شمہ حاصل ہو سکتا ہے۔

ایک یہودی عالم نے سیدنا فاروقؓ سے عرض کی کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی۔ ہماری کتاب میں ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید کا دن بناتے اور ہر سال مناتے۔ آپؓ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو حجۃ الوداع کا موقعہ تھا۔ یوم عرفہ تھا اور حضور اکرم ﷺ عرفات میں جلوہ افروز تھے۔ جمعے کا دن تھا اور حج تھا۔ اس سے بڑی عید کیا ہوگی؟ جمعہ وہ مبارک دن ہے کہ اس دن جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ روئے زمین پر، ہر ملک، ہر شہر، ہر قریے میں مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اور جمعہ بھی عید کی طرح پُر رونق دن

ہوتا ہے۔ تو دین اسلام کے باہر اگر کوئی شخص کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو قرآن حکیم اس کے بارے فرماتا ہے لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ ان میں عقل نہیں ہے۔ کوئی وظیفہ، کوئی چلہ جو قرآن وسنت سے ثابت نہیں اسے بطور عبادت کرنے والا جہالت کا مرتکب ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ اس سے بندہ گمراہ تو ہوسکتا ہے ہدایت نہیں پا سکتا۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ فرمایا جب ان سے کہا جائے کہ اس بات پر آؤ جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو اللہ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل ہمیں بتائی ہے۔ اس بات پر آؤ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہ کافی ہے جو ہم نے اپنے باپ دادا سے پایا۔ اور اگر ہم یہ کام کریں جس کی طرف ہمیں بلایا جارہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے آباء کو جاہل مان لیں۔ انہیں بے عقل اور خود کو عقل مند جانیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ خواہ ان کے آباء نہ علم ہی رکھتے ہوں نہ ہدایت ہی رکھتے ہوں گمراہی میں آباء کی پیروی درست نہیں ہے بلکہ طے شدہ امر ہے کہ عنداللہ تو صرف وہ بات قبول ہوگی جو اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی ہے اور وہی دین ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اہۡتَدَیۡتُمۡ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اے ایمان والو! تم اپنی جان کے ذمہ دار خود ہو۔ اپنے ذمہ دار رہو۔ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرو۔ اپنے بارے میں سوچو کہ اللہ کا حکم کیا ہے اور میں کیا کررہا ہوں؟ مجھ میں کہاں کہاں کمی ہے؟ ہر گزرتے دن کسی شام کو کبھی عشاء کے بعد کبھی رات کو یہ جائزہ لو کہ میں نے دن بھر کتنے کاموں میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہے اور کتنے کام ایسے ہیں جن میں اطاعت سے نکل گیا ہوں۔ اگر کسی پر گرفت ہوگئی تو کیا بنے گا؟ اے اہل ایمان! اگر تمہاری اپنی اصلاح نہیں ہوگی تو تمہارے باتیں کرنے سے دوسرے کیسے سدھر سکتے ہیں؟ اگر تم خود ہدایت پر ہو تو دوسرے گمراہ ہونے والے تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ اپنا نقصان خود کر رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص دین کے خلاف زندگی گزار رہا ہو تو اسے بتانا اور سمجھانا تو ضروری بات ہے لیکن دین کے خلاف زندگی گزارنے کو روش بنالینا اور پھر اس کے لئے جواز تلاش کرنا کہ دوسرے بھی تو ایسے ہی زندگی گزار رہے ہیں یہ انتہائی گمراہ کن رویہ ہے۔ اگر سب لوگ یا

اکثریت غلط کر رہی ہو تو یہ جواز نہیں ہے کہ کوئی حق پر نہ چلے اور برائی میں مدغم ہو جائے۔ جیسے آج سود عام ہو گیا ہے۔ ہر بندہ سود خوری کی مصیبت میں گرفتار ہے۔ لوگ بینک سے سود لیتے ہیں۔ ڈاک خانے سے سود لیتے ہیں۔ آپس میں لین دین میں سودی کاروبار ہوتا ہے۔ اس طرح کوئی کہے کہ ہر کوئی سود کھا رہا ہے تو اس سے سود کھانا حلال نہیں ہو جاتا بلکہ جب اکثریت حرام کھا رہی ہے تو زیادہ فکر کرنی چاہیے اور پوری ہمت سے اس سے بچنا چاہیے۔ اپنی فکر کرنا چاہیے۔ یعنی کسی گناہ کا عام ہو جانا یا لوگوں کا کسی گناہ پر متفق ہو جانا اس کے جواز کا سبب نہیں بنتا۔ برائی اور نافرمانی برائی ہی رہتی ہے اور اس بات کی دلیل نہیں بنتی کہ تمام لوگ یا اکثر لوگ ایسا کر رہے ہیں اس لئے میں بھی ایسا کر رہا ہوں۔ یہی فرمایا: **عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ** اپنی فکر کرو لوگ تمہاری طرف سے جواب نہیں دیں گے۔ تمہیں اللہ کے حضور خود پیش ہونا ہے اور اپنی طرف سے جواب بھی خود ہی دینا ہے لہٰذا اپنی فکر کرو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم سارے جہان کو زیر بحث لاتے ہیں لیکن اپنی بات نہیں کرتے۔ چند لوگ مل بیٹھیں گے تو دور و نزدیک کے لوگوں کو زیر بحث لائیں گے۔ اب تو یہ حال ہے کہ مسجد کے مولوی صاحب بھی دین کے مسائل بیان نہیں کرتے ملکی اور غیر ملکی سیاست بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر ملکی حکمرانوں تک نہ ان کی بات پہنچنی ہے اور نہ وہ مانیں گے تو پھر جو لوگ مسجد آئے ہیں اور وہ سن رہے ہیں، بات ماننا چاہتے ہیں وہ سامنے بیٹھے ہیں سیکھنے کے لئے آئے ہیں تو اُن کے فائدے کی بات کرنی چاہیے۔ انہیں اللہ کا پیغام پہنچانا چاہیے۔ انہیں اپنی فکر کرنے پر آمادہ کرنا چاہیے۔ یہ یقین ہونا چاہیے کہ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ** سب کو لوٹ کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ سب نے ایک جگہ ایک وقت، ایک مقام پر کھڑے ہونا ہے۔ ایک اللہ کے حضور کھڑے ہو کر جواب دینا ہے۔ وہ ایسی بارگاہ ہے کہ کتنے جرائم کر کے تم بھول چکے ہو گے، کتنے گناہوں پر تم زندگی میں فخر کرتے رہے ہو گے اور بھول چکے ہو گے لیکن اللہ کو احتیاج نہیں کہ تم بتاؤ تو اسے پتہ چلے بلکہ وہ بتائے گا **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۰۵﴾ کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ بندہ اس وقت بھی بھولا ہوا ہو گا لیکن اللہ کریم گواہیاں حاضر کریں گے۔ قرآن حکیم میں موجود ہے کہ اس کے ہاتھ، پاؤں، جلد، وجود، اعضائے بدن گواہی کے لئے حاضر ہوں گے اللہ پاک پوچھیں گے کہ یہ تو اپنے گناہوں سے انکاری ہے تم بتاؤ؟ اس پر انسان کے اعضاء گواہی دیں گے آنکھ، کان، پورا جسم گواہی دے گا کہ اس نے یہ گناہ کئے تھے۔ وہ شخص اپنے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا **وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ**

خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ حٰمٓ السجدہ: 21 تم جو گواہیاں دے رہے ہو ان کے نتیجے میں مجھ پر عذاب تو آئے گا لیکن تم بھی اس عذاب کا شکار ہو جاؤ گے۔ وہ کہیں گے ہمیں اس اللہ نے بولنے کی قوت دی ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی قوت دی تھی۔ ہم اس کی دی ہوئی قوت پر اس کے حکم کے خلاف تو نہیں کر سکتے ہمیں تو حق ہی کہنا ہے خواہ عذاب میں داخل ہو جائیں تو فرمایا، اس لمحے کو یاد رکھو جب تمہاری پیشی اس ہستی کے سامنے ہوگی جو تمہارے کردار کے ایک ایک گوشے سے واقف ہے۔ تمہیں میدانِ حشر میں بتایا جائے گا کہ تمہارا یہ نظریہ غلط تھا یہ عقیدہ غلط تھا یہ کام غلط تھا لہٰذا سب ـــ پہلے اپنے آپ کو زیر بحث لاؤ اور اس بات کو سامنے رکھو کہ کل اس عمل سمیت اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ یہاں وصیت کے بارے بیان ہو رہا ہے عں حالات میں بعض اوقات آدمی کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جس کا اس کے ورثاء کو بھی علم نہیں ہوتا۔ کسی نے اس کے پاس امانت رکھوائی ہوتی ہے۔ یا اس کی ذاتی شئے ہوتی ہے اس صورت میں موت کا وقت مقررہ پہنچنے کو آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دو ذی عدل مسلمانوں کو یعنی ایسے دو مسلمانوں کو جن کا عادل ہونا معروف ہو اور وہ نیک و صالح ہوں ان کو وصی بنا دے۔ وصی سے مراد وہ شخص ہے جسے دنیا سے گزرنے والا اپنے کسی کام کی وصیت کر جائے۔ ایسے میں اس شخص کی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ وہ کام اس کے بعد وہ انجام دے۔ ایسی کوئی صورت درپیش ہو مثلاً کسی کو پردیس میں موت آ جائے اور دو صالح مسلمان میسر نہ ہوں تو کافروں میں سے کچھ بہتر لوگ جن پر اعتبار کیا جا سکے۔ شریف النفس ہوں۔ معتبر ہوں تو ایسے دو معتبر غیر مسلموں کو بھی وصی بنایا جا سکتا ہے۔

وصی کوئی شرعی عہدہ نہیں ہے:

چونکہ وصی کوئی شرعی عہدہ نہیں ہے اس لئے غیر مسلموں کو بھی ضرورت کے وقت وصی بنایا جا سکتا ہے۔ اگر یہ شرعی عہدہ ہوتا تو کافروں کو نہ دیا جاتا۔ یہ محض ایک لفظ ہے کوئی شرعی اصطلاح نہیں۔ اس کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب مرنے والا دنیا سے گزر رہا ہو۔ ایسی صورت حال ہو کہ پاس کوئی مسلمان نہیں تو پھر وہ

دو کافروں کو وصی بنا سکتا ہے۔ اسے یہ معلومات دے سکتا ہے کہ فلاں جگہ میری کچھ رقم یا قیمتی اشیاء ہیں۔ میرے ورثاء کو بتا دو کہ وہ وہاں سے حاصل کر لیں اور شرعی طور پر جس کا جو حصہ بنتا ہے وہ آپ میں تقسیم کر لیں۔ لیکن اس لفظ کو اصطلاح بنا کر ہمارے ہاں ایک عقیدے کی بنیاد وصی پر رکھ دی گئی۔ بلکہ کلمے اور اذان میں وصی کا لفظ شامل کر دیا گیا جو کہ درست نہیں کہ وصی کا اطلاق تو اس کافر پر بھی ہوتا ہے جسے مرنے والا وصیت کر جائے۔ اور قانون یہ ہے کہ اللہ کے نبی تو وہ ہستی ہوتے ہیں کہ جو کام ان کے ذمے ہے وہ جب تک پہنچا نہیں دیتے دنیا سے رخصت نہیں ہوتے۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ ماننے اور سننے والوں پر ہے لیکن نبیؑ اپنے حصے کا کام مکمل کر کے جاتے ہیں۔ ایسے نبیؑ بھی دنیا سے گزرے ہیں جن کی کسی ایک شخص نے بھی بات نہیں مانی۔ ایسے انبیاءؑ بھی گزرے ہیں جنہیں شہید کر دیا گیا کفار نے ان کے وجود عالی برداشت نہ کئے اور انہیں ظلماً شہید کر دیا لیکن کسی نبی کے بارے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نبیؑ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اللہ کریم جب کسی کو مبعوث فرماتے ہیں تو جو اس کے ذمے ہوتا ہے وہ سارا ارشاد فرما دیتا ہے اور حضور اکرم ﷺ تو نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ امام المرسلین ہیں، خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنا تھا نہ کوئی نئی وحی نازل ہونی تھی اور کوئی نئی کتاب نہیں آنی تھی۔ آپ ﷺ کا وصال معاذ اللہ کسی ایسی مجبوری میں نہیں ہوا کہ آپ ﷺ اس کے لئے وصیت فرماتے کہ یہ بات رہ گئی ہے۔ میں دنیا سے گزرتے ہوئے بتا رہا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

قرآن کریم نے یہاں بہت خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے کہ آدمی زندگی میں محنت کرتا ہے، کماتا ہے، خرچ کرتا ہے اور جو پس انداز کرتا ہے وہ بھی ورثاء ہی کے لئے ہوتا ہے لیکن بعض اوقات بعض لوگ احتیاط کرتے ہیں کہ ضروری اخراجات دے کر کچھ پس انداز ہو تو اسے کسی کو نہ بتایا جائے تو ایسی صورت میں اگر موت آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دو دیانتدار عادل مسلمانوں کو وصی بنا کر ان کے ذمہ لگا دے کہ وہ اس کے ورثاء کو اس سے مطلع کر دے۔ اور پھر جب اس وصیت کی بات آئے اور ورثاء کو ان لوگوں پر جو وصی مقرر کئے گئے تھے کچھ شبہات ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہیں تو فرمایا ان سے قسم لی جائے اور قسم کے لئے اس میں شدت پیدا کی جائے کہ انہیں نماز کے بعد مسجد میں روک لیا جائے باوضو ہوں اور ابھی نماز سے فارغ ہوئے ہوں اور مسجد کا تقدس ہو۔ اس طرح ہر طرح کا اطمینان کر کے اس بات کی قسم دیں کہ ہم میں سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں لے

رہااوراس بات کی بھی قسم دیں کہ ہم اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچانا چاہتے۔ اوراس بات کی بھی قسم دیں کہ جو بات ہمیں بتائی گئی ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کریں گے۔ اور ہم کچھ نہیں چھپائیں گے اور اگر ہم چھپائیں تو ہم اللہ کے نزدیک سخت گنہگار رہیں۔ اس کے باوجود جن کے حق میں قسم دی جارہی ہے ان کا مطمئن ہونا ضروری ہے۔ اگر ورثاء مطمئن نہیں ہوتے تو فرمایا ان سے کہیے کہ وہ اسی حالت میں باوضو ہو کر مسجد کے اندر قسم دیں کہ اصل بات یہ نہیں ہے۔ ہم تک جو بات پہنچی ہے وہ یہ ہے۔ اور یہ لوگ غلط کہہ رہے ہیں اوراس بات کی بھی قسم دیں کہ ہم نے حق بات سے تجاوز نہیں کیا۔ **وَمَا اعْتَدَيْنَآ ﴿١٠٧﴾** اور ہم کوئی زیادتی نہیں کررہے اور یہ کہ اگر ہم زیادتی کررہے ہیں تو اللہ ہمیں اس ظلم کی سزادے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اس انداز سے احتیاط کی جائے تو بہت قریب ہے کہ لوگ صحیح صحیح شہادت دیں گے اور یہ بات یادرکھیں کہ اللہ کی بارگاہ میں ان قسموں کی پرسش ہوگی۔ قسم دینے والا اپنی سچائی پر اللہ کریم کو گواہ کرتا ہے۔ جھوٹ بولنا تو ویسے ہی ظلم ہے بہت بڑی برائی ہے لیکن کسی جھوٹ پر اللہ کو گواہ کرکے کہنا اس سے بھی زیادہ بڑا ظلم ہے اور اللہ کریم کے ذمے جھوٹ منسوب کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اس بات کو دھیان میں رکھیں کہ ان قسموں کی پرسش کل میدان حشر میں جب ہوگی تو اللہ کریم فرمائیں گے کہ تم نے خود تو جھوٹ بولا مجھے اس جھوٹ پر گواہ کیوں کیا؟ تو اس بندے کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔

سب سے مقدم رشتہ:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ فرمایا اللہ کریم کے ساتھ اپنا تعلق ہمیشہ درست رکھو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ یہی ہے کہ بات کرتے ہوئے، کام کرتے ہوئے، بندہ یہ سوچے کہ جو میں کرنا چاہتا ہوں کیا یہ شریعت کے مطابق ہے؟ کیا اس کام پر اللہ کریم راضی ہوں گے؟ پھر وہ ایسے کام ضرور کرے اور ایسی بات بھی ضرور کہے لیکن اس بات اوراس کام سے اجتناب کرے جس کام سے اللہ کریم ناراض ہوں گے۔ خود کو اللہ کی نافرمانی سے روکے اپنے آپ کو بچائے کہ آخر ہر ایک کو فرداً فرداً اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اگر میں یہ بات کہوں گا یا یہ کام کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے۔ بہت سے گناہ ہم اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ خوش

ہوں گے۔ ہمیں بڑا اچھا سمجھیں گے لیکن عجیب بات ہے کہ لوگ پھر بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ لوگوں کی رائے کا مدار ان کے تعلقات پر ہوتا ہے جس بندے کے ساتھ جس کے تعلقات اچھے ہوں گے وہ غلط کام بھی کر رہا ہو تو بھی اس کی صفائی دیتے رہتے ہیں کہ خیر ہے غلطی ہوگئی۔ غلطی بھی تو انسانوں سے ہی ہوتی ہے ویسے آدمی اچھا ہے اور جس کے ساتھ ان کا اپنا تعلق صحیح نہ ہو اور وہ نیکی بھی کر رہا ہو تو کہتے ہیں کہ یہ دل سے نہیں لوگوں کو دکھانے کے لئے منافقت کر رہا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے کہ لوگ کسی حال میں راضی نہیں ہوتے اور نہ ہی لوگوں نے کسی سے حساب لینا ہے اور نہ ہی عرصہ محشر میں لوگوں نے فیصلہ کرنا ہے اس لئے سب سے مقدم بات یہ ہونی چاہیے کہ بندہ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کریم کی خوشنودی کو مقدم رکھے۔ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کام اور زندگی کے بڑے بڑے فیصلے اس ذات کریم کی رضا کو سامنے رکھ کر کریں جس کے اچھا سمجھنے سے ہماری دنیا وآخرت کی آبرو قائم ہوتی ہے۔ ہم نے بے شمار فضولیات، رواجات اور گناہ کے کام رسومات کی صورت میں صرف اس لئے اپنا رکھے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں ہم بڑے اچھے بنے رہیں۔

بظاہر یہ چھوٹے چھوٹے امور ہیں جو روزمرہ کا رواج بنے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت یہ جرائم ہیں علماء حق لکھتے ہیں کہ کسی کشتی میں ایک چھوٹا سا کنکر ڈال دیں تو وہ بھی کشتی پر ایک بوجھ تو ہے خواہ معمولی بوجھ ہے۔ اگر وہ چھوٹے چھوٹے کنکر مسلسل کشتی میں ڈالتے رہیں تو یہی معمولی کنکر اس کشتی کو ڈبونے کا سبب بن جائیں گے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ معمولی سمجھ کر کرتا رہتا ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آج مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے بدعقیدہ لوگوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں کیسی عجیب بات ہے تلہ گنگ کے ایک شخص نے دعویٰ کر دیا کہ وہ خدا بھی ہے اور رسول بھی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس کو ماننے والے بھی وہیں پیدا ہوگئے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اپنے جیسے عام انسان کو دوسرے انسان نے کیسے خدا مان لیا؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ بندے کے مسلسل گناہوں کی وجہ سے ایمان سلب ہو جاتا ہے، مقام حیرت ہے کہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں پر بے شمار الزامات عائد ہوتے ہیں ان میں سے کئی لوگ سنگین جرائم میں ملوث ہیں۔ ان پر مقدمات ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود تمام پارٹیوں کے لوگ اپنی اپنی پارٹی سے وفادار ہیں اس پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ لوگ ان پارٹیوں کو نہیں چھوڑتے لیکن اسلام کو فوراً چھوڑ دیتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جن گناہوں کو ہم چھوٹا سمجھتے ہیں جو جھوٹ ہم دن بھر بولتے

ہیں اسے ہم معمولی سمجھتے ہیں جھوٹ بول کر کسی بندے کو ٹرخا دینے کو جھوٹ نہیں سمجھتے حالانکہ ہر جھوٹ اور ہر وہ عمل جو ہم اسلام کے خلاف کرتے ہیں وہ دل پر سیاہی پیدا کرتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے علماء نے کشتی کے ڈوبنے کا سبب معمولی کنکروں کو بتایا ہے۔ اسی طرح دل کی سیاہی سبب بنتی ہے اور لوگ اسلام چھوڑ کر بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔

ہمیں ساری عمر زندہ رہنے کی فکر رہتی ہے۔ حالانکہ زندگی سے موت مقدم ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ہم اپنی موت کو صحت و زندگی سے مقدم رکھیں۔ موت اپنے وقت پر آئے گی نہ کسی کے کہنے اور نہ ہمارے چاہنے سے آئے گی۔ لیکن جب آئے گی تو ساری زندگی کے اعمال سامنے آجائیں گے۔ تو فرمایا **وَاسْمَعُوْا** پوری توجہ سے سنو۔ اللہ کی بات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو دین کی بات کو پوری توجہ سے سنو اور سمجھو اس لئے کہ تمہیں موت کے راستے سے گزرنا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ یاد رکھو! جو لوگ برائی سے باز نہیں آتے اللہ انہیں راہ راست پر نہیں رکھتا۔ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۱۰۸﴾ بدکار آخر گمراہ ہو جاتے ہیں علماء فرماتے ہیں کہ ہر گناہ مفضی الی الکفر ہوتا ہے۔ وہ بندے کو کفر کی طرف کھینچتا ہے۔ ہر گناہ ایسا ہی ہے جیسے کفر کی طرف ایک اور قدم بڑھا دیا اور ایمان سے ایک قدم دور ہو گئے۔ اور اگر اسی سمت مسلسل چلتے رہے تو پھر کفر میں ہی پہنچ جائیں گے اور انجام بد سے دوچار ہو جائیں گے۔

سورۃ المائدہ رکوع 15 آیات 109 تا 115

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ
قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۙ
تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ
مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا
فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ
بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾
وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ
بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

جس روز اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مع ان کی اُمتوں کے جمع کریں گے پھر ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو اُن اُمتوں کی طرف سے کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے کہ ظاہری جواب تو ہمیں معلوم ہے لیکن ان کے دل کی ہم کو کچھ خبر نہیں آپ بیشک پوشیدہ باتوں کے جاننے والے ہیں ﴿۱۰۹﴾ جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے جب کہ میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر

میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور تورات اور انجیل تعلیم کیں اور جب کہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مردوں کو نکال کے کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے یعنی تمہارے قتل و ہلاک سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں ﴿۱۱۰﴾ اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے آپ شاہد رہیے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں ﴿۱۱۱﴾ وہ وقت قابلِ یاد ہے جب کہ حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے خوان یعنی کچھ کھانا نازل فرما دیں؟ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو ﴿۱۱۲﴾ وہ بولے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ﴿۱۱۳﴾ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان یعنی کھانا نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اوّل ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لئے عید یعنی ایک خوشی کی بات ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمائیے کہ آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں ﴿۱۱۴﴾ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد حق ناشناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا ﴿۱۱۵﴾

خلاصہ رکوع

اللہ کریم جس دن تمام انبیاءؑ کو جمع فرمائے گا تو اُنؑ سے پوچھے گا کہ جب آپ دنیا میں مبعوث ہوئے تھے تو لوگوں نے آپ کو کیا جواب دیا؟ وہ عرض کریں گے یا اللہ! ہمیں علم نہیں ہے کہ تیری ہی ذات پوشیدہ باتوں کو جاننے والی ہے۔ جس وقت اللہ کریم عیسیٰؑ ابن مریم سے فرمائیں گے کہ اے عیسیٰؑ! آپؑ پر تو میں نے بہت احسانات کئے اور آپؑ کی والدہ ماجدہ پر بھی بے پناہ احسانات کئے انہیں بے شمار کرامات عطا فرمائیں جب وہ بچپن میں اپنے حجرے میں ہوتیں تو انہیں غیبی رزق میسر ہوتا۔ جہان بھر کے پھل انہیں مہیا کئے جاتے۔ جوان ہوئیں تو بغیر کسی مرد کے ہاتھ لگائے اللہ کی طرف سے بیٹا عطا ہوا۔ وہ بیٹا جس نے پیدا ہوتے ہی ماں کی گود میں کلام کیا۔ اور عیسیٰؑ آپؑ کے ساتھ تو ہم نے جبرئیل امینؑ کی ذمہ داری لگا دی تھی کہ وہ ہمیشہ آپؑ کی مدد پر کمر بستہ رہتے تھے۔ جتنا عرصہ آپؑ دنیا میں رہے وہ آپؑ کے معاون رہے۔ اور ہم نے آپؑ کو یہ توفیق بخشی کہ آپؑ نے جھولے میں لوگوں سے کلام کیا اور جوان ہو کر بھی۔ اور ہم نے آپؑ کو کتاب کا علم عطا کیا اور حکمت عطا کی اور پھر آپؑ کو عجیب وغریب معجزات عطا فرما دیئے آپؑ مٹی سے پرندے کا وجود بناتے اور اس پر دم فرماتے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن جاتا اور اُڑ جاتا۔ اور مادر زاد اندھوں کو میرے حکم سے بینا کر دیتے۔ برص کے داغ والوں کو تندرست کر دیتے۔ اور مردوں کو میرے حکم سے زندہ کر دیتے۔ اور بنی اسرائیل نے آپؑ کو قتل کرنے کی کوششیں کیں لیکن ہم نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ آپؑ نے اس قدر محیر العقول معجزات بنی اسرائیل کو دکھائے لیکن وہ اتنے عظیم معجزات دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ اور جب ہم نے حواریین کو حکم دیا کہ میری ذات پر ایمان لاؤ اور میرے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو انہوں نے کہا ہم نے مان لیا اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰؑ ابن مریم! کیا آپؑ کا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرما دے تو عیسیٰؑ نے فرمایا اللہ سے حیا کرو کہ تم ایمان رکھتے ہو۔ وہ کہنے لگے ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کچھ کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور اس بات پر یقین آجائے کہ آپؑ سچ کہہ رہے ہیں۔ اور ہم آپؑ کی صداقت پر گواہ ہو جائیں۔ عیسیٰؑ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے لئے آسمانوں سے کھانا نازل فرمایئے تا کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے روز عید ہو۔ اور آپ کی طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہو جائے اور

ہمیں بہترین رزق عطا فرمائیے کہ آپ بہترین رزق عطا فرمانے والے ہیں۔ تو فرمایا اللہ کریم نے کہ میں نازل کردوں گا لیکن اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو پھر میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب تمام عالمین میں یعنی بنی آدم میں کسی دوسرے کو نہیں دیا گیا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ جس دن انبیاءؑ کی حاضری ہوگی اور پوچھا جائے گا کہ آپؑ کی امتوں نے آپؑ کے امتیوں نے آپ کو کیا جواب دیا تھا؟

انبیاء علیہم السلام کا انداز کریمانہ:

انبیاء علیہم السلام تو جانتے ہوں گے کہ زندگی میں کس نے بات مانی اور کس نے نہیں مانی۔ لیکن انبیاءؑ کی شان بہت کریمانہ ہے۔ وہ کہیں گے کہ یا اللہ! تو بہتر جانتا ہے۔ ہمارے سامنے کسی نے اقرار بھی کیا تو ہم نے اس کا زبانی اقرار سنا، دلوں کا حال تو صرف تو ہی جانتا ہے۔ کسی نے انکار کیا تو وہ بھی اس کا زبانی معاملہ تھا۔ تُو تو دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ یا اللہ! ہماری تبلیغ بھی تیرے سامنے ہے۔ ہماری محنت و مجاہدہ بھی تیرے سامنے ہے اور لوگوں نے جس قدر مانا وہ بھی تو ہی بہتر جانتا ہے۔ تجھ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا انداز دیکھیں میدان حشر میں بھی کتنا کریمانہ ہے اور اُمتی اپنی طرف دیکھیں کہ وہ اپنے نبیؐ سے کتنی وفا کر رہے ہیں۔ نیکی صرف نیکی نہیں ہے۔ نیکی کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ ہم اپنے نبیؐ سے کتنی وفا کرتے ہیں۔ ہم خود پر قیاس کر کے اسے سمجھ سکتے ہیں کہ ہم صاحب اولاد ہیں الحمدللہ تو کون والد ہے جو چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اس کا کہنا نہ مانے۔ حالانکہ ہم اپنی اولاد کے لئے نبی نہیں ہیں۔ نبیؐ کی عظمت تو بہت بلند ہے ہم تو ایک عام انسان ہیں اور اپنے لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہمارا کہنا مانے اور جس نبیؐ کے ہم اُمتی ہیں اور اُمتی ہونے کے دعویدار ہیں اس نبیؐ کی بات ہم نہیں ماننا چاہتے۔ وہاں ہم اپنی مرضی کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئیے جو قدم اتباع رسول ﷺ سے ہٹ کر اٹھایا جاتا ہے وہ قدم شیطان کے نقش قدم پر ہی اٹھتا ہے۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى یہاں سے حضرت عیسٰیؑ پر اللہ کے احسانات کا ذکر ہو رہا ہے کہ آپؑ پر اور آپؑ کی والدہ ماجدہ پر اللہ کے کس قدر اور عظیم احسانات ہیں پھر خاص حضرت عیسٰیؑ پر کئے گئے احسانات کا ذکر ہے کہ عیسٰیؑ کی پیدائش خرق عادت کے طور پر ہوئی پھر آپؑ نے دوسرے دن ہی لوگوں سے عام انسانوں کی طرح کلام فرمایا۔ یہاں کلام سے مراد بچے کا رونا یا بچے کا بے معنی آوازیں نکالنا نہیں ہے بلکہ ماں

کی گود میں پورا مکمل کلام فرمانا مراد ہے۔ عیسیٰؑ نے اللہ کی عظمت بیان کی اور اپنی نبوت ورسالت بیان فرمائی۔ پھر اللہ کریم نے عیسیٰؑ کو کتاب وحکمت عطا کی۔ کتاب سے مراد ہے کتاب الٰہی، وحی الٰہی اور حکمت اس کتاب کی تعبیر وتفسیر کو کہتے ہیں۔ آپؑ کو کتاب اللہ عطا ہوئی اس میں جس قدر اسرار ورموز تھے وہ آپؑ کو بتا دیئے گئے یعنی یہ کہ آپؑ کو اسی عمر میں بچپن میں پوری کتاب عطا کر دی۔ اس کی تعبیر وتشریح بھی عطا کر دی تورات وانجیل آپؑ کو ازبر کرا دیں۔ ان کے علوم، معانی وتشریح بھی سمجھا دی اور اس کے علاوہ عجیب معجزات عطا فرمائے۔ یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ معجزات انبیاءؑ انسانی عقل اور سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں اسی لئے انہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔ تمام انبیاءؑ کو اللہ کریم نے جو معجزات عطا فرمائے وہ ان کے زمانے کے لئے مناسب تھے۔ جب عیسیٰؑ مبعوث ہوئے تو طب وحکمت اپنے عروج پر تھی بڑے نادر الوجود اطباء تھے جو بہت اہلیت رکھتے تھے اور مشکل ترین امراض کے علاج میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے آپؑ کو وہ معجزات عطا کئے جہاں طبیب عاجز آ گئے۔ آپؑ پیدائشی اندھوں کو اور برص کے مریضوں کو دم کرنے سے شفایاب کر دیتے تھے۔

دم کرنے کی شرعی دلیل:

قرآن حکیم کی اس آیت سے دم کرنے کا جواز ثابت ہو گیا کہ دم کرنے سے بھی انقلاب آفرین اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن وہ دم کیا ہوتا ہے؟ قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ وہ اللہ کے کلام سے ہوتا ہے۔ اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ جیسے صحابہ کرام کسی جنگل سے گزر رہے تھے وہاں ایک خانہ بدوش خاندان تھا جس کے کسی فرد کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ انہوں نے صحابہؓ کو دیکھا کہ نورانی چہروں والے نیک لوگ ہیں تو دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ آپ ہمارے اس فرد کا علاج کر دیں۔ صحابہ کرامؓ نے جا کر دم کر دیا اور اللہ کے حکم سے اسے شفا ہو گئی۔ اس خاندان نے کچھ بکریاں تحفتاً دیں کہ ہمارا یہ فرد آپ کے دم سے ٹھیک ہو گیا ہے اس خوشی میں ہم آپ کو یہ تحفہ دے رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے لئے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ دم پر اجرت لینی چاہیے یا نہیں تو مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ بکریاں لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں پیش ہوں گے جیسے ارشاد ہو گا ویسے کر لیں گے۔ واپس آئے بارگاہ عالی میں پیش ہوئے عرض کی ہم نے دم کر دیا اور وہ مریض ٹھیک ہو گیا۔ انہوں نے ہمیں یہ بکریاں دی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو علاج ہے اور علاج پر اجرت لینا جائز ہے۔ ان بکریوں

میں میرا حصہ بھی رکھو لیکن یہ بتاؤ تم نے کیا دم کیا تھا؟ انہوںؓ نے عرض کی ہمیں سورۃ فاتحہ یاد تھی ہم نے پڑھ کر پھونک ماردی وہ ٹھیک ہوگیا۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ سورۃ فاتحہ دم بھی ہے۔ انہوں نے عرض کی ہمیں معلوم تو نہیں تھا لیکن سورۃ فاتحہ ہی یاد تھی سو وہی پڑھ کر دم کردیا۔

تو دم کرنے کا شرعی جواز موجود ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی جائز کام کے لئے ہو اور قرآن وسنت کے مطابق ہو۔

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ فرمایا اور میں نے آپؑ کو وہ معجزہ دیا کہ آپؑ کسی پرانی فرسودہ قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرتے تو وہ مردہ بھی زندہ ہو جاتا۔

کسی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ عیسیٰؑ تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور حضور اکرم ﷺ تو امام الانبیاء ہیں۔ ہم نے آپ ﷺ کی سیرۃ پاک میں نہیں پڑھا کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی مردے کو زندہ کیا ہو۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مردہ بوسیدہ ہو جائے مٹی اس کے وجود کو کھا چکی ہو لیکن اس کے ذرات ہوتے ہیں۔ اب وہ مردہ ہے لیکن کبھی اس میں زندگی بھی تھی تو وہ نبی کے معجزہ سے زندہ ہو جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کے لئے منبر تجویز ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے پسند فرمایا اور جب منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے لگے تو وہ ستون بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رویا اور مسجد میں موجود تمام لوگوں نے اس کا رونا سنا۔ حضور اکرم ﷺ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس تشریف لے گئے اس پر دست شفقت پھیرا۔ آپ ﷺ کے پیار کرنے کے بعد وہ خاموش ہوا اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا پھر آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں رکیں اور اس نے خاموشی اختیار کر لی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مردے میں کبھی زندگی کے آثار تو تھے لیکن سوکھے تنے میں ایسے جذبات اتنی محبت اور شدت محبت کیسے پیدا ہوگئی کہ وہ لکڑی تھی لیکن اس میں انسانی خصوصیات در آئیں؟ یہ معجزہ کہیں بلند ہے۔

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور جب بنی اسرائیل نے آپؑ کو قتل کرنے کی کوششیں کیں تو ہم نے آپؑ کو ان کی زیادتی سے بچالیا اور انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ پھر آپؑ نے انہیں اتنے عظیم معجزات دکھائے لیکن کفر ایسی مصیبت ہے کہ اتنے معجزات دیکھ کر بھی کہنے لگے کہ یہ کوئی بڑا جادوگر ہے اور یوں نبی

مان کر نہ دیا۔

یہ سارا قصہ اس لئے ارشاد ہوا کہ پچھلی آیت سے بات چل رہی تھی کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو کہ گناہ مفضی الی الکفر ہوتے ہیں۔ کفر کی طرف لے جاتے ہیں اور کفر ایسی مصیبت ہے کہ جب دل سیاہ ہو جائے تو بندے کو ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ اگرچہ روزمرہ زندگی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے گناہ معمولی بات ہے لیکن اللہ کی نافرمانی اور رسول ﷺ کے اتباع سے ہٹ کر چلنا معمولی بات نہیں اس کے اثرات بہت دوررس ہوتے ہیں۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾

فرمایا جب ہم نے عیسیٰ ؑ کے ساتھیوں یعنی حواریوں کو حکم دیا کہ میری ذات پر ایمان لاؤ اور میرے رسول ؑ کی رسالت پر ایمان لاؤ۔

اس آیت میں لفظ وحی استعمال ہوا ہے جب حواریوں کو حکم دیا ہے یاد رہے وحی سوائے نبیؑ کے کسی دوسرے پر نازل نہیں ہوتی۔ وحی خصوصیتِ نبوت ہے حواریوں کو جو حکم دیا گیا ہے وہ عیسیٰ ؑ کی معرفت دیا گیا ہے اس لفظ کو حواریوں کی طرف حکم بھیجنے کے معنوں میں استعمال کرنے سے یہ مراد ہے کہ عیسیٰ ؑ نے جو کچھ حواریوں کو پہنچایا وہ وحی الٰہی تھی آپؑ نے وہی وحی الٰہی جو اللہ کی طرف سے آئی ہو بہو پہنچا دی۔ انبیاءؑ کی خصوصیت یہی ہوتی ہے اور یہی گواہی دی ہے قرآن حکیم نے آقائے نامدار ﷺ کے بارے جب فرمایا **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ** ○ النجم: 3/4 حضور اکرم ﷺ کوئی بات اپنی خواہش، اپنی پسند، اپنی غرض کے لئے، ذاتی نفع کے لئے، کسی ذاتی مفاد کے لئے ارشاد نہیں فرماتے بلکہ وہی پیغام آگے پہنچاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ انبیاءؑ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ نبیؑ جو بات ارشاد فرماتا ہے وہ بعینہ وہی ہوتی ہے جس کے پہنچانے کا اسے حکم دیا جاتا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے ''ہم نے حوارئین کی طرف وحی نازل کی''، یعنی عیسیٰ ؑ پر وحی نازل کی لیکن آپؑ نے اس طرح پہنچائی جیسے براہ راست اللہ کریم ان سے فرما رہا ہو۔ آقائے نامدار ﷺ کی عظمت ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کریم نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ فرمایا **مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ** النساء: 80 معاشرے کا نظام بھی تب ہی درست چلتا ہے جب معاشرے کو چلانے والے حکمران ایک نظام کے تابع ہو کر کام کرتے ہیں۔ اگر ان میں خلوص ہو، وہ ذاتی خواہشات کے اسیر نہ ہو جائیں، اپنے مفادات کے پیچھے نہ

بھا گنے لگیں تو نظام درست چلتا ہے اور اگر لوگوں کے ذاتی مفادات اور ذاتی رائے اہم ہو جائیں تو آپس میں ٹکراؤ ہوگا اور معاشرے میں ابتری پھیلے گی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ ہو تو حق اطاعت ادا ہوتا ہے:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری حیات طیبہ میں دیکھیں تو مثالی اطاعت نظر آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ اللہ نے یہ خاص لوگ اپنے رسول ﷺ کی اطاعت اور اتباع کے لئے خصوصی طور پر پیدا فرمائے تھے۔ یہ زندگی کے کسی مرحلے پر نہ شک کرتے ہیں نہ تردّد۔ جو ارشاد ہوتا ہے اس پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کے لئے چل پڑتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا اس حکم کی مصلحت کیا ہے؟ ایسا کیوں ہونا چاہیے؟ بلکہ تمام صحابہ اہل زبان تھے۔ عربی زبان کے ماہر، گھر کی خادمائیں اور کنیزیں تک بات بات میں ایسے شعر کہہ دیتی تھیں جو آج تک عربی ادب کا سرمایہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو بہت بعد کے زمانے کے ہیں ان کی ایک کنیز کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص ان کی غیر حاضری میں آیا امام صاحب نہ ملے تو اس نے کہا کہ میرا نام عبداللہ ہے امام صاحب جب واپس آئیں تو بتا دینا میں حاضر ہوا تھا۔ بعد میں اس نے امام صاحب سے کہا کہ جاۓ غبد اللہ انہوں نے استفسار کیا تو کہنے لگی فی عینہ نقطہ اس کی آنکھ میں سفیدی تھی۔ اس لئے عبداللہ کے بجائے غبد اللہ کہا۔ ایسے علمی لطیفے تو کنیزوں کے عام ملتے ہیں لیکن جب حضور اکرم ﷺ پر وحی آتی اور آپ ﷺ دریافت فرماتے کے اس کا کیا معنی ہے؟ تو بڑے بڑے فاضل اہل علم اور زبان و ادب کے ماہر کہہ اٹھتے اللہ و رسولہ اعلم اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ جو فرمائیں گے وہی اللہ کا فرمان ہے۔ ہم کوئی رائے نہیں رکھتے۔ عملی میدان میں صحابہ کرامؓ تیرہ برس گزار دیتے ہیں اذیتیں برداشت کرتے رہتے ہیں اور حکم پورا کرتے رہتے ہیں کہ جواباً ہاتھ نہیں اٹھانا۔ تیرہ برس کی مار کھانے کے بعد حکم ہوتا ہے کہ رشتہ دار، عزیز و اقارب چھوڑ دو اور وطن چھوڑ کر ہجرت کر جاؤ۔ کوئی نہیں کہتا نہ کسی کے دل میں یہ خیال ہی آتا ہے کہ اللہ تو قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ کافروں کو سزا دیتا الٹا ہمیں شہر بدر کر رہا ہے۔ کسی صحابیؓ نے نہیں پوچھا اور حکم کی تعمیل میں ہجرت کر گئے۔ مدینہ منورہ کی ایک نوزائیدہ ریاست تھی۔ دشمن کا خوف، وسائل کی کمی، اس کے باوجود بدر کا میدان سجتا ہے جس میں مشرکین کے ایک ہزار مسلح اور وافر راشن رکھنے والی فوج کا مقابلہ تین سو تیرہ افراد

کرتے ہیں جن میں ضعیف، بچے اور جوان شامل ہیں۔ دو گھوڑے، آٹھ زرہیں، دس بارہ تلواریں، کچھ تیر کمان، ایک ایک ان سلی چادر، راشن میں پانچ پانچ کھجوریں۔ لیکن کوئی نہیں پوچھتا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیسے لڑیں گے؟ سب نے سر تسلیم خم کیا۔ اللہ کی مرضی کہ اس نے تین سو تیرہ کو فاتح قرار دے دیا۔ جنھوں نے ایک ہزار کے لشکر کو شکست دی ستر کافر مارے گئے اور ستر قید ہو گئے۔ چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ ہوتا ہے حقِ اطاعت۔

اور حواری کہتے ہیں اے عیسیٰؑ ابن مریم! جب انہوں نے اپنے نبیؑ کی رسالت کا اقرار کیا تھا تو انہیں کہنا چاہیے تھا اے اللہ کے رسولؑ! لیکن انہوں نے اپنے رب کو Own ہی نہیں کیا اپنایا ہی نہیں۔ اور کہنے لگے کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے؟ یعنی اللہ کی قدرت میں بھی شک کیا اور انداز بھی ادب سے عاری تھا کہ آسمان سے پکا پکایا کھانا نازل ہو جائے۔ عیسیٰؑ نے یہ سن کر فرمایا قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ عظمت الٰہی کا پاس رکھو۔ اللہ سے حیا کرو۔ ابھی کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہے ہو۔ تقویٰ کا ترجمہ اردو میں ڈر لکھ دیا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ لیکن حق یہ ہے کہ اردو زبان عربی لفظ تقویٰ کی وسعت کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ڈر کی تو بہت اقسام ہیں۔ موذی جانور سے ڈر لگتا ہے، دشمن سے ڈر لگتا ہے، لیکن تقویٰ دراصل رشتہ اور تعلق سے متعلق ہے۔ جیسے والدین کی محبت، بھائی اور دوست سے محبت کا تعلق ہو اور پھر یہ ڈر رہے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ والدین یا عزیز دوست سے تعلق خراب ہو جائے۔ بندہ کچھ کہتے ہوئے کچھ کام کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھے کہ میرے کسی عمل سے دوست ناراض تو نہیں ہو جائے گا۔ ایسا رشتہ اگر اللہ سے استوار ہو جائے کہ میں جو کہنے لگا ہوں یا کرنے لگا ہوں تو اس سے اللہ کریم ناراض تو نہیں ہو جائیں گے۔ اس ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یعنی تعلق میں دراڑ آنے کے ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں تو فرمایا اتَّقُوا اللّٰهَ ابھی تم نے اللہ پر ایمان لانے سے رشتہ جوڑا ہے اس رشتے کا کچھ تو خیال کرو۔ ابھی تو تم نے اقرار کیا ہے اب کیسی غیروں والی بات کر رہے ہو۔ اللہ کو اپنے ایمان پر گواہ بنایا ہے تو اس پر قائم رہو۔ آج کے مسلمان کے لئے بھی لمحہ فکر یہ ہے کہ کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کا دیا ہوا نظام آج قابل عمل نہیں۔ اس پر آج عمل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر کلمہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک طرف ہی رہو۔ یہ رشتہ کیوں جوڑا ہے؟ اور جب جوڑا ہے تو اس رشتے کا پاس رکھو۔ عیسیٰؑ کے بازپرس کرنے پر بہانے گھڑنے لگے۔ جیسا کہ ہر بے عمل تاویل گھڑتا ہے۔ کہنے لگے قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا خوانِ نعمت کے نزول کی خواہش تو ہم نے اس لئے کی کہ ہم کھائیں اور ہمیں

یقین ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ بھی تسلی ہو جائے کہ آپؑ نے ہم سے سچ کہا ہے وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں سبحان اللہ وبحمدہٖ ○ اللہ کریم بڑا حلیم اور بردبار ہے۔ کیسے کیسے جملے بنی اسرائیل ادا کر رہے ہیں اور اللہ کریم کس کس طرح مہلت دیئے جا رہا ہے کہ توبہ کر کے ہدایت کو پالیں۔ ان کے مطالبے اور تاویلیں بتا رہی ہیں کہ گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آسمان سے کھانا نازل نہیں ہوگا تو اس کا مطلب ہے اللہ کا رسول علیہ السلام معاذ اللہ غلط بیانی کر رہا ہے۔ ان کا اپنے نبیؑ پر اعتماد ہی نہ تھا تو ماننے کے کیا معنی؟ اس اقرار کا کیا فائدہ جو انہوں نے پہلے زبانی طور پر کر دیا؟ اللہ سچا ہے اللہ کا نبی و رسولؑ سچا ہے۔ اللہ کے حوصلے وسیع ہیں اور اللہ کے رسولوںؑ کے حوصلے بھی وسیع ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا کی اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ بار الہا تو قادر ہے ہمارے لئے آسمان سے کھانا نازل فرما۔ حواریوں نے تو کہا تھا کہ اس طرح آپؑ کی سچائی کی بھی پرکھ ہو جائے گی اور قدرت باری پر بھی یقین آ جائے گا اور ہم اس پر گواہ بھی بن جائیں گے۔ اللہ کے رسولؑ نے یہ بات بدل دی۔ یہ مناسب نہیں تھی۔ انہوں نے عرض کی اللہ کریم ہم پر خوان نعمت نازل فرما تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ ہماری قوم جب تک رہے گی اسے تیرے شکر اور تیری بڑائی کے طور پر یوم عید کی طرح منائے گی۔ عید سے مراد ہے ایسا خاص دن جس میں عظمت الٰہی کا زیادہ اظہار کیا جائے۔ اطمینان اور خوشی کا احساس ہو صاف کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور اللہ کے حضور سربسجود ہونا عید کے دن کی خصوصیت ہے۔ تو انہوں نے خوبصورت انداز سے خوبصورت بات عرض کی ہم ہر سال اس دن تیری عظمت بیان کریں گے۔ ہمارے بعد آنے والے بھی اسی طرح تیرا شکر ادا کرتے رہیں گے۔ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اے رب کریم کھانا بھیج دے بے شک تو بہتر رزق دینے والا ہے۔ ارشاد ہوا اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ میں تم پر کھانا نازل کر دوں گا لیکن میری بات سن لو جس طرح پہلے تم نے کہا گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں پھر تم نے نہ اللہ کو مانا نہ اللہ کے رسولؑ کو رسولؑ مانا۔ اس طرح اب یہ خوان نعمت کھانے کے بعد بھی کسی نے بات سے پھرنے کی کوشش کی تو میں اسے وہ عذاب دوں گا جو روئے زمین کی کسی قوم اور کسی فرد کو نہیں دیا گیا ہوگا۔

آج کا مسلمان عظمت الٰہی سے بے شعور کیوں ہے؟

اس لئے کہ مسلمان نے اپنے نبی کریم ﷺ سے رشتہ الفت کا پاس نہیں کیا۔ ہم بھی زبانی کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو مانتے ہیں دل کے اندر اپنے کہے پر یقین نہیں ہے۔ آج عبادات کے بعد بھی لوگوں کو اطمینان نہیں ملتا۔ کیوں؟ مجھے لوگ یہی لکھتے رہتے ہیں کہ میں باقاعدگی سے روزے رکھتا ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں، حج بھی کیا ہوا ہے لیکن میرا کاروبار نہیں چلتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ کاروبار چلانے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ اگر گاڑی میں پٹرول نہیں ڈالیں گے تو کیا وہ گاڑی چلے گی؟ آپ نمازیں پڑھتے رہیں گاڑی میں تیل نہ ڈالیں تو گاڑی نہیں چلے گی بھلا ان دونوں چیزوں کا آپس میں کیا تعلق؟ کاروبار کرنے کا ایک طریقہ وسلیقہ ہے اس طریقے سے کرو گے تو کاروبار چلے گا اس میں غلطی کرو گے تو کاروبار نہیں چلے گا۔ عبادات تو اللہ سے قرب حاصل کرنے کے لئے عطا ہوئی ہیں۔ کاروبار چلانے کے لئے نہیں۔ ہمیں یہ بہت غلط فہمی ہے کہ اگر ہم اللہ کی عبادت کریں گے تو پھر ہمیں بیماری لاحق نہیں ہونی چاہیے حالانکہ بیماری کے دنیاوی اسباب بھی ہیں۔ ہم بدپرہیزی کرتے ہیں غلط سلط کھا لیتے ہیں سردی لگ جاتی ہے تو بخار ہوگا۔ نمازیں بخار کو نہیں روکیں گی نہ نماز بخار کا علاج ہے یہ تو اللہ سے اپنا رشتہ ایمان مضبوط کرنے کے لئے ہے۔ لہٰذا انہیں گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔ عبادت سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے اور دنیا کا نظام اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ اس نے اس کے قاعدے ضابطے بنا دیئے ہیں۔ قاعدے یہ ہیں کہ آپ جھوٹ نہ بولیں۔ حرام نہ کھائیں۔ غیر شرعی کام نہ کریں۔ دنیاوی اسباب اور عقل سمجھ استعمال کریں کام سلیقے سے کریں آپ کو کاروبار میں نقصان نہیں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں اہل اللہ سے برکات نصیب نہیں ہوتیں۔ ہم اپنے ذاتی مفادات اور لالچ میں اتنے پھنسے ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس بندے کی پرکھ ہی نہیں۔ کسی نے نبی کریم ﷺ سے گذارش کی تھی کہ جب آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے زمانے گزر جائیں گے لوگ مختلف دعوے کریں گے تو عام لوگوں کے پاس کیا معیار ہوگا؟ کس کو وہ اللہ کا بندہ سمجھیں؟ کس کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا متبع سمجھیں؟ کس کا ساتھ دیں؟ کس کے ساتھ رہیں؟ آپ ﷺ نے بڑا مختصر سا اصول بیان فرما دیا کہ ''جس بندے کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آئے اس بندے کے ساتھ رہنا'' آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ جس کے پاس بیٹھنے سے کاروبار میں ترقی ہو یا بیماری ٹھیک ہو جائے۔ بلکہ آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اس بندے کے پاس بیٹھو

جس کے ساتھ بیٹھ کر تمہیں اللہ اللہ نصیب ہو جائے۔ جس کی باتیں سن کر اللہ یاد آ جائے۔ اہل اللہ کی یہی پہچان ہے کہ بندہ ان کے قریب ہو کہ دیکھے تو اسے اللہ کی یاد نصیب ہو جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ آج کے مسلمان یہی سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے پاس جائیں گے تو فلاں کام ہو جائے گا یا صحت ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ معیار درست نہیں۔ دولت دنیا تو کافر بھی دے سکتا ہے اس میں پھر نیک و بد کی پہچان کہاں رہے گی؟ لیکن حق یہی ہے کہ اللہ کی یاد وہیں نصیب ہوگی جو اللہ کا بندہ ہوگا۔ جب ہم اس معیار سے ہٹ گئے تو اللہ کے بندوں سے بھی برکات حاصل نہ کر سکے۔ ہم نے قرآن حکیم کو وظائف کی کتاب سمجھ لیا حالانکہ قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے بہترین زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھاتی ہے۔ ہم نے اسے بھی درست مقام نہیں دیا۔ ہم اس طرح پڑھتے ہیں کہ یہ لوگوں کے لئے حکم ہے۔ جنہیں اس کے ترجمہ یا مفہوم کی سمجھ ہے وہ بھی اس طرح پڑھتے ہیں کہ یہ اللہ کے احکام ہیں اور لوگوں کے لئے ہیں۔ قرآن حکیم پڑھنے کا درست انداز یہ ہے کہ جب ہم تلاوت کریں تو یوں سمجھیں کہ یہ ایک خط ہے جو رب کریم کی طرف سے مجھے آیا، رب کریم مجھے فرما رہا ہے کہ تجھے یہ کرنا ہے اور وہ نہیں کرنا۔ اس طرف جانا ہے اور اس طرف نہیں جانا اس طرح پڑھنے والے کی بحمد اللہ اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارا انداز بدل چکا ہے اس آیہ کریمہ سے ہمیں یہی سبق سیکھنا ہے جو اس آیہ میں سکھایا گیا ہے کہ اپنے نبی کریم ﷺ سے اپنا تعلق محبت اور اعتماد کا بناؤ ورنہ بنی اسرائیل کی طرح دل سیاہ ہو جائیں تو خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔ رکوع کے شروع میں اس رویے کا علاج بتایا گیا تھا کہ سچائی کو سچائی سمجھ کر ماننا کمال ایمان ہے۔ سچائی کو ماننے کا مطلب ہے اپنی عملی زندگی میں اپنے کردار میں اسے نافذ کرنا۔

سورۃ المائدہ رکوع 16 آیات 116 تا 120

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١٩﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو (عیسیٰ علیہ السلام) عرض کریں گے کہ توبہ توبہ میں آپ کو (شریک سے) منزہ سمجھتا ہوں اور مجھ کو کسی طرح زیبا نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا ﴿۱۱۶﴾ تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا تو آپ ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں ﴿۱۱۷﴾ اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں ﴿۱۱۸﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے ﴿۱۱۹﴾ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی

جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں ﴿۱۲۰﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ کریم حضرت عیسیٰؑ کو جو حضرت مریم کے بیٹے ہیں فرمائیں گے کہ کیا آپؑ نے لوگوں سے یہ فرمایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ کے علاوہ معبود بنالو تو وہ عرض کریں گے کہ اللہ تو پاک ہے مجھے ایسی بات کہنے کا کیا حق تھا جو میرے لئے مناسب نہیں۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کے علم میں ہوتی۔ جو کچھ میرے دل کی گہرائیوں میں ہے آپ تو اسے بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے علوم سے کُلّی طور پر واقف نہیں ہوں۔ یہ آپ کی ذات ہے جو غیب کو جانتی ہے۔ میں نے ان سے صرف وہی کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا اور وہ یہ تھا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ وہ میرا بھی رب ہے اور تم سب کا بھی رب ہے۔ اور میں جب تک ان میں موجود رہا تب تک کا میں گواہ ہوں جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو پھر آپ بہتر جانتے ہیں اس لئے کہ آپ ہر بات کی خبر رکھتے ہیں۔ ہر چیز پر گواہ ہیں۔ اگر آپ انہیں سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں آپ کی مخلوق ہیں آپ ان کے مالک ہیں اور اگر آپ انہیں معاف کردیں تو آپ غالب ہیں اور حکمت والے ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرمائیں گے قیامت کا دن ایک ایسا دن ہے جس میں انہی لوگوں کو فائدہ ہوگا جو سچے تھے۔ ان کے لئے باغات ہیں جن میں نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور انہیں اللہ کی رضامندی نصیب ہوگی اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ زمینوں، آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کی بادشاہی صرف اللہ کے لئے ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر و معارف

اللہ کریم بندے کو یاد کروا رہے ہیں کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اللہ پاک ہر ایک سے پرسش کریں گے لہٰذا دنیا کی زندگی میں بندے کو اتنا بھی مشغول نہیں ہو جانا چاہیے کہ اسے روز محشر یاد ہی نہ رہے۔ آخرت کی جواب دہی کا احساس اسلام کا انقلابی عقیدہ ہے جبکہ دیگر نظام ہائے زندگی جو انسانوں کے بتائے ہوئے ہیں ان میں اس کا فقدان ہے۔ دنیا میں ایسی اقوام بھی ہیں جہاں ان کے اپنے بنائے ہوئے نظام اور قانون پر عمل

درآمد کرنے کے لئے ایسے ادارے بنائے گئے ہیں جہاں لوگ بڑی جانفشانی سے کام کرتے ہیں اور برسوں تک جرائم کی کھوج لگاتے رہتے ہیں اور دنیا کے کسی کونے سے بھی مجرم گرفتار کرنا پڑے تو کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان ممالک میں بھی جرائم کی شرح بڑھتی رہتی ہے۔ کم نہیں ہوتی۔

ہمارے ہاں مسلمانوں پر اسلامی نظام نافذ نہیں ہے بلکہ انگریزوں کا بنایا ہوا غلامانہ نظام ہے۔ جس میں عوام کا استحصال ہوتا ہے اور امراء حکمران وطبقہ عیش کرتا ہے لیکن جن ملکوں میں ان کے ادارے منظم ہیں وہاں تو جرائم ختم ہو جانے چاہئیں لیکن ختم نہیں ہوتے۔ مثلاً نیویارک میں ایک مرتبہ نو گھنٹے بجلی بند رہی تو ڈاکے، لوٹ مار اور آبروریزی کے جو واقعات پولیس کے پاس رجسٹر ہوئے وہ چھتیس ہزار تھے۔ انہی دنوں شاہ فیصل امریکہ کے دورے پر تھے۔ ان سے کسی صحافی نے یہ سوال کیا کہ آپ کے نظام عدل میں قاتل کی گردن اڑا دی جاتی ہے اور چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور یہ کام حکومت کی سرپرستی میں ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہمارے اعداد وشمار دیکھو تو پتہ چلے کہ آبادی کا کتنا قلیل بلکہ اقل حصہ ہے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے اور ہمارے ملک میں امن وامان کی صورت حال کا اپنے ملک کی صورت حال سے مقابلہ کر کے دیکھو۔ تمہارے نظام کا کمال یہ ہے کہ صرف نو گھنٹے بجلی بند رہنے کے دوران چھتیس ہزار مقدمات درج ہوئے اور ہمارے کئی سالوں کے ریکارڈ میں اتنے مقدمات نہیں ملیں گے تو بات نتائج کی ہے۔

اسلامی نظام امن کی ضمانت کا سبب:

اسلامی نظام میں امن کی ضمانت کا سبب ایمان باللہ ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ حاضر وناظر ہے اور اس نے ایک دن ہر کام کا حساب لینا ہے جبکہ ظاہری نظاموں میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ اگر کہیں قانون کے کارندے نہیں دیکھ رہے تو جو جی چاہے کرو۔ اور جب ایمان نصیب ہوتا ہے اللہ کی عظمت پر یقین ہوتا ہے تو روز محشر سامنے رہتا ہے اسے یاد رہتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اسے یقین رہتا ہے کہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اللہ موجود نہ ہو۔ بندۂ مومن اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ جرم سے بچے۔ مثلاً رمضان شریف آتا ہے اور امیر غریب سب ہی کوشش کرتے ہیں کہ روزے رکھیں۔ گرمیوں کا موسم، ٹھنڈا پانی بھی موجود ہو، کمرے میں خواہ اکیلے بھی ہوں لیکن کوئی پانی نہیں پیتا۔ اسے حکومت کا کارندہ یا پولیس یا عام شہری تو نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ اسی طرح دیہاتوں میں سخت گرمی کے روزوں میں دہقان، مزدور یا چرواہے سب پیاسے ہوتے

ہیں۔ وضو کرتے ہیں تو احتیاط سے کہ پانی حلق سے نیچے نہ اترے۔ روزہ دار ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ انہیں یہ یاد ہے کہ انہیں اللہ دیکھ رہا ہے۔ یہی احساس مستحضر رہے تو امن کا ضامن ہے۔ فرمایا **وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى** اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ کریم انبیاءؑ سے بھی پرسش کریں گے۔

انبیاءؑ سے سوال کے معنی:

انبیاءؑ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ تخلیقی طور پر نبیؑ ہوتے ہیں اور یہ خاصۂ نبوت ہے کہ نبیؑ سے غلطی نہیں ہوتی تو باز پرس کس بات پر ہوگی؟ انبیاءؑ سے سوال اس لئے ہوگا کہ جب ان کی امت کوئی کام کرتی ہے اور اسے ثواب بتاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کام تعلیمات نبوت میں سے ہے لہٰذا اس کام پر اس کی شہادت نبیؑ ہی دیں گے کہ میں نے انہیں تعلیم کیا تھا۔ نبیؑ وہی تعلیم کرتا ہے جس کا حکم اللہ کریم اسے دیتے ہیں۔ تو انبیاءؑ کی تعلیم برحق ہوتی ہے لیکن جو چیزیں لوگ خود بنا لیتے ہیں انہیں ثواب بھی سمجھتے ہیں تو ان کاموں پر انبیاءؑ ان کا انکار کر دیں گے کہ ہم نے انہیں ایسے کام کرنے کا حکم نہیں دیا تھا جب انبیاءؑ انکار کر دیں گے تو ایسا کرنے والوں کے پاس کوئی جواز نہیں رہے گا۔ اور الٹا جرم ثابت ہوگا۔ جو لوگ اپنی طرف سے باتیں گھڑ لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ دین ہے۔ اس کے کرنے میں ثواب ہے تو گویا وہ خود کو منصب نبوت پر فائز سمجھتے ہیں جبکہ گناہ وثواب کے کام بتانا تو منصب نبوت ہے، عام آدمی گناہ وثواب کی تعیین نہیں کرسکتا۔

ہمارے ہاں بھی زندگی کے مختلف امور میں کئی رسومات رواج پا گئی ہیں۔ اگر ان رسومات کو ثواب سمجھ کر کیا جائے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ مثلاً آج کے زمانے میں مروج اذان کو ہی لے لیجئے۔ بہت کم مساجد میں اذان اللہ اکبر سے شروع ہو کر لا الہ الا اللہ پر ختم ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک بالکل سادہ سی اذان تھی۔ اللہ اکبر سے شروع ہو کر لا الہ الا اللہ پر ختم ہو جاتی تھی۔ پھر اس اذان میں اضافہ ہوا، وطن عزیز میں اس کی وجہ سیاسی مفادات حاصل کرنا تھا۔ ایک دینی جماعت نے ووٹ لینے کے لئے یہ کام کیا کہ اپنے پیروکاروں سے کہا کہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دو پھر اس نے مخالف پارٹی کے بارے مشہور کر دیا کہ یہ لوگ وہابی ہیں یہ صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھتے لہٰذا جو اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھے گا وہ سُنّی ہوگا اور جو نہیں پڑھے گا وہ وہابی ہوگا لہٰذا وہابیوں کو ووٹ نہ دیئے جائیں۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے یوں اذان میں اضافہ کیا گیا۔ اور رواج شروع ہو گیا جو صلوٰۃ سلام پڑھنے کے قائل ہو گئے ان کی تعداد زیادہ تھی۔

یوں یہ سیاسی سٹنٹ کرنے والے اسمبلی میں پہنچ گئے۔ کچھ سیٹیں دوسری جماعت کو مل گئیں یوں ان دینی علماء کا مسئلہ تو حل ہو گیا کہ وہ نیشنل اسمبلی کے ممبران بن گئے لیکن امت کا ایک بہت بڑا حصہ اس برائی میں مبتلا ہو گیا۔
اب اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ جو نہیں پڑھتا اسے گمراہ تصور کیا جاتا ہے اور یہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ شاید اگلی نسل کے بچوں کو پتہ ہی نہ چلے گا کہ اذان کیا ہے۔ لیکن جب میدانِ حشر میں ان کے اس عمل کی حضور اکرم ﷺ ذمہ داری قبول نہیں کریں گے تو پھر ان لوگوں کو سوچنا چاہیے۔ اور جو لوگ مال دنیا کمانے کے لئے بدعات رائج کرتے ہیں علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدترین لوگ ہیں جو دنیا کی خاطر دین کو بیچتے ہیں۔ یہی نہیں مرنے کے بعد کی دعوتیں، بغیر تقسیم وراثت کے اس گھر سے کھانا یہ ایسی رسومات ہیں جو فی نفسہٖ درست نہیں پھر انہیں باعث ثواب سمجھنا گمراہی ہے۔ دیہاتوں میں عجیب رواج ہے وہ لوگ چند کلو غلہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ یہ اس کی نمازوں کا کفارہ ہے اس غلے کو ایک دوسرے کے پاس گھماتے رہتے ہیں کہ اب مرنے والے کی نمازیں معاف ہو گئیں۔ یہ دین حضور اکرم ﷺ نے نہیں سکھایا۔ اسی کو بدعت کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں بدعت کا مطلب ہے جو کام حضور اکرم ﷺ نے تعلیم نہیں فرمایا صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل نہیں کیا اس نئے کام کو شروع کر کے اسے نیکی کہا جائے۔

یاد رکھیں! ہر کام حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوگا جس پر حضور اکرم ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ میرے حکم کی تعمیل ہے وہی عمل قبولیت کی سند پائے گا۔ لہٰذا ہر نئی چیز بدعت نہیں کہلاتی مثلاً حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بخاری شریف، صحاح ستہ نہیں تھیں۔ جیسے مدرسے آج ہیں ویسے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے۔ ایسی کتابیں نہیں تھیں لیکن یہ مدارس یہ کتابیں اس حکم کی تعمیل ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ مجھ سے سنتے ہو وہ دوسروں تک پہنچاؤ خواہ ایک جملہ ہی ہو۔ سنت نبوی، ارشادات نبوی، قرآن حکیم اس کے معانی و مفاہیم دوسروں تک پہنچانے کا حکم موجود ہے۔ اس کی تعمیل میں منظم کوشش کی گئی تو مدارس بن گئے۔ جب بدبخت لوگوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑ کے ذخیرہ حدیث میں ملانا چاہیں تو علماء حق نے احادیث کی جانچ کے لئے سترہ فنون ایجاد کر کے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا۔ تو کسی ارشاد کی تعمیل کرنا اور اس کی وضاحت کرنا اور بات ہے اور اپنے پاس سے ایجاد کر کے اسے دین بنانا گمراہی ہے۔

یوم آخرت کی پرسش کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کریم حضرت عیسیٰؑ سے پوچھیں گے کہ آپ کی

امت شرک کرتی رہی تو کیا آپؑ نے انہیں یہ تعلیم دی تھی تو وہ عرض کریں گے قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ۭ اللہ تُو پاک ہے۔تُو ہر چیز سے واقف ہے مجھے یہ کب زیب دیتا تھا کہ میں لوگوں سے وہ کہتا جس کا مجھے حق نہیں۔ میں تو آپ کا نبیؑ ہوں اور نبیؑ تو اللہ کے حکم کے علاوہ کچھ نہیں بتاتا۔اور اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ اگر میں نے یہ باتیں کہی ہوتیں تو یہ تیرے ذاتی علم میں ہوتا کہ میں نے کیا کہا۔ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ تُو ایسی ذات ہے کہ میرے دل کی گہرائیوں تک سے واقف ہے۔ میں نے جو انہیں زبانی کہا جو انہوں نے میری زبان سے سنا اور جو میری زبان پر نہیں آیا میرے دل میں تھا تُو اسے بھی جانتا ہے وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اور میں تو تیرے علوم سے کماحقہٗ واقف نہیں ہوں۔ میں تو بس وہی جانتا ہوں جو تُو نے مجھے بتادیا۔اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١١٦﴾ بے شک تو غائب اور پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔

علم غیب خاصۂ خداوندی ہے اور اطلاع عن الغیب خاصۂ نبوت:

علم غیب کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے۔علم غیب اسے کہتے ہیں جو بغیر کسی ذریعے، کسی واسطے، بغیر کسی کے بتائے، بغیر کہیں سے پڑھے، بغیر کسی ظاہری سبب کے ذاتی طور پر ذات میں ہو۔اور یہ ذات صرف اللہ کی ہے۔ یہ وصف صرف اللہ کا ہے کہ وہ ہر چیز کو بغیر کسی واسطے اور سبب کے جانتا ہے۔

انبیاءؑ کا علم وہ ہے جو اللہ انہیں تعلیم فرماتا ہے۔انبیاءؑ کے علوم میری،آپ کی رسائی سے بالاتر ہیں۔ ہم تو عام آدمی ہیں۔ نبیؑ کی عظمت یہ ہے کہ انہیں اللہ خود تعلیم فرماتے ہیں کبھی ہمکلام ہونے کے شرف سے نوازتے ہیں، کبھی وحی الٰہی کے ذریعے لہٰذا یہ کہنا کہ فلاں نبی کے پاس اتنا علم تھا اور فلاں کے پاس اتنا۔یہ جاننا ہمارے بس کی بات نہیں۔انبیاءؑ جانیں اور ان کا مالک جانے۔حضور اکرم ﷺ وہ ہستی ہیں جنہیں سب اوّلین وآخرین سے زیادہ علم دیا گیا کہ پہلے انبیاءؑ کی امتیں محدود مقام اور زمانے کے لئے تھیں اور حضور اکرم ﷺ کی امت ساری انسانیت ہے آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے زمانے کے لئے ہے اور روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے ہے تو ان تمام باتوں کو جاننا جو آپؐ کی نبوت سے متعلق تھیں آپؐ کا منصب تھا لیکن یہ علم غیب نہیں ہے۔ یہ وہ علوم ہیں جو اللہ عطا کردیتا ہے۔اللہ کو کوئی بتاتا نہیں وہ اسے ذاتی طور پر جانتا ہے جو ذاتی طور پر جانتا ہو وہ علم غیب ہے جو علوم انبیاءؑ کے پاس ہوتے ہیں اسے قرآن حکیم نے اطلاع عن الغیب کہا ہے کہ میں غیب کے علوم میں سے اپنے نبیوں کو مطلع کردیتا ہوں۔ اطلاع عن الغیب خاصۂ نبوت ہے اور علم غیب

خاصۂ ذات باری ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ جو حکم آپ نے مجھے دیا میں نے اس سے رائی برابر کم یا زیادہ نہیں کیا۔ وہی کچھ بتایا جس کے بتانے کا آپ نے مجھے حکم دیا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ میں نے انہیں کہا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کی اطاعت کرو۔ وہ کام کرو جس سے اللہ راضی ہو۔ اس لئے کہ وہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں اللہ کا نبیؑ ہوں لیکن اس کی مخلوق ہوں۔ تم بھی اس کی مخلوق ہو۔ اس نے ہمیں پیدا کیا۔ وہ رزق بھی دے رہا ہے اور تمام نعمتیں بھی وہی دے رہا ہے۔ موت بھی اسی کی طرف سے آئے گی میدان حشر میں جواب بھی اس کے سامنے دینا ہے۔ سارا نظام اس کے دست قدرت میں ہے لہٰذا اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ اور میں جب تک دنیا میں ان کے درمیان موجود رہا میں اس وقت تک کا گواہ ہوں کہ میں نے انہیں وہی تعلیم کیا اور جب آپ نے مجھے اٹھا لیا كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اس کے بعد تو خود ان پر نگران ہے ان کے حال سے واقف ہے تو جانتا ہے کس نے یہ رسومات ایجاد کیں؟ کس نے تین خداؤں کا اعلان کیا؟ کس نے تین الٰہ بنائے؟ کس نے تین معبودوں کا تصور گھڑا؟ اور کس نے تیری مخلوق کو گمراہ کیا؟ یہ تو خوب جانتا ہے۔ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اے اللہ! تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ تیرے سامنے ہو رہا ہے تو ہر چیز سے واقف ہے لیکن انبیاءؑ کی شان کریمی عجیب ہوتی ہے لوگوں نے غلط رسومات گھڑیں، شرک ایجاد کیا، تین معبود بنائے اور حضرت عیسیٰؑ کے ذمہ لگا دیا اور حضرت عیسیٰؑ اپنی صفائی پیش کر رہے ہیں لیکن امت سے خفا ہو کر یہ نہیں کہتے کہ ان کو دوزخ میں جھونک دو۔ حق تو یہ بنتا تھا کہ کہتے انہوں نے آپ کی نافرمانی کی آپ کے بھیجے ہوئے نبیؑ کی نافرمانی کی شرک کیا اور الزام مجھے پر دھرا لہٰذا انہیں دوزخ میں ڈال دیں لیکن آپؑ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ عرض کی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ اے اللہ! تو ان کو سزا دے تو یہ تیری مخلوق ہے تیرے بندے ہیں۔ تیرے حکم میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا اور اگر تو ان کو معاف ہی کر دے تو یہ تیری شان سے بعید نہیں تو غالب بھی ہے اور دانا تر بھی سزا دینا چاہے تو قادر ہے تجھے کون روک سکتا ہے اور مخلوق بھی تیری ہے لیکن تیری عظمت بلند ہے تو ہر چیز پر غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اگر تو انہیں معاف کر دے تو تیری شان کریمی سے کیا بعید ہے!

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ اللہ پاک فرمائیں گے آج انصاف کا دن ہے۔ سچے اور کھرے لوگوں کو آج ان کی سچائی کام آئے گی۔ حق پر قائم رہنے والوں کو ان کا کھرا پن اور سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ ان کے لئے میں نے بہترین باغات اور جنت تیار کر رکھی ہے۔ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جس میں نہریں جاری ہیں۔ اس میں داخل ہوں گے تو کبھی وہاں سے انہیں نکالا نہیں جائے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ اس میں خوش رہیں گے اور سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی نصیب ہوگی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ میں ان پر راضی ہوں گا اور اتنے انعامات سے نوازوں گا کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائیں گے ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ یہ بہت بڑی اور عظیم کامیابی ہے۔ دنیا میں لوگ عمر بھر کامیابی کے پیچھے بھاگتے ہیں لیکن حقیقی کامیابی یہ ہے کہ اللہ کی رضا کو پا کر اس کی جنت میں پہنچ جایا جائے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ زمین و آسمان کی حکومت و سلطنت فقط اس کی اپنی ہے۔ کوئی اس میں شریک نہیں۔ زمینوں اور آسمانوں میں، فضا میں، دیگر کرّوں میں جو کچھ ہے جتنی قسم کی بھی مخلوق ہے وہ ان سب کا واحد مالک ہے اور مالک ہی نہیں واحد حکمران بھی ہے۔ جو چاہے کرے یہ اس کی شان ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا کوئی گناہ کرے، نافرمانی کرے، شرک کرے، رسوم و بدعات پرستی کرے اللہ کی شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ جو کرے گا اس کا اپنا نقصان ہوگا۔ وہ اپنے لئے مشکلات پیدا کرے گا۔ اپنی تباہی کے اسباب پیدا کرے گا۔ اللہ ہر چیز سے بلند ہے۔ نہ کسی کے ماننے سے اس کی شان بڑھتی ہے نہ کسی کے انکار سے اس کی شان کم ہوتی ہے۔ وہ بندوں کا محتاج نہیں۔

سورۃ الانعام رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝١ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ
ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ
تَمْتَرُوْنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ
یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣
وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا
عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ
فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥
اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ
مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا
السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا

مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ؑ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ دوسروں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ﴿۱﴾ وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت معین کیا اور دوسرا معین وقت خاص اسی کے یعنی اللہ ہی کے نزدیک ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو ﴿۲﴾ اور وہی ہے اللہ معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتے ہیں اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں ﴿۳﴾ اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں ﴿۴﴾ سو انہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھوٹا بتلایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی۔ سو جلد ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے ﴿۵﴾ کیا انہوں نے دیکھا نہیں

کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے زمین یعنی دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں پھر ہم نے اُن کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا ﴿٦﴾ اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے ﴿٧﴾ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی ﴿٨﴾ اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اشکال اب کر رہے ہیں ﴿٩﴾ اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا ہے پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ تمسخر اڑاتے تھے ﴿١٠﴾

سورۃ انعام ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتوں میں عموماً زیادہ بحث عقائد پر ہے اور مدنی سورتوں میں اکثر احکام ملتے ہیں۔

خلاصۂ رکوع

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا۔ اس قدرت کاملہ کو دیکھنے کے باوجود کفار اللہ کے ساتھ دوسروں کو برابر کا شریک بناتے ہیں۔ وہی قادر ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ ایک وقت معین کیا۔ پھر دوسرا معین وقت ہے اور ان اوقات کا علم بھی اس ذات کے پاس ہے۔ ان سب چیزوں کو جاننے کے باوجود تم اس کی عظمت میں شک کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمینوں میں وہی ایک ذات ہے جو پوشیدہ باتوں کو بھی جانتی ہے اور ظاہر باتوں کو بھی

اور تمہارے پورے کردار سے واقف ہے۔ لیکن کفر ایسی مصیبت ہے اور کافر اتنے بدنصیب ہیں کہ جب بھی اللہ کی عظمت کی نشانیاں ان کے پاس آتی ہیں یہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلوں نے بھی حق سے منہ پھیرا جب ان کے پاس حق آیا۔ بہت جلدی یہ اس انکار کا صلہ دیکھ لیں گے اور جن چیزوں کا یہ مذاق اڑاتے ہیں وہ چیزیں انہیں پیش آئیں گی۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بھی بے شمار قومیں گزری ہیں جنہیں ہم نے بہت قوتوں سے نوازا۔ اتنی طاقت انہیں دی جتنی تمہیں نہیں ملی۔ ان پر آسمانوں سے بارشیں برسائیں اور نہریں بہادیں لیکن جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو ہلاک ہو گئے اور ان کو ان کی کوئی مادی طاقت بچا نہ سکی۔ کسی بھی قوم کی تباہی سے اللہ کی کائنات میں کوئی فرق نہ پڑا۔ اللہ کا نظام ویسا ہی چلتا رہا۔ اگر آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل کر دی جائے اور مشرکین اس کے اوراق کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول لیں تو بھی یہ بدنصیب یہی کہیں گے کہ یہ بہت بڑا جادو ہے۔ اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ ایک فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا کہ وہ تصدیق کرتا۔ اگر فرشتے نازل ہوں تو قصہ ہی تمام ہو جائے پھر ان کی مہلت ہی ختم ہو جاتی۔ اور فرشتہ بھیج دیتے تو بھی انہیں اعتراض ہی رہتا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے رسولوں کا بھی لوگوں نے مذاق اڑایا لیکن جن حقائق کا یہ مذاق اڑاتے تھے یعنی اللہ کی گرفت اور عذاب الٰہی وہی ان کے گلے پڑ گئے۔

تفسیر و معارف

تمام کمالات اور تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔ کائنات کا ہر ذرہ اور ہر فرد و بشر اللہ کی مخلوق ہے اور مخلوق میں موجود تمام کمالات اس کی عطا ہیں۔ حسن و جمال ہے، حسن علم یا حسن خطاب، پھول میں خوشبو، یا پھل میں مٹھاس سب کچھ اللہ کا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بھی تخلیق فرمایا اور زمین کو بھی۔

خالق کی صناعی اس کی عظمت پر گواہ ہے:

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ سب کا خالق ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے اندھیرا اور روشنی پیدا کر دی۔ یہ دو متضاد چیزیں خالق کی عظمت پر گواہ ہیں۔ اس نے آسمان بنائے اور ان میں کتنے راز اور بھید رکھے۔ وہاں اس کی کتنی مخلوق ہے؟ وہاں کے کیا راز ہیں؟ آسمانوں پہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ

سارے علوم بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا اور اللہ نے انسان کو بہت استعداد سے نوازا ہے۔ انسانی ذہن ہی کو دیکھیں کتنی عجیب وغریب ایجادات آج منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ کئی امراض کے انتہائی پیچیدہ آلات کے ذریعے آپریشن کیے جاتے ہیں۔ موبائل فون جو آج معمول بن چکا ہے اس کی کارکردگی دیکھیں، کسی تار سے جڑا ہوا نہیں ہے اور پوری دنیا سے اس کے ذریعے رابطہ ہے۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن چیزیں موجود ہیں اور اس سب کے باوجود سائنسدان کہتے ہیں کہ ذہین سے ذہین انسان بھی دماغ کی قوت کا آٹھ فیصد حصہ استعمال کرتا ہے تو اگر کسی دور میں انسان نے پورا دماغ استعمال کر لیا تو جانے کیا کیا بنا ڈالے گا؟ لیکن کیا یہ قوت انسان کی ذاتی قوت ہے؟ انسان کی ان قوتوں کا خالق بھی اللہ کریم ہے۔ دماغ اور دماغ کی قوتیں بھی اس کی عطا کردہ ہیں۔ اسی گوشت پوست سے ایک شفاف آئینہ آنکھ بنا دی ہے۔ یہ اسی جسم کا حصہ ہے اور ہر چیز دیکھ لیتی ہے۔ زبان بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لیکن کیسی کیسی آوازیں نکالتی ہے؟ کتنی فصاحت و بلاغت سے بولتی ہے۔ کیسے کیسے علوم اس سے ادا ہوتے ہیں۔ صرف آسمانوں کے عجائب ہی نہیں زمین بھی اس کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے۔ یہ اتنی نرم ہے کہ ایک سوئی سے کریدنے لگیں تو کرید سکتے ہیں اور مضبوط اتنی ہے کہ اس کے سینے پر عظیم الشان قلعے اور عمارتیں ایستادہ ہیں۔ اسی مٹی میں سے بے شمار مخلوق تخلیق ہو رہی ہے اور واپس اسی مٹی میں سما رہی ہے۔ موت کے بعد ہر چیز واپس مٹی بن جاتی ہے اور زمین ویسی ہی رہتی ہے۔ لاکھوں ٹن غلہ اور اجناس زمین سے ہر سال پیدا ہوتا ہے۔ درخت اور پھل پھول اگتے ہیں جسے انسان و حیوان اور اللہ کی بے شمار مخلوق استعمال کرتی ہے۔

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ تاریکی اور روشنی کا عجیب سلسلہ بنایا ہے کہ دانے کو یعنی کسی بیج کو زمین کی تاریکی میں دبا دیتے ہیں تو وہ پودا بن کے نکل آتا ہے۔ وہ تاریکی اسے گود میں لے کر پالتی ہے اور پودا بنا دیتی ہے زمین میں گہرائی تک ذرات ہی دفن ہیں۔ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ لیکن ہر ذرّے میں روشنی موجود ہے۔ مادے کا سب سے چھوٹا ذرہ جسے ایٹم کہتے ہیں اس میں بھی منفی اور مثبت بجلی موجود ہے۔ یعنی تاریکی میں روشنی موجود ہے اور روشنی میں تاریکی۔ دن، رات کی تاریکی میں غائب ہو جاتا اور رات کی تاریکی سے دن طلوع ہو جاتا ہے۔ بے شمار چیزیں تاریکی میں تخلیق ہوتی ہیں روشنی انہیں پروان چڑھاتی ہے۔ سورج کی دھوپ انہیں پکاتی ہے اور چاند کی چاندنی ان میں مٹھاس بھر دیتی ہے۔ یعنی عجیب تخلیق ہے کہ روشنی اور تاریکی ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن انہیں ایسی خدمات پر لگا دیا ہے کہ دونوں مل کر عجیب و غریب صنعت بنا دیتے

ہیں۔ یہ اس کی قدرت کاملہ ہے کہ اس نے ہر چیز انسان کے لئے مسخر کر دی ہے۔ صدیوں بعد انسان نے چاند پر جانے کا دعویٰ کیا لیکن ایسی تو کوئی ایجاد نہیں ہوئی جو آسمان کا سینہ چیر کر جا کر دیکھے کہ آسمانوں پر کیا ہو رہا ہے؟ اور جو آسمانی میں موجود کُرے، سیارے، ستارے کس نے بنائے؟ ان میں خصوصیات کس نے رکھیں؟ چاند، ستاروں کو روشنی کس نے دی؟ سورج کو تپش اور روشنی کس نے دی؟ اور یہ تو عالم کبیر کی بات ہے۔ اللہ کی کائنات بہت بڑی ہے۔ اس میں بے شمار راز سربستہ ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عالم صغیر بھی ہے جو ہر جاندار کا وجود ہے جس میں ایک پورا جہان آباد ہے۔ دیکھنے میں بظاہر ایک درخت ہے لیکن پودوں کے ماہرین بتاتے ہیں کہ پودا اپنی غذا جڑ سے لیتا ہے۔ جڑ زیرِ زمین اپنی ضروری غذا تلاش کر کے اپنے پودے تک پہنچاتی ہے۔ وہ اجزاء جڑوں سے پتوں میں جاتے ہیں۔ ہر پتے میں ایک بھٹی لگی ہوئی ہے جو سورج کی روشنی سے تمازت لیتی ہے۔ ہر پتے میں غذا پکتی ہے پھر پودے کے ہر حصے کو تقسیم ہوتی ہے اور اس خوبی سے تقسیم ہوتی ہے کہ تنے کا حصہ پتے کے پاس نہیں جاتا اور ٹہنی کا حصہ پھولوں کو نہیں پہنچتا نشوونما کے ہر مرحلے پر طے شدہ نظام اپنا کام جاری رکھتا ہے اور یہ ایک مسلسل عمل ہے کہ جڑیں وصول کرتی ہیں۔ پتے پکاتے ہیں۔ پھول پھل بنتے ہیں اور قدرت کا یہ کارخانہ جاری رہتا ہے۔ یہ سارا روشنی اور تاریکی کا کھیل ہے۔ جڑیں تاریکی میں دفن ہیں۔ اندھیرے میں غذا تلاش کرتی ہیں۔ پتے روشنی میں ہیں اور سورج سے تپش لے کر غذا پکا رہے ہیں پھر غذا واپس انہی پودوں کے مختلف حصوں تک پہنچ رہی ہے۔ پھولوں میں خوشبو بھی انہی اجزاء سے آتی ہے پھلوں میں مٹھاس بھی انہی اجزاء سے آتی ہے۔ لیکن ہر پھل کی لذت جدا اور ہر پھول کی خوشبو فرق ہے۔ ہر جڑی بوٹی کی تاثیر فرق ہے تو یہ رنگوں کا جدا جدا ہونا، خوشبو کا الگ الگ ہونا اور تاثیر کا فرق ہونا سب قدرت کا کرشمہ ہے۔ انسان اس کی تخلیق کو شمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ وہ مالک اپنی ہر تخلیق سے ذاتی طور پر آگاہ ہے۔ وہ ایسا طاقتور مالک ہے کہ جب چاہے اپنے نظام میں جہاں چاہتا ہے وہاں جاری کام کو روک دیتا ہے۔ درخت سوکھ جاتے ہیں، جڑیں سوکھ جاتی ہیں، تناور درخت گر جاتے ہیں، پھل لگنا ختم ہو جاتا ہے، انسان کے وجود کو دیکھیں تو ہر وجود میں ڈھائی کھرب سیل ہیں 100 ارب سے ایک کھرب بنتا ہے۔ روئے زمین کی انسانی آبادی لگ بھگ چھ ارب ہے اور ایک انسانی وجود کے ذرات 600 ارب ہیں۔ ہر ذرے میں وقتی اور لمحاتی حیات ہے۔ روزانہ کروڑوں نئے سیل بنتے اور پہلے والے جھڑ جاتے ہیں۔ ایک وجود انسانی میں ہر لمحے موت

وحیات کا سلسلہ جاری ہے۔کون ہے جو اس سارے نظام کو چلا رہا ہے؟ سائینسدان کہتے ہیں ہر سیل میں ایک کتاب موجود ہے جس میں انسان کی زندگی میں رونما ہونے والی ساری تبدیلیاں درج ہیں۔انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔انسان سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے کہ اس کی قدرت کاملہ کہاں کہاں اور کیسے کام کر رہی ہے؟ مٹی کو اس نے کتنے روپ دیئے؟ مختلف جڑی بوٹیاں بنائیں۔گھاس سے جانوروں کا چارا بنایا۔جانوروں نے دودھ دیا۔کسی نے دودھ پیا کسی نے لسی۔کسی نے جانور کا گوشت کھایا لیکن حیرانی ہوتی ہے کہ کسی کے حصے کی غذا کسی دوسرے کے پیٹ میں نہیں جاتی۔یعنی جس طرح پودے یا درخت میں غذا تقسیم ہوتی ہے اور ہر حصہ درخت کو اس کا حصہ پہنچتا ہے اسی طرح انسانی آبادی میں باوجود اس کے کہ انسان چھینا جھپٹی کرتا ہے، ڈاکے ڈالتا ہے، فریب کرتا ہے، چوری کرتا ہے لیکن کھاتا وہی ہے جو اس کے وجود کا مقرر حصہ ہوتا ہے۔لوٹ کر اربوں کھربوں جمع کر کے چھوڑ جاتا ہے مر جاتا ہے لیکن کھاتا صرف وہی ہے جتنا اس کا نصیب ہوتا ہے۔زندگی میں بھی خوان نعمت بھرے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ایسے امراض گھیر لیتے ہیں کہ ڈاکٹر منع کر دیتے ہیں۔اگر کھائے تو جان کا خطرہ ہے۔یہ اللہ کا کامل نظام ہے جس میں ہر ذرہ وہاں پہنچتا ہے جہاں اللہ نے اسے مقدر کیا ہے۔اللہ نے تاریکی اور روشنی کو جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔دونوں کی کاوشوں سے نظام ہستی چل رہا ہے۔ **ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ①** ساری کارگاہ حیات کو دیکھ کر بھی کافر اللہ کے برابر دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کی صفات میں دوسروں کو شریک مانتا ہے کہ میرا کام فلاں فرشتے نے کر دیا فلاں قبر نے کر دیا، فلاں بت نے یا فلاں فرد نے کر دیا۔فرمایا اس کارگاہ حیات میں کسی کو کوئی دخل نہیں ہے۔یہ تو اتنا مضبوط اور کامل نظام ہے کہ کوئی چاہے بھی تو اس میں مداخلت نہیں کر سکتا اور غلطی سے اتنا پاک ہے کہ اجزائے بدن کی ترتیب، اندازہ اور ترکیب مکمل اندازے پر ہوتی ہے، انسان کا بچہ انسان ہی پیدا ہوتا ہے اور جانور کا بچہ جانور۔جس بیج کو بوئیں اسی کا پودا نکلتا ہے۔گندم بوئیں تو گندم سے جو نہیں اگتا۔انسان کی جگہ جانور نہیں بنتے اجزاء سب کے خاکی ہیں۔وہی مٹی اور وہی تاریکی و روشنی کا کھیل ہے لیکن کہیں غلطی نہیں ہو رہی۔لیکن یہ کافر کتنے بے عقل ہیں کہ کبھی جانوروں سے کبھی بتوں سے اور کبھی انسانوں سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔یہ کیسے بیوقوف ہیں کہ یہ تک نہیں سمجھتے کہ ہر مخلوق میں انقلابات جاری ہیں کوئی اپنے انقلابات کو نہیں روک سکتا کہ وہ چاہے کہ میں بچہ ہی رہوں بڑا نہ ہوں یا کوئی چاہے کہ میں ہمیشہ جوان ہی

رہوں مجھ پر بڑھاپا نہ آئے لیکن کسی کے چاہنے سے اللہ کا مقرر نظام نہیں رُکتا۔ بچہ اپنے وقت پر جوان ہوتا ہے اور جوان اپنے وقت پر بوڑھا ہوتا ہے۔ کون چاہتا ہے کہ وہ بیمار نہ ہو لیکن وقت آنے پر بیمار ہو جاتا ہے کون چاہتا ہے کہ نہ مرے لیکن وقت آنے پر مر جاتا ہے۔ یہ سارا نظام بغیر کسی رکاوٹ کے چل رہا ہے کوئی اس میں دخل اندازی کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے باوجود دین سے ناآشنا لوگ انبیاءؑ کے بتانے پر بھی ایمان نہیں لاتے اور مخلوق ہو کر اپنے جیسی مخلوق میں خدائی صفات مانتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تمہاری ساری ضرورتیں اسی مٹی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی مٹی کو قادر مطلق مختلف صورتیں دیتا ہے۔ اناج، پھل، گوشت، دودھ، بناتا ہے جنہیں تم استعمال کرتے ہو لیکن کوئی وجود کسی دوسرے کے اجزاء چرا نہیں سکتا حتیٰ کہ ایک انسان جو غذا کھاتا ہے اس میں سے جو اجزاء اس کی نسل کو منتقل ہونے ہیں وہ اس کے بدن میں محفوظ ہوتے ہیں۔ جتنی اولاد مقدر ہے اتنے اجزاء باپ کے صلب میں محفوظ رہتے ہیں۔ وہی شکم مادر میں جاتے ہیں۔ غذا ماں کھاتی ہے لیکن ماں کا حصہ ماں کے بدن کا حصہ بنتا ہے اور بچے کا حصہ بچے کے وجود میں جاتا ہے۔ دونوں خلط ملط نہیں ہوتے۔ اسی مٹی کو مختلف صورتیں دے کر پھر اس کے لئے وقت معین کر دیا ہے۔ **ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ** ہر ایک کی پیدائش کا وقت مقرر ہے۔ ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے ہر ایک کی بیماری کا وقت مقرر ہے لیکن اس مقررہ وقت سے کوئی آگاہ نہیں ہے۔

کروڑوں سال گزر گئے۔ انسان پیدا ہو رہے ہیں اور مر رہے ہیں لیکن کوئی نہیں جانتا کہ یہ شخص ابھی زندہ ہے کیا اگلے لمحے زندہ رہے گا؟ یہ ہے اللہ کا نظام کہ ہر شئے کا وقت معین مقرر ہے لیکن **وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ** اس نے یہ وقت کسی کو نہیں بتایا۔ تو یہ لوگ کیسے کہتے ہیں کہ میری اولاد نہیں ہوتی کسی نے جادو کر دیا۔ جسے اللہ پیدا کرنا چاہتا ہے اسے کوئی جادوگر روک نہیں سکتا۔ جادوگر تو خود مخلوق ہے۔ اسے اللہ نے پیدا کیا اپنے وقت مقرر بڑھاپا بھی آئے گا اسے موت بھی آئے گی۔ اگر وہ روک سکتا ہے تو اپنی موت کو روکے دوسرے کی پیدائش کو کیوں روکتا ہے؟ اگر اس کا دوسروں کی موت وحیات پر اختیار ہے تو خود کیوں مرتا ہے؟ **ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②** فرمایا پھر تم ایسے بدنصیب ہو کہ اس کی عظمت پر شک کرتے ہو۔ اس کی شان جلالت میں تمہیں شبہ ہے۔ اس کے رازق ہونے پر شک ہے۔ اس کی نافرمانی کر کے ناجائز طریقے سے رزق لینا چاہتے ہو۔ لیکن تم کر ہی کیا سکتے ہو؟ سوائے اپنی تباہی کے کچھ نہیں کر سکتے۔ جتنا خلاف شریعت کرو گے اتنا

اپنے اوپر بوجھ لادو گے۔ ہوگا تو وہی جو رَبّ چاہتا ہے۔ اس کی عظمت کو جو ذرے ذرے سے ہویدا ہے۔ ہر فرد و بشر سے ہویدا ہے۔ عالم کبیر اور عالم صغیر سے ہویدا ہے۔ اس سب کو جاننے کے باوجود تم پھر دین پر شک کرتے ہو۔ اللہ کی عظمت اور اس کے احکام پر شک کرتے ہو جس نے یہ سارا نظام بنایا ہے اگر تمہیں زندگی بسر کرنے کا نظام بھی وہی ذات دیتی ہے تو اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟

وحدت الوجود اور وحدت الشھود:

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ کائنات میں اگر ہے تو وہی ہے۔ آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی۔ باقی سب مخلوق فانی ہے۔ نہ ہونے کے برابر ہے۔ سب کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ چاہے تو آنِ واحد میں سب مٹ جائے۔ وہ چاہے تو اس سے دگنا یا دس گنا مخلوق پیدا کردے۔ حقیقتاً ہونا صرف اس کی ذات کا ہے۔ اسی بات سے لوگوں کو مغالطہ لگا اور بعد میں اسی سے وحدۃ الوجود اور وحدت الشھود کی بحث چل نکلی۔ خود اللہ نے فرما دیا زمینوں اور آسمانوں میں وہی ایک ذات ہے۔ اسی کو وحدت الوجود کہا گیا ہے کہ وجود صرف اللہ کا ہے۔ باقی سب عارضی کھیل تماشے ہیں۔ بزرگان دین نے تو یہ حقیقت بیان کی لیکن بعد میں لوگوں نے اپنے ذہن سے تاویلیں گھڑ گھڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا کہ جو بھی نظر آتا ہے وہ اللہ ہے۔ درخت ہے یا پتھر، جانور ہے یا انسان۔ وحدت الوجود کی یہ غلط تعبیر تھی جس کی اصلاح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور فرمایا وحدۃ الشھود کہو کہ ہر وجود اللہ کی عظمت پر شاہد ہے، گواہ ہے۔ ہر فرد، ہر پتہ، ہر صنعت باری، ہر تخلیق باری، انسانوں تک، ہر وجود اس کی قدرت کاملہ پر گواہ ہے، وحدت الوجود حقیقت تھی لیکن اس کی غلط تعبیریں گھڑی گئیں جس کی اصلاح کے لئے وحدت الشھود کہہ کر سمجھایا گیا کہ اشیاء کو مخلوقات کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ یہ تو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہاں! ان کا ہونا اس کی عظمت پر گواہ ہے۔ اس کی قدرت کاملہ پر گواہ ہے اور حقیقت میں صرف وہی ایک ہستی ہے۔ **يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝** جو ذات ہر وجود کے ایک ایک سیل میں موت و حیات کو جاری رکھے ہوئے ہے اس سے تمہارے وجود کی کون سی جگہ چھپی ہوئی ہے؟ تمہارے اندر بھی جو خیالات اٹھتے ہیں وہ اس کے سامنے ہیں اور کہیں چھپ کہ زمین کی تہوں میں بھی کچھ کرو تو وہ تمہارے سارے بھید جانتا ہے اور وہ بھی جانتا ہے جسے ظاہر کرتے ہو اور اسے بھی جانتا ہے جو پوشیدہ ہے۔ ظاہر اور پوشیدہ تو انسانوں کے لئے ہے کہ کوئی چیز چھپالی اور کچھ ظاہر کر دیا۔ اس قادر مطلق

سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔ تم جو کچھ سوچتے ہو وہ جانتا ہے جو کرتے ہو اس سے آگاہ ہے جو تمہارے دل میں خیال گزرتا ہے وہ جانتا ہے **وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ** اور تمہارے سارے اعمال سے پورے کردار سے وہ واقف ہے۔

وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝۴ فرمایا ان کے پاس جب بھی کوئی دلیل ان کے رب کی طرف سے آتی ہے یہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کی صنعت و ربوبیت بہت وسیع ہے اور یہ بھی صفت ربوبیت کا خاصہ ہے کہ رب اس ہستی کو کہتے ہیں جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ اور ہر آن پوری کر رہا ہو۔ ہدایت اور رہنمائی بھی انسانی ضرورت ہے اور یہ اللہ کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی رہنمائی کرے چنانچہ اس نے ہر زمانے اور ہر قوم میں نبیؑ مبعوث فرمائے تا آنکہ حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک ساری کائنات کے لئے اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اللہ ربّ ہے اس نے حیوانات، چرند، پرند کو ہدایت اس درجے میں دی ہے کہ انہیں زندگی گزارنے کے لئے ایک فطری استعداد دے دی ہے۔ وہ اسی فطری ہدایت کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ انسان چونکہ مکلّف ہے اسے استعداد دی گئی ہے کہ وہ برائی کو چھوڑے اور بھلائی اختیار کرے۔ لیکن کون بتائے گا کہ بھلائی کیا ہے؟ اگر اسے انسانوں پر چھوڑ دیا جائے تو انسانوں کے پاس تو اپنے ہر عمل کا جھوٹا سچا ایک جواز ہوتا ہے۔ ایک چور ڈاکو بھی جواز دیتا ہے کہ یہ میری مجبوری تھی۔ اس لئے اللہ کریم نے کرم فرمایا انسانوں کو رہنمائی اپنی طرف سے فرمائی اور اپنے انبیاءؑ بھیجے اور حضور اکرم ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر قیامت تک کے لئے مبعوث فرما دیا اور انسانوں کی رہنمائی کا کام مکمل کر دیا لیکن انسانی مزاج ایسا ہے کہ جب بندے کے دل پر برائی کی چھاپ لگ جاتی ہے تو ہر عمل، ہر ارادہ گناہ پر مبنی ہوتا ہے تو مسلسل برائی کرنے سے دل اس قدر مسخ ہو جاتا ہے کہ وہ حقائق کو قبول نہیں کرتا۔ جس طرح انسان کا بدن بیمار ہو جائے تو وہ اچھی غذا کو بھی قبول نہیں کرتا اسی طرح جب دل بیمار ہو جائے تو وہ اچھی بات کو قبول نہیں کرتا۔ اس لئے مسلسل برائی کرنے والے احکام الٰہی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اعراض کرتے ہیں اور زندگی اپنے ڈھب پر گزارتے ہیں۔
فرمایا یہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ نہیں بلکہ جب کبھی بھی اللہ نے نبیؑ مبعوث فرمائے بہت سی قوموں نے انکار کر دیا **فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ** بہت سے لوگوں نے اپنی بنائی ہوئی رسومات پر کاربند رہنا پسند کیا اور

اللہ کی طرف سے آنے والے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا **فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنۢبَـٰٓؤُا۟ مَا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٥** سوانہوں نے حق کو جھٹلا دیا حشر کی بات ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ آج تک کوئی واپس نہیں آیا۔ بھلا مُردوں کو زندہ ہونا ہے تو ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے دکھائیں۔ پتہ چلے کہ جو پہلے مر گئے وہ زندہ ہوں گے۔ اسی طرح حلت وحرمت کی بات ہوتی تو نہ مانتے اور مذاق اڑاتے۔ عبادات تک کا مذاق اُڑایا جاتا تھا۔لیکن کوئی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وقت بہت قریب ہے۔ جن چیزوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے ان کی حقیقت سے آشنا ہو جائیں گے۔ وہ سب باتیں بھی سامنے آجائیں گی۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ موت بھی ایک چھوٹی قیامت ہے۔ جب آدمی مرتا ہے تو حقائق سامنے آجاتے ہیں۔ قیامت تو حشر کو آئے گی لیکن بندے کو موت پر ہی پتہ چل جاتا ہے کہ حق کیا تھا اور میں کیا کرتا رہا؟ تو فرمایا زیادہ دیر کی بات نہیں۔ بہت جلد یہ بات ہر ایک پر واضح ہو جائے گی کہ حق کیا تھا؟

أَلَمْ يَرَوْا۟ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّـٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا ٱلسَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا اور لوگوں کو یہ دیکھنا چاہیے کہ دنیا کی آبادی میں تم پہلے لوگ نہیں ہو جنہوں نے آکر دنیا کو بسایا۔تم سے پہلے بے شمار قومیں گزری ہیں۔ بڑے بڑے طاقتور حکمران گزرے ہیں۔ بڑی جنگجو قومیں گزری ہیں۔لوگوں نے بڑے بڑے شہر اور قلعے تعمیر کئے۔ ہم نے ان پر وہ احسانات کئے کہ ابھی تک تمہارے پاس وہ چیزیں نہیں ہیں جو تم سے پہلوں کے پاس تھیں۔ بلاشبہ آج سائینس نے بے حد ترقی کر لی ہے لیکن اس کے باوجود پہلے گزری ہوئی اقوام سائینس میں اور دیگر شعبوں میں ہم سے بہت آگے تھے۔ میں نے حضرت نوح کی قوم کے حالات پر ایک کتاب پڑھی۔ اس زمانے میں انہوں نے ایک ایسا محلول بنالیا تھا جسے سنگ مرمر جیسے سخت پتھر پر ڈالتے تو وہ آٹے کی طرح نرم ہو جاتا اور وہ اسے ڈھال کر مختلف چیزیں بنا لیتے۔ اس میں ایسی خصوصیت تھی کہ وہ سوکھ کر پہلے کی طرح سخت ہو جاتا تھا۔ دن کو وہ اسے سورج کی روشنی میں رکھ دیتے وہ سورج کی شعائیں جذب کر لیتا اور جب تاریکی چھا جاتی تو رات بھر روشنی بکھیرتا رہتا۔ اسی ایک مثال سے ان کی دیگر علوم وفنون کی ترقی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔لیکن ان کی یہی مادی ترقی ان کے لئے دین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی۔ آج بھی یہی دیکھا جاسکتا ہے کہ جس آدمی کے پاس جتنی سہولتیں ہوتی ہیں وہ بجائے نعمتیں دینے والے کا شکر ادا کرنے کے دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں

نے بڑا کمال حاصل کر لیا حالانکہ یہ سب تو اللہ کی عطا ہے۔ اسی طرح قوم ھود تھی پہاڑوں کو کاٹ کر پتھروں سے گھر بناتی تھی ان کے آثار ابھی باقی ہیں۔ حالانکہ چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی عمارتیں ہیں لیکن ان کی سطح اتنی شفاف اور چمکدار ہے جیسے شیشے کی سطح ہو۔ گول بلند ستون ہیں، خوبصورت محرابیں ہیں، جن میں پھول بنے ہوئے ہیں، صدیاں بیت گئیں ہیں اور یہ چٹانوں سے بنی عمارتیں ابھی تک ویسے ہی کھڑی ہیں حالانکہ ان پر بارشیں برستی ہیں، دھوپ پڑتی ہیں لیکن دروازے تک خراب نہیں ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنی سخت چٹانوں سے ایک کمرہ بنانے کے لئے مشینیں درکار ہوتی ہیں تو اتنی بلند و بالا عمارتیں جو دو منزلہ ہیں سیڑھیاں ہیں اور اعلیٰ انداز تعمیر ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟ فرمایا تم سے پہلے ایسی قومیں گزری ہیں جن کے پاس دولت بھی تم سے زیادہ تھی، طاقت وقوت میں تم سے زیادہ تھے گویا ذہنی، جسمانی اعتبار سے قوت میں بہت زیادہ آگے نکل چکے تھے۔ پھر اللہ نے ان پر آسمانوں سے بارشیں برسائیں **وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ** ان میں ایسا شعور تھا کہ جہاں چاہتے پانی کو لے جاتے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ پانی کو نہروں کے ذریعے بہت دور تک لے جاتے۔ بلندیوں سے گہرائیوں سے گزار کر ایسا نظام بناتے تھے کہ پانی مقررہ اور متعین جگہ کے آخری سرے تک پہنچ جاتا تھا۔ مسلمانوں نے بعد میں ایسے محیر العقول کارنامے انجام دیئے مثلاً ہارون الرشید کی بیگم ملکہ زبیدہ نے حاجیوں کے لئے نہر بنوائی جو فرات سے نکالی گئی صحرا، وادیاں عبور کرتی ہوئی مکہ کے سنگلاخ پہاڑوں سے گزرتی ہوئی عرفات تک پہنچائی گئی۔ کتنا فاصلہ ہے فرات سے عرفات تک کتنے سخت ہیں مکہ مکرمہ کے پہاڑ لیکن اس زمانے کی اس نہر کو ہم نے بھی ستر کی دھائی میں حج کے دوران دیکھا مکہ مکرمہ میں نہر سے ہینڈ پمپ کے ذریعے پانی استعمال کیا جاتا تھا ملکہ زبیدہ کے زمانے سے لے کر تب تک نہ اس میں کہیں ریت بھری نہ کوئی اور خرابی آئی۔ یہ تو بعد کے لوگوں کی مثال ہے۔ قرآن حکیم قبل بعثت کے زمانوں کی بات کہہ رہا ہے کہ تمہارے سے پہلے آباد ہونے والے لوگ تم سے زیادہ علوم وفنون کے ماہر تھے۔ چنانچہ وہ خوب آباد ہوئے بڑے خوش حال ہوئے۔ بڑے ذہین اور طاقتور لوگ تھے انہوں نے خوب دولت کمائی لیکن جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔

عذاب الٰہی سے تحفظ صرف اطاعت الٰہی میں ہے:

ان طاقتور اور خوشحال لوگوں کی طاقت ان کی عقل، ان کی جسمانی اور مادی قوت انہیں عذاب الٰہی سے

نہ بچاسکی۔ اس لئے کہ عذاب الٰہی سے بچانے کی طاقت صرف اطاعت الٰہی میں ہے۔ اتباع نبوت میں ہے اور نبیؐ کی مخالفت عذاب الٰہی کو دعوت دینے والی ہے۔ لہٰذا عبرت حاصل کرو کہ اپنی سائینسی ترقی اپنی ٹیکنالوجی، اپنی مادی قوت کے گھمنڈ میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کرو۔ ایسی مثالیں تمہیں سنائی جاتی ہیں جن کے آثار دنیا میں موجود ہیں کہ قوموں کی تاریخ موجود ہے جو مال و دولت میں، ٹیکنالوجی میں تم سے آگے تھیں ان کے گھروں اور کارخانوں میں سونے کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔ ان کے غلام اور ملازم سونے کے کنگن پہنتے تھے۔ برتنوں پر سونے کے غلاف چڑھے ہوتے تھے۔ جو مرتا منوں سونا اس کے ساتھ دفن کردیا جاتا تھا۔ جس تابوت میں لاش رکھتے اس تابوت پر منوں سونا لگا دیا جاتا۔ آج تک سونے کے لالچ میں لوگ ان کے مقابر کھودتے رہتے ہیں۔ لیکن کوئی مادی طاقت انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچاسکی۔ **وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۶﴾** اور ان کے بعد اللہ نے دوسری جماعتوں کو پیدا کردیا۔ اور کسی قوم کی تباہی سے اللہ کی کائنات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ قوموں کی قومیں اپنے کرتوتوں کے باعث ہلاک کر دی گئیں۔ کوئی غرق ہوا۔ کوئی سیلاب میں ڈوبا۔ کسی کو ہواؤں نے تباہ کیا۔ کوئی بندر اور خنزیر بن کر ہلاک ہوا لیکن یہ نہیں ہوا کہ ان کے مرجانے سے دنیا اجڑ گئی بلکہ اللہ کریم نے اور قوموں کو پیدا کردیا۔ اللہ کا نظام ویسے ہی چلتا رہا کائنات آباد رہی اور جب تک اللہ چاہتا ہے اسے آباد رکھے گا۔ کسی کے مرنے سے نہ اس کا نظام متاثر ہوتا ہے نہ ختم ہوتا ہے۔ ہاں انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو دنیا کی نعمتیں بھی چھن گئیں اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی بھی تباہ ہوگئی اور وہ ہمیشہ کے لئے اللہ کے غضب میں گرفتار ہوگئے۔

رہی ان لوگوں کی بات جو آقائے نامدار ﷺ کا انکار کرتے ہیں اور مختلف مطالبے کرتے ہیں کہ ایسا ہوجائے تو تب مانیں گے وہ فرمائش پوری ہوجائے تو تب مانیں گے۔ فرمایا: یہ محض کج بحثی کرتے ہیں ماننے کے لئے بات کا سچا ہونا اور بات کا سچ ہونا ضروری ہے۔ یعنی بات کہنے والے کا سچا ہونا ضروری ہے اور بات بھی سچی ہو۔ اور نبی کریم ﷺ اصدق الصادقین ہیں قرآن حکیم آپ ﷺ کی شان بیان کرتا ہے **فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ○ یونس:16 فرمادیجیے میں نے اس سے پہلے تمہارے میں ایک زندگی گزاری ہے۔ میں نے چالیس برس تمہارے ساتھ گزارے ہیں۔ کیا کبھی کوئی ذرا سی غلط بات یا کسی غلط کام کا شائبہ بھی تم میرے ذمے لگاسکتے ہو؟ اسی طرح سیرۃ پاک میں ملتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر

کھڑے ہو کر قریش کو خطاب فرمایا تو سب سے پہلے پوچھا کہ تم مجھے کیسا جانتے ہو؟ میرے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ تو سب نے کہا آپ صادق ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ سچے ہیں اور آپ نے کبھی غلط بات نہیں کی۔ آپ امین ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا کردار سب سے اعلیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں پہاڑ کے اوپر کھڑا ہوں تم پہاڑ کے سامنے ہو لیکن میرے سامنے پہاڑ کی دوسری سمت بھی ہے۔ اگر میں تمہیں یہ اطلاع دوں کہ پہاڑ کے دوسری طرف سے ایک فوج تم پر حملہ کرنے والی ہے تو تم کیا سمجھو گے؟ انہوں نے کہا آپ صادق اور امین ہیں۔ آپ جو کہیں گے وہ یقیناً سچ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے اسی طرح دونوں عالم ہیں۔ میں تمہیں آخرت کی خبر دے رہا ہوں۔ اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اس پر مشرکین نے حضور اکرم ﷺ کی بات کی پرواہ نہ کی اور خائب و خاسر ہو گئے۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی قبل بعثت کی زندگی کے بہترین ہونے پر وہ لوگ خود گواہ ہیں پھر اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں تو ایک ایسا انسان جس نے کسی انسان پر کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ یکا یک رب العالمین پر جھوٹ کیسے بول سکتا ہے؟ تو یہ لوگ کیسے کیسے مطالبے کرتے ہیں فرمایا اگر ان کا یہ مطالبہ کہ قرآن حکیم جستہ جستہ کیوں نازل ہو رہا ہے؟ ایک ہی بار اگر پوری کتاب آ جاتی تو بھی یہ نہ مانتے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ آپ ﷺ اگر آپ پر ساری کتاب لکھی لکھائی آسمان سے نازل کر دی جائے اور یہ اس کے اوراق کو اپنے ہاتھوں سے محسوس بھی کر لیں اسے دیکھ بھی لیں تو یہ بدنصیب کہیں گے کہ یہ بہت بڑا جادو ہے۔ یعنی ان کے نہ ماننے کا سبب ان کا کردار ہے۔ ان کی برائیاں، کفر و شرک اور گناہ نے ان کے دلوں کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ یہ حق کو قبول نہیں کر رہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کے نبیؑ ہیں تو پھر انؑ کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں آتا؟ فرشتہ ساتھ ہو اور انؑ پر گواہی دے کہ یہ اللہ کے رسولؑ ہیں ان پر وحی آتی ہے تو تم لوگ قبول کر لو تو ہم مان لیں فرمایا جب فرشتے نازل ہوں گے تو **لَّقُضِيَ الْاَمْرُ** بات ختم ہو جائے گی۔ مرنے والے کو بھی موت سے پہلے فرشتے نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں وہ اس سے بات کرتے ہیں کہ آج کہاں ہے تمہاری دولت، تمہارے محلات، تمہارے کارخانے؟ تم ان چیزوں

سے چمٹے رہے اور برائی میں مبتلا رہے، حرام کھاتے رہے، عقائد تباہ کر دیئے۔ اللہ کی اطاعت نہیں کی تو اب ہمیشہ ہمیشہ کی تباہی کی نذر ہو رہے ہو۔ کیا تم اللہ کی وسیع زمین میں کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے تھے جہاں تمہاری زندگی اللہ کے دین پر بسر ہوتی؟ لیکن جب یہ بات ہوتی ہے اور فرشتے نظر آ رہے ہوتے ہیں تو توبہ کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ فرعون کو بھی جب موت نظر آئی اور فرشتے نظر آ گئے اور دریا میں غوطہ کھانے لگا تو اس وقت ڈوبتے ہوئے فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب کو مانتا ہوں۔ جس رب پر بنی اسرائیل ایمان لائے میں اس رب کو مانتا ہوں فرمایا **آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ** ○ یونس: 91 اب مانتے ہو جب ہر چیز سامنے آ گئی تو اب کون انکار کر سکتا ہے۔ تمہارا اس وقت کا ماننا قبول نہیں ہوگا جب ماننے کا وقت تھا تب نہیں مانا اب ماننا کیا معنی؟

علماء حق فرماتے ہیں کہ آخرت کے آثار نظر آ جائیں تو کافر کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ جب موت قریب آ جائے برزخ منکشف ہو جائے فرشتے دکھائی دینے لگیں تو کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن مومن اس وقت بھی توبہ کر لے تو قبول ہو جاتی ہے۔ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن اتنی جرأت نہیں ہونی چاہیے کہ آخر وقت کے لئے توبہ کرنے کا سوچا جائے۔ ایک عجیب تجربہ ہوا۔ ہمارے زمانے میں ایک بہت بڑے آدمی ہوا کرتے تھے اس وقت یہاں اس علاقے میں بینک نہیں ہوا کرتے تھے ڈاک خانے تھے لوگ ڈاک خانے میں رقم جمع کروا کر سود لیتے تھے۔ میں نے ان سے ایک دن کہا کہ آپ تو بڑے خوش حال ہیں آپ سود کیوں لیتے ہیں؟ کہنے لگے میں خود سود نہیں کھاتا۔ غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ میں نے کہا سود لینا حرام ہے ایک تو آپ سود لینے کا گناہ کر رہے ہیں دوسرے یہ کون سی نیکی ہے کہ خود تو آپ بکرے کا گوشت کھائیں اور غریبوں کو خنزیر کا گوشت کھلائیں۔ لیکن وہ اپنی دلیل پر قائم رہے آخر ان کا وقت معین آن پہنچا ان کا طبیب جو علاج کر رہا تھا اس نے کہا آپ کو معدے میں واقعتاً بہت شدید درد ہے لیکن ہائے ہائے کرنے کے بجائے اب توبہ توبہ کریں تو انہوں نے بڑی حسرت سے کہا دل تو چاہتا ہے زبان سے یہ لفظ ادا نہیں ہوتا۔ اب وہ طبیب بھی اس دنیا میں نہیں رہے۔ اللہ کریم سب کو معاف کرے لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ اس وقت توبہ کا لفظ منہ سے نہیں نکلتا تھا۔ دراصل ہمارا روزمرہ کا جو کردار ہے یہ اتنے گہرے اثرات مرتب کرتا ہے نزع کے وقت، فرشتے نظر آ جائیں اور مومن اس وقت بھی توبہ کر لے تو توبہ قبول ہو جاتی ہے لیکن توبہ کی توفیق انہی کو نصیب ہوتی ہے جو زندگی میں

نیکی کی کوشش کرتے ہیں بتقاضائے بشریت خطا بھی ہو جاتی ہے لیکن جو خطا کو پیشہ بنا لیتے ہیں اور گناہ کی تاویلیں گھڑ لیتے ہیں کہ یہ گناہ میرے لئے جائز ہے یا سود میرے حالات میں جائز ہے تو ایسے لوگوں کو اس وقت بھی توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ اس آیت کریمہ میں مشرکین کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ جب فرشتے نظر آجاتے ہیں تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح یہ کہتے ہیں کہ فرشتہ ہوتا کہ انہیں نظر آتا۔ ان سے بات کرتا تو وہ فرشتہ بھی انسانی صورت میں ہی آتا تب ہی تو یہ اسے دیکھ سکتے اس کی بات سن سکتے۔ اگر وہ فرشتہ اصلی شکل پر آتا تو یہ اُسے نہ سن سکتے نہ سمجھ سکتے۔ فرشتے کا آنا ان کے کس کام آتا؟ یہ کہتے تم بھی تو انسان ہی ہوا سے فرشتہ نہ مانتے ان کی بات بے معنی ہے۔ یہ سوال نہیں اعتراض ہے۔ یہ دلیل نہیں استہزا ہے۔ دلیل تو خود آپ ﷺ کی ذات ہے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہے۔ قرآن کا نزول ہے وحی کے احکام ہیں ارشادات نبوی ﷺ ہیں اتنی حکمتیں ہیں اتنے دلائل ہیں کہ دلائل کا جواب تو دلائل سے دیا جانا چاہیے لیکن یہ دلائل کا جواب نہیں دے رہے یہ آپ ﷺ کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیسے رسولؐ ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتے ہی نہیں۔ موسیٰؑ کو فرعون نے کہا تھا کہ میرے غلاموں نے تو سونے کے کنگن پہن رکھے ہیں اور یہ اللہ کا رسولؐ بن کر آیا ہے اور اس کا حال تو غریب آدمیوں جیسا ہے تو یہ مذاق اڑانے والی بات ہے لیکن انہیں تاریخ یاد کروائیں۔ آپ سے پہلے بھی لوگوں نے انبیاءؑ کا مذاق اڑایا تو وہی عذاب الٰہی ان کے گلے پڑ گیا۔ **مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠**

سورۃ الانعام رکوع 2 آیات 11 تا 20

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ انْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ‌ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ‌ ؕ
لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ‌ ؕ
اَلَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾
وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ‌ ؕ وَهُوَ السَّمِيۡعُ
الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۳﴾ قُلۡ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ يُطۡعِمُ وَلَا يُطۡعَمُ‌ ؕ قُلۡ
اِنِّىۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ‌ وَلَا تَكُوۡنَنَّ
مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۴﴾ قُلۡ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ
رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵﴾ مَنۡ يُّصۡرَفۡ عَنۡهُ
يَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمَهٗ‌ ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنۡ
يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ‌ ؕ وَاِنۡ

يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ
الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ
اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ
وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ
وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ
الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع

آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو، پھرو، پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا
کیا انجام ہوا ﴿۱۱﴾ آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس
کی مِلک ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی مِلک ہے اس نے یعنی اللہ تعالیٰ
نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرما لیا ہے، تم کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جمع کریں
گے اس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے آپ کو ضائع کر دیا ہے سو وہ ایمان نہ
لائیں گے ﴿۱۲﴾ اور اسی کی یعنی اللہ ہی کی مِلک ہے سب جو کچھ رات اور دن میں
رہتے ہیں اور وہی ہے بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ﴿۱۳﴾ آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا
جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں
اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا کسی کو معبود قرار دوں؟ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا

ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں، اور تم مشرکین میں سے ہر گز نہ ہونا ﴿۱۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿۱۵﴾ جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹایا جائے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے ﴿۱۶﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائیں تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو وہ یعنی اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائیں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ﴿۱۷﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب و برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں ﴿۱۸﴾ آپ کہیے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے؟ آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعے سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں کیا تم سب سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں ﴿۱۹﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ اس رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جن لوگوں نے اپنے آپ کو ضائع کر لیا ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے ﴿۲۰﴾

خلاصہ رکوع

ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ دنیا میں پھر کے دیکھیں روئے زمین ایک کتاب کی طرح کھلی پڑی ہے اس پر بے شمار قوموں کے قصے کھنڈرات کی صورت میں ان کی بربادی کی داستان سنا رہے ہیں۔ پھر کر دیکھیں تو پتہ چلے کہ انکار کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ اور ان سے فرمائیے کہ زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اس کا ہے۔ سب اللہ کا ہے اور اس نے بہت رحمت اختیار کی ہے۔ مخلوق کے لئے ایک وقت آئے گا جب سب کو وہ

ایک دن اکٹھا فرمائے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس دن پتہ چلے گا کہ جو ایمان نہیں لائے وہ کس قدر خسارے میں رہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں کیا اللہ کے سوا کسی کو اپنا معاون اور مددگار سمجھ لوں حالانکہ اللہ کریم آسمانوں اور زمین کو بنانے والا ہے اور وہ ایک ایسی ہستی ہے جو کسی حال میں کسی کا محتاج نہیں اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ اسے کھلایا نہیں جاتا اور وہ سب کو کھلاتا ہے۔ اور فرما دیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا اسلام لانے والا بنوں اور کبھی بھی اللہ کی ذات یا صفات میں کسی قسم کے شرک کا ساتھ نہ دوں اور فرما دیجئے کہ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر میں نافرمانی کروں تو قیامت کا عذاب بہت بڑا ہے اور مجھے بھی اس سے ڈر لگتا ہے اور جس پر اللہ کی رحمت ہوگئی۔ جو قیامت کے عذاب سے بچ گیا تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اگر کسی کو اللہ کریم مصیبت یا تکلیف میں ڈال دیں تو کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس تکلیف کو دور کر سکے سوائے خود اللہ کے اور اگر کسی پر مہربانی فرما دیں اور اسے نفع پہنچائیں تو وہ ہر چیز پر قادر ہیں اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہ دانا تر ہے۔ اور ہر بات سے باخبر ہے اور اگر اس بات پر تم کہو کہ کون گواہ ہے؟ یا کس کی گواہی ہے؟ تو سب سے بڑی گواہی خود اللہ کریم کی ہے۔ اور انہیں فرما دیجئے کہ تمہارے اور میرے درمیان اللہ ہی گواہ ہے جس نے یہ قرآن مجھ تک پہنچایا کہ میں تمہیں بروقت آئیندہ کے خطرات سے مطلع کر دوں اور جہاں تک قرآن پہنچے گا اللہ کی بات اور میری بات پہنچتی رہے گی۔ تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی معبود ہے تو تمہارا یہ کہنا تمہاری بات ہے، تمہارا قول ہے میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا بلکہ فرما دیجئے کہ یقینی بات یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور جو شرک تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں اور یہ اہل کتاب جنہیں آپ سے پہلے کتابیں دی گئی ہیں یہ میرے رسول ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کوئی اپنی اولاد کو اپنے اہل خانہ کو پہچانتا ہے۔ انہیں پتہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبیؐ ہیں لیکن ان کی بدنصیبی ہے کہ ان کی بداعمالیوں نے ان کے دل سیاہ کر دیئے ہیں اور یہ سخت خسارے میں ہیں۔ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

تفسیر ومعارف

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ⑪ فرمایا روئے زمین پر پھر کر دیکھو زمین بھی ایک کتاب ہے جس کے چپے چپے پر لوگوں کے حالات موجود ہیں۔ کتنی بڑی بڑی،

طاقتور، مالدار، ذہین، علوم وفنون کی ماہر قومیں اور سلطنتیں، باغات اور محلات بنانے والی قومیں جب اللہ کی نافرمانی کی مرتکب ہوئیں، جب وہ اللہ کے نبیؑ کے مقابل آگئیں تو کس طرح تباہ کردی گئیں۔ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ان انکار کرنے والوں سے سوال کیجئے کہ ارض وسماء میں جو کچھ ہے یہ کس کا ہے؟ اس کا وارث کون ہے؟ ظاہر ہے وہی ہے جس نے اسے تخلیق کیا جس ہستی کے قائم رکھنے سے یہ قائم ہے۔ وہ ایسی قادر مطلق ہستی ہے جو سب کا ربّ ہے جسے وہ قائم نہ رکھنا چاہے وہ قائم نہیں رہ سکتا۔ جسے جس حال میں ڈھالنا چاہے وہ اس میں ڈھل جاتا ہے وہ بیج سے کونپل نکالتا ہے۔ کونپل سے پودا بناتا ہے، پودے پر پھول آتے ہیں پھر پھل آتے ہیں۔ یہ سارا کام قدرت لحہ بہ لحہ کرتی ہے۔ جس پودے کو چاہے خشک کردیتا ہے جس پر چاہے پھل لگاتا ہے۔ کوئی ہے جو اس کے کام میں مداخلت کرسکے؟ روئے زمین پر سب مخلوق ہے۔ انسان باقی مخلوق سے بہتر اور افضل ہے۔ بڑے سے بڑا دانشور ہو، مالدار ہو یا حکمران ہو کیا کسی کے پاس اتنی سی قدرت ہے کہ اپنا حلیہ، اپنا قد، اپنی شکل اپنی پسند سے بنالیں؟ تخلیق میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ جب وہ خود پیدا کرتا ہے خود قائم رکھتا ہے تو مالک بھی وہی ہے قُلْ لِّلّٰهِ ؕ کہہ دیجئے کہ سب کچھ صرف اللہ ہی کا ہے۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ مشرکین نے کہا کہ اگر سب اللہ کا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مال ودولت تو ان لوگوں کے پاس ہے جو اللہ کو مانتے ہی نہیں۔ جب اللہ کا ہے تو انہیں کیوں دے دیتا ہے؟

رحمت الٰہی:

اللہ پاک نے فرمایا: یہ میری رحمت ہے کہ میں نے رحمت کو اپنے لئے لازم کرلیا ہے۔ یہ میری رحمانیت کا مظہر ہے۔ اگر اللہ کریم نافرمانوں پر رزق ہی بند کردیتا تو انہیں مجبوراً اللہ کو ماننا پڑتا۔ مجبوری کا ماننا تو اسے منظور نہیں۔ وہ زبردستی نہیں منوانا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اس نے انسان کو جو شعور دیا ہے وہ اپنے اس شعور کو استعمال میں لاکر اپنی عقل کے مطابق عظمتِ الٰہی کا اقرار کرلے۔ انسان کی تو تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کو پہچانے۔ وہ تجزیہ کرے کہ اس کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ اس نے کہاں سے پائیں؟ مال ودولت اور طاقت ہر چیز کو چھوڑ کر جانا ہے تو کون اس سے یہ سب چھڑوالے گا؟ اگر وہ ان کی روزی ہی بند کردیتا تو پھر مجبوراً ہر ایک کو ماننا پڑتا اور مجبوری کا منوانا اسے منظور نہیں۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ آیہ کریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں

رحمٰن اور رحیم دونوں آئے ہیں الرحمٰن بروزن عطشان ہے۔ اس وزن پر آنے والے اوصاف وقتی اور لمحاتی ہوتے ہیں۔ جیسے عطشان یعنی پیاسا اور غضبان جیسے غصے میں ہونا تو انسان نہ تو ہمیشہ پیاسا رہتا ہے نہ ہمیشہ غصے میں رہتا ہے۔ یہ وقتی اور لمحاتی صفات ہوتی ہیں۔ رحیم بروزنِ علیم ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو دائمی ہے۔ جیسے علیم، حکیم یعنی علم اور حکمت ہمیشہ عالم اور حکیم کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اس طرح رحیم اللہ کی وہ صفت ہے جسے حاصل ہو جائے اسے ہمیشہ رحمت ملتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ **الرحمن الدنیا الرحیم الآخرۃ** دنیا میں رحمانیت کا اظہار ہے۔ مومن کافر ہر کوئی اسی فضا میں سانس لیتا ہے۔ آکسیجن پاتا ہے، سورج کی گرمی لیتا ہے، صحت پاتا ہے، دولت، عزت، مال، اولاد، گھر بار، سب کچھ پاتا ہے۔ یہ سب اس کی رحمانیت ہے۔ رحمت عامہ ہے لیکن جب اس دنیا سے آگے برزخ میں قدم رکھتا ہے تو وہاں اس کی رحیمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہاں جس کے پاس ایمان ہے رحمت الٰہی اسی کو ملے گی۔ ایمان نہیں ہوگا تو رحمت کو نہیں پا سکے گا۔ سو دنیا میں نافرمانوں کے پاس مال و دولت کا ہونا اس کی رحمانیت کا اظہار ہے لیکن ایک وقت آرہا ہے **لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ** ؕ قیامت کا دن جس میں ادنیٰ شبے کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ اور قیامت کے بارے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ کیا پتہ آخر میں کیا ہوگا؟ یہ ایمان سے نکال دینے والا جملہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے بتایا ہے جس نے آخرت بنائی ہے اس نے اسکے بارے بتایا ہے اس نے قرآن حکیم میں جو بتایا وہ سچ ہے۔ جو تشریح و تفسیر آپ ﷺ نے بتائی وہ سچ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جنت و دوزخ کا معائینہ فرمایا اور اپنی دعوت میں بھی فرمایا ''میرے سامنے دونوں عالم ہیں۔ میں تمہیں اسلام کی خبر دے رہا ہوں'' اس لئے آخرت کے بارے جو کچھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا اس میں رائی برابر شک کرنے کی گنجائش نہیں۔

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ فرمایا وہ بدنصیب ہیں جو اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں وہ ایمان نہیں لاتے، اللہ کریم نے ہر انسان کو فطری استعداد عطا کی ہے جس سے وہ خیر و شر کی تمیز رکھتا ہے۔ ایمان اس کو فطرتاً پسند ہوتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے **كُلُّ مَوْلُوْدٍ عَلٰى يُوْلَدِ فِطْرَةٍ ثُمَّ فَاَبُوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ** (صحیح مسلم) کہ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، مجوسی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ ماحول اور معاشرہ مختلف مذاہب اور مختلف مکتبہ فکر پر لگا دیتے ہیں لیکن جب بدترین کافر و مشرک بھی توبہ کر لے اور دین حق کو قبول کر لے تو پھر اس کی وہ فطری

استعداد لوٹ آتی ہے جس طرح سونے کو کئی دھاتوں میں ملا دیں مٹی میں دفن کر دیں جب بھی اسے آگ میں جلائیں گے وہ کھرا سونا بن جائے گا۔ اسی طرح توبہ سے، دین حق کو قبول کرنے سے انسانی استعداد پھر سے زندہ ہو جاتی ہے۔

حقیقی نقصان کیا ہے؟

جب آدمی مسلسل گناہ کرتا رہے نافرمانی کرتا رہے تو اللہ کریم اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی ناراضگی دلوں کو اس قدر سیاہ کر دیتی ہے کہ پھر توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ فرمایا سب سے بڑا نقصان ان کا ہے جنہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا جو ایمان نہیں قبول کرتے یا جو توبہ نہیں کرتے۔ جو اپنی فطری استعداد ضائع کر دیتے ہیں۔

یوں تو دنیا میں بڑے بڑے نقصان ہوتے ہیں لوگوں کے گھر گر جاتے ہیں، کاروبار میں خسارہ ہو جاتا ہے، صحت خراب ہو جاتی ہے، بھائی بیٹے فوت ہو جاتے ہیں لیکن یہ تو زندگی کی ایک روش ہے۔ حقیقی نقصان یہ ہے کہ کسی کو ایمان نصیب نہ ہو۔ دنیا کا مال چلا بھی گیا تو یہ مال و دولت اس نے ایک دن تو چھوڑ کر دار بقاء کو جانا ہی ہے اور مال یہیں چھوڑ جانا ہے۔ بھائی بہن والدین اگر رخصت ہو گئے تو وہ مٹ نہیں گئے وہ تو آخرت پہنچ گئے اور ہم نے بھی وہیں جانا ہے۔ یہ نقصان نہیں اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے جس کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے فرمایا اصل اور حقیقی نقصان اور خسارے میں کافر ہے جسے ایمان نصیب نہیں۔ جس کے لئے بخشش کی کوئی امید نہیں۔ یہ کفر پر مر جائے گا پھر یہ ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں رہے گا۔ مومن کو اگر نقصان سے بچنا ہے تو اسے محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنا چاہیے۔ زندگی کے ہر شعبے میں جہاں جہاں سے سنت چھوٹ جاتی ہے۔ وہاں مومن کا نقصان ہوتا ہے۔ کسی سے فرائض چھوٹ جائیں یہ نقصان ہے، حلال وحرام میں دھوکہ کھا جانا حقیقی نقصان ہے کہ اس کا اثر اس کی ابدی اور دائمی زندگی پر پڑتا ہے۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ اللہ کریم کا ایسا نظام ہے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ آج کل جو لوگ خلاؤں میں گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر خلا سے زمین کو دیکھا جائے تو ایسے پتہ چلتا ہے جیسے رات اور دن گلوب کے گردا گرد بھاگ رہے ہیں تاریکی اور روشنی کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ امور ایسے ہیں جو تاریکی میں ہوتے ہیں۔ جن کے

لئے تاریکی ضروری ہے۔ بہت سے ایسے امور ہیں جن کے لئے سورج کی روشنی اور گرمی ضروری ہے تو جو کچھ دن میں ہوتا ہے اور جو کچھ رات میں ہوتا ہے وہ سب اسی کا ہے۔ جو رات میں ہوتا ہے وہ بھی اسی کی دی ہوئی قوت سے ہوتا ہے اور اسی کے حکم اور ترتیب دیئے ہوئے پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔ جو دن میں ہوتا وہ بھی اسی کے حکم کے تابع ہوتا ہے اور یاد رکھو **وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ** ⑬ وہ ہر بات کو سنتا اور ہر بات سے آگاہ ہے۔ اگر انتہائی تاریک رات میں انتہائی گہرائی میں کسی پتھر پر کوئی چیونٹی بھی رینگتی ہے تو وہ اس کے چلنے کی آواز سنتا ہے اور اس کی حرکت کو بھی جانتا ہے۔ جو عمل کوئی ظاہراً کرتا ہے وہ بھی اللہ کے روبرو ہے اور جو دل میں ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے سامنے ہے۔ ہماری سوچ اور فکر بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے لہٰذا اس بات کا خیال رکھو کہ تم جو الفاظ منہ سے نکالتے ہو وہ صرف لوگ ہی نہیں سنتے اللہ کریم بھی سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔

صرف یہ ایک فلسفہ سمجھ میں آجائے تو کتنی ایسی برائیاں ہیں جو ہم لوگوں کے سامنے نہیں کرتے کہ لوگ دیکھیں گے تو میرے بارے میں کیا سوچیں گے؟ اگر لوگوں کی جگہ اللہ کریم کا خیال رہے تو لوگ تو ظاہر ہی دیکھیں گے اندر تو نہیں دیکھ سکتے لیکن اللہ کی عظمت تو یہ ہے کہ وہ ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور باطن کو بھی تو بندے سے برائی خود چھٹ جائے گی کہ جب میرا پروردگار میرے سامنے ہے میں اللہ کے روبرو ہوں کس طرح غلط الفاظ منہ سے نکالوں؟ بدکاری کیوں کروں؟ غلط سوچوں کیوں؟ اس طرح سوچ بھی سدھر جاتی ہے، کردار بھی اور گفتار بھی۔ اس حضورِ حق کے احساس کا زندہ ہو جانا ہی دین کی اساس ہے۔ یہ بنیاد ہے جو بندے کو اللہ سے ملا دیتی ہے۔ جسے حضورِ حق حاصل ہو جاتا ہے وہ اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اس فکر میں رہتا ہے کہ اللہ کی رضا کیسے حاصل کرنی ہے۔ ذاتی معاملات ہوں یا خاندانی، قومی ہوں یا بین الاقوامی ہر معاملے میں وہ اس طرح سوچتا ہے کہ میں جو کرنے جا رہا ہوں اس میں اللہ کا حکم کیا ہے؟ اس طرح وہ اپنی عملی زندگی میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے اللہ کے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے سارے معاملے سدھر جاتے ہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں حالانکہ وہی ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ اس آیت کریمہ میں اسلام کے دین ہونے کی حیثیت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

اسلام ہی دین ہے:

مکہ مکرمہ اور عرب میں اس وقت بے شمار مذاہب تھے۔ عرب جب تجارت کے لئے نکلتے تو دنیا بھر میں موجود مذاہب میں سے جو پسند آتا اسے ساتھ لے آتے۔ یوں کم بیش تمام دنیا کے مذاہب باطلہ کا اثر وہاں موجود تھا۔ آگ کے پجاری بھی تھے، بتوں کو پوجنے والے بھی۔ ستاروں اور جنات کے پجاری تھے تو کاہنوں اور جادوگروں کو پوجنے والے بھی تھے۔ یہود بھی تھے اور نصاریٰ بھی ہر کوئی اپنے اپنے مذہب پر چل رہا تھا کسی کو کسی سے سروکار نہیں تھا کہ اس کا عقیدہ کیا ہے؟ جہاں تک معاملات کا تعلق تھا اس میں سب اکٹھے تھے۔ ہر عقیدے اور مذہب کے لوگ سود بھی کھاتے تھے، بدکاری اور چوری، ڈاکہ بھی کرتے تھے۔ نظریات اپنے اپنے تھے، طریق عبادت اپنا اپنا تھا لیکن عملی زندگی ایک جیسی تھی۔ بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پورا نظام جھنجوڑا گیا تو اہل مکہ نے کہا کہ آپ بھی اپنا مذہب رکھیں جیسے دوسرے مذاہب ہیں لیکن ہمارا وہ نظام زندگی نہ چھیڑیں جس پر ہمارا معاشرہ بسر کر رہا ہے جب آپ ہمارے نظام کو نہیں چھیڑیں گے تو ہم آپ کو نہیں چھیڑیں گے۔ آپ کو کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔ اس پر اللہ کریم نے فرمایا **قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اے میرے حبیب ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ میری ساری امیدیں، ساری توقعات صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ہیں میرا معاون میرا مددگار صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے مجھے تمہارا تعاون معاشرے کا تعاون اس شرط پر منظور نہیں کہ میں اللہ کو چھوڑ کر تم پر بھروسہ کروں۔ اللہ تو وہ ہستی ہے جو زمین و آسمان کی خالق ہے۔ **وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ** اللہ وہ ہستی ہے جو کسی کی محتاج نہیں۔ اس کی ذات وصفات کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی محتاج نہیں اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ ساری مخلوق کو وہ رزق دیتا ہے اور وہ مخلوق کا محتاج نہیں۔ **قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٤** اس ہستی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مثالی مسلمان بنوں۔ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں سب سے اعلیٰ نمونے کا مسلمان ہوں۔ میں اللہ کی اطاعت کرنے والا سب سے اعلیٰ مسلمان ہوں۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی ذات وصفات میں کسی کی شراکت کا کوئی تصور بھی نہ کروں۔ اس کے قریب بھی نہ جاؤں۔

آج کا مسئلہ بھی یہی ہے:

ہم اسلام کا دعویٰ کر لیتے ہیں اللہ قبول فرمائے نماز، روزہ، حج وعمرہ کر لیتے ہیں۔ زکوٰۃ وصدقات بھی

دیتے ہیں لیکن جب بات عملی زندگی کی آتی ہے تو پھر ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے زندگی گزارے۔ لین دین، کمانے، خرچ کرنے اور کاروبار کے معاملے میں کوئی پرواہ نہیں کرتا اور ہم خود اپنی ذات میں اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔ کمزور سے کمزور آدمی احکام شریعت کو پامال کرتے ہوئے ذرا نہیں گھبراتا۔ لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ جو معاملہ ہو وہ عین اسلام کے مطابق ہو۔ ہمیں ہمارے حقوق ملیں حالانکہ معاشرے میں ہر فرد کے حقوق کسی دوسرے کے فرائض ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرہ مدنیت پر مبنی ہے۔ انسان ایسی مخلوق ہے جو مل جل کر رہتی ہے۔ تنہا رہ نہیں سکتی۔ ہم سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں جیسے دکاندار، کاشتکار کا محتاج ہے۔ کاشتکار کھیتی، پانی، بیج، نہر اور کھاد کا محتاج ہے۔ ہم لباس کے لئے درزی کے محتاج ہیں۔ دکاندار محتاج ہے کہ کوئی اس سے سودا خریدے یوں انسانی معاشرہ اس طرح مل جل کر رہتا ہے کہ ایک فرد کا حق دوسرے کا فرض بنتا ہے۔ جب ہم اپنا فرض ادا نہیں کرتے تو بہت سارے لوگوں کے حقوق پامال کرتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ وطن عزیز میں حقوق بری طرح پامال ہیں لیکن جن کے حقوق پامال ہوتے ہیں وہ بھی اس طرح احتجاج کرتے ہیں جس میں ان جیسے لوگوں کے حقوق کی مزید پامالی ہوتی ہے مثلاً دفتری لوگ قلم چھوڑ ہڑتال کرتے ہیں تو وہ نہیں سوچتے کہ ان کی ایک دن کی ہڑتال سے کتنے لوگوں کے حقوق متاثر ہوئے؟ جب احکام الٰہی کی پرواہ نہیں کی جاتی تو من جانب اللہ جو سزائیں ملتی ہیں وہ عجیب وغریب ہوتی ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا جس کی بنیاد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ رکھی۔ اللہ نے جب ملک دے دیا تو لوگ اس بنیاد سے پھر گئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ہجرتیں کر کے آئے انہی لوگوں کی نسلیں اس بات سے پھر گئیں وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ جو چاہے کریں۔ کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ جب مسلمانوں نے اللہ سے وعدہ کر کے اللہ کی نعمت پاکستان لی اور پھر اپنے وعدے سے پھر گئے تو اللہ کے عذاب نے آگھیرا۔ انگریز کی غلامی سے گلوخلاصی کے لئے ملک لیا تھا اللہ کا نظام نافذ کرنے کے لئے ملک عطا ہوا تھا لیکن جب ہم نے وعدہ پورا نہ کیا تو انگریز کی بالواسطہ غلامی کے دور کا آغاز ہو گیا۔ ہمارا معاشرتی نظام وہی ہے۔ تعلیمی نظام طبقاتی ہے۔ معیشت سودی ہے، ہماری زندگی کے نصاب سے دین خارج ہو چکا ہے۔ اس بات کی سزا ہے کہ ہم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ تریسٹھ برس ہو گئے انگریز کو ملک چھوڑے ہوئے لیکن صرف حکمران بدلے ہیں۔ انگریز کے بجائے دیسی اور مقامی لوگ ہیں۔ انداز حکمرانی نہیں بدلا۔ عدالتی نظام اور قوانین نہیں بدلے۔ کہنے کو ملک

اسلامی ہے۔ جب انگریز یہاں تھا تو اس نے ایسا نظام جاری کر رکھا تھا جس میں مقامی لوگ محنت کرتے اور اوراس کا سارا فائدہ تاج برطانیہ کو ہوتا تھا۔ آج بھی بعینہٖ وہی صورت حال ہے قوم ننگے اور بھوکے پیٹ ہے اور ملک کی دولت سرکار کی تجوریاں بھرتی ہے اور حکمران عیش کرتے ہیں۔ چند خاندان حکمران ہیں ہر پارٹی میں انہی خاندانوں کے افراد شامل رہتے ہیں۔ تمام پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف بظاہر زہر اگلتی نظر آتی ہیں لیکن اس غاصبانہ اور ظالمانہ نظام کے سب طرفدار ہیں۔ ہر سیاسی جماعت کہتی ہے ہم اس نظام کو نہیں بدلنے دیں گے حالانکہ یہ تو انگریز کا بنایا ہوا غلامانہ نظام ہے جس میں عوام کا استحصال ہے۔ اگر یہ ختم نہیں ہوگا تو غلامی کی زنجیریں کیسے کٹیں گی؟ میری رائے میں یہ ہم پر اللہ کا عذاب ہے۔ ہمارے کردار کا نتیجہ ہے بے شک آج ملک بے شمار مسائل کی زد میں ہے پانی، بجلی کا فقدان ہے۔ آٹا اور تمام ضروریات زندگی دن بدن رسائی سے باہر ہوتی جارہی ہیں۔ تعلیم بے حد مہنگی ہے۔ علاج کی سہولتیں نہیں۔ بازار سے مہنگی دوائی لے کر کھائیں تو جعلی نکلتی ہے۔ لوگ بغیر علاج کے مر رہے ہیں۔ یہ ساری تکلیفیں ہیں لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ہم نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اسے وفا کیا؟ کیا ہم نے سود کھانا چھوڑ دیا؟ کیا ہم نے دوسروں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنا چھوڑ دیا؟ ایک وہ شرک ہے جو ظاہری ہے یعنی بت پرستی لیکن جو کوئی ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے پھر وہ بت پوجنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ بت پرستی پر تو حضور اکرم ﷺ نے توحید کی ایسی کاری ضرب لگائی کہ بتوں کو پوجنے کو تو کوئی پرکاہ اہمیت نہیں دیتا۔ دوسرا شرک خفی ہے کہ بندہ اپنی امیدیں اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ کر لے۔ فرمایا **قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا** تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنی امیدیں اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ کرلوں۔ تمہارے ساتھ سمجھوتے کرلوں اور تمہارے معاشرے سے یہ امید لگالوں کہ تم میری مدد کرو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میری مدد اللہ کرے گا جس نے مجھے رسول ﷺ مبعوث فرمایا ہے وہ اللہ جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ ہر ذرہ قائم رہنے میں جس کا محتاج ہے اور وہ اللہ جو اپنی ذات میں کسی کی احتیاج نہیں رکھتا۔

ہمارا سب سے بڑا جرم ہی یہی ہے کہ ہم نے امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کرلی ہیں۔ ہم اللہ کی اطاعت چھوڑ کر بندوں کی خوشنودی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں تاکہ ہمیں اپنے مفادات حاصل ہوسکیں۔ اس کی سزا یہ ہے کہ انگریز جب اپنا ظالمانہ قانون استعمال کرتا تھا تو اس میں تھوڑی سی گنجائش پھر بھی تھی لیکن جب وہ

مقامی لوگوں کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے اسے اتنا سخت کر دیا کہ اب اس میں سانس لینے کی بھی گنجائش نہیں۔

فرمایا آپ ﷺ اعلان کر دیجیے اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ میں تو مثالی مسلمان ہوں مجھے حکم ہے کہ میں سب سے زیادہ اللہ کا کہنا ماننے والا، اس کی بات سننے والا بنوں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں تو اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔ اولوالعزم رسول ہوں۔ نبیوں کا بھی امام ہوں۔ امام المرسلین ﷺ ہوں۔ نبیؑ تو تخلیقی طور پر نبیؑ ہوتا ہے۔ معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ نبیؑ سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ نبیؑ مخلوق کا مقتدا ہوتا ہے۔ اگر معاذ اللہ نبیؑ غلطی کرے تو پھر ساری اُمت اس غلطی کو عبادت سمجھ کر کرتی رہے گی لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ نبیؑ خطا کرے اس کے باوجود اگر خدانخواستہ اللہ کا نبیؑ بھی خطا کرے تو اللہ کے سامنے پیشی سے اسے بھی ڈر لگتا ہے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾

حقیقی کامیابی کیا ہے؟

جس پر اللہ کا رحم ہو گیا میدانِ حشر کی کامیابی اسی کی ہے۔ جو دنیا میں گناہ کرنے پر دلیر نہ تھا۔ جسے یہ یاد رہا کہ اس نے اللہ کے روبرو ہو کر جواب دینا ہے۔ جس نے یاد رکھا کہ بندے کے پاس اللہ کی نافرمانی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ بندے کا نہ تو وجود اپنا ہے نہ روح اپنی ہے۔ اس کے پاس اس کا وجود اور اس کی قوتیں سب نہ صرف اللہ کی عطا کردہ ہیں بلکہ وہ جسم کے اعضاء سے لے کر ذہن وقلب کی قوتوں کا نظام بھی خود ہی چلا رہا ہے۔ سانس لینے تک کی توفیق اسکے حکم سے ملتی ہے۔ اسے جب ہر چیز اس کا مالک دے رہا ہے تو بندے کے پاس کوئی جواز نہیں ہے کہ وہ اس کی نافرمانی کرے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات میں موجود ہے مفہوم یہ ہے کہ اللہ کریم ان گنہگاروں کو بھی جن کا ایمان سلامت ہو گا اپنی رحمت سے بخشیں گے اس کا کرم بھی بہت وسیع ہے۔ توبہ کریں گے تو بخشے جائیں گے لیکن اگر کسی پر سوال ہو گیا کہ تم نے یہ جرم کیوں کیا؟ تو آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ اس کیوں کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا اور اس پاداش میں جہنم جائے گا۔ دراصل بندے کے پاس اللہ کی نافرمانی کا کوئی جواز نہیں۔ انسان زندگی بھر کامیابی کے پیچھے بھاگتا ہے۔ ہر بندہ کامیابی چاہتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ بڑے لوگ ہی ایسا کرتے ہیں۔ ہر آدمی کا زندگی میں کوئی ٹارگٹ ہوتا ہے جسے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس میں کامیاب ہونا چاہتا ہے لیکن جس چیز کو اللہ تعالیٰ کامیابی بتا رہے ہیں وہ یہ ہے مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ قیامت کے دن اللہ کریم نے جس سے صرفِ نظر فرمالیا

، درگزر فرما لیا، جس کی خطائیں معاف کر دیں، جس کی جواب طلبی نہ فرمائی اور اس پر رحم کر دیا۔ **وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯** وہ بندہ کامیاب ہو گیا یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حقیقی کامیابی یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں نجات نصیب ہو جائے۔ عذاب سے بچ جائے۔ اس کامیابی کو پانے کا طریقہ یہی ہے کہ امور دنیا میں یہ دیکھا جائے کہ بندہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر رہا ہے یا نافرمانی کر رہا ہے۔ اس کامیابی کو پانے کا ذریعہ یہی ہے کہ زندگی کے لمحات کو اپنا اثاثہ سمجھے۔ یہ دنیا ایک بازار ہے اور ہر شخص کے پاس زندگی کا وقت سرمایہ ہے۔ جس طرح ہم بازار میں سرمایہ خرچ کر کے ضرورت کی اشیاء خریدتے ہیں اسی طرح زندگی کے لمحات صرف کر کے ہم اس دنیا سے اپنی ابدی زندگی کا سامان خریدتے ہیں۔ اگر کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس کا نتیجہ خرید رہا ہے جو اس نے آخرت میں پالینا ہے۔ گویا وہ زندگی کا سرمایہ برائی خریدنے پر لگا رہا ہے۔ اسی طرح کوئی اپنی طاقت اور وسائل نیکی پر لگا رہا ہے تو گویا وہ ابدی نعمتیں خرید رہا ہے۔ یوں ہر ایک کے ساتھ اس کی خریدی ہوئی چیزیں ہی جائیں گی۔ جس نے جھوٹ بولا اس کے ساتھ جھوٹ کا گناہ جائے گا جس نے بددیانتی کی، دھوکہ کیا وہ یہی کچھ لے کر جائے گا۔ جس نے دیانتداری کی، نیکی کی، سچ بولا اس کے ساتھ ان خوبیوں کا اجر جائے گا لہٰذا زندگی کے امور کو بیکار اور غیر ضروری نہ سمجھیں۔ ہمارے ہر ہر کام میں یا اللہ کی فرمانبرداری ہے یا نافرمانی اور یہی ہماری خریداری ہے جو ہم نے زندگی کی مہلت خرچ کر کے خریدی ہے۔ زندگی کا یہی اثاثہ ہمارے ساتھ جائے گا۔ باقی اللہ کی نعمتیں جو اس نے دیں۔ گھر، گاڑیاں، مال و دولت، اولاد سب یہیں رہ جائیں گی۔ ہمارے ساتھ ہمارا کردار جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ بندے کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں۔ اہل و عیال جو اسے قبر کے حوالے کر دیتے ہیں، مال و دولت جو اس کے کفن دفن پر لگ جاتا ہے، یہ دو چیزیں قبر تک جاتی ہیں۔ تیسری چیز اس کے اعمال ہیں وہ اس کا اپنا ذاتی سرمایہ ہے وہ اس کے ساتھ جاتا ہے۔ فرمایا تو جو برائی خریدتا ہے تو کیوں اس دن سے نہیں ڈرتا جس دن وہ اللہ کے روبرو پیش ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ جو مرتا ہے اس کے لئے ایک طرح کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ جیسا عقیدہ ہوتا ہے جیسے اعمال ہوتے ہیں، جیسا کردار ہوتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک ہوتا ہے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ انسان کا عقیدہ بھی اس کے اعمال کا نام ہے۔ جس کے اعمال شریعت کے مطابق نہیں ہیں وہ کیسے کہتا ہے کہ وہ شریعت کو مانتا ہے؟ جس کا کردار اسلام کے خلاف ہے وہ کیسے کہتا ہے کہ وہ

شریعت کو مانتا ہے اور شریعت کو ماننا ہی صحیح عقیدہ ہونے کی علامت ہے۔ فرماتے ہیں جس کا کردار درست ہے اس کا ایمان سلامت ہے اس لئے کہ کردار ہی اس کے ایمان کا گواہ ہے۔ ورنہ اس کا زبان سے کہنا روایتی کہنا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کامیابی غیر اللہ کی محتاجی میں نہیں ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے میں نہیں ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے بلکہ کامیابی یہ ہے کہ جب میدان حشر میں حساب کتاب ہو تو اللہ اس پر رحم فرمادے اور اسے معاف فرمادے۔ اور یہ فوز عظیم ہے۔ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ رحمت الٰہی کے بغیر کوئی بخشا نہیں جائے گا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ الصدیقہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں! میں بھی۔ انہوں نے عرض کی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو امام المرسلین ہیں شافع محشر ہیں۔ فرمایا: یہ اس کی رحمت ہے۔ یہی تو اس کی رحمت ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنے آپ کو دنیا میں دیکھے۔ اگر اسے نیکی کی توفیق ملتی ہے اس کا کردار صالح ہے تو اس نے دنیا میں رحمت الٰہی کو پالیا۔ انشاء اللہ قبر میں بھی سرخرو ہوگا۔ آخرت میں بھی سرخرو ہوگا لیکن اگر اسے اطاعت الٰہی نصیب نہیں، وہ برائی کرتا ہے، جائز ناجائز سمیٹ کر کھا رہا ہے تو وہ رحمت الٰہی سے دور ہے۔

اللہ کریم نے دنیا میں انسان کو دونوں میں سے ایک راستہ چننے کا اختیار دے دیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ الدھر: 3 ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔ اب وہ شکر کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری و کفر کا، اللہ کی نافرمانی کا کر لیتا ہے۔ پھر عرصۂ محشر میں وہ کس سے شکوہ کرے گا۔ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ قرآن حکیم میں قیامت کی جو منظر کشی کی گئی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ اعمال نامے لوگوں کو پکڑا دیئے جائیں گے۔ ہر ایک کو حکم ہوگا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ بنی اسرائیل: 14 اپنا اعمال نامہ پڑھو۔ جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے اور بولتے رہے میرے فرشتے انہیں لکھتے گئے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ قٓ: 18 تمہارے لبوں سے جو لفظ نکلتا تھا وہ لکھا جاتا تھا۔ تم جو حرکت کرتے جو نیکی یا برائی کرتے لکھی جاتی تھی۔ آج یہ اعمال نامہ پڑھ لو۔ تمہارے سامنے ہے۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ بنی اسرائیل: 14 آج تم اپنے جج خود بن جاؤ اور اپنے دنیا میں کئے گئے فیصلوں پر خود فیصلہ دو کہ تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟

اگر یہی جج دنیا میں انسان کے اندر بیٹھ جائے تو اسے صحیح فیصلے کرنے کی توفیق ہو جائے گی اگر یہ جج آج دنیا میں سوچ لے کہ اللہ کا حکم کیا ہے؟ میں ویسا ہی کروں تو میدان حشر کی کامیابی یقینی ہے اور اگر آج اللہ کی عظمت کو بھول کر ہم اپنی خواہشات پر فیصلے کرتے ہیں تو یہ سب سے بڑی ناکامی و نامرادی ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ فرمایا اگر وہ تمہارے لئے کوئی سختی پیدا کردے، کسی مصیبت سے دوچار کردے، صحت خراب کردے تو کوئی درست نہیں کرسکتا سوائے اس کے۔ اور اگر وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

نیکی کی بنیاد:

ساری نیکی کی بنیاد اللہ کریم کی ذات پر یقین اور ایمان ہے۔ ایمان و یقین اور اللہ کے ساتھ تعلق یہ ایک خاص کیفیت ہے۔ جب اللہ کریم کی ذات پر ایمان و یقین نہ ہو تو سارا کردار کمزور ہو جاتا ہے۔ اعمال میں وہ خشوع و خضوع نہیں رہتا جو درجہ قبولیت پالے۔ صورت عمل رہ جاتی ہے۔ اس کی حقیقت نہیں رہتی۔ وہ حقیقت جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ العنکبوت:45 یقیناً اللہ کی عبادت برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں، حج، عمرہ بھی کرتے ہیں لیکن ہمارے لین دین کی، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی، زبان کے استعمال کی اصلاح نہیں ہوتی۔ عملی زندگی میں ہمارے کردار کی اصلاح کیوں نہیں ہوتی؟ اس لئے نہیں ہوتی کہ ہم صورت عبادت اختیار کرتے ہیں۔ اس میں جو قوت ہونی چاہیے جو ہمیں برائی سے نفرت دلا دے نیکی کی رغبت دلا دے وہ نہیں ہوتی اس لئے کہ عبادت کی حقیقت ہمارے پاس نہیں ہوتی۔ بحمد اللہ ہم مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں اس کا احسان ہے کہ ہمارے کانوں میں پہلی آواز اللہ کی عظمت کی آئی ہمیں اذان سنائی گئی۔ ہم مسلمان گھروں میں پلے بڑھے۔ اللہ نے حضور اکرم ﷺ کا اُمتی بننے کا شرف نصیب کیا لیکن ہم دینی امور میں اسی موروثی اور روایتی ایمان پر قناعت کر لیتے ہیں اور دنیا کے معاملے میں ہمارا مزاج ایسا ہے کہ کاشتکار کا بیٹا کاشتکار بنے، تاجر کا بیٹا تاجر بنے لیکن وہ اپنے اس آبائی پیشے میں بھی ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ ملازم کا والد اگر ہزاروں میں تنخواہ لیتا تھا تو بیٹا لاکھوں کی تنخواہ پر ملازمت کرنا چاہتا ہے۔ تاجر کا والد اگر لاکھوں میں تجارت کرتا تھا تو بیٹا کروڑوں میں کرنا چاہتا ہے لیکن دین کے معاملے میں یہ اصول پتہ نہیں کہاں چلا جاتا ہے۔ دین کے

معاملے میں تو ہم یہ تک نہیں سوچتے کہ ہمارے بزرگ ورع وتقویٰ میں جس مقام پر تھے ہم ان سے بھی آگے جائیں اور نیکی اختیار کرنے میں زیادہ مجاہدہ کریں۔لیکن یہاں ایمان ویقین کا یہ عالم ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس بات پر شاکی ہے کہ اولاد نہیں ہوتی کسی نے بندش کر دی ہے۔ میرے بچوں کی شادیاں نہیں ہوتیں کسی نے روک دی ہے۔ میری ملازمت میں ترقی کسی نے روک دی ہے اور کسی سے مراد کوئی جادوگر یا عامل ہوتا ہے۔ مسلمان کا تو ایمان یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ کوئی مصیبت دور کر سکتا ہے تو پھر عامل یا جادوگر کی کیا حیثیت ہے کہ اللہ کے نظام میں مداخلت کرے؟ موجودہ سائینس نے انکشاف کیا ہے کہ ایک انسانی وجود میں ڈھائی کھرب سیل ہیں۔انسانی وجود ان ذرات سے مل کر بنتا ہے۔ ہر ذرہ بدن میں حیات ہے۔ ہر سیل از خود جھڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا سیل پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر چھ ماہ میں پورے وجود کے ذرات تبدیل ہو جاتے ہیں۔اب ہر وجود کے ذرات کو نشونما دینا، کسی کو کمزور پیدا کرنا، کسی کو طاقتور پیدا کرنا، یہ سارا نظام کون چلا رہا ہے؟ اللہ وحدہٗ لاشریک چلا رہا ہے۔ یہ اتنا نازک اور پیچیدہ نظام ہے کہ اسے وہ خود ہی جانتا ہے اور خود ہی چلا رہا ہے۔ کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں۔ ہر غذا مٹی سے اگتی ہے جانور چارہ کھاتے ہیں۔ان کا گوشت اسی مٹی سے بنتا ہے۔اسی مٹی سے دودھ مکھن بنتا ہے۔ان سب چیزوں کو انسان کھاتا ہے۔ اسی طرح زمین سے اگنے والی سبزیوں پھلوں کو خوراک بناتا ہے۔حقیقت میں تو یہ ساری خوراک مٹی ہی کے ذرات کی مختلف شکلیں ہیں پھر جس کیلئے جو ذرہ غذا مقدر ہے اس کے پیٹ میں وہی جا سکتی ہے۔آنے والی نسلوں کا حصہ ان کے والد کے صلب میں محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح غذا والدہ کھاتی ہے لیکن بچے کو وہی ملتا ہے جو اس کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ پھر شکم مادر کی تہ در تہ تاریکیوں میں کون انسانی شکل بناتا ہے؟ اس کی عقل، ذہانت اس کا قد کاٹھ کون مقرر کرتا ہے؟ کون ہے جو ایک ہی والدین کے ہاں جنم لینے والے بچوں کی شکلیں، عمریں، صحت و بیماری، دانش و خرد اور رزق الگ الگ اور مختلف تقسیم کرتا ہے؟ کون سب چیزوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ترتیب دے رہا ہے؟ سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ پھر کون سا جادوگر اور عامل اس نظام میں مداخلت کر سکتا ہے؟ سوائے اللہ کے کوئی نہیں جو کسی کو نفع پہنچا سکے یا کسی کی مصیبت دور کر سکے۔صرف اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے **وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ** وہ ساری مخلوق پر غالب ہے۔سب اس کے محتاج ہیں۔تو اگر ہمارا اللہ پر ایمان ہو تو مخلوق سے ڈرنے کا جواز باقی نہیں رہتا تو پھر ہم کیوں ڈرتے ہیں؟

مخلوق سے ڈرنے کی وجہ:

ہم مخلوق سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ ہم نے اللہ سے تعلق بنانے میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ زبانی تو کہتے ہیں کہ میرا اللہ سے تعلق ہے لیکن اللہ کو اتنی اہمیت بھی نہیں دیتے کہ اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ کے احکام کی پیروی کریں۔ اکثر آئمہ کرام نے ایمان کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ ایمان اعمال و کردار کا نام ہے زبانی کہنے کا نہیں۔ کسی فرد کے مسلمان ہونے کا پتہ تب چلتا ہے جب وہ کام کرتا ہے تو وہ سنت کے مطابق ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر ہم خود اپنا کردار سامنے رکھ کر سوچیں تو سمجھ آجاتی ہے کہ ہم کتنے مسلمان ہیں؟ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر بندہ دوسرے کو جانچتا ہے۔ خود کو کوئی نہیں جانچتا۔ سارا دن ترازو ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے لوگوں کے اعمال تولتے رہتے ہیں کہ فلاں نے جھوٹ بولا، اس نے چوری کی، اس نے لباس صحیح نہیں پہنا، اسی کام میں اتنے مشغول ہوتے ہیں کہ کبھی اپنے آپ کو اس ترازو میں رکھ کر دیکھیں۔ اور یاد رکھو! ساری مخلوق پر اس کا قبضۂ قدرت ایسا ہی ہے اور جن کے بارے تمہارا یہ خیال ہے کہ انہوں نے تعویذ کر کے میرا نقصان کر دیا ان کے وجود کے بھی ہر سیل پر اللہ کا اتنا ہی کنٹرول ہے جتنا تمہارے وجود پر ہے۔ کوئی کچھ نہ بگاڑ سکتا ہے نہ سنوار سکتا ہے جب تک وہ نہ چاہے۔ حجاج بن یوسف نے ایک بزرگ کو سزائے موت کا حکم دیا تو ان کی ہنسی نکل گئی۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا جسے سزائے موت کا حکم دیا جاتا ہے اس کے آنسو نکل آتے ہیں۔ تم کس لئے مسکرا رہے ہو؟ ان بزرگ نے فرمایا مجھے تیری جرأت پر اور اللہ کے حلم پر ہنسی آرہی ہے۔ وہ کیسا بے نیاز ہے کہ تو بھی اسی طرح اس کا محتاج ہے جیسے باقی لوگ اور تو اس کا خوف کئے بغیر کتنی جرأت سے میری موت کا حکم صادر کر رہا ہے! اس کی بے نیازی دیکھ رہا ہوں کہ تجھ جیسے ایک حقیر انسان کو اس نے کتنا اختیار دے دیا ہے۔ مجھے ہنسی اس لئے آئی کہ میری موت کا وقت تو اس ذات نے مقرر کر رکھا ہے اور تو کتنا بے وقوف ہے کہ اسے اپنے ذمے لے رہا ہے!

یہ وہ بنیادی بات ہے۔ اگر ہمیں اس کا یقین آجائے تو اللہ کی مخلوق سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مخلوق سے وہی ڈرتا ہے جو اللہ سے تعلق نہیں بناتا۔ جو تعلق بنا لیتا ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ہستی قدرت نہیں رکھتی۔ اس آیہ مبارکہ میں غلبے کے لئے لفظ قاہر استعمال فرمایا۔ قاہر غالب سے بہت زیادہ

وسیع معنی رکھتا ہے۔ غالب کا معنی ہے طاقتور اختیار رکھنے والا اور قاہر کا مطلب ہے کہ وہ جسے چاہے تو آن واحد میں نابود کردے اور چاہے تو نابود سے بود کردے، وہ اس قدر غالب ہے کہ ہر وجود کا ہر ذرہ بدن اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر بندوں سے ڈرنے کی کیا تک ہے؟ اپنے معاملات کو اپنے کردار کو اپنے عقیدے کو درست کرو اور یہ بھی یاد رکھو! وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ وہ ہر شئے کی خبر رکھنے والی، دانا تر اور عظیم ذات ہے اس نے انسانوں کو تھوڑی سی مہلت دے دی ہے اور ایک اختیار عطا کر دیا ہے کہ میری عظمت کو مان کر میرے شکر گزار بندے بننا چاہتے ہو یا میری عظمت کا انکار کر کے ناشکری اور کفر کرنا چاہتے ہو؟ دنیا میں جس طرح رہنا چاہتے ہو رہو لیکن اس راستے کا نتیجہ خود ہی بھگتنا پڑے گا۔

حضور اکرم ﷺ نے آخرت کا عقیدہ پیش فرمایا تو کفار کہنے لگے ان باتوں کا ثبوت کیا ہے؟ کہ ہمارے آباؤ اجداد مر گئے ان سے پہلے کے لوگ مر گئے اور کب سے لوگ مرتے آرہے ہیں۔ ہم نے تو کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا نہ کسی کو عذاب وثواب ملتے دیکھا ہے اجزاء بدن مٹی میں مل گئے۔ وہ کیسے جئیں گے؟ اس بات کی تو گواہی نہیں ملتی۔ فرمایا قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ط میرے حبیب ﷺ ان سے پوچھیے کون ہے جو اس پر گواہی دے؟ کس کی گواہی معتبر ہے؟ کس کی گواہی بڑی ہے؟ ایسا کون ہے جو فرمادے تو اس کی بات ماننی پڑے گی۔ فرمایا انہیں کہیے قُلِ اللّٰهُ ط اللہ ہی وہ ذات ہے۔ جب اللہ شہادت دے رہا ہے تو کسی دوسرے کی شہادت کی کیا ضرورت ہے؟ جب اللہ کریم یہ بتا رہا ہے تو گویا حقیقت میں وہ خود گواہ ہے شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ قف وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط فرمایا میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور یہ قرآن تم پر اللہ نے نازل فرمایا۔ اس کا گواہ بھی وہی ہے اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں قرآن کے ذریعے بروقت اس خطرے سے آگاہ کردوں جس کا ادراک تمہیں مرنے کے بعد ہوگا۔ میں تمہیں اس دار دنیا میں ہی ان تکلیفوں اور دکھوں سے مطلع کردوں جو تمہارے کردار بد کے باعث تمہیں آخرت میں پیش آنے والے ہیں۔ لِاُنْذِرَكُمْ کا معنی اردو میں ڈر لکھ دیتے ہیں۔ ڈر کی تو مختلف قسمیں ہے دشمن کا ڈر ہوتا ہے، موذی جانور کا، بیماری کا یا نقصان کا ڈر ہوتا ہے لیکن لِاُنْذِرَكُمْ کا مطلب ہے کسی آنے والے خطرے کی پیشگی اطلاع دے دینا۔ دنیاوی مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص تجارت کرنا چاہتا ہے وہ سمجھتا ہے اس میں مجھے بڑا نفع ہوگا۔ دوسرا جو مارکیٹ سے واقف ہے وہ آکر بتاتا ہے کہ اس کاروبار میں آنے

والے وقت میں نقصان ہوگا۔ یہ انذار ہوتا ہے کہ جو تم کر رہے ہو اس میں ڈر ہے، خطرہ ہے کہ نقصان ہو جائے گا۔ جب یہ لفظ نبیؑ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی ہے کہ اللہ کا نبی ﷺ ان خطرات کے بارے دنیا میں مطلع فرما دیتے ہیں جن کی حقیقت موت کے بعد کھلتی ہے۔ چونکہ بندہ موت کے بعد تو اصلاح نہیں کر سکتا اس لئے اللہ کے رسول ﷺ ان خطرات سے انسان کو اس کی زندگی میں ہی آگاہ کر دیتے ہیں کہ ان کاموں میں اللہ کی نافرمانی کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ جب تمہاری آنکھ بند ہوگی تب آنکھ کھل جائے گی تو پتہ چل جائے گا کہ یہ بہت بڑا نقصان تھا۔

قرآن حکیم کی تبلیغ معجزۂ رسول اللہ ﷺ:

فرمایا: **وَمَنْۢ بَلَغَ** ؕ جہاں تک پہنچے، جس بندے تک پہنچے یہ میرا فریضہ نبوت ہے، ﷺ۔ قرآن حکیم آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ ہمیں قرآن حکیم آپ ﷺ سے ملا۔ قرآن حکیم اللہ کی کتاب ہے لیکن آپ ﷺ کے ذریعے ہی ساری مخلوق کو ملی ہے۔ قرآن حکیم آپ ﷺ کا معجزہ ہے تو قرآن حکیم کی تبلیغ آپ ﷺ کا اس سے بھی بڑا معجزہ ہے کہ صدیاں گزر گئیں، کروڑوں، اربوں لوگ دنیا میں آئے چلے گئے۔ چودہ سو سال بیت گئے۔ اب پندرھویں صدی ہے۔ دنیائے کفر نے پورا زور لگایا۔ تیرہ برس حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ تیرہ برس مشرکین نے پورا زور لگا دیا کہ یہ آواز دب جائے، جو ظلم ان سے ہو سکا وہ انہوں نے روا رکھا۔ تیرہ برس بعد مدینہ منورہ میں ریاست اسلامی بن گئی تو اس آواز کو روکنے کے لئے مشرکین و منافقین متحد ہوئے، صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر حکمرانوں کو خطوط لکھے۔ وفود کے وفود آئے اور دعوت دین بین الاقوامی سطح پر آ گئی تو دنیا کی ساری کافر طاقتیں اسے روکنے پر کمربستہ ہو گئیں۔ تب سے لے کر آج تک دنیائے کفر اسے روکنے پر سارا زور لگا رہی ہے کہیں اس کے حروف، کہیں معانی بدلنے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں۔ کہیں جھوٹے مدعیان نبوت کھڑے کرتے ہیں تب سے لے کر اب تک کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں قرآن کی تردید کی کوشش نہ ہو رہی ہو اور کوئی لمحہ ایسا بھی نہیں کہ اس کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو۔ چوبیس گھنٹوں کے کسی منٹ کسی سیکنڈ میں کوئی وقفہ نہیں ملتا کہ قرآن کی تبلیغ نہ ہو رہی ہو۔ پوری روئے زمین پر ایک جگہ فجر کی اذان گونجتی ہے تو اس سے کچھ فاصلے پر ظہر کا وقت ہوتا ہے اس سے آگے عصر کی اذان بلند ہوتی ہے اس سے آگے مغرب اور اس سے آگے عشاء کی اذان گونجتی ہے۔ پانچوں اذانیں دن بھر گلوب کے گرد بلند

ہوتی رہتی ہیں۔ ہر لمحہ یہ سدا بلند ہوتی ہے اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ چوبیس گھنٹے کہیں نہ کہیں مسجد میں تلاوت ہو رہی ہے۔ کہیں گھر پر، کہیں مدارس میں قرآن حکیم پڑھایا جارہا ہے، کہیں ریڈیو، ٹی وی پر تلاوت ہو رہی ہے۔ کہیں باجماعت صلوٰۃ میں قرأت قرآن ہو رہی ہے، کہیں قرآن حکیم کے معانی ومفاہیم بیان ہو رہے ہیں۔ قرآن حکیم کی تبلیغ ہے کہ کہیں رکتی نہیں لیکن اس میں نہ میرا احسان ہے نہ آپ کا احسان ہے، نہ کسی مولوی کا، نہ پیر کا نہ کسی سیکھنے والا کا، نہ سکھانے والے کا۔ خوش نصیب ہیں وہ جو اپنے آپ کو اس میں شامل کر لیتے ہیں کہ وہ بھی قرآن کی تعلیم کو پہلے خود سمجھے پھر دوسروں کو بھی سمجھائیں اور اگر ہم نہیں کریں گے تو بھی یہ رکے گی نہیں! جو بھی اس کو قبول کرتا ہے اس پر عمل کرتا ہے تو وہ اپنی عاقبت سنوارتا ہے کیونکہ یہ تو ہمیشہ رہے گی۔ یہ بند نہیں ہو سکے گی۔ یہ اللہ کی قدرت ہے اور اس نے کتاب الٰہی کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔

فرمایا: کیا اس بات سے تمہاری تسلی نہیں ہوتی کہ اسے اللہ نے نازل کیا ہے۔ اللہ اس کو قائم رکھے گا۔ اور اللہ کے سوا کوئی ایسا کر بھی نہیں سکتا۔ نام کو تو آج یہودیت اور نصرانیت ہے لیکن ان کے پاس ان آسمانی کتابوں کے کچھ حقائق بھی ہیں؟ انہوں نے کتنی اناجیل بنا رکھی ہیں لیکن ان میں کوئی ایک لفظ یا ایک بات بھی ایسی نہیں جسے وہ کہیں کہ یہ عیسیٰؑ کا فرمان ہے۔ ان کے پاس اپنے نبیؑ کا ایک قول بھی نہیں ہے۔ موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی تھی۔ وہ آج کہاں ہے؟ فرمایا یہ آخری کتاب اللہ کے آخری رسول ﷺ پر اتری ہے جس نے قیامت تک قائم رہنا ہے۔ نہ اس کی ہیئت تبدیل ہوئی نہ اس کے الفاظ تبدیل ہوں گے نہ اس کی آواز کسی کے روکنے سے رکے گی اور حضور اکرم ﷺ نے فرمادیا کہ یہ میرا فریضہ نبوت ہے کہ اسے سب تک پہنچاؤں۔

سبحان اللہ چودہ صدیوں کا طویل فاصلہ آپ ﷺ کی تبلیغ کو نہیں روک سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا **بلغو عنی ولو أية او كما قال رسول الله** ﷺ فرمایا میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک جملہ ہی ہو۔ لہٰذا جہاں تک کوئی قرآن حکیم کی تبلیغ کرتا ہے حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہی کرتا ہے۔ جہاں تک دین کی بات کرتا ہے حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہی کرتا ہے۔ اسے آج تک نہ کوئی روک سکا ہے نہ قیامت تک کوئی روک سکے گا۔ پھر وہ کتنا بڑا بدنصیب ہوگا جو اس نور کے سمندر سے محروم رہے۔ جب چودہ صدیوں سے قرآن حکیم کی کسی آیت کی زیر زبر میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکا اور قیامت تک نہیں کر سکے گا اس سے بڑی اللہ کے گواہ ہونے کی اور دلیل کیا ہے؟ **اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ** فرمایا تم

عجیب لوگ ہو کہ کہتے ہو اللہ کے ساتھ عبادت میں کوئی اور بھی شریک ہے تمہیں یہ وہم ہے کہ کوئی اور بھی کچھ کر سکتا ہے؟ تم سمجھتے ہو کہ کسی اور کو بھی راضی رکھا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے کہ وہ کوئی فائدہ دے سکتا ہے؟ اے میرے حبیب ﷺ انہیں کہہ دیجئے میں اس کی گواہی نہیں دیتا۔ میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو۔ اللہ واحد ہے لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ شرک کی ایک قسم بت پرستی ہے یا جیسے عیسائی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کو اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں اور شرک کی دوسری قسم کو شرک خفی کہتے ہیں یعنی اپنی امیدیں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے وابستہ کر لینا۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی کی اطاعت کرنا کہ یہ ناراض نہ ہو جائے۔ جیسے علامہ مرحوم نے کہا تھا

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نا اُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ ان سے کہہ دیجئے وہ واحد ہے۔ وہ اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ جتنی قسم کے شرک تم کرتے ہو ان سے میں اللہ کا رسول ﷺ بری ہوں۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو معبود سمجھے گا انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھے گا اس سے حضور اکرم ﷺ کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے نبیؐ اس شخص سے کیسے تعلق رکھ سکتے ہیں؟

نبیؐ تو شرک سے ویسے ہی بری ہوتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی شرک میں مبتلا ہو گا اس کا تعلق بارگاہ رسالت ﷺ سے منقطع ہو جائے گا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ تمام الہامی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر ملتا ہے۔ اللہ پاک قرآن حکیم میں دوسری جگہ فرماتے ہیں وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ O آل عمران: 81 کہ ازل میں اللہ نے تمام انبیاءؑ سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اپنی امت کو حضور اکرم ﷺ کی بعثت کی خبر دیں اور آپ ﷺ کا ساتھ دینے کی تلقین فرمائیں جتنی کتابیں پہلے نازل ہوئیں ان سب میں حضور اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ بڑے واضح دیئے گئے تھے اور علماء یہود اور علماء نصاریٰ بہت اچھی طرح سے حضور اکرم ﷺ کو پہچانتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک فرمارہے ہیں **یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ** یہ حضور اکرم ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح بندہ اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ یوں تو پہچان بہت سے لوگوں کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہے ویسے دوسروں کو نہیں پہچانتا۔ اولاد کے بارے ہر چھوٹی بڑی تفصیل والدین کے علم میں ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ آپ ﷺ کے کمالات، صداقتِ کردار اور مقام و مرتبے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ **اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ** ۲۰ لیکن جنہوں نے اپنے آپ کو تباہ کرلیا وہ اتنا کچھ جاننے کے بعد بھی نہیں مانیں گے۔ انسان کا دل ایک آئینہ ہے۔ انسانی کردار کا دل پر اتنا اثر آتا ہے کہ اس کا مزاج برباد ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ایمان کی استعداد ضائع ہو جاتی ہے بلکہ کفر سے توبہ کی توفیق بھی ضبط ہو جاتی ہے اور وہ توبہ بھی نہیں کرسکتا ان کی اسی سخت دلی کے باعث فرمایا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

سورۃ الانعام رکوع 3 آیات 21 تا 30

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ

فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع

اور اس سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلائے؟ ایسے بے انصافوں کو رُستگاری نہ ہوگی ﴿۲۱﴾ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے بواسطہ یا بلاواسطہ توبیخ کے طور پر کہیں گے کہ بتاؤ تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے ﴿۲۲﴾ پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی، اپنے پروردگار کی، ہم مشرک نہ تھے ﴿۲۳﴾ ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہوگئیں ﴿۲۴﴾ اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لائیں یہاں

تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آرہی ہیں ﴿۲۵﴾ اور یہ لوگ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے ﴿۲۶﴾ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں ﴿۲۷﴾ بلکہ جس چیز کو اس سے قبل دبایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں ﴿۲۸﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال کا جینا ہے اور ہم زندہ نہ کئے جائیں گے ﴿۲۹﴾ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بیشک قسم اپنے رب کی اللہ تعالیٰ فرمادے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو ﴿۳۰﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ کوئی اللہ پر جھوٹ بولے یا اس کی آیات کو جھٹلا دے، اللہ ایسے ظالموں کو فلاح نہیں دیتا۔ انہیں بہتری نصیب نہیں ہوتی۔ اور ایک دن سب کو اکٹھا کیا جائے گا اور جو لوگ اللہ کی ذات یا صفات میں شرک کرتے ہیں ان پر سوال ہوگا کہ وہ جنہیں تم اپنے زعم میں اللہ کا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں ہیں؟ تو اس وقت ان سے کچھ بن نہیں پڑے گا سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے یا اللہ تیری قسم ہے ہم شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا دیکھئے یہ اپنے آپ کو کیسے جھٹلا رہے ہیں۔ کس طرح اپنے کردار کی نفی کر رہے ہیں اور جو جھوٹ یہ اللہ پر باندھتے تھے وہ آج ختم ہو گیا اور حقائق سامنے آگئے۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ

کے ارشادات سُنتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں۔ ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کے دل تباہ ہو چکے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیئے ہیں۔ وہ ایسے بند کر دیئے گئے ہیں کہ ان میں حق کی آواز سننے کی اہلیت نہیں رہی۔ اگر یہ بے شمار نشانیاں بھی دیکھ لیں تو انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ جب یہ کافر آپ کے پاس آتے ہیں تو جھگڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو پرانے قصے کہانیاں ہیں جو آپ دہرا رہے ہیں۔ اور یہ حق کی راہ سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں لیکن اس سارے کام سے یہ اپنی تباہی کا سامان کر رہے ہیں۔ اور اس چیز کا شعور بھی نہیں رکھتے۔ اے مخاطب! تو انہیں دیکھے گا کہ جب یہ دوزخ کے کنارے آگ کے پاس کھڑے ہوں گے اس وقت یہ کہہ رہے ہوں گے اے کاش! ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور ہم اللہ کی آیات کا انکار نہ کریں۔ اور ہم اچھے ایمان دار ثابت ہوں لیکن اب تو ہر چیز ظاہر ہوگئی۔ سامنے آگئی۔ جو چیزیں یہ چھپاتے تھے وہ کھل گئیں۔ اور اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو ان کا کردار وہی ہوگا۔ جس چیز سے روکا گیا ہے وہی کریں گے۔ اس لئے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں کہا کرتے تھے کہ یہی دنیا کی زندگی ہی زندگی ہے اور ہمیں دوبارہ حشر میں زندہ نہیں ہونا لیکن اے مخاطب! تو انہیں دیکھے گا جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ سب حق نہیں ہے؟ آج تم نے قیامت دیکھ لی۔ جنت و دوزخ سامنے ہے۔ بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہوتو کہیں گے یا اللہ! بات سچی ہے ہم نے دیکھ لیا تو ارشاد ہوگا اب عذاب کے مزے لو اس لئے کہ تم دنیا میں کفر کرتے تھے۔

تفسیر و معارف

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فرمایا یہ اتنے ظالم ہیں کہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ علماء یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابیں بدل دیں۔ جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا اسے تبدیل کر دیا اور اپنی مرضی کے جملے داخل کر دیئے۔ کتابوں میں تحریف کر دی اور اسے اس طرح بیان کرتے ہیں گویا یہ اللہ کا حکم ہے فرمایا اس سے بڑا جرم کیا ہوگا؟ یہ ایسے ظالم ہیں کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑ کے انہیں اللہ کریم کے ذمہ لگا دیتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہی صورت حال عالم اسلام میں ان لوگوں کی ہے جو فتویٰ فروشی کرتے ہیں۔ جو چند سکوں کے لئے ناجائز کو جائز لکھ دیتے ہیں۔ اور یہ شیوہ علماء یہود کا ہے۔ فتویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی مفتی فتویٰ دیتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ لکھ کر دے رہا ہے یہ اللہ اور اللہ کے

رسول ﷺ کا حکم ہے۔ اگر جان بوجھ کر غلط فتویٰ دیا جائے تو فرمایا یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ یہود و نصاریٰ کے کردار کی یہ وہ برائی ہے جس کے باعث دل ایسے تباہ ہوئے کہ وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے کمالات عالیہ سمیت اچھی طرح پہچانتے ہیں لیکن انہیں ماننے کی، ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس سے بڑی تباہی کیا ہوگی؟ اس سے بڑا جرم کیا ہوگا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے اور احکام الٰہی کا انکار کر دیتے ہیں۔

احکام الٰہی کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے:

اس سے بڑی تباہی، اس سے بڑا جرم کیا ہوگا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور احکام الٰہی کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ علماء یہود و نصاریٰ پہلی قسم کے لوگ ہیں۔ جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے لیکن اسے بدل دیتے ہیں اور جھوٹ بول کر اپنی طرف سے لکھ کر اللہ کے ذمے لگا دیتے ہیں۔ اس میں دو جرم بنتے ہیں۔ ایک تو انہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا دوسرا اللہ کی طرف سے نازل کردہ آیت کا انکار کر دیا اور اس کے خلاف فتویٰ دے دیا۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو جانتے نہیں لیکن رسومات کی پیروی میں احکام الٰہی سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ فوری کفر کا شکار ہوتے ہیں جب یہ جان رہے ہوتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے اسکا انکار کرتے ہیں یا بدل کر اپنی طرف سے لکھتے ہیں تو اسی وقت کافر ہو جاتے ہیں۔

رسومات کی پیروی مفضی الی الکفر ہے:

شریعت کو چھوڑ کر رسومات کی پیروی میں لگ جانا اتنا بڑا جرم ہے کہ یہ مفضی الی الکفر ہے یعنی کفر کی طرف کھینچنے والا ہے اگر وہ اس پر کاربند رہیں تو آہستہ آہستہ ان کا ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے۔ آج معاشرے میں آپ دیکھتے ہیں بندہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوتا ہے۔ مسلمان ماں باپ اس کی تربیت کرتے ہیں۔ عاقل بالغ ہونے کے بعد وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کسی بے دین گروہ میں چلا جاتا ہے۔ کوئی نیا عقیدہ گھڑ لیتا ہے اور اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہر گھر میں کتنے عقیدے جمع ہو گئے ہیں۔ کیوں ہوتا ہے؟ یہ اختلافات کیوں ہیں؟ اس کردار کا اثر ہے جو اتباع سنت کو چھوڑ کر ہم رسومات کے پیچھے لگتے ہیں تو وہ رفتہ رفتہ دل کو سیاہ کرتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے ایمان کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ منقطع ہو جاتا ہے۔ آدمی کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہو جاتا ہے جو کسی درخت سے الجھ گئی، کسی تار سے الجھ گئی، کسی بچے نے پکڑ لی تو اسی کی ہو گئی۔ اسی طرح لوگوں کے عقیدے تباہ ہوتے ہیں اور یہ ان کا اپنا کردار ہوتا ہے۔ جو بھی ظلم

کرتا ہے وہ اپنے ساتھ کر رہا ہوتا ہے۔ اسے وہ بھگتنا پڑے گا ظلم کرنے سے کبھی بھلائی نصیب نہیں ہوتی۔ عرصہ محشر جس دن اللہ کریم ہم سب کو اکٹھا کریں گے تو جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اس دن وہ حقیقت کو دیکھ لیں گے۔ علماء نے اس طرح سے وضاحت فرمائی ہے کہ شرک دو طرح سے ہے۔

ایک شرک جلی یعنی اعلانیہ کسی کو اللہ کا شریک مان لینا۔ کسی بت کو، کسی دیوی کو، کسی فرضی پیر کو، کسی جن کو، سورج، چاند، ستارے کو، کسی نیک، برے بندے کو، کسی میں بھی وہ اختیارات ماننا جو اللہ کے لئے خاص ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی اطاعت کرنا یہ شرک جلی ہے۔ صاف ہے، ظاہر ہے، سامنے ہے۔ دوسری قسم شرک خفی ہے یہ بہت خطرناک ہے بندہ جب اس میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اسے تب پتہ چلتا ہے جب اس کا دل تباہ ہو چکا ہوتا ہے۔ شرک خفی یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے نفع و نقصان کی امید رکھی جائے کسی سے ڈرتے ہوئے اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اس کی اطاعت کی جائے۔ احکام الٰہی کے خلاف کسی کی بات اس لئے مانی جائے کہ یہ میرا فائدہ کرے گا اور نہیں مانوں گا تو یہ مجھے نقصان پہنچائے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے اس بندے کو یا اس چیز کو اپنا معبود مان لیا ہے تو شرک بہرحال شرک ہے۔ زہر زہر ہے کسی نے زیادہ کھا لیا فوراً مر گیا جو تھوڑا تھوڑا لیتا رہا جسے slow poisoning کہتے ہیں، تو مرے گا وہ بھی۔ تو فرمایا جب میدان قیامت میں ہم سب کو جمع کریں گے ان سے پوچھا جائے گا کہ جن سے تم امیدیں رکھتے تھے ان کی اطاعت میں اللہ کی نافرمانی کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو چھوڑ کر ان کی بات مانتے تھے کہ ان سے ہمیں فائدہ ہوگا اب وہ کہاں ہیں؟ نفع و نقصان کا دن تو آج ہے۔ اب حساب کتاب ہو رہا ہے۔ اب موقع ہے۔ اب تمہیں کوئی نقصان پہنچانے والا ہے تو اسے بلاؤ **الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾** جن کے بارے تمہاری یہ رائے تھی کہ یہ ہمیں بڑا نفع پہنچائیں گے آج انہیں سامنے لاؤ۔ کوئی تمہارا نفع کریں، تمہارے نجات کا کوئی سبب بنائیں یا کوئی تمہارے بہتری کریں۔ **ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ** فرمایا ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہوگی کوئی جواز نہیں ہوگا۔ کچھ کہہ نہیں سکیں گے سوائے اس کے کہ **اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾** اے پروردگار تیری عظمت کی قسم ہم مشرک تو نہ تھے۔ ہم تو تجھے مانتے تھے، تیری عظمت کے قائل تھے، تیرے رسولوں کو مانتے تھے، تیری کتابوں کو مانتے تھے۔ فرمایا **اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** دیکھ لو اپنے کرتوتوں کا خود ہی اقرار کر رہے ہیں۔ آج جب موقع آیا ہے تو خود اپنے کردار کی نفی کر رہے ہیں اپنے آپ کو جھوٹا

ثابت کر رہے ہیں۔ اگر تم مجھے مانتے تھے، میرے نبی کو مانتے تھے، میری کتابوں کو مانتے تھے تو پھر ان کے مطابق اعمال کیوں نہیں کیئے؟ ماننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی کہہ دے کہ میں نے مان لیا اور اس پر عمل نہ کرے۔ ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ جو مان لیا اس پر عمل کیا جائے تو فرمایا تمہیں نفع کی امید غیروں سے تھی، نقصان کے لئے غیروں سے ڈرتے تھے، اللہ کو چھوڑ کر نبی کی اطاعت کو چھوڑ کر دنیا داروں، دولت مندوں اور ظالموں کی اطاعت کرتے تھے۔ زندگی تم نے اس طرح ضائع کر دی۔ آج کہتے ہو ہم نے شرک نہیں کیا۔ یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ فرمایا اے مخاطب جتنے انہوں نے قصے کہانیاں گھڑ رکھے تھے کہ فلاں کی قبر پہ جاؤ تو یہ ہو جاتا ہے، فلاں بندے کے پاس جاؤ تو یہ مل جاتا ہے، فلاں کے پاس جاؤ تو اولاد مل جاتی ہے، فلاں کے پاس جاؤ تو بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے، فرمایا یہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے وہ سارے آج ختم ہو گئے مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ جو باتیں گھڑا کرتے تھے وہ غائب ہو گئیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ سبحان اللہ! انسانی مزاج بھی کیسا عجیب ہے، کوئی اچھا شعر سنتا ہے تو پھڑک اٹھتا ہے پھر اس شعر کو کوئی اچھی آواز میں گانے والا ہو تو بندہ مسحور ہو جاتا ہے لیکن اللہ کی بات سے خوبصورت بات کس کی ہوگی اور بیان فرمائیں محمد رسول اللہ ﷺ تو حضور اکرم ﷺ کی آواز مبارک اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بڑھ کر شرینی و لطافت اور کہاں ہوگی؟ تو فرمایا یہ جو گانے بجانے پہ مسحور ہو جاتے ہیں، شعر سن کر فدا ہو جاتے ہیں، حکایات سن کر، فرضی ناول افسانے سن کر قربان ہونے لگتے ہیں یہ آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ بھی سنتے ہیں جب آپ دعوت الی اللہ دیتے ہیں، اور حقائق بیان فرماتے ہیں تو ان پر کوئی اثر نہیں کرتے۔ قرآن سن کر ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، حدیث سن کر ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ یہ تو ایسے بدنصیب ہیں کہ براہ راست آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ہیں۔ آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ براہ راست لب ہائے مبارک سے سن رہے ہیں پھر ان پر اثر کیوں نہیں ہوتا؟ فرمایا اس لئے نہیں ہوتا کہ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ اللہ رب العزت کے ساتھ انہوں نے اتنی بگاڑ لی ہے، اتنی نافرمانی کی ہے کہ سزا کے طور پر میں نے ان کے دلوں کو ڈھانپ دیا ہے اور ان کے دلوں تک بات پہنچتی ہی نہیں۔

ہمارے بڑے بڑے نام دانشور کہتے ہیں کہ ساری بات سمجھنا دماغ کا کام ہے۔ دماغ ہی کو عقل کہتے ہیں۔ سارا بھلا برا سمجھنا دماغ کا کام ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں نہیں! بات سمجھنا دل کا کام ہے۔ دماغ تو دل

کا خادم ہے دل بادشاہ ہے۔ دماغ اس کا وزیر ہے۔ دل جو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کے لئے انتظام کرنا دماغ کی ذمہ داری ہے لیکن فیصلے کرنا دل کا کام ہے۔ فرمایا اَنْ يَّفْقَهُوْهُ کسی بات کے حقیقی نفع و نقصان کو حقیقی طور پر جان لینا اسے تفقہ کہتے ہیں۔ شعوری طور پر سمجھ لینا کہ ایک چیز میں نفع کیا ہے یہ انتہائی دانشمندی ہوتی ہے اس کو تفقہ کہتے ہیں۔ احکام شرعی کو اس لئے فقہ کہتے ہیں کہ وہ اچھائی برائی کی خبر دیتے ہیں۔ برائی سے بچاتے ہیں اور اچھائی کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں۔ ان کے دل بھلائی برائی کی سمجھ سے خارج ہو گئے ہیں۔ آج کے پڑھے لکھے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں قلب کا لفظ آیا ہے اس سے مراد دماغ ہے۔ یہ لوگ پڑھ لکھ کر کیوں گمراہ ہو جاتے ہیں؟ اس لئے کہ پڑھ لکھ تو جاتے ہیں اتباع رسالت نصیب نہیں ہوتا۔ زندگی نبی کریم ﷺ کی مرضی سے نہیں اپنی مرضی سے گزارتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ اب وہ فرار کی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ قلب سے دماغ کیسے مراد ہو گیا؟ قرآن کا بہترین معنی وہ ہے جو خود قرآن سے کیا جائے پھر نبی کریم ﷺ نے سمجھایا صحابہ کرامؓ نے سمجھا۔ کیا کسی نے قلب کو دماغ سمجھا ہے؟ عہد نبوی ﷺ میں؟ صحابہ کرامؓ نے یا متقدمین نے؟ اللہ کریم تو فرماتے ہیں مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ الاحزاب: 4 کسی شخص کے پہلو میں ہم نے دو دل نہیں رکھے۔ دماغ تو سر میں ہوتا ہے۔ کیا اسے قرآن نے قلب کہا ہے؟ یہاں قلب کے معنی دماغ کیسے ہو جائے گا؟ تو فرمایا ان کے دلوں پر ہم نے ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ سوچ، سمجھ اور شعور سے بے گانہ ہو گئے ہیں۔ بات ان کے دل تک اترتی ہی نہیں۔ ان کے کانوں میں ایسے ڈاٹ لگا دیئے گئے ہیں کہ حق بات کو سن نہیں پاتے۔ آواز تو وہ سنتے تھے لیکن وہ ان کے تفقہ میں، شعور میں نہیں آتی تھی۔ ان کی گرفت میں نہیں آتی تھی۔ اس کی خوبی سے آگاہ نہیں ہو سکتے تھے۔ جب تک دل ذاکر نہ ہو بہت مشکل ہے کہ وہ کلام الٰہی کی عظمت یا ارشادات نبوی ﷺ کی عظمت کو سمجھ سکے اور جب وہ سمجھ لیتا ہے تو انسان بالکل احکام الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم روز قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور علماء کے وعظ سنتے رہتے ہیں بے شمار مضامین بھی پڑھتے ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو ہمارا کردار اسلام کے مطابق نہیں رہتا۔ ہم برائی میں چلے جاتے ہیں۔ سود کھاتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں اور غلطیاں کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ باتیں ہمارے سر سے گزر جاتی ہیں دلوں میں نہیں اترتیں۔ کیوں نہیں اترتیں؟ بندے کے اعمال

وکردار دل کو متاثر کرتے ہیں ۔ برائیاں دل کو سیاہ کرتی ہیں جیسا ارشاد باری ہے ۔ کَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴿۱۴﴾ المطففین: 14 ان کے دل زنگ خوردہ ہوگئے ہیں ۔ کسی کام کے نہیں رہے ۔ اس لئے اپنے اعمال وکردار کی ایک ایک حرکت کی خبر رکھنی چاہیے ۔ یہ بڑا عجیب انسانی مزاج ہے کہ ہم سارے جہاں کی خبر رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے اعمال سے بے خبر رہتے ہیں ۔ عام دیہاتی بھی مل بیٹھے ہوں تو ان کا موضوع بھی غیر ملکی سیاست ہوگی ۔ امریکہ کے صدر اوباما کے بارے بحث ہو رہی ہوگی حالانکہ ان کی اپنی کوئی سیاسی حیثیت نہیں ہے ۔ انسان دینا کی اتنی خبریں رکھتا ہے تو اپنی خبر کیوں نہیں رکھتا؟ اپنی بات کیوں نہیں کرتا؟ اپنے آپ کو تلاش کیوں نہیں کرتا کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ میرے اللہ کا کیا حکم ہے؟ میرے نبی کریم ﷺ کی سنت کیا ہے اور میں کیا کر رہا ہوں؟ دوسروں کو بعد میں سوچو پہلے اپنے بارے میں سوچو ۔ جو اپنے بارے سوچتے ہیں ان کے پاس فرصت ہی نہیں بچتی کہ وہ کسی کے بارے سوچیں مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ ق: 18 ایک ایک لفظ جو انسان کے لبوں سے نکلتا ہے وہ لکھا جاتا ہے ۔ ایک ایک کام کا حساب ہوگا کہ تم نے کیا کیا؟ قرآن حکیم قیامت کا نقشہ کھینچ کر بتاتا ہے کہ عذاب دیکھ کر لوگ انکار کرنے کی کوشش کریں گے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا تو اللہ کریم اعضاء و جوارح کو حکم دیں گے کہ بتاؤ اس نے یہ کام کیا ہے یا نہیں؟ وہ بولنا شروع ہو جائیں گے، ہاتھ کہیں گے ہم سے کیا، پاؤں کہیں گے ہم سے چل کر گیا، جسم کی کھال کہے گی میں چشم دید گواہ ہوں میرے سامنے اس نے کیا تو بندہ پریشان ہو جائے گا ۔ وہ کہے گا نادانو! میرے خلاف گواہی دے رہے ہو ۔ تمہیں تو میرے ساتھ جہنم میں جانا پڑے گا ۔ جو سزا مجھے ملے گی تمہیں بھی بھگتنی پڑے گی ۔ تم کس خوشی میں گواہ بن گئے ہو؟ وہ کہیں گے ہم مجبور ہیں اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ○ حٰم السجدہ: 21 ہمیں اللہ نے بولنے پر مجبور کر دیا جس نے ہر چیز کو نطق دیا اس نے ہمیں بھی زبان دے دی ہے اور اس کے سامنے ہم جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں؟ اگر ہم غلط کہہ رہے ہیں تو تم ہمیں بتاؤ ۔ اس کی بارگاہ میں ہم تو وہی کہیں گے جو ہوا ۔ تو جس بندے کو اتنے باریک حساب سے گزرنا ہے اس کے پاس فرصت ہے کہ وہ دوسروں کی برائی اور بھلائی جانچتا پھرے؟ ہر بندے نے ایک ترازو رکھا ہوا ہے کہ فلاں برا ہے فلاں اچھا ہے ۔ یار پہلے اپنا حساب تو کرو ۔ میں اچھا ہوں یا برا ۔ میں کتنا سچ بولتا ہوں ۔ کتنا حلال کھاتا ہوں ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کا وقت ختم ہو جائے ابھی موت آجائے دوسری سانس نہ لینے دے دوسرا لفظ نہ منہ سے نکلنے

دے تو کیا ہم تیار ہیں؟ مومن کا رویہ تو یہ ہونا چاہیے کہ کسی لمحے موت آئے وہ موت کے لئے تیار ہو۔ حضرت عبیداللہ احرار بہت بڑے رئیس آدمی تھے بہت اعلیٰ درجے کے صوفی بھی تھے۔ نسبت اویسیہ کے ہمارے مشائخ میں سے تھے۔ ان کی زندگی کے حالات میں ملتا تھا کہ ان کے کاشتکاری ہی کے صرف سو ہل چلا کرتے تھے۔ اس کا مطلب ہے دو سو بیل تھے۔ اور ایک بیل کے پیچھے ایک مزارع کے ساتھ اس کا خاندان ہوتا تھا تو سو مزارعوں کے خاندان ان کی زمینوں پر پلتے تھے۔ ایک بندے کو خیال آیا کہ یہ عالم بھی ہیں، اللہ اللہ کرتے ہیں، صوفی بھی ہیں اور اتنے بڑے دنیادار بھی ہیں، اس سارے بکھیڑے سے نکل تو نہیں سکیں گے۔ تو انہوں نے کہا حضرت حج کا موسم آ رہا ہے اگر آپ بہتر سمجھیں تو حج کو چلیں۔ وہ زمانہ تھا جب لوگ پیدل حج کو جاتے تھے کہیں اونٹ پر سواری یا گھوڑے پر یا پیدل سفر کرتے، سال لگ جاتا تھا۔ دیکھنا وہ یہ چاہتا تھا کہ اتنے بڑے بکھیڑے سے یہ شخص نکل نہیں سکتا انہوں نے فرمایا تو نے تو بڑا نیک مشورہ دیا ہے تو ایسا کر و کل صبح انشاء اللہ فجر کے بعد چلیں۔ تو وہ تو پریشان ہو گیا کہنے لگا آپ کے مقابلے میں میں ایک عام آدمی ہوں میرے اتنے بکھیڑے ہیں میں اس طرح نہیں نکل سکتا تو آپ کس طرح چل پڑے۔ فرمایا یہ میرا نہیں ہے یہ سب کچھ میرے پاس اللہ کا ہے۔ میں تو امین ہوں اس نے مجھے دے رکھا ہے میں چلا جاؤں گا تو وہ کسی اور کو دے دے گا۔ میری تو کوئی مصروفیت نہیں۔ اس نے یہ کام میرے ذمہ لگا دیا ہے۔ اتنے لوگوں کی روزی وابستہ کر دی، میں یہ پوری کر رہا ہوں۔ فرمایا میرے جانے کا وقت آ جائے تو میں جاؤں گا، جانا پڑے گا۔ تو اب اگر حج کے لئے چلے جائیں تو کیا ہے اللہ کوئی متبادل انتظام فرما دیں گے۔ تب اسے سمجھ آئی کہ میرے پاس تو نہ ہونے کے برابر ہے لیکن میں نے خود کو دنیا میں الجھا رکھا ہے۔ اس شخص کے پاس اللہ کا دیا ہوا اتنا کچھ ہے لیکن اس کے دل میں نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جیسے مرغابی پانی میں رہتی ہے لیکن اس کا جسم تر نہیں ہوتا مومن اسی طرح دنیا میں رہتا ہے دنیا کو دل میں نہیں اُتارتا۔ کشتی پانی میں ہوتی ہے لیکن پانی کشتی میں آ جائے تو پھر ڈوب جاتی ہے۔ رہنا دنیا ہی میں ہے یہ سارے کام دنیا ہی کے کرنے کے ہیں۔ کاروبار بھی کرنا ہے، تعلقات بھی رکھنے ہیں، اولاد بھی پالنا ہے، گھر بھی بنانا ہے، یہی دین ہے۔ اگر ان کاموں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کیا جائے تو یہ سارے عبادت شمار ہوتے ہیں اور اگر ان کو کرتے ہوئے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے آئین و دستور کو چھوڑ دیا جائے تو یہ ظلم بن جاتے ہیں تو فرمایا جب انہوں نے کردار بدلا تو اس کی

سزا میں ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ان کے کان حق کی آواز سننے سے محروم ہو گئے۔اب کتنی دلیلیں دیتے رہیں، کتنے معجزے دیکھتے رہیں، کتنے حقائق دیکھتے رہیں وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ بے شمار دلائل دیکھنے کے باوجود انہیں ایمان کی توفیق نہیں ہوگی بلکہ اِذَا جَآءُوْكَ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو الٹا جھگڑا کرتے ہیں اور کافر کہتے ہیں اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ تو پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں۔حالانکہ قرآن نے تاریخ کو اور پرانی حکایات کو اپنا موضوع نہیں بنایا۔قرآن کا موضوع انسانیت کی فلاح ہے۔جہاں تاریخ بیان کی ہے وہاں بطور مثال بیان فرمایا کہ انہوں نے یہ کیا تھا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا۔تم ایسا کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔بطور عبرت تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے بیان کیا ہے کہ پہلی قوموں کی مثالیں موجود ہیں۔جس نے اچھا کیا اس کو اچھا انجام نصیب ہوا جس نے برائی کی اس کے نتائج برے ہوئے۔اس کے باوجود وہ طعنہ دیتے ہیں کہ جناب یہ تو پہلے زمانے کی کہانیاں ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دل تباہ ہو چکے ہیں۔

کتنے عجیب لوگ ہیں جن کے طفیل برکات نبوی ﷺ نصیب ہوتی ہیں اور دلوں کو حیات نصیب ہوتی ہے۔اس عالم رنگ و بو میں سے اگر کوئی دل زندہ لے گیا تو اس نے سارا کچھ پالیا اور اگر صرف دولتیں جمع کرتا رہا تو وہ چھوڑ کر چلا جائے گا پھر اس کی جواب طلبی الگ ہوگی۔اس کا کردار ساتھ جائے گا۔یہاں کمانے کی دولت دل زندہ ہے جو اللہ کے نور سے روشن ہو۔جو نبی کریم ﷺ کی برکات سے روشن ہو اور جب دل زندہ ہوتا ہے تو توفیق عمل نصیب ہوتی ہے۔برائی سے نفرت ہو جاتی ہے۔اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے محبت نصیب ہو جاتی ہے۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ فرمایا یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ خود بھی اللہ کے دین سے دور بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔مشرکین کی یہ عادت تھی کہ وہ خود بھی تعلیمات نبوت سے بھاگتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ ان کی بات نہ سنو حالانکہ اللہ کریم نے قرآن حکیم انسانوں کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا ضامن بنا کر اپنے حبیب ﷺ پر نازل فرمایا ہے اس میں انسانی زندگی کا پورا نظام ہے کہ ایک ایک فرد سے لے کر معاشرے تک عقیدہ و نظریہ کیا ہوگا؟ ذاتی، خاندانی، گھریلو، ملکی اور قومی زندگی میں اس کا کردار کیا ہوگا یعنی پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کے معاملات کرنے کے اصول، قواعد و ضوابط قرآن حکیم نے بتا دیئے اور نبی کریم ﷺ نے ان پر عمل پیرا ہو کر بہترین عملی نمونہ فراہم فرما دیا اور یہ ایک مشکل ترین

کام تھا۔ صحرائے عرب میں بیٹھ کر روئے زمین کی تمام انسانیت کے لئے، تمام اقوام کے لئے، تمام خطوں کے لئے ایسا لائحہ عمل عطا فرما دیا جو مختلف مزاجوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں، مختلف علاقوں میں رہنے والوں کے لئے یکساں قابل عمل اور مفید ہو۔ یہ کام صرف اللہ کا ہے اور اس کا بہترین عملی نمونہ صرف ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

تعلیماتِ نبوت سے بھاگنے والوں کا انجام:

قرآن حکیم تو مشرکین کی روش اور ان کا انجام سنا رہا ہے لیکن اس کا مقصد تاریخی قصے بیان کرنا نہیں ہے بلکہ بطور مثال بیان کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے عقائد و اعمال کیا تھے اور اس پر کیا نتائج مرتب ہوئے؟ کس طرح وہ دنیا میں تباہ ہوئے اور آخرت کے عذابوں کو اپنا مقدر بنالیا۔ آج وطن عزیز الحمدللہ مسلمانوں کا ملک ہے اکثریت مسلمانوں کی ہے تو پھر دن بھر ٹیلی وژن پر کس طرح کے پروگرام آتے ہیں۔ اخبار ورسائل کس مواد سے بھرے ہوئے ہیں۔ شہروں، محلوں اور بازاروں میں کیا کیا ہوتا ہے؟ کوئی پرواہ نہیں کرتا جو کچھ ہوتا ہے ہوتا رہتا ہے لیکن جب دین کی بات آتی ہے سنت خیر الانام ﷺ کی بات آتی ہے اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی بات آتی ہے تو ہر شخص کو اعتراضات سوجھتے ہیں کوئی یہ اعتراض نہیں کرتا کہ غیر اخلاقی، غیر معیاری پروگرام کیوں دکھائے جاتے ہیں؟ مہنگائی اور لوٹ مار کیوں ہوتی ہے؟ ان باتوں پر سب گزارا کر لیتے ہیں لیکن دین پر عمل کرنے کی اہمیت بیان کی جائے تو لوگ نہ صرف یہ کہ خود دین پر عمل نہیں کرنا چاہتے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ ایسا کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس روش پر چلنے والے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا؟ انہوں نے کیا پایا؟ اور آج کلمہ پڑھنے کے باوجود جو ایسا کرتا ہے وہ کیا پائے گا؟ فرمایا **وَاِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** انہوں نے خود کو ہلاک کر لیا۔ جو بھی ایسا کرے گا اسے یہی نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ دین کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ آج کے رسوم پرستی کرنے والے کلمہ گو کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ جو بدعات و رسومات اور خرافات پر سرمایہ لگاتے ہیں لوگوں کو اس پر مائل کرتے ہیں اور انہیں بھی بدعات میں شریک کرتے ہیں۔ یہ بھی دین حق سے روکنے کا ایک طریقہ ہے۔ نہ خود سنت پر عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو سنت پر چلنے دیتے ہیں بلکہ رسومات و بدعات کو رواج دینے میں مستعد رہتے ہیں تو فرمایا: یہ لوگ جو دین پر اعتراض کرتے ہیں، خود بھی عمل نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں تو یہ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ اس طرح کر کے دین کا کچھ بگاڑ سکیں گے؟ ہرگز نہیں یہ دین کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے البتہ اس کا وبال ان پر ضرور آئے گا اور یہ اپنے آپ کو تباہ

کرلیں گے۔ اللہ کا دین ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ دین حق پر عمل کرنے والے بھی ہمیشہ رہیں گے۔ جب تک دنیا قائم ہے اس دین پر عمل ہوتا رہے گا اور جس دن اس دین پر عمل کرنے والا کوئی نہیں رہے گا اس دن زمین وآسمان پھٹ جائیں گے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا قیامت قائم ہو جائے گی۔

وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَى النَّارِ اے مخاطب! تو انہیں دیکھے گا جب یہ آگ کے سامنے کھڑے ہوں گے جب انہیں دوزخ کے کنارے کھڑا کیا جائے اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ وہ کیا کرتے رہے۔ اس وقت ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوگی **یٰلَيۡتَنَا نُرَدُّ** اے کاش ہمیں یہاں سے واپس دنیا میں بھیج دیا جائے **وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۷﴾** اور ہم ثابت کردیں کہ ہم ایمان والے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں دنیا میں تو انہوں نے اپنے اوپر غلاف اور خول چڑھا رکھے تھے کوئی علامہ کہلواتا تھا کوئی ملک وغیرہ خود کو بڑا پارسا ثابت کرتے تھے جبکہ نہ عقائد درست تھے نہ اعمال۔

بَلۡ بَدَا لَهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُخۡفُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ﴿۲۸﴾

لیکن میدان حشر تو ایسا ہے کہ اندر کی چیز باہر آ گئی۔ جو کچھ دنیا میں چھپاتے تھے وہ سامنے آ گیا۔ اللہ پاک خبر دے رہے ہیں کہ اگر آج انہیں دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر دنیا میں بھیج دیا جائے تو یہ پھر وہی کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔

''میدانِ حشر سے لوٹا بھی دیا جائے تو یہ برائی ہی کریں گے'' کیوں؟

علماء حق لکھتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب وہ دوزخ کے سامنے کھڑے ہوں گے پھر دوزخ کو بھڑکتا ہوا دیکھیں گے۔ انہیں افسوس ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں عمر ضائع کردی۔ اللہ کی اطاعت کی ہوتی تو اس حال کو نہ پہنچتے۔ وہ کہیں گے کاش! ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تو ہم پکے مومن ثابت ہوں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر انہیں لوٹا بھی دیا جائے تو یہ صرف برائی ہی کریں گے۔ حیرانی کی بات ہے پھر یہ برائی کیوں کریں گے؟ علماء فرماتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنے دل سیاہ اور زنگ آلود کردیئے تھے۔ اب یہاں سے لوٹا بھی دیئے جائیں تو جب یہ واپس جائیں گے تو ان کے ساتھ ان کے یہی زنگ آلود دل بھی جائیں گے اور ایسے دلوں کے حامل لوگ پھر وہی کچھ کریں گے۔ اب تو یہ دار جزا پہنچ گئے ہیں یہاں تو دار عمل نہیں ہے کہ ان کے قلوب صاف ہو جائیں لہٰذا بالفرض یہ واپس دار دنیا میں جائیں تو اپنے قلوب کی سختی اور سیاہی کے سبب یہی کچھ کریں گے۔ علماء فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر ایک دل ہے جو دھڑکتا ہے اور پورے بدن کو خون بھیجتا ہے۔

اس کے اندر ایک لطیفہ ربانی ہے جو عالم امر سے ہے جب اس میں نور ایمان آتا ہے تو روح کو حیات ملتی ہے۔ جب بندہ کفر و شرک کرتا ہے تو جسم روح کی قبر بن جاتا ہے۔ روح مردہ ہو جاتی ہے۔ فرمایا: انہوں نے دنیا میں اپنے قلوب کو اتنا تباہ کیا، اتنا زنگ آلود کیا، اتنا خراب کیا کہ اب جس جگہ یہ آئے ہیں یہ دار جزا ہے۔ اگر کوئی دل بگاڑ کر لے آئے تو یہاں دل کی اصلاح نہیں ہو سکتی یہ وہیں ممکن تھا جب یہ دنیا یعنی دار العمل میں تھے۔ یہ وہیں توبہ کر لیتے۔ رجوع الی اللہ کرتے۔ کسی سے اللہ اللہ سیکھتے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے۔ برکات نبوی کو پاتے۔ ان کے دل پھر زندہ ہو جاتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور آج یہ دوزخ کو دیکھ کر جھوٹ بول رہے ہیں۔ جس بندے نے محمد رسول اللہ ﷺ کے بتانے پہ یقین نہیں کیا وہ اپنے دیکھنے سے بھی یقین نہیں کرے گا۔ دار دنیا کی مہلت اسی لئے تھی کہ یہ اپنے نبی کریم ﷺ کے بتانے پر یقین کرتے۔ اپنے قلوب کی اصلاح کرتے انہیں روشن کرتے۔ برکات نبوی ﷺ سے ان میں اللہ کا نور آتا ان کی سوچ سدھرتی ان کا ضمیر سدھرتا جس کے نتیجے میں ان کا کردار سدھر جاتا۔ یہ اللہ کے نیک بندے ہوتے، اللہ کی اطاعت کرتے، رزق حلال کھاتے، سچ بولتے، انصاف کرتے، یہ سب کچھ ان سے کیوں نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ ان کے دل تباہ ہو گئے۔ انہوں نے کفر کیا پھر دین کی مخالفت شروع کر دی۔ کفر خود بڑی مصیبت ہے یعنی نہ ماننا لیکن یہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے دوسروں کو بھی دین سے روکنے لگ گئے کہ چھوڑو یہ فضول ہے، سنی سنائی باتیں ہیں، کب مردے زندہ ہوں گے؟ کیا ہوگا؟ آخرت میں دیکھا جائے گا جب جائیں گے تو دیکھ لیں گے۔

فرمایا یہ یہاں جھوٹ بول رہے ہیں اور یہ گواہی کسی انسان کی نہیں۔ کسی فرشتے کی نہیں ہے خود رب العالمین فرما رہے ہیں کہ جب کوئی دل کو تباہ کر لیتا ہے اور مرتے دم تک اس کی اصلاح نہیں کرتا تو پھر مرنے کے بعد بھی اصلاح نہیں ہوتی پھر اسے ہمیشہ ہمیشہ اسی برائی کو بھگتنا پڑے گا۔

ہم سب کے پاس تھوڑا سا وقت ہے۔ اگرچہ لمبا محسوس ہوتا ہے۔ آج کسی سے کہیں کہ قرض دے دو بیس سال بعد واپس کریں گے تو وہ شخص سوچتا رہ جائے گا کہ اس شخص کا واپس دینے کا ارادہ نہیں۔ وہ بیس سال بہت لمبے لگتے ہیں لیکن ہم جو ساٹھ ستر سال زندگی گزار دیتے ہیں اپنے پیچھے دیکھیں تو کل کی بات لگتی ہے۔ یوم حشر میں جب پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے تو وہ عرض کریں گے يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ المومنون: 113 ہم ایک دن رہے یا دن میں سے بھی کچھ کم عرصہ وہاں رہے۔ جنہیں گنتی آتی ہے ان سے پوچھ لیجئے ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا میں گئے اور پھر آ گئے۔ زندگی کا وقت یوں گزر جاتا ہے۔ جب گزر جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہاتھ سے نکل گیا لیکن اُخروی زندگی کبھی ختم ہونے والی

نہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک صدی یا پچاس سال کی کیا حیثیت ہے۔ اس عمر کا بھی کچھ حصہ بلوغت سے پہلے کا ہے کچھ بڑھاپے کا، درمیان میں بھی جو بچتا ہے اس میں سے آدھا وقت نیند کی نذر ہو جاتا ہے جو چند سال میدانِ عمل میں گزرتے ہیں۔ ان چند سالوں میں بھی ہم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانیں جبکہ اسلام کے دیئے ہوئے ضابطے دنیوی اعتبار سے مفید بھی ہیں اور آسان بھی ہیں اور ان پر عمل کرنا اللہ کی عبادت قرار دے دیا ہے۔ لیکن یہ منکرین ایسے خسارے میں رہنے والے لوگ ہیں کہ انہوں نے اپنے دل تباہ کر لئے خود تو ایمان سے بے بہرہ تھے ہی پھر انہوں نے دوسروں کو بھی منع کیا لہٰذا جب دل تباہ ہو جائے تو پھر قبر سے بھی اٹھ کر کوئی آجائے تو اس کی اصلاح نہیں ہوتی۔

دنیا میں یہ کہتے تھے **وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾** بس یہی زندگی ہے عیش کر لو۔ پھر مر کر ختم ہو جانا ہے۔ بھلا جو مر گئے مٹی میں مل کر مٹی بن گئے۔ کوئی آگ میں جل گیا، کوئی سمندر میں ڈوب گیا، کسی کے ذرات بکھر گئے تو کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے؟ یہ ایسے جاہل ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ نے انسان کی پیدائش اس کی غذا اور اس کا سونپا جانا اسی زمین کو بنایا ہے۔ اسی زمین میں ہر انسان کے ذرات مختلف غذاؤں، پھلوں، اجناس اور دوائی کی صورت بکھرے پڑے ہیں۔ کہیں سے دودھ آتا ہے کہیں سے غذائی اجناس کہیں سے پھل سبزی تو کہاں کہاں سے یہ چیزیں اکٹھی ہو کر انسان کے وجود کے اجزاء بن جاتی ہیں۔ اسی طرح قیامت کو خاک میں منتشر اجزاء کو اللہ تعالیٰ دوبارہ اکٹھا فرمائیں گے۔ جیسے اس قادر نے پہلے بنایا وہی دوبارہ جمع کرنے پر قادر ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ یہ بات تو اس وقت پتہ چلے گی جب پروردگار عالم کے روبرو پیش ہوں گے تو سوال کیا جائے گا کہ کیا یہ سارا سچ نہیں تھا؟ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں پہنچایا وہ مبنی برحق تھا۔ دوبارہ زندہ ہونا، حساب کتاب ہونا، نیکی اور ایمان کا اجر ملنا، برائی کی سزا ملنا یہ سب تمہیں افسانہ لگتا تھا۔ کیا یہ سب سچ نہیں ہے؟ تو وہ کہیں گے اے پروردگار! تیری قسم یہ سب سچ ہے تو پھر ارشاد ہوگا اب عذاب دوزخ کے مزے لو اس لئے کہ دنیا میں تم نے میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اور میرے احکام کا انکار کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والوں پر اللہ نے رحمتیں لٹا دی ہیں:

اس چند روزہ زندگی میں جو ایمان کے تعلق کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہوگا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نصیب ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جیت گئے۔ اور جس بدنصیب نے اپنا یہ تعلق

آپ ﷺ سے نہ بنایا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا۔

ہماری زندگی کے لمحات اتنے قیمتی ہیں لیکن ہماری ترجیحات اس کے مطابق نہیں ہیں۔ جس چیز کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اس کے لئے ہم پورا وقت صرف کر دیتے ہیں اور جس چیز کی ذمہ داری ہماری ہے اس کے لئے وقت نہیں نکالتے۔ حالانکہ اللہ کریم نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ تمہارے کردار پر قیامت کو تمہارا فیصلہ ہوگا۔ ہم اسباب زندگی کے لئے تگ و دو کرنے میں سارا وقت صرف کر دیتے ہیں جبکہ رزق کا ذمہ اللہ نے خود لے رکھا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ رزق حلال کمائیں لیکن اس طرح کاروبار ملازمت، مزدوری کریں جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے طریقہ سکھایا ہے۔ اگر ہم اسے اللہ کا حکم اور نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق کریں تو صرف صلوٰۃ، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی نہیں مسلمان کے تمام اُمور دنیا اور معاملات دنیا کا ہر کام اللہ کی عبادت بن جاتا ہے۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا مومن اہل وعیال پر جو خرچ کرتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کی گئی کہ اہل وعیال کے اخراجات کی ذمہ داری تو ویسے ہی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا ہی تو عبادت ہے۔ اللہ نے اس کے ذمے کر دیا۔ اب وہ کرتا ہے تو عبادت شمار ہوتا ہے۔ حلال کماتا ہے، جائز طریقے سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کی عبادت شمار ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ مومن کا سونا بھی عبادت ہے۔ ایک ارشاد پاک ﷺ کا مفہوم ہے کہ جو شخص عشاء کی صلوٰۃ باجماعت ادا کر کے سو گیا اور فجر باجماعت پڑھی تو اس کا رات کا سونا عبادت شمار ہوگا گویا کہ وہ رات بھر اللہ کی عبادت کرتا رہا۔ اگر رحمت الٰہی کا یہ پہلو دیکھا جائے تو حضور اکرم ﷺ کے اتباع پر پروردگار عالم نے اتنی رحمتیں لٹائی ہیں کہ شمار نہیں کی جاسکتیں۔

موت کی تیاری کیسے کریں؟

ہمیں ان رحمتوں کو دنیا کی اسی مہلت میں سمیٹنا ہے۔ ہمارے پاس کوئی ضمانت نہیں کہ ہم کتنے سال زندہ رہیں گے۔ کیا ہمیں موت کی تیاری نہیں کر لینی چاہیے؟ موت کی تیاری کے لئے حرام سے بچیں۔ جھوٹ سے بچیں۔ کسی کا نقصان کرنے سے بچیں۔ کسی کو تکلیف دینے سے بچیں۔ اللہ پر ایمان مستحکم کریں۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنا تعلق استوار کریں۔ ایک ایک کام حضور اکرم ﷺ سے پوچھ کر کریں۔ یہ کر لیا تو زندگی کا مزا آجائے گا اور آخرت خود بخود سنورتی جائے گی۔ دین پر عمل کرنے سے بندہ دنیا میں زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور موت میں بھی مزے لیتا ہے اور اُخروی زندگی میں بھی اللہ کی رحمت اور اس کا کرم پاتا ہے۔ لہٰذا دنیا کی عارضی، وقتی اور لمحاتی لذتوں میں کھو کر آخرت کو نہ بھلائیں۔

سورۃ الانعام رکوع 4 آیات 31 تا 41

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ
يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ
۝۳۱ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ
لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ
قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ
نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ
اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي
السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى
الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ
الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ
يُرْجَعُوْنَ ۝۳۶ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ

إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى أَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَإِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَأْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

بیشک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعتہً آ پہنچے گا تو کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارہ میں ہوئی اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے، خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو وہ لادیں گے ﴿۳۱﴾ اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے اور پچھلا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو ﴿۳۲﴾ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی

بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں ﴿۳۴﴾ اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو ایسا کرو اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہِ راست پر جمع کر دیتا سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے ﴿۳۵﴾ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائیں گے پھر وہ سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے ﴿۳۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں کیا گیا ان کے رب کی طرف سے آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بیشک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرمائیں لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں ﴿۳۷﴾ اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے دفتر لوح محفوظ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی سب کچھ لکھ لیا ہے پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے ﴿۳۸﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو بہرے اور گونگے ہو رہے ہیں طرح طرح کی ظلمتوں میں ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے راہ کر دیں اور وہ جس کو چاہیں سیدھی راہ پر لگا دیں ﴿۳۹﴾ آپ کہیے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟ ﴿۴۰﴾ بلکہ خاص اسی کو پکارنے لگو پھر جس کے لئے تم پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول جاؤ ﴿۴۱﴾

خلاصۂ رکوع

یقیناً وہ لوگ خسارے میں پڑے جنہوں نے اللہ کے ایک ہونے کا یقین نہیں کیا یہاں تک کہ ان پر

قیامت اچانک قائم ہوگی۔ تب وہ پکار اٹھیں گے کہ افسوس ہمیں یہ وقت یاد ہی نہ آیا۔ ہم نے اسے بھلائے رکھا۔ اس سے لاپرواہی کی انہیں اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھانا پڑے گا۔ دنیا کی زندگی تو بس ایک کھیل تماشہ ہے اور آخرت بہترین زندگی ہے ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ کیا لوگوں میں اتنی عقل بھی نہیں! ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتیں آپ کو بہت دکھی کرتی ہیں لیکن آپ یہ بھی خیال فرمائیں کہ یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ایسے ظالم ہیں کہ اللہ کریم کی آیات کا انکار کرتے ہیں جانتے ہیں کہ برحق ہے لیکن انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں مانتے نہیں۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آپ سے پہلے بھی جو رسولؑ آئے ان کے ساتھ اس طرح کا سلوک ہوا اور انہوں نے صبر کیا اس بات پر کہ ان کی تکذیب کی گئی انہیں تکلیف دی گئی، ایذا پہنچائی گئی۔ بالآخر اللہ کی مدد آئی اور وہ غالب ہوئے اور کفار خائب و خاسر ہوئے۔ اللہ کے فیصلوں کو کوئی نہیں بدل سکتا اور آپ کو ہم نے پہلے رسولوں کی باتیں پہنچائی ہیں۔ اور اگر ان لوگوں کا اعراض اور روگردانی آپ پر گراں گزرتی ہے اور یہ آپ سے مختلف مطالبے کرتے ہیں تو اگر آپ کر سکتے ہیں تو ان کے لئے زمین میں ایک سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر کوئی نشانی لے آیئے۔ جس معجزے کا یہ مطالبہ کرتے ہیں وہ پورا کیجئے۔ اور یہ بات طے ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا لہٰذا آپ اس معاملے میں سادگی اختیار مت کیجئے۔ یہ ایسی بات ہے جو آپ کی شان سے مطابقت نہیں رکھتی۔ یقیناً حق کو تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو دل سے توجہ سے اور غور سے سنتے ہیں جو سننا ہی گوارا نہ کریں وہ مانیں گے کیسے؟ اور یہ بات یقینی ہے کہ مرنے کے بعد تمام مرنے والوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے اور سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ جو اللہ کے احکام کا انکار کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی گونگا، بہرہ ہو اور سخت تاریکی میں ہو۔ اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔ جس کی اللہ سے بگڑ جائے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اللہ اُسے ہدایت نہیں دیتا۔ اور جو دل سے ہدایت کا طالب ہو اللہ اُسے سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتا ہے۔ ان سے فرما دیجئے کہ تم پر اگر اللہ کا عذاب آجائے یا اچانک قیامت آجائے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی مدد کر سکتا ہے تو پھر ایسے وقت میں اس کو کیوں نہیں پکارتے؟ جب مصیبت آتی ہے یا عذاب آجاتا ہے تو پھر تمہیں سب کچھ بھول جاتا ہے پھر تم صرف اللہ کو پکارتے ہو اور جسے تم پکارتے ہو اگر وہ چاہے تو تم پر سے مصیبت دور کر دے لیکن جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے خود ان کو بھول جاتے ہو۔

تفسیر ومعارف

اصلاح کردار کی بنیاد خوف آخرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متعدد مرتبہ عقائد وایمانیات کا ذکر کرتے ہوئے عقیدہ آخرت کی تفصیل بتائی گئی ہے لیکن سورۃ البقرہ کے ابتداء میں انسان کی فلاح کے لئے علیحدہ سے یقین آخرت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اتنا ضروری موضوع ہے کہ قرآن حکیم نے اُلگ سے اس کی تعیین فرمائی کہ تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن آخرت پر یقین سب سے پہلے درکار ہے۔ آخرت پر یقین ہوگا تو دنیا میں رہتے بستے ہوئے آخرت کے لئے کام کروگے۔ آخرت پر یقین نہ ہو تو پھر اس کے لئے عمل کون کرے؟

حقیقی خسارہ آخرت کا نقصان:

انسان بنیادی طور پر ساری زندگی نقصان اور خسارے سے بچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس کے ذاتی امور ہوں، خاندانی ہوں یا کاروباری ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ گھر میں بھی کامیاب رہے اور اپنے کاروبار، ملازمت یا مزدوری میں بھی اسے نفع ملے۔ نقصان نہ ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں خالق کائنات کے ساتھ معاملہ کھرا رکھنا زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دنیا بنانے والے سے پوچھ کر اس کی دنیا کی نعمتیں استعمال کی جائیں۔ خالق کائنات نے اتنی بڑی اور خوبصورت کائنات بنی نوع انسان کے لئے تخلیق فرمائی اپنی ہر مخلوق کو خواہ وہ آسمانوں میں ہے یا زمین میں سب کو انسان کی خدمت پر لگا دیا، زمین کے سینے پر ایستادہ پہاڑ، پھیلے ہوئے وسیع جنگلات، سورج اور تمام ستارے، سیارے، معدنیات، نباتات اور حیوان ہر ایک کا مقصد حیات انسان کی خدمت بنا دیا۔ کائنات کی قوتیں اس کے لئے مسخر کر دیں۔ اسے زندگی جیسی نعمت دی اور فیصلہ کرنے کی قوت دی اور فرمایا میں نے یہ سب کچھ تمہارے لئے بنایا ہے۔ تم ایک معین عرصے کے لئے انہیں استعمال کروگے لیکن اس طرح جس طرح میں نے اس کا طریقِ استعمال بتایا ہے۔ کچھ حدود و قیود مقرر فرمائی ہیں۔ ان قواعد وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے فائدہ اٹھاؤ گے تو تمہیں دنیا میں ہر سکھ ملے گا اور تمہاری آخرت سنور جائے گی لیکن لوگ اتنے لاپرواہ، غیر ذمہ دار اور کم فہم نکلے کہ انہوں نے اس بات پر اعتبار ہی نہ کیا کہ وہ پھر دوبارہ زندہ ہوں گے اور اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

فرمایا انسان ساری زندگی خسارے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن حقیقی خسارے میں وہ ہے جسے

آخرت میں اللہ کے حضور پیش ہونے کا یقین نہیں ہے اور اگر یقین آ جائے حضور ﷺ اللہ کے عطا کردہ تمام اطوار زندگی آسان اور مفید ہیں۔ اس پر چل کر دنیا کا آرام اور آخرت کی کامیابی یقینی ہے۔

ایک سوال:

ہمارے ہاں بالخصوص آج کے دور میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ مغربی ممالک تو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ ان کے معاشرے میں ہر کام سلیقے اور ترقی سے ہوتا رہتا ہے۔

اس کا جواب بہت سادہ ہے وہ یہ کہ اگر نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین سے اسلامی اصول لے کر کافر اپنے معاشرے میں رائج کرے تو اسے دنیاوی فائدہ ضرور ہوگا۔

دنیا دار العمل ہے یہاں پر ہر عمل کے دو نتائج ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ ایک نتیجہ اسی دنیا میں مرتب ہوتا ہے اور دوسرا نتیجہ آخرت میں مرتب ہوگا۔ مثلاً اچھی غذا یا ٹھنڈا پانی کافر استعمال کرے تو اس کا فوری فائدہ اسے بھی ملتا ہے۔ صحت اچھی ہوتی ہے اور پانی سے پیاس بجھتی ہے۔ مومن جب اچھی غذا کھائے تو وہ اسے اللہ کی نعمت سمجھ کر کھاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق کھاتا پیتا ہے کھانے پینے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ تو مومن کو بھی دنیاوی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن جب حساب ہوگا تو مومن انعام کا مستحق ہوگا کہ اس نے دنیا میں یہ نعمتیں استعمال کرتے ہوئے اللہ کو یاد رکھا اللہ کے نبی کریم ﷺ کے طریقے کو یاد رکھا تھا۔ کافر نے اللہ کی نعمتیں استعمال کرتے ہوئے اللہ کو یاد نہیں رکھا۔ اور ان نعمتوں کا حصول اپنے دست و بازو کا کمال سمجھا۔ اس پر باز پرس ہوگی۔ اسلامی اصول اپنا کر کافر کو دنیاوی فائدہ تو ہوگا لیکن آخرت میں محروم ہی رہے گا۔

دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جن مغربی اقوام کے ترقی یافتہ ہونے کی مثالیں دی جاتی ہیں وہ قومیں اس زمانے میں کہاں تھیں جب ظہور اسلام ہوا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے ہر کام کرنے کے طریقے تعلیم فرمائے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت یہ مغربی اقوام غاروں میں رہتی تھیں۔ انہیں گھر بنانا نہیں آتا تھا۔ اور اس وقت کا مغرب بعید جو بعد میں امریکہ کہلایا وہ انتہائی وحشی لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ جن پر قوم کا اطلاق نہیں ہوسکتا، جنہیں وحشی لوگوں کا ایک انبوہ یا ہجوم تو کہہ سکتے ہیں قوم نہیں۔ اس لئے کہ ان کے پاس کوئی نظام حیات نہیں تھا۔ قتل و غارت گری ان کا پیشہ تھا۔ عین اس وقت جب آج کے امریکہ اور یورپ اس حال میں تھے عرب کے صحرا نشینوں کے خیموں سے ایک طرز حیات، ایک نظریہ، عقیدہ اٹھا اور روئے زمین میں اور وقت کی معلوم دنیا

پر چھا گیا۔ حیرت ہے کہ اتنی جلدی لوگوں نے اسے کیسے قبول کر لیا؟ اس لئے کہ یہ طرز حیات اس ہستی کا عطا کردہ ہے جو انسانوں کی خالق ہے۔ اس نے انسانوں کے فائدے اور بہتری کے لئے اتنا آسان اور مہذب طرز حیات عطا کیا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ بہت بعد میں مغربی اقوام نے مسلمانوں کے طرز حیات پر تحقیق کی اور انہوں نے وہ اصول ڈھونڈ نکالے جس سے مسلمان روئے زمین پر کامیاب تھے۔ ان قوموں نے پھر وہ شعار اپنے کاروبار، طرز سیاست اور طرز عدالت میں اپنائے کہ آج ہم مسلمان ان کی عدالتوں کی مثال دیتے ہیں۔ کاروبار میں دیانتداری نے انہیں ترقی یافتہ بنا دیا ہے۔ تعلیم کے میدان میں اسلامی اصول اپنائے ان کے ہاں تعلیم غیر طبقاتی ہے۔ ہر ایک کی رسائی میں ہے۔ اپنی زبان میں دی جاتی ہے۔ محنت کرنے والوں کے لئے میدان کھلا ہے۔ سائنسی ترقی پر ملکی سرمایہ بہترین انداز سے خرچ کیا جاتا ہے تو نتائج بھی سب کے سامنے ہیں۔ جب دنیاوی امور میں وہ لوگ اسلامی اصول اپنائیں گے تو ان کو دنیاوی فائدہ تو ہوگا اور جن شعبوں میں انہوں نے اسلامی اصول نہیں اپنائے وہاں وہ آج بھی نہایت پسماندہ حالت میں ہیں۔ معیشت میں انہوں نے اسلام کی مخالفت میں سود کو جاری رکھا۔ پورا مغرب سود پر چل رہا ہے تو کیا سود سے ان کی معیشت مضبوط ہوئی یا تباہ ہوئی؟ انہی ترقی یافتہ اقوام کے عوام آج بھی امریکہ اور یورپ میں پلوں کے نیچے راتیں بسر کرتے ہیں۔ سودی معیشت نے معاشرے میں عدم توازن پیدا کر دیا ہے۔ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی معاشرے میں کثیر تعداد صبح کوڑے کے ڈرموں سے بچا کھچا کھانا اور شراب کے استعمال شدہ ڈبوں سے قطرہ قطرہ نکالتے دکھائی دیتے ہیں، اور اسی معاشرے میں ایسے امراء ہیں جن کے اپنے جہاز ہیں، متعدد گاڑیاں ہیں اور ان کے ذاتی اخراجات اسراف کی حدوں کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آج ان کے معاشی ماہرین اس تگ و دو میں ہیں کہ کسی طرح اس سودی شکنجے سے باہر آئیں اور اسلامی نظام زکوٰۃ کی خوشہ چینی کر کے اپنی زندگی آسان بنائیں۔ اگر وہ زکوٰۃ نافذ کر لیں گے تو ان کے معاشرے کی یہ تفریق مٹ جائے گی۔ اسی طرح مرد و عورت کے تعلقات کے بارے اہل مغرب نے اسلام کی پیروی نہیں کی تو آج ان کا خاندانی نظام بالکل ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ ماں کہیں دھکے کھاتی پھر رہی ہے اولاد کہیں اور مشغول ہے۔ بیوی کہیں ہے اور خاوند کہیں اور۔ ان میں نہ رشتے باقی ہیں نہ رشتے کا احترام۔ یعنی جہاں بھی انہوں نے اسلام کے طریقوں کو چھوڑا وہاں وہ ذلیل و رسوا ہیں۔

ہم اس لئے پسماندہ ہیں کہ ہم نے کفار سے بڑھ کر گستاخی کی جسارت کی ہے۔ کفار نے جو کیا یہ کہہ کر

کیا کہ ہم اسلام کے اصول اپنی معاشرتی اور معاشی زندگی میں نہیں اپناتے۔ ہمارے اپنے اصول ہیں ہم اپنی پسند سے کرتے ہیں۔ اور ہم مسلمانوں نے اسلام کے نام پر اپنی مرضی کی رسومات بنا کر انہیں اسلام کا نام دے دیا ہے اس لئے ہمارے ہاں بچے کی پیدائش سے لے کر میت کے دفن تک تمام سنتیں معدوم ہوتی جا رہی ہیں اور رسومات کا طومار بندھا ہوا ہے جس نے ہر ایک کی زندگی مشکل بنا رکھی ہے۔ بظاہر یہ باتیں چھوٹی لگتی ہیں لیکن اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت بڑی ہوتی ہیں۔ جب ہم خلاف اسلام چھوٹی باتوں کا جواز پیدا کرتے ہیں تو بڑی باتوں کو بھی روکنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ جہاں سوراخ کر دیا جائے وہاں سے گزرنے والا سیمنٹ اینٹ اکھیڑتا رہتا ہے تو وہ بڑا دروازہ بھی بن جاتا ہے۔ ہم نے اسلام کے نام پر بے راہ روی کو اپنا کر اسے ثواب اور عبادت قرار دے دیا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب ہم مسلمان ہونے کے دعویدار تھے تو پھر اتباع رسالت چھوڑنے کا تو کوئی مفہوم ہی نہیں بنتا۔ مسلمانی تو اس بات کا نام ہے کہ بندے کے اپنے اختیارات ختم ہو گئے اسے وہ کرنا ہے جو اسے محمد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔ پھر جہاں ہم سے غلطی ہوئی اور ہم نے اتباع نبی کریم ﷺ چھوڑ دیا تو کم از کم پھر ہمیں یہ یقین تو رہتا کہ درست تو وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اور ہم آپ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے ظلم کر رہے ہیں لیکن ہم نے تو اتباع رسالت کے بجائے بدعات کو پسند کر کے رائج کر رکھا ہے۔ تو اللہ کے تازیانے بھی سخت ہیں۔ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہم اس کی سزا کیسے پا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اعمالکم عمالکم جیسا تمہارا کردار ہوگا ویسے لوگ تم پر حکمران ہوں گے لہٰذا اگر ہمیں اچھی حکومت چاہیے۔ عادل اور انصاف پسند حکمران چاہییں تو ہمیں خود عدل اپنانا ہوگا لیکن ہمارا عجیب مزاج بن چکا ہے۔ والدین چاہتے ہیں کہ بچے سدھر جائیں ان کی آرزو ہوتی ہے کہ بچے نیک ہو جائیں لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ بچے نے تو آپ کو ماڈل بنایا ہوا ہے، آپ کو دیکھتا ہے آپ سے سیکھتا ہے، آپ نہیں سدھریں گے تو بچہ کب سدھرے گا؟ جسے آپ غلطی سمجھ کر کرتے ہیں بچہ تو اسے عبادت سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ میرے تو والد ایسا کرتے تھے یہ تو بہت اچھا کام ہے۔ میری ماں یہ کہا کرتی تھی۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ یہ اچھی خواہش ہے کہ بچے سدھریں لیکن اس کے لئے پہلے ہمیں سدھرنا ہوگا۔ یہ بھی اچھی تمنا ہے کہ حکومت اچھی ہو لیکن اس کے لئے ہمیں خود بھی اچھا ہونا پڑے گا۔ افراد سے ہی اقوام بنتی ہیں اور ملک اقوام سے بنتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک وطن عزیز کا ایک حصہ ہے۔ کیا اس ایک وجود کو ہم نے پاک صاف کر لیا ہے؟ کیا یہ جھوٹ نہیں بولتا؟ دھوکہ نہیں دیتا؟ اگر ہم اس ایک وجود کی اصلاح کر لیتے ہیں تو یہ قوم کے ایک فرد کی اصلاح

ہے۔ایک ایک فرد اصلاح پذیر ہو جائے تو معاشرے میں آن واحد میں مثبت تبدیلی واقع ہو جائے گی اور اگر ہم خود تو دھوکہ دیتے رہیں، جھوٹ بولتے رہیں اور چاہیں کہ معاشرہ درست ہو جائے تو یہ ناممکن ہے۔ گندم بوؤ گے تو گندم ہی اُگے گی۔

یہی وہ پیغام ہے جو اس آیہ کریمہ میں دیا جارہا ہے کہ دنیا میں یقین آخرت ہوگا تو عقائد واعمال صالح ہوں گے۔اور جسے یقین آخرت نہیں وہ حقیقی خسارے میں ہے۔فرمایا تو کیا جو یقین آخرت نہیں رکھتے وہ ویسے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے۔نہیں۔جب دنیا کی آنکھ بند ہوگی تو آنکھ کھل جائے گی۔فرمایا **حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً** قیامت اچانک آئے گی۔نافرمانوں پر جب موت آئے گی تو وہ مبہوت رہ جائیں گے۔اپنی زبان سے اقرار کریں گے کہ افسوس جو بات یقینی تھی ہم نے اسے زندگی میں بھلا دیا۔اللہ کی کتاب بتاتی رہی۔اللہ کے نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے رہے۔اللہ کے نیک بندے دن رات ہمیں سناتے رہے اور ہم نے کبھی پرواہ نہ کی لیکن اس وقت سمجھ آبھی گئی تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔وہ وقت تو محاسبے کا ہوگا **وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ** ان کی حالت یہ ہوگی کہ اپنے بوجھ اپنی کمر پر لادر کھے ہوں گے **اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾** یہ بہت بُرا بوجھ ہے جو انہوں نے اٹھایا۔**وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾** دنیا کی زندگی کیا ہے؟ ایک کھیل تماشہ ہے اور آخرت بہترین زندگی ہے کہ اس نے ہمیشہ رہنا ہے۔آخرت کی زندگی کو سنوارنے کے لئے دنیا میں عمل کی مہلت ملتی ہے جو لوگ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین پر زندگیاں بسر کرتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے رشتہ وفا استوار رکھتے ہیں وہی اہل تقویٰ ہیں۔کیا ان میں اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ اتنی سی بات کو سمجھ سکیں۔

دنیا سے کیا مراد ہے؟

دنیا کے لئے محنت کرنا فرض ہے اور اس طرح کرنا جیسے شریعت نے بتایا ہے لیکن دنیا کے لئے جائز و ناجائز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محنت کرنا خسارہ ہے۔دنیا کی مثال تو ایسے ہے جیسے بچے گھروندے بنا کر کھیلتے ہیں۔اس میں کمرے بناتے ہیں۔قلعے بناتے ہیں، شہر بساتے ہیں پھر کھیل ختم کر کے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔اس دنیا کی زندگی کی حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ انسان ساری زندگی تنکہ تنکہ جوڑتا ہے گھر آباد کرتا ہے، اسے سجاتا سنوارتا ہے اور بالآخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا جاتا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بگوئند
نے تماشو تکراو فرزند و زن

کسی کا دولت مند ہونا یا مالدار ہونا دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا یہ ہے کہ اللہ کی عظمت سے غافل ہو کر صرف دنیاوی لالچ میں کھو جائے۔ اللہ کے مقرب بندے حتیٰ کہ انبیاءؑ جتنا عرصہ دنیا میں رہتے ہیں اسی دنیاوی زندگی میں جیتے رہے، اسی دنیا کی غذا اور لباس استعمال فرماتے رہے۔ ازواج مطہرات تھیں، اولاد اور گھر بار تھا۔ انبیاءؑ میں ایسی ہستیاں بھی دنیا میں تشریف لائیں جو ملکوں کے حکمران ہوئے اور مال و دولت اور سلطنت کے ساتھ عظیم الشان حکمران ہوئے۔ ایسے بھی انبیاءؑ تشریف لائے جنہوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا لیکن ان کی بات کسی نے نہیں سنی۔ اس طرح کی مثالیں موجود ہیں لیکن کسی نبیؑ کا کوئی کام کبھی بھی دنیا کے لئے نہیں ہوتا۔ دین ہوتا ہے۔ آپؐ سارے کام دنیا ہی کے کرتے رہے لیکن دنیا کا کام کرنا بھی دین ہو جاتا ہے جب وہ اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے۔

یہی فرق مومن اور کافر کے امور دنیا میں ہوتا ہے۔ مومن اور کافر ایک طرح کے کام کرتے ہیں گھر بسانا، اولاد ہونا، اہل و عیال کی ذمہ داریاں پوری کرنا اور دنیا سے رخصت ہو جانا فرق یہ ہے کہ مومن اللہ پر ایمان رکھتا ہے اپنے کردار کو احکام الٰہی کے تابع کرتا ہے۔ مومن حلال کماتا ہے، حرام سے بچتا ہے، کافر محض دولت کا متمنی ہوتا ہے خواہ وہ ڈاکے سے آئے، چوری سے، رشوت سے، سود سے۔ اسے حلال و حرام سے غرض نہیں۔ مومن کو دولت و آسائش چاہیے لیکن حدود شرعی کے اندر۔ مومن کے ہر کام میں اللہ کی رضا مقدم ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا دنیا کا کام کرنا بھی دین ہوتا ہے۔ دنیا کے لئے محنت کرنا فرض ہے اور حصول دنیا میں عمر ضائع کر دینا خسارہ ہے۔ دنیا میں رزق حلال کمانا، اچھے گھر بنانا، دنیا کی ایجادات سے استفادہ کرنا، دنیا کی سواریاں استعمال کرنا مذموم نہیں ہے لیکن تب جب وہ حدود شرعی میں رہ کر حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق اور دین کے مطابق کرتا ہے اور دین کو چھوڑ کر محض دنیا کی محبت میں حلال و حرام کی تمیز نہ کرنا، دھوکہ دے کر دولت جمع کرنا، ناجائز مال سے جائیدادیں بنانا، عیش و عشرت کرنا یہ کیا ہے؟ یہ دنیا ہے جس کی مذمت کی گئی ہے اور اگر اللہ نے کسی کو دامانِ نبوت سے محروم کر دیا ہے اور وہ محض دنیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو اس کے لئے بہت خسارہ ہے۔ دنیا کی حیثیت یہ ہے جیسے بچے جب کھیل تماشہ کرتے ہیں تو اپنے گھروندے بناتے ہیں جگہیں گھیر کر پتھروں سے نشان لگاتے ہیں کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ تمہارا۔ پھر شام ہوتی ہے تو سب کچھ وہیں

چھوڑ چھاڑ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ وہ یہ پرواہ نہیں کرتے کہ ان گھروندوں کا کیا ہوگا، ان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا وہ انہی پتھر ریت سے کہیں اور گھر بنا کر کھیل لیتے ہیں لیکن دنیا میں آدمی کے پاس ایک ایک سانس انتہائی قیمتی ہے۔ یہ ایک نقدی ہے جو خرچ ہو رہی ہے اور یہ نقدی دوبارہ نہیں ملے گی۔ جو لمحہ بیت گیا وہ بیت گیا۔

اللہ پر اعتماد نہ ہو تو عبادات ایک ڈھونگ ہیں:

بعض لوگ نماز، روزے کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ تہجد گزار اور نوافل پڑھنے میں بھی بہت آگے آگے رہتے ہیں لیکن ان کے ذرائع آمدن حلال نہیں ہوتے ایک بار ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ وہ باقاعدگی سے مسجد میں ادائیگی صلوٰۃ کے لئے آتے۔ نوافل اور روزے کثرت سے کرتے تلاوت وتسبیحات کرتے لیکن رقم بینک میں سود پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ تو اتنی عبادات کرتے ہیں تو پھر سود کیوں لیتے ہیں؟ کہنے لگے بس یہی تو جمع پونجی ہے اگر یہ ختم ہوگئی تو کہاں سے کھائیں گے؟ عرض کی کہ روزی تو اللہ نے دینی ہے کوئی جائز کام کر کے بھی روزی مل سکتی ہے۔ اس لئے جو جائز رقم ہے اسے استعمال کریں پھر دیکھیں اللہ کہاں سے روزی کا سبب بناتا ہے؟ بندے کا کام تو جائز طریقے سے حصول رزق کے لئے محنت کرنا ہے۔ رزق دینے کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہوا ہے۔ کہنے لگے یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اس طرح تو ہر کوئی کہتا ہے۔ مقام حیرت ہے کہ اگر اللہ پر اتنا بھی اعتماد نہ ہو تو پھر اتنی عبادات تو ایک ڈھونگ سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ بس ایک واہمہ ہے کہ لوگ اسے نیک و پارسا سمجھیں گے۔ اگر کوئی شخص اس لئے حرام کھاتا ہے کہ وہ مجبور ہے تو پھر حرام کے جائز ہونے کی یہ کوئی دلیل نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حرام اضطراراً حلال کیا گیا ہے۔ وہ غلط سمجھتے ہیں اضطراراً حرام کھانے سے حرام جائز نہیں ہو جاتا حرام ہی رہتا ہے یعنی مضطر کے لئے اضطراری حالت میں بھی جو حرام کھانے کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حرام کو حرام سمجھ کر صرف اتنا کھائے کہ جان بچ جائے۔ موت ٹل جائے۔ یہ نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے۔ اضطراراً بھی حرام، حلال نہیں ہو جاتا۔ فرمایا دنیا کے لئے محنت کرنا فرض ہے اور دنیا کے لئے عمر ضائع کر دینا خسارہ ہے۔ یہ لمحات زندگی ہمارے پاس ایک نقدی ہے۔ دنیا کی نقدی کا تو بندے کو اتنا خیال ہے کہ رقم ختم نہ ہو جائے لہٰذا سود لیتا رہے اور جو نقدی اس کی مٹھی میں ہے ریت کی طرح گر رہی ہے۔ زندگی کا ہر پل ہاتھ سے نکل رہا ہے، کیا اس نقدی کی بھی کبھی فکر کی ہے؟ اس رقم کے ختم ہونے کا بھی کبھی حساب کیا ہے؟ اگر اس کو آپ دنیا کی غیر ضروری، غیر اہم جگہوں پر خرچ کریں گے تو آخرت میں کیا ہوگا؟ دنیا کی زندگی بہت تھوڑی سی ہے۔ ابدی زندگی کے مقابلے میں ساٹھ ستر سال کچھ بھی

نہیں ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں فرماتے ہیں۔

انسان تو پیدا ہی ابد کے لئے کیا گیا ہے:

انسان ایسی مخلوق ہے جسے اللہ نے پیدا کر کے اس کے لئے دوام لکھ دیا ہے کہ یہ ہمیشہ رہے گی اور میری حمد کرتی رہے گی میں اس پر عنایات کرتا رہوں گا۔ میرا دربار سجا رہے گا۔ میرے بندے میری پاکی بیان کرتے رہیں گے۔ مجھے سجدے کرتے رہیں گے۔ مجھے یاد کرتے رہیں گے، مجھے دلوں میں بساتے رہیں گے۔ میں ان پر اپنے کرم کی، نوازشات کی، رحمت کی بارشیں کرتا رہوں گا۔ علامہ فرماتے ہیں 'اے انسان! تجھے تو پیدا ہی ابد کے لئے کیا گیا ہے۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ بندے پر تجلیات باری نچھاور ہوتی رہیں۔ اسے اللہ سے ہمکلام ہونے کی سعادت نصیب ہو۔ اللہ کا انتہائی کرم ہو بندہ زیارت باری تعالیٰ سے سرفراز ہو۔ یہ ہمت، یہ استعداد، یہ جرأت کسی اور مخلوق میں نہیں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ وہ فرشتے جو احکام الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں وہ بھی جب احکام الٰہی نازل ہوتے ہیں تو شل ہو جاتے ہیں۔ حواس گم ہو جاتے ہیں۔ بڑی دیر بعد ہوش میں آ کر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ یہ جو حکم ہوا ہے وہ حق ہے پھر اس پر عمل کرتے ہیں لیکن کسی میں یہ جرأت نہیں کہ اپنی بات بھی کچھ عرض کریں۔ بس جو حکم ملتا ہے اس کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔ انسان کو اللہ نے ایسا بنایا ہے۔ اسے اختیار دے کر آزادی دی ہے، اسے اپنی معرفت اور پہچان کی استعداد دی ہے کہ وہ جب حشر میں اللہ کے روبرو ہوگا، اسے دیدار باری نصیب ہوگا، وہ اللہ سے ہمکلام ہوگا تو وہ اللہ سے دل کھول کر باتیں کرے گا۔ کہے گا یا اللہ مجھے بخش دے یہ میرا غریب ساتھی ہے۔ اسے بھی بخش دے۔ اللہ پاک ہم سے گناہ ہو گیا تھا پر تیری رحمت تو بہت وسیع ہے۔ جو نابالغ بچے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے وہ کھڑے اللہ سے باتیں کر رہے ہوں گے۔ اے ہمارے پروردگار ہم تو جنتی ہیں لیکن ہمارے ماں باپ سے خطا ہو گئی تو اب انہیں معاف کر دے۔ ہم اپنے والدین کے بغیر جنت میں کیسے رہیں؟

یہ جرأت رندانہ سوائے انسان کے کسی کو نہیں ملی۔ چونکہ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام تھا جس کا تصور کائنات میں کسی مخلوق کے پاس نہیں لہٰذا اس کے ساتھ اللہ نے ایک چھوٹی سی آزمائش رکھ دی۔ کائنات کو خوبصورتیوں سے سجا کر انسان کے سامنے رکھ دیا۔ دنیا تو اللہ کی ایسی بہترین صنعت ہے کہ اللہ نے اس میں اتنی لذتیں، اتنی خوشحالی، اتنی دلفریبی رکھی ہے اور اسے وہ معیار عطا کیا ہے کہ اسے اپنے مقابلے پہ رکھ دیا ہے۔ اسی

میں بندے کی آزمائش ہے۔

رُخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اِدھر جاتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ آتا ہے

پروانے کا یہ امتحان ہے کہ وہ شمع پر نچھاور ہوتا ہے یا ہمارے رخ انور کی طرف آتا ہے۔ دنیا کو اللہ نے شمع بنا دیا ہے اس میں لذت ہے بندہ خواہشات رکھتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ بندہ اس پر نثار ہو جاتا ہے یا جمال باری تعالیٰ کا خواہش مند ہوتا ہے۔

جمالِ باری سے حجاب ہٹاتا ہے کون؟

اللہ کی ذات بہت عظیم ہے۔ جمال باری تعالیٰ تک کسی کا براہ راست ادراک نہیں پہنچتا۔ جمال باری سے حجاب ہٹاتا ہے اللہ کا نبی اور رسول اللہ ﷺ۔ جو نبی کریم ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو جائے اسے اللہ روبرو محسوس ہونے لگ جاتا ہے۔ جسے نظر نہیں دیکھ سکتی وہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے یہ کیسی عجیب بات ہے؟ لیکن حق ہے۔ یہ دیکھنا مادی آنکھ کا دیکھنا نہیں ہے۔ یہ مادی آنکھیں دنیا کو دیکھنے کے لئے دی گئی ہیں اور جب بندہ دنیا سے اگلی دنیا میں چلا جاتا ہے تو اس کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ○ ق:22 تمہاری آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے۔ آج تمہاری نگاہیں بہت تیز ہیں۔ آج تم فرشتوں کو اور جنت و دوزخ کو بھی دیکھ سکتے ہو۔ اور جو خوش نصیب جنت جائیں گے وہ ذات باری کو بھی دیکھ سکیں گے۔

موسیٰ نے اس دار دنیا میں آرزو کی تھی رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ○ الاعراف:143 یا اللہ! میرے سامنے آ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ تیری محبت، تیرے عشق کی تڑپ نے مجھے مجبور کر دیا تو مجھے اپنا جمال دکھا۔ ارشاد باری ہوا قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ اس دنیا میں، ان مادی آنکھوں سے آپ نہیں دیکھ سکتے۔

حدیث شریف میں موجود ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اللہ کو روبرو دیکھے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال:

نبی علیہ السلام کا کمال یہ ہے کہ جو کیفیت آخرت کی ہے اس کا عکس اور پرتو دنیا میں انسان محسوس کرنے لگتا ہے۔ جو لذت جنتیوں کو جنت میں نصیب ہوگی وہ کیفیت اسی جہان میں جنتیوں جیسے اعمال کرنے والوں کے دل و روح میں سرایت کر جاتی ہے۔ اسے اللہ کی فرمانبرداری کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی عبادت میں لطف پاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک محفل میں کسی شخص نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا کہ وہ رات بھرا تنی عبادت کرتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد پڑوسی کے بچے نے اپنے والد سے پوچھا تھا کہ وہ ستون کہاں گیا جو اس گھر کے برآمدے میں ایستادہ تھا۔ اور پڑوسی نے بچے سے کہا کہ وہ ستون نہیں وہ اللہ کے پیارے بندے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو دن بھر کاروبار بھی کرتے اور مسائل فقہ کی تدوین کا کام بھی کرتے تھے اور رات کو یوں کھڑے ہو کر اللہ کو یاد کرتے تھے۔ یہ سن کر وہاں بیٹھے ایک سرکاری افسر نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص روزانہ ہر رات کو اتنی دیر تک کھڑا رہے اور دن بھر کام بھی کرے؟ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا؟ اس نے کہا لاہور۔ میں نے کہا لاہور میں ایک علاقہ ہیرا منڈی کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں کی پیشہ ور عورتیں رات بھر نہیں سوتیں اور تماشبین بھی رات بھر جاگتے ہیں۔ کیوں؟ اس نے کہا کہ پیشہ وروں کو دولت ملتی ہے اور تماشبینوں کو لذت۔ میں نے کہا دولت کی محبت میں بندہ ساری عمر جاگ سکتا ہے تو جس کے دل میں اللہ بستا ہو کیا اسے اتنی لذت بھی نہیں ملتی کہ وہ رات بھر جاگ سکے؟ اگر دنیاوی لذتوں کے حصول میں اتنی کشش ہے تو عشق الٰہی اور جمال باری کی طلب و تڑپ کو کیا کچھ نہیں سمجھتے ہو؟ جسے یہ نصیب ہوتا ہے اس کا آنکھ جھپکنے کو جی کیوں چاہے گا؟ تمہیں سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ ایسے اللہ کے عاشق ہیں ایسے ایسے ولی اللہ ہیں کہ سوتے ہوئے بھی ان کے رگ وپے میں اللہ اللہ ہو رہی ہوتی ہے۔ ان کے وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نیند بھی عبادت شمار ہوتی ہے۔ یہ لوگ کسی لالچ میں نہیں کھڑے رہتے انہیں وہ لذت کھڑا رکھتی ہے جو اللہ کے روبرو ہونے کی کیفیت میں ہے۔ جو اس لذت میں کھڑے ہوتے ہیں وہ نہیں تھکتے۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ جو گانا سننے کا عادی ہو وہ رات بھر گانا سن سکتا ہے، جو فلمیں دیکھنے کا شوقین ہو وہ ساری رات فلمیں دیکھ سکتا ہے۔ جواری، ساری رات جوا کھیل سکتا ہے۔ ڈاکے چوری کا عادی ساری رات اسی کارگزاری کی مشقت میں بھاگتا پھرتا ہے تو جسے اللہ سے عشق ہو وہ اللہ کے لئے نہیں جاگ سکتا؟ لیکن تمہیں کیا پتہ کہ اللہ کی عظمت اور اس کی محبت کی لذت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی برکات کیا ہیں؟ اس لئے کہ تم تو غلام احمد پرویز کے پیروکار ہو اور چونکہ تم مرتد ہو چکے ہو اس لئے یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لذات دنیا میں کھو جائے اور عظمت الٰہی سے ناآشنا رہے، احکام الٰہی کی پرواہ نہ کرے تو پھر اس کی زندگی دنیا ہو جاتی ہے اور دنیا تو کھیل تماشہ ہے۔ چند دن کی شہرت، دولت، عہدہ، اقتدار، خوبصورت گاڑیاں، پرآسائش مکان یہ سب یہیں رہ جائیں گے اور بندہ خالی ہاتھ قبر میں داخل ہوگا۔ فرمایا وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ اصل مزہ تو تب ہے کہ قبر میں جاؤ تو تمہارے پاس زندگی کا سامان ہو، برزخی

زندگی کے لئے آسائشیں ہوں۔ مزہ تو تب ہے کہ آخرت لذت آفریں، خوبصورت اور بہترین ہو لیکن یہ ان لوگوں کے لئے بہترین ہوتی ہے لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ جو دنیا میں تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ سے بنا کر رکھنا تقویٰ ہے۔ اللہ کی عظمت کا دل وجان سے اقرار کرنا۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ پر جان نچھاور کرنا۔ اللہ کی اطاعت کرنا۔ نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنا تقویٰ ہے۔ فرمایا بندے کی زندگی تو آخرت کی ہے جس میں مزہ ہی مزہ ہے۔ کوئی تلخی نہیں ہے۔ دار دنیا کی نعمتیں بھی تلخی لے کر آتی ہیں۔ دنیا کی لذتیں ناپائیدار ہیں اس لئے بظاہر وہ لذتیں ہیں لیکن ان میں درد چھپا ہوا ہے۔ دنیا کی ہر نعمت کے ساتھ رنج وابستہ ہے۔ نعمتوں کے زوال کا خوف، نعمتوں کے چھن جانے کا اندیشہ، نعمتیں ہوں تو بیماریاں گھیر لیتی ہیں نہ پھل کھا سکتے ہیں نہ کوئی اور نعمت۔ کسی سے بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہے کسی سے الرجی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ کیسی نعمتیں ہیں جو ہونے کے باوجود نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ خصوصیت دار دنیا کی نعمتوں کی ہے اور ان کی حیثیت یہ ہے کہ بہترین محل، گاڑیاں، مال و دولت، کنبہ و خاندان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے چلے جانا ہے۔ ہاں ان لوگوں کے لئے دنیاوی نعمتیں ناپائیدار ہوتے ہوئے بھی ناپائیدار نتائج نہیں دیتیں۔ وہ ان نعمتوں کو اللہ کی رضا اللہ کے نبی کریم ﷺ کی پیروی میں استعمال کرتے ہیں اور دنیا سے جاتے ہوئے اپنے ساتھ اللہ کی رضا، اعمال صالحہ لے کر جاتے ہیں۔ نیک اولاد، خاندان صدقہ جاریہ چھوڑ کر جاتے ہیں ان کے لئے آخرت کا گھر خیر ہے۔ آخرت تو متقی لوگوں کے لئے اور وہ سراسر خیر ہے۔ آخرت کی کسی نعمت کے ساتھ کوئی دکھ کوئی رنج وابستہ نہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ کہ آخرت کا آرام و سکون ان کے لئے ہے جو اپنا ناطہ محمد رسول اللہ ﷺ سے استوار کر لیتے ہیں۔ ویسے کرتے ہیں جیسے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں خوش نصیب تو وہ ہیں جو اسی دنیا میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ یہی دال روٹی کھاتے ہیں لیکن آخرت کے لئے جیتے ہیں۔ ان کے لئے اُخروی نعمتیں ہیں جو لذت آفرین ہیں جن کی آسائشیں دائمی ہیں اور جو سراسر خیر ہے۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ فرمایا' اے میرے حبیب ﷺ! میں جانتا ہوں کہ آپ کو ان کافروں کے اقوال مغموم کرتے ہیں۔ آپ کا دل ان کی باتوں سے دکھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا دل اس لئے نہیں دکھتا تھا کہ کافر آپ ﷺ کو ایذا کیوں دیتے ہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کو اس لئے دکھ ہوتا تھا کہ اس طرح کرنے سے یہ لوگ جہنم میں چلے جائیں گے۔ آپ ﷺ کو کافروں کے کفر کرنے کا دکھ تھا۔ آپ ﷺ کو اس بات کا غم تھا کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین مبعوث ہوئے ہیں اور یہ کافر رحمت کو چھوڑ کر جہنم جا رہے ہیں۔ کاش! یہ جہنم جانے سے بچ جائیں۔

شانِ رسالت ﷺ:

نبی کریم ﷺ ساری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے۔ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک آنے والے ہر انسان کے نبی صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ خواہ کسی نے مانا ہے یا نہیں مانا ہر ایک کے لئے اللہ نے اپنا رسول ﷺ مبعوث فرما دیا ہے۔ جو مانتا ہے۔ الحمد للہ اس پر اللہ کا بڑا کرم ہے اور جو نہیں مانتا اس کے پاس کوئی اور نبوت نہیں ہے۔ چونکہ ساری مخلوق حضور اکرم ﷺ کی امت ہے تو حضور اکرم ﷺ کا کرم اتنا وسیع تھا کہ کفار کے کفر پر بھی آپ ﷺ کا قلب اطہر کڑھتا تھا۔ آپ ﷺ کو اتنا دکھ ہوتا اتنی تکلیف ہوتی کہ یہ کیسے بدنصیب لوگ ہیں کہ میری بعثت کے بعد بھی یہ اللہ کی پہچان سے اور اللہ کی بخشش سے محروم رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہے **لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** O التوبہ:128 اللہ کریم پوری انسانیت سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ تمہارے درمیان وہ رسول ﷺ جلوہ افروز ہو چکا ہے جو تم پر بے پایاں شفقت فرمانے والا ہے۔ تم کفر و شرک کرتے ہو۔ گناہ کرتے ہو۔ اللہ کی ناراضگی مول لیتے ہو۔ اس کے انجام سے بے خبر رہتے ہو لیکن میرا نبی ﷺ تمہارے اس دکھ کو محسوس کرتا ہے۔ مصیبت تم پر آتی ہے دل میرے حبیب ﷺ کا دکھتا ہے۔ اے لوگو! میرا نبی کریم ﷺ تمہارے معاملے میں حرص کی حد تک رحمتیں لٹانے والا ہے۔ آپ ﷺ کی تو یہ تمنا ہے کہ سب اللہ کی رحمت کو پالیں سب کو نورِ ایمان نصیب ہو جائے۔ سب کی زندگیاں سنور جائیں اور دائمی زندگی میں کامیاب ہو جائیں۔ اور جو لوگ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے تو ایمان والوں کے ساتھ تو آپ ﷺ انتہائی درگزر کرنے والے ہیں۔ لوگ خطائیں کرتے ہیں اور میرے نبی کریم ﷺ ان کے لئے دعائیں فرماتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ تو امت پر اتنے مہربان اور شفیق ہیں کہ دنیا سے پردہ فرماتے وقت رفیق اعلیٰ کی طرف تشریف لے جاتے وقت لب مبارک پر یہی الفاظ تھے ربِّ امتی ربِّ امتی۔

حضور اکرم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کو دو پہلوؤں سے سمجھنا ضروری ہے۔ ایک پہلو ولادت رسول ﷺ سے متعلق ہے کہ آپ ﷺ حضرت عبداللہ اور حضرت بی بی آمنہ کے ہاں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت پر بے پناہ برکات کا ظہور ہوا بے شمار نعمتیں بانٹی گئیں لیکن کسی ایک طبقے، کسی ایک خاندان، کسی ایک قوم کے لئے نہیں ان برکات کا ظہور تمام عالمین پر ہوا۔ عالمین ہیں اللہ کی ذات کے علاوہ سب کچھ شامل ہے وہ زمین پر ہے، زمین کے نیچے، ہواؤں میں ہے یا آسمانوں میں جمادات و نباتات، حیوانات، جن،

فرشتے یا حاملین عرش جو بھی ہیں سب شامل ہیں۔ ولادت باسعادت ہوئی تو کفار پر سے اجتماعی عذاب اٹھ گیا۔ بعثت عالی سے پہلے لوگوں کی سرکشی کے باعث ان کے چہرے مسخ ہو جاتے تھے۔ قوموں کی قومیں غرق ہو جاتی تھیں۔ تند ہوا کے طوفان انہیں تباہ کر دیتے تھے۔ کئی قوموں پر بادلوں سے آگ برسی اور زمین پھٹ گئی جس میں وہ تباہ ہو گئے لیکن جب آپ ﷺ کی ولادت شریفہ ہوئی تو کفار پر بھی ایسے عذاب آنے بند ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ کے بچپن، لڑکپن اور جوانی تمام عرصے کے محاسن اور برکات اتنی ہیں کہ شمار نہیں کی جاسکتیں۔ چالیس برس آپ ﷺ لوگوں کے درمیان رہے چالیس برس میں کسی شخص کا حضور اکرم ﷺ سے کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ ہر شخص آپ ﷺ کی عزت کرتا تھا بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ عرب میں جو پرانی بڑی بڑی لڑائیاں تھیں انہیں آپ ﷺ نے کس حسن وخوبی سے ختم کروا دیا۔ بیت اللہ شریف کی عمارت کی مرمت کے دوران حجر اسود کو نصب کرنے کے موقع پر آپ ﷺ کی حکمت عملی نے عربوں کو ایک بڑی جنگ سے محفوظ کر دیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کا لڑکپن تھا اور سردارانِ عرب بڑے جہاندیدہ اور بزرگ تھے لیکن سب نے یہ فیصلہ کیا کہ جو فیصلہ محمد بن عبداللہ کریں گے وہ سب کو قبول ہوگا۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کو ایک چادر میں رکھ کر سرداران قبائل کو فرمایا کہ اس چادر کے چاروں کونے اٹھائیں اور اس مقام تک لے آئیں جہاں نصب کرنا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے چادر سے حجر اسود نکال کر خود اسے نصب فرما دیا۔ یہ وہ فیصلہ تھا جو اتنی اتنی عمر اور تجربہ رکھنے والے سرداروں کی سمجھ میں نہ آیا اور آپ ﷺ نے لڑکپن میں ہی وہ فیصلہ فرما دیا کہ تمام لوگ عش عش کر اٹھے۔

ولادت وبعثت:

بچپن گزرا، جوانی گزری کسی شخص کو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ آپ ﷺ صادق ہیں۔ اور امین ہیں۔ اپنی قوم کے محبوب ترین انسان ہیں۔ اللہ کریم نے بھی قرآن حکیم میں چالیس برسوں کو نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ فرمایا **لَعَمْرُكَ** آپ ﷺ کی زندگی کی قسم۔ آپ ﷺ کی زندگی کے چالیس برس گواہ ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔ لیکن جب محمد بن عبداللہ چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو ان کی قوم کو اچانک کیا ہوا؟ ان سارے مشرکین اور سرداران قریش سوائے ان چند خوش نصیبوں کو جنہیں ایمان نصیب ہوا سارے ہی نہ صرف حضور اکرم ﷺ کی ذات کے دشمن ہو گئے بلکہ آپ ﷺ کے (معاذ اللہ) قتل کے درپے ہو گئے۔ جس نے کلمہ طیبہ کا اقرار کر لیا اس کے دشمن ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ پورے خاندان کے ساتھ مقاطعہ کر دیا۔ آخر کار اس تبدیلی کی وجہ کیا تھی۔ چالیس سال تک محبوب ترین ہستی کے ساتھ

اچانک دشمنی کی وجہ کیا بنی؟ چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمادیا۔ نزول وحی شروع ہوا۔ توحید باری کا علَم بلند ہوا تو پوری دنیا مخالف ہوگئی۔ اچانک تمام لوگ دو قومیں بن گئیں۔ پہلے قوم ایک تھی قبائل مختلف تھے۔ پھر ایک قوم مومنین کی بنی اور دوسری قوم کافروں کی۔ یہی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **الکفر ملة واحدہ** کفر ایک ہی ملت ہوتی ہے۔ سارے کافر ایک قوم ہوتے ہیں۔ دو قومی نظریہ اسی وقت وجود میں آ گیا جب حضور اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمادیا۔ جنہوں نے قبول کیا وہ مومن ہو گئے یہ نئی قوم وجود میں آئی اور جنہوں نے قبول نہیں کیا وہ پہلی قوم کے افراد ہی رہے۔ ولادت شریفہ کی برکات مادی اور دنیاوی طور پر ہر ایک کے حصے میں آئیں اور بلا تفریق ایمان وکفر کے آئیں ان برکات کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بعثت کی برکات دنیا وآخرت دونوں کو محیط تھیں اور یہ حصہ صرف مومن کا ہے۔ ولادت باسعادت ربیع الاول میں ہوئی۔ عمر عزیز کے چالیس برس ربیع الاول میں مکمل ہوئے۔ ربیع الاول ہی میں بعثت عالی ہوئی تو مومنین کی قوم کس وقت سے بننا شروع ہوئی؟ ہم دونوں جہانوں کی برکات لینا کس دن سے شروع کرتے ہیں؟ ولادت باسعادت سے یا بعثت عالی سے؟ اللہ کریم نے دونوں جہان بعثت عالی پر لٹا دیئے۔ میلاد تو ساری کائنات کے لئے ہے درختوں، پہاڑوں، پتھروں، آسمانوں، فرشتوں، عرشوں کے لئے ماسوائے اللہ کے ساری کائنات کے لئے ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ وہ برکات دنیاوی ہیں ان کا آخرت سے، قرب الٰہی سے، ایمان باللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میلاد پر تو کسی کو ایمان نصیب نہیں ہوا اس لئے کہ ایمان کا تو تعلق ہی بعثت عالی سے ہے۔ ولادت شریفہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن جب تک محمد بن عبداللہ رہے کسی کافر ومشرک کو آپ ﷺ کی بات ماننے میں تامل نہ تھا جیسے ہی آپ ﷺ اللہ کے رسول مبعوث ہوگئے وہ سب آپ ﷺ کے دشمن بن گئے۔ اس لئے کہ بعثت عالی نے کلمہ طیبہ کی دعوت دی۔ اسی بعثت عالی کو اللہ کریم نے اپنا بہترین احسان ارشاد فرمایا **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ**ۚ O ال عمران: 164 کہ میں نے اپنا رسول ﷺ تم میں سے اپنے بہترین لوگوں میں مبعوث فرمایا۔ اس احسان کے طفیل لوگوں کو مجھ سے بات کرنے کا موقع میسر آیا۔ آپ ﷺ نے ہر ایمان لانے والے کو یہ عظمت بخشی کہ ہر فرد انسانیت مرد وعورت کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا اور کہا کہ اپنے دل کا حال سناؤ۔ اللہ اکبر کہہ کر، ساری کائنات سے الگ ہو کر اللہ کے حضور کھڑے ہو کر قیام میں، رکوع میں، سجدے میں اور صلوٰۃ کے ایک ایک رکن میں اللہ سے راز و نیاز کرو۔ بعثت عالی نے یہ نعمت

عام کر دی کہ خاک نشینوں کو وہ مرتبہ ملا کہ وہ اللہ سے براہ راست بات کر سکیں۔ بعثت عالی نے ہر مسلمان فرد و بشر کو ایسا عظیم مقام عطا کر دیا اور ہم ہیں کہ میلاد کی برکات پر ہی اکتفا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ برکات تو کافر و مومن کے لئے یکساں ہیں اور بعثت کی برکات اللہ کا احسان عظیم ہے جس کے طفیل بندے کے دل سے کفر و شرک اور گناہ کی سیاہیاں دور ہوئیں۔ تجلیات ذاتی سے قلوب روشن ہوئے۔ روشن قلوب والوں نے کتاب کا علم سیکھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب کے مفاہیم سمجھا دئے احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے کا سلیقہ سکھا دیا۔ انہیں بتا دیا کہ اللہ کریم اپنے بندوں کو کس طرح سے باآبرو زندگی گزارتا دیکھنا پسند فرماتا ہے۔ یہ ہے وہ احسان جو بعثت عالی سے عطا ہوا۔

قرآن حکیم میں اللہ کریم نے جہاں جہاں نامِ نامی، اسم گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر ارشاد فرمایا ہے وہاں رسالت کا ذکر فرمایا ہے' ولادت کا نہیں۔ فرمایا **وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ** O ال عمران: 144 اللہ کریم فرماتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں۔ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** O الفتح: 29 محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ** O الاحزاب: 40 **وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ** O محمد: 2 چار جگہ اللہ کریم نے اسم گرامی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر فرمایا ہے اور چاروں جگہ رسالت کی بات آئی ہے۔ ولادت شریفہ کی نہیں۔ ان چار آیات کے علاوہ بھی قرآن حکیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے مزین ہے لیکن ہر جگہ رسالت کی بات ہی آتی ہے۔ فرماتے ہیں **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ** O النساء: 80 **وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ** O النساء: 69 کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ وہ آخرت میں میرے نبیوںؑ کے ساتھ ہوگا۔ صدیقوں کے ساتھ ہوگا۔ شہیدوں کے ساتھ ہوگا اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ پورے قرآن حکیم میں دیکھتے جائیے۔ رسالت کی بات ہوتی ہے ولادت کی نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت سے ہے اور ولادت سے بھی ہے۔ لیکن صرف ولادت شریفہ سے تعلق رکھنے میں کفار و مشرکین، حیوانات و جمادات سب شامل ہیں۔

آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے نام پر بے دینی اور گستاخی، رسومات اور بدعات ایجاد کر کے انہیں جشن میلاد کا نام دیا جاتا ہے۔ کیا نسبت ہے ایسے اجتماعات کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا اس لئے تھا کہ میلاد کے نام پر جلوس نکلیں، چندے جمع ہوں، دیگیں

پکیں اور ہلڑ بازی ہو؟ حضور اکرم ﷺ کی دنیا پر تشریف آوری اس لئے ہوئی کہ اللہ کریم نے کل انسانیت کو راہ راست اور بہترین رہبر عطا فرمانا تھا تا کہ انسانیت کی گاڑی کامیابی کی پٹڑی پر چل پڑے۔ اس کے لئے اللہ کریم نے اپنے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر قرآن حکیم نازل فرمایا۔ اسی لئے بعثت کی بات ہو تو احکام الٰہی ماننا پڑتے ہیں۔

درود وسلام:

حضور اکرم ﷺ تو وہ ہستی ہیں جن کی بارگاہ کے آداب اللہ کریم نے امت کو ارشاد فرمادیئے ہیں۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O الاحزاب:56 اللہ بھی اپنے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ اس کے فرشتے بھی بھیجتے ہیں تو اے اہل ایمان تم بھی نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو۔ اللہ جل شانہٗ عملاً ہر لحہ اپنے نبی ﷺ پر رحمتیں نازل کرتا رہتا ہے۔ درود کا معنی ہی یہ ہے کہ یہ ایسا عمل ہے جو جاری رہتا ہے اس میں کبھی انقطاع نہیں آتا۔ فرشتے بھی ہمہ وقت بارگاہ الٰہی میں گزارش کرتے ہیں کہ اپنے حبیب ﷺ پر مزید رحمتیں بھیج۔ پھر خطاب فرمایا ایمان والوں سے۔ فرمایا **یاایھاالذین امنوا** اے ایمان والو! یہ نہیں فرمایا **یاایھاالناس** کہ اے انسانو! یعنی یہاں بھی خطاب انہیں فرمایا جو بعثت عالی پر ایمان رکھتے ہیں کہ میرے حبیب ﷺ پر درود وسلام بھیجو جیسا کہ بھیجنے کا حق ہے۔ پھر اس کا طریقہ سکھایا۔ وضو کرو، کپڑے پاک کرو، جگہ پاک کرو، قبلہ رو ہو جاؤ، اللہ اکبر کہہ کر میری بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ، پہلے میری عظمت اور حمد بیان کرو پھر وعدہ کرو۔ اللہ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں، سب کاموں میں صرف تیری مدد چاہتے ہیں۔ تجھے چھوڑ کر کسی کے دروازے پر نہیں جائیں گے۔ اے اللہ ہمیں نیک لوگوں کے راستے پر چلانا، نیکوں کا ساتھ عطا کرنا، ہمیں برے راستے اور برے ساتھیوں سے بچانا پھر رکوع کرو۔ جھک کر میری عظمت بیان کرو **سبحان ربی العظیم** پھر حمد کرو **سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد** ۔ ہر تعریف جو کی جائے وہ خود سنتا ہے اور اے اللہ ساری تعریفیں تو ہیں ہی تیری۔ ساری خوبیاں تیرے لئے ہیں۔ پھر سجدے میں چلے جاؤ۔ کہو **سبحان ربی الاعلیٰ** پھر جلسہ کرو پھر سجدہ کرو پھر اللہ کی عظمت بیان کرو اپنے وعدے دہراؤ۔ قرآن کریم سے قرأت کرو پھر رکوع وسجود کرو پھر تشہد میں کہو **التحیات للہ والصلوٰت والطیبات** ساری زبانی، مالی عبادتیں اللہ کریم تیرے لئے ہیں اور اب کہو **السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ** ۔

یہ ہے طریقہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا۔ یہ نہیں کہ لاؤڈ سپیکر پر گلی گلی پھرو اور صلوٰۃ وسلام کو گا گا کر پڑھو۔ بعثت عالی کا رشتہ ہو تو ادب ہی ادب اور سراپا ادب ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کما بے ادب

ہزار بار میں اپنا منہ اور زبان گلاب اور کستوری سے دھوؤں تو تب بھی میرا منہ اس قابل نہیں کہ میں آپ ﷺ کا نامِ نامی لے سکوں۔ اللہ کریم نے ہر صلوٰۃ کی دوسری رکعت میں سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ہر نمازی ہر دو رکعت میں شہادت دیتا ہے حضور اکرم ﷺ کی رسالت کی تو نام نامی آتا ہے یوں چار مرتبہ اسم مبارک درود میں آتا ہے۔ کل چھ مرتبہ تشہد میں آتا ہے لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کتنا ادب واحترام وابستہ کیا ہے اللہ پاک نے اپنے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کے ساتھ۔ کس کس طرح وجود کو، لباس کو، پاک کر کے اپنی بارگاہ میں بٹھا کر حکم فرمایا ہے کہ اب پڑھو درود اور سلام میرے حبیب ﷺ پر۔ یہ بارگاہ اتنی عظیم اور اتنی نازک تر ہے کہ خود ذات الٰہی نے اس کے آداب قرآن حکیم میں بڑے واضح الفاظ میں ارشاد فرما دیئے ہیں فرمایا ہے **لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ** ۝ الحجرات :2 اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ سے بلند مت کرو۔ یہاں اگر آواز بلند ہوگئی تو تمہاری ساری نیکیاں ضبط ہو جائیں گی۔ غزوات و جہاد ہجرت ومجاہدہ کچھ کام نہ آئے گا۔

بہت سوچنے کی بات ہے کہ اللہ کریم اپنے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کے آداب اس طرح بیان فرما رہے ہوں تو کیا ہمارے جشن میلاد اس معیار پر پورے اترتے ہیں؟ حیرت کی بات ہے کہ عوام تو شاید اتنا شعور نہیں رکھتے لیکن علماء حضرات تو جانتے ہیں وہ عام آدمی کو کس طرف لے جا رہے ہیں؟ یہ لوگ مسلمان عوام کو اسی ملۃ واحدہ کی طرف لے جا رہے ہیں جو بعثت عالی سے پہلے تھی۔ پھر اعلان نبوت پر دو ملتیں ہوگئیں۔ وہی ہستی ﷺ قبل بعثت جن کی ہر بات لوگ مانتے رہے ان کی بات بعثت عالی کے بعد ماننا دشوار ترین ہو گیا۔

یہی بات قرآن حکیم میں یہاں بیان ہو رہی ہے۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں اے میرے حبیب ﷺ میں جانتا ہوں کہ کفار کی باتوں سے آپ کا دل دکھتا ہے۔ آپ کو دکھ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین مبعوث ہونے کے بعد یہ کیوں جہنم جائیں۔ فرمایا **فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ** اے میرے حبیب ﷺ! یہ آپ کو

جھوٹا نہیں کہتے۔ یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے **وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ** ۝ یہ تو ایسے ظالم ہیں کہ میری باتوں کی، میری آیات کی تکذیب کرتے ہیں یعنی اعلان نبوت سے پہلے کی بات پر آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے ہیں اور اعلان نبوت کے بعد وحی الٰہی سن کران کا پارہ چڑھ جاتا ہے، انہیں میلاد سے انکار نہیں یہ بعثت سے ڈرتے ہیں۔ یہ کفر جحو دی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی لئے میلاد منانے پر کسی اسلام دشمن کو کوئی تکلیف نہیں نہ کوئی اعتراض ہے لیکن بعثت عالی کی بات کریں تو وحی الٰہی کے احکام ماننے پڑتے ہیں۔ شریعت کی بات ہوتی ہے، ہر چھوٹے بڑے کو شریعت مطہرہ کے سانچے میں ڈھلنا پڑتا ہے۔ اسلامی نظام کا نفاذ ہوتا ہے اور یہ کسی کافر کو قبول نہیں۔ مسلمان کی بنیاد ہی بعثت محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ اسی پر اللہ کے قرب کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جس پر خلوص دل سے عمل پیرا ہونے والوں پر جنتیں نچھاور ہوتی ہیں۔ قلوب روشن اور سینے منور ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوتا ہے۔ دنیا تو دنیا آخرت بھی جھولی میں پڑ جاتی ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کی بھی تکذیب کی گئی۔ یہاں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اگر آج کوئی حضور اکرم ﷺ کی بات نہیں مانتا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انبیائے کرامؑ دنیا میں ہمیشہ تشریف لاتے رہے اور جن لوگوں کو اپنی انا کا گھمنڈ اور اپنی بڑائی پر ناز تھا۔ جو اللہ کی کائنات میں اپنی من مانی کرنا چاہتے تھے انہوں نے اللہ کے نبیوں کا انکار ہی کیا۔ اور انبیاءؑ کا تو وطیرہ یہ تھا کہ انہوں نے اس پر ہمیشہ صبر ہی کیا **فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا** یہاں صبر سے یہ مراد نہیں کہ خاموش ہو جایا جائے بلکہ صبر یہ ہے کہ خواہ کتنی ہی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے اپنے مشن کو جاری رکھا جائے۔ انبیاءؑ نے ایذائیں برداشت کیں اپنے مشن پر استقامت سے جم گئے۔ کسی نے مانا یا نہیں مانا وہ حق کا اعلان کرتے رہے۔ **وَاُوْذُوْا** اس دعوت حق کے نتیجے میں انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں لیکن انبیاءؑ اپنی ذمہ داری پر قائم رہے۔ اس سے سرِ مُو پیچھے نہیں ہٹے۔ مسلسل اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔

جس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو وہ لڑائی کا سہارا لیتا ہے۔ کفار کے پاس چونکہ کوئی دلیل نہیں تھی لہٰذا انہوں نے ایذائیں دیں، کھانا پینا روک کر رکھا۔ بعض کو شہید کر دیا۔ ان سے جو ظلم ہو سکتا تھا انہوں نے روا رکھا۔ لیکن ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ راستہ کتنا ہی طویل ہو آخر ختم ہو جاتا ہے۔ جب انہوں نے انبیاءؑ کی مخالفت کی اور اللہ کے رسولوں کو تکلیفیں دیں تو ایک دن وہ اپنی انتہا کو پہنچ گئے **حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا** حتیٰ کہ انبیاءؑ و رسل کے پاس اللہ کی مدد آئی اور کفار تباہ ہو گئے۔ بعض پر آگ برسی، بعض قومیں پانی میں غرق ہو گئیں۔

بعض کو ہوا نے پٹخ پٹخ کر فنا کر دیا۔ کہیں لوگ زمین میں دھنسا دیئے گئے کہیں بند اور خنزیر بن کر ہلاک ہو گئے۔ جب اللہ کی مدد آئی تو انبیاءؑ و رسل کی مخالفت کرنے والے تباہ و برباد ہو گئے۔ انبیاءؑ کی مخالفت کرنے والے تو سارے ہی کافر تھے لیکن کفر کی کئی اقسام ہیں۔ ایک تو انکار کرنے والے تھے جنہوں نے مانا ہی نہیں۔ دوسری قسم کے وہ کافر تھے جنہوں نے انبیاءؑ کی باتیں سنیں اور سمجھ گئے کہ یہ سچ بات کہہ رہے ہیں لیکن انہوں نے اس لئے نہیں مانا کہ اگر مان لیا تو اتباع نبیؐ کرنا پڑے گا اور اپنی سرداری ختم ہو جائے گی۔ اس قسم کو کفر جحودی کہتے ہیں۔ تیسری قسم وہ تھی جنہوں نے زبانی اقرار کر لیا لیکن دل سے نہیں مانا۔ وہ دنیاوی مفادات کے لئے دکھاوے کی عبادتیں بھی کرتے رہے۔ اگرچہ کافروں میں بلحاظ کفر اقسام ہیں لیکن یہ ایک ہی قوم ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے **الکفر ملة واحدہ** کفر ایک ہی قوم ہے۔ اگرچہ ان کے کفر کے طریقے الگ الگ ہیں لیکن بحیثیت قوم یہ ایک ہی ہیں۔ اور اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ مسلمانی میں کوئی تصور نہیں ہے کہ مسلمان اللہ کے حکم کے مطابق عمل نہ کرے یا محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع چھوڑ دے۔

عہد حاضر کی مسلمانی قرآن کے آئینے میں:

قرآن کریم ہمیں عقائد و کردار میں حضور اکرم ﷺ کے اتباع کا حکم دیتا ہے اور ہم کیا کرتے ہیں؟ ہم میں سے اکثر لوگ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں لیکن معانی کی طرف توجہ کم ہی دیتے ہیں۔ اگر کوئی معنی سمجھ لے تو جہاں صحابہ کرامؓ کی فضیلت آتی ہے اس سے ترغیب لینے کے بجائے اسے صحابہؓ سے مخصوص کر دیتے ہیں۔ جہاں بدکرداری پر عذاب کی بات آئے تو اسے گزرے زمانے کے کفار سے وابستہ کر کے خود کو الگ ہی رکھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم کی ہر آیت ہر پڑھنے والے سے مخاطب ہوتی ہے۔ ہر ایک کو پچھلے قصے سنا کر باور کراتی ہے کہ بدکرداری کا نتیجہ عذاب ہی ہوتا ہے۔ قرآن ہمیں یہ آئینہ دکھا رہا ہے تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم کلمہ بھی پڑھتے ہیں نمازیں روزے بھی پورے کرتے ہیں لیکن ہماری عملی زندگی اور ہمارا کردار کیا حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں ہے؟ کیا ہم نے صرف عبادات کو ہی دین سمجھ لیا ہے کہ نماز، روزہ، حج، عمرہ کر لو، دین کا حق ادا ہو گیا باقی رشوت کھاؤ۔ کسی کا حق مارو، کسی کو ناجائز قتل کرو، کسی کی آبرو لوٹ لو تو خیر ہے۔ لیکن یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے! ارشاد باری تعالیٰ ہے **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ** O الروم: 41 لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے سمندروں اور زمینوں میں فساد برپا ہو جاتے ہیں۔ کہیں سمندر خشکی پر چڑھ دوڑتے ہیں کہیں خشک سالی آجاتی ہے۔ کہیں طوفان تباہیاں لے کر آجاتے ہیں۔

ہزاروں گھر تباہ اور لاکھوں لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں۔ آپس میں دشمنیاں پھوٹ پڑتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں زنا کی زیادتی ہو وہاں قتل و غارت گری ہوتی ہے۔ جہاں لین دین میں دھوکہ ہو وہاں افلاس آ جاتا ہے۔ بددیانتی کرنے سے مال سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ کیا آج کی خبریں یہی نہیں ہیں کہ فلاں جگہ قتل ہوا دھماکے ہوئے۔ لوگ مارے گئے۔ غریب تو ایک طرف امیر بھی رقم ہاتھ میں لئے پھرتا ہے اور اشیائے ضرورت رسائی سے باہر ہیں۔ عذاب الٰہی اور کیا ہوتا ہے؟ قرآن حکیم یہود کا کردار بتا کر ہمیں آئینہ دکھا رہا ہے کہ یہود دنیا کی ذلیل ترین قوم ہے۔ جھوٹ بولنا، فریب دینا، مال ہتھیانا، بدعہدی کرنا ان کا شیوہ ہے۔ کیا آج کے مسلمان کے کردار میں یہ سب کچھ موجود نہیں ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ اور تمدن میں ہنود
یہ مسلمان جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

آج معاشرے میں عزت، تہذیب، وقار اور شرافت نام کی چیزیں عنقاء ہیں۔ عوام کہتے ہیں یہ سب حکمرانوں کی غلطیاں ہیں۔ سابقہ حکمرانوں کے فیصلوں کے نتائج ہیں۔ لیکن سوچنا چاہیے کہ حکومتیں کیسے بنتی ہیں؟ یہ حکمران جو الیکشن کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں اور آتے ہی لوٹ مار مچا دیتے ہیں یہ کہاں سے آتے ہیں؟ یہ ہمارے کردار کا نتیجہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اعمالکم عمالکم** تمہارا کردار تم پر حکومت کرے گا۔ اگر تم چوری کرتے ہو تو جو بڑا چور ہوگا وہ تمہارا سردار بن جائے گا۔ اگر خود جھوٹ بولتے ہو تو سب سے بڑا جھوٹا شخص تمہارا لیڈر بن جائے گا۔ اگر تم بددیانتی کرتے ہو تو سب سے بڑا بددیانت تم پر حکمران ہوگا۔ جنگ میں یہ قانون ہے کہ بھیڑیوں کے گلّے کا سردار سب سے زیادہ خونخوار بھیڑیا ہوتا ہے۔ جب ہمارا کردار بگڑ گیا تو سب سے برے لوگ اقتدار میں آئیں گے۔ قیادت کریں گے۔ لہٰذا قیادت کا شکوہ کرنے کے بجائے اپنا تجزیہ کریں۔ قرآن حکیم کی بات غور سے سنیں کہ جب کافروں نے نبیؑ کی بات کا انکار کیا تو ان پر عذاب آ گئے تو کیا جب ہم زندگی اور موت کی رسومات ہندوؤں سے لیتے ہیں۔ انہیں اپناتے ہیں تو کیا اللہ اس پر راضی ہوگا؟ میلاد کے جشن جس طرح شریعت کو پامال کر کے منائے جاتے ہیں کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے؟ کیا یہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے کہ ہندوؤں کے بھجن اور سکھوں کے گیت وہی ڈھول کی تھاپ وہی سریں ہیں، وہی انداز۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہندو رام کشن کا نام لیتے ہیں، سکھ گرونانک کا اور میلاد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی لیا جاتا ہے۔ پھر اسے باعثِ ثواب بھی سمجھتے ہیں۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا کفر نہیں

فسق ہے لیکن حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ برائی کو باعث ثواب سمجھنا یا نیکی کو گناہ سمجھ لینا یکساں کفر ہے۔ ہندوؤں کی رسومات اپنا کر انہیں باعث ثواب سمجھنا کفر ہے۔

بتوں سے تم کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ہمارا علاج کیا ہے؟

عقائد و کردار میں حضور اکرم ﷺ کا اتباع ہی ہمارا علاج ہے۔ مجھ سے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں محکمے میں کام ہے کوئی رقعہ لکھ دیں اگر انہیں کہہ دیا جائے کہ اللہ سے خود دعا کرو میں بھی دعا کرتا ہوں تو ان کا چہرہ اتر جاتا ہے حالانکہ حق تو یہی ہے کہ ساری دنیا کا مالک اللہ ہے۔ جیسا اللہ میرا ہے ویسا ہی اللہ آپ کا ہے۔ آپ اللہ کریم سے خود بات کیوں نہیں کرتے؟ اور اللہ کے رسول ﷺ کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر ایمان والے کو اللہ سے ملا دیا۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب اللہ سے بات کرنا چاہو تو میرے پاس آنا پھر میں تمہیں اللہ سے بات کروا دوں گا۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی جگہ اللہ کے حضور کھڑا ہوتا ہوں تم بھی اپنی جگہ اللہ کے حضور اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہو جاؤ اللہ سے مخاطب ہو جاؤ اور براہ راست اللہ کریم سے اپنی بات کرلو۔ یہ کتنا کرم ہے اللہ کے نبی ﷺ کا ہر بندے کو براہ راست اللہ سے بات کرنا سکھا دیا۔ اور یہ کام برحق نبی ہی کر سکتا ہے۔ ہمارا علاج یہی ہے کہ ہم عقیدہ ویسا کرلیں جیسا حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ عمل حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق کرلیں۔ اور اللہ سے ایسا گہرا، واضح اور کھرا تعلق رکھیں کہ جب دل چاہیں اللہ سے باتیں کریں۔ جب ہمیں اتنی آزادی ہے، اتنی سہولت ہے تو ہم اللہ سے بات کیوں نہیں کرتے؟ اس لئے کہ ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ نہ ہم نے اللہ سے وفا کی ہے نہ اللہ کے رسول ﷺ سے وفا کی ہے تو اب کس منہ سے بات کریں۔ پھر کہتے ہیں کوئی دوسرا ہمارے لئے دعا کردے۔ حالانکہ وہ تو سب کا مالک ہے۔ سب کا اللہ ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ

مالک سب کا ایک ہے مالک کا کوئی ایک
لاکھوں میں تو ملا نہیں اربوں میں جا دیکھ

وہ تو سب کا ہے ہم اس کے نہیں رہے۔ اس لئے نہ ہم سے دعا مانگی جاتی ہے نہ ہم سے بات کی جاتی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ ایسے عجیب لوگ تھے کہ دوران جہاد جب جنگل سے گزر ہوا تو امیر لشکر نے جنگلی جانوروں کو

مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ جہاد کے سفر پر ہیں ہمیں یہاں پڑاؤ کرنا ہے لہٰذا تم سب یہ جنگل خالی کر دو اور ہر موذی جانور اپنے اپنے بچے لئے جنگل سے باہر نکل گیا۔ آناً فاناً جنگل خالی کر دیا گیا۔ اس لئے کہ ان کی وفائیں اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ ہمارے دعوے زبان پر ہیں اور دل کہیں اور اس لئے کردار اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے۔ آج بھی وقت ہے ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آ جانا چاہیے۔ پھر بشارتیں ہی بشارتیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ میری امت پنج کلاں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ پانچ وقت ہاتھ منہ دھوتے ہیں، پاؤں دھوتے ہیں، آخرت میں ان کے ہاتھ پاؤں نورانی ہوں گے۔ ان کی پیشانیوں سے نور پھوٹ رہا ہوگا۔ ایک اور ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں ایک گڑھا ہے۔ اگر ہماری زندگی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بسر ہو رہی ہے تو یقیناً جنت کے باغیچے میں پہنچیں گے اور اگر اپنے عقائد و نظریات اور کردار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑ دیا تو اللہ معاف کرے اس کا نتیجہ پھر دوزخ ہے۔

یہی فرمایا ہے کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کی تلخ باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں اپنے مشن پر صبر سے جمے رہیے۔ لوگوں کو اللہ نے ایک وقت تک مہلت عطا کی ہے اور فیصلہ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ راستہ بھی واضح کر دیا ہے۔ آپ کا یہ آرزو کرنا کہ سب لوگ جہنم سے بچ جائیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ کرم نوازی ہے۔ لیکن اللہ کا ایک قانون ہے کہ اس نے ہر بندے کو اختیار دیا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگ ایمان لے آتے لیکن **وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ** اللہ کے بتائے اصول غیر متبدل ہیں۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ سارے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنا لیا جائے۔ یہ فیصلہ بندے نے خود کرنا ہے۔ ہاں یہ اللہ کی رحمت ہے کہ کوئی ساری عمر کفر و شرک میں گزارے تو اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ جب بھی اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لے۔ اتباع شروع کر دے تو اللہ اس کی ساری خطائیں معاف کر کے نور ایمان سے اس کا دل روشن کر دیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی پسند سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے۔ زبردستی نہیں۔ **وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۴﴾** ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے رسولوں کی باتیں بتا دی ہیں لہٰذا آپ صبر کریں۔ اور اپنے کام میں لگے رہیں۔ **وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۵﴾** فرمایا ان کا نہ ماننا آپ پر بہت بوجھ ڈالتا ہے۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کو ان کا اتنا ہی دکھ لگتا ہے تو کوشش کر کے دیکھ لیجئے۔ زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان پر

سیڑھی لگا کر جس معجزے کا یہ مطالبہ کرتے ہیں پورا کر دیجئے۔ اور یہ بات طے ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر کسی کو انکار کی جرأت نہ ہوتی۔ اللہ تو قادر ہے معجزات دکھا دیتا اور یہ سب جہنم جانے سے بچ جاتے۔ لیکن یہ تو کوئی ضروری نہیں کہ انہیں معجزات دکھا دیئے جائیں اور یہ مان لیں۔ فرمایا، یہ پھر کوئی اور اعتراض کریں گے۔ یہ جان بوجھ کر انکار کرنے والے ہیں اور اگر ان کے سارے مطالبات پورے کر دیئے جائیں تو بھی یہ انکار کرنے کا کوئی اور بہانہ تراش لیں گے۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ ان کے مطالبے کے مطابق معجزے کا ظہور نہیں ہوتا ورنہ یہ اللہ کا قانون ہے کہ مطالبے کے بعد معجزہ دیکھ کر نہ ماننے والے تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ جیسے حضرت صالحؑ کی قوم نے مطالبہ کیا اور ایک بہت بڑی پتھریلی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکلی اس نے بچہ دیا لیکن انہوں نے ماننے کے بجائے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس اونٹنی کو جو اللہ کی نشانی تھی مار ڈالا۔ نتیجتاً ساری قوم تباہ ہوگئی۔

اسی طرح ابو جہل نے کہا کہ زمین پر تو ہر طرح کا جادو چل جاتا ہے اور ہم طرح طرح کی باتوں کا ظہور دیکھ بھی رہے ہیں۔ آسمانوں پر جادو کا اثر نہیں ہوتا لہٰذا اگر حضور اکرم ﷺ چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے انگلی سے اشارہ فرمایا اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ بیت اللہ شریف کے سامنے جبل ابوقبیس ہے۔ اس وقت آدھا چاند اس کے ایک طرف چمک رہا تھا اور دوسرا آدھا دوسری طرف چمک رہا تھا۔ یہ معجزہ نظر آگیا تو اس نے کہا کہ یہ ہمیں نظر آرہا ہے۔ شاید ہماری نظر کو دھوکہ لگ رہا ہے۔ ہماری نظر باندھ دی گئی ہے ورنہ یہ ماننے والی بات نہیں۔ پھر جب مکہ مکرمہ سے باہر کے لوگ آئے اور انہوں نے بھی تصدیق کی کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے دیکھا ہے تو وہ بد بخت کہنے لگا کہ ان کا جادو آسمان پر بھی چل گیا ہے۔ ابو جہل کے اس انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے توبہ نصیب نہ ہوئی۔ وہ ذلیل و رسوا ہو کر قتل ہوا۔ اس پر وارد ہونے والے شدید عذاب کی خبر آپ ﷺ نے سنائی۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے جو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ میری امت کا فرعون موسیٰؑ کے فرعون سے زیادہ سخت تھا۔ اس فرعون نے مرتے وقت توبہ کی کوشش کی تھی۔ یہ مرتے دم تک اپنی بڑائی کے پندار میں ہی گرفتار رہا اور اس نے مرتے دم تک توبہ کی کوشش تک نہیں کی۔ فرمایا اصول یہ ہے کہ جب کوئی معجزے کا مطالبہ کرے اور معجزہ ظاہر ہو جائے پھر بھی وہ نہ مانے تو اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔

معجزہ، کرامت اور استدراج:

معجزہ فعل الٰہی ہے۔ معجزہ نبیؑ کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کا فعل ہے۔ جب وہ چاہتا ہے معجزہ

صادر ہو جاتا ہے لیکن نبیؐ کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ ولی کی کرامت بھی اللہ کا فعل ہوتا ہے ولی کا ذاتی کمال نہیں ہوتا لیکن ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ اور ولی کو باتباع نبیؐ نصیب ہوتا ہے۔

لہٰذا ولی کی کرامت اپنے نبیؐ کا معجزہ ہوتا ہے۔ جب وہ ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے تو کرامت کہلاتا ہے۔

معجزے اور کرامت کا ظہور کسی فرد یا کسی کی ذات کی بڑائی کے لئے نہیں نہ چندہ جمع کرنے کے لئے ہوتا ہے بلکہ اس کا صدور ہمیشہ کفر کے مقابلے میں نبیؐ کی صداقت کی دلیل کے طور پر ہوتا ہے۔ معجزہ اور کرامت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے بہت سے بندے اللہ کی بات ماننے لگ جاتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرتے ہیں۔ معجزہ اور کرامت احقاق حق کے لئے ہوتے ہیں۔ حق کے اظہار اور حق کو ثابت کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ از خود نبیؐ اللہ کی طرف سے کسی معجزے کا اظہار کرتا ہے اور بعض اوقات جب کوئی قوم مطالبہ کرتی ہے کہ اسے معجزہ دکھایا جائے اور پھر دیکھنے کے بعد جب نہیں مانتی تو وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کون سا معجزہ ظاہر کرنا ہے؟ کب کرنا ہے؟ یہ اللہ کی اپنی مرضی ہے اور ولی کی کرامت کا بھی یہی اصول ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ پر اعتماد مضبوط ہوتا ہے۔ بندہ یہ یقین مضبوط کر لیتا ہے کہ اللہ ہی قادر مطلق ہے وہ کسی کو کچھ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اللہ کریم کسی کو کچھ دینا نہ چاہیں تو کوئی دلوا نہیں سکتا اور اللہ کے ہر فیصلے میں بندے کے لئے رحمت ہے۔ شعبدہ بازی کو علماء استدراج کہتے ہیں۔ استدراج میں شیطانی عملیات کے ذریعے عجیب وغریب حرکات کرنا اور مادی دنیا کی خبریں پہنچانا شامل ہیں۔ استدراج میں حلال، حرام، جائز، ناجائز کا اور شریعت مطہرہ کا پاس ولحاظ نہیں ہوتا۔ استدراج کا مقصد کسی ایک شخص کی بڑائی ثابت کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں سے اپنی باتیں منوائے اور دولت کمائے۔ استدراج کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس عمل کرنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں جو وہ کہتا ہے وہی کرتے ہیں اور شریعت کو ملحوظ رکھنا گوارا ہی نہیں کرتے۔ ایسے شعبدہ بازوں کے پیچھے بھی وہی لوگ لگتے ہیں جن کا اللہ پر اعتماد نہیں ہوتا۔

قانون الٰہی:

فرمایا، آپ ﷺ کا کفار کے لئے بھی دکھ محسوس کرنا آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا ظہور ہے لیکن اللہ کریم کا ایک قانون ہے کہ اس نے بندے کو اختیار دے دیا ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا O الدھر:3 کہ صراط مستقیم واضح ہے یہ بندے کے ذمے ہے کہ وہ شکر ادا کرے اور اتباع رسول ﷺ اختیار

کرے۔ اسے زندگی کی مہلت دی گئی ہے اس میں اسے فیصلہ کرنا ہے۔ اور اس فیصلے کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اگر وہ ناشکری کرنا چاہتا ہے تو کر کے دیکھ لے۔ جب مہلت عمل ختم ہوگی تو اسے اس فیصلے کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ شکر کیا ہوگا تو اللہ کے انعام پائے گا۔ ناشکری کی ہوگی تو سزا پائے گا۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ سارے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنالیا جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ الکریم سے کسی نے سوال کیا کہ بندے کو اللہ نے کتنا اختیار دیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا اپنی ایک ٹانگ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا اب دوسری بھی اٹھالو۔ اس نے کہا یہ ممکن نہیں۔ فرمایا بس انسان کو اتنا ہی اختیار دیا گیا ہے اور جس چیز کا اختیار نہیں دیا گیا وہ اس میں اتنا ہی مجبور ہے۔ اللہ کریم نے یہ اختیار بندے کو نہیں دیا کہ اس کی شکل کیسی ہوگی؟ عقل وفہم، اولاد، رزق، زندگی، قابلیتیں، صلاحیتیں سب اللہ نے تقسیم فرما دیا ہے اور یہ سب کچھ اس کے طے شدہ نظام کے مطابق چلتا رہتا ہے۔ لہٰذا ان امور میں وہ مجبور ہے۔ ایک بات میں وہ صاحب اختیار بنایا گیا ہے وہ ہے اللہ کی فرمانبرداری کرنے کا فیصلہ یا اللہ کی نافرمانی کرنے کا فیصلہ۔ اس میں وہ مجبور نہیں کیا گیا۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾ اس جگہ اردو میں یہ ترجمہ کیا جاتا ہے ''آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے'' ایسا ترجمہ نبی کریم ﷺ کے شایانِ شان نہیں بلکہ شان کے بعید ہے۔ دراصل اردو زبان اپنی تنگ دامنی کے باعث عربی الفاظ کا درست مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے اس لئے عربی کے متبادل الفاظ اردو میں ایسے نہیں ملتے جو عربی لفظ کا مفہوم کماحقہٗ بیان کردیں۔ اس آیہ کریمہ کے اس حصے کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ آپ ﷺ کا کرم اپنی جگہ لیکن ایسے لوگوں کے لئے دکھی ہونا جو اپنی مرضی سے اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے۔ یہ آپ ﷺ کی شان کو زیب نہیں دیتا۔

مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں:

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۘ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾ فرمایا قبول تو وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جس کے مادی کان ہیں وہ سنتا ہے لیکن اس آیہ مبارکہ میں سننا اس سماعت کو کہا گیا ہے جس میں سننے والا پورے انصاف سے بات کو سننا چاہے۔ سننے سے مراد یہ ہے کہ بندہ خالی الذہن ہو کر سنے۔ کوئی اقرار یا انکار ذہن میں نہ رکھے۔ اگر پہلے سے اعتراضات دل میں رکھ کر آئے تو یہ نہ سننے والی بات ہے۔ جیسا کہ کفار بتوں کی عقیدت دل میں رکھ کر بارگاہ رسالت میں آئے کہ دیکھیں یہ کیا کہتے ہیں تو یہ سننا نہیں تھا اس لئے ہدایت نہ پا سکے۔ سننا تو یہ ہے کہ سب چیزوں سے الگ ہو کر

خالی الذہن ہو کر پورے انصاف سے بات کو سنا جائے کہ حضور اکرم ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ اس بات پر غور کرے تو فرمایا ایسے لوگوں کو ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور سننا یہ ہے کہ اپنے دل کو صاف کر کے بغیر کسی تعصب کے سیدھا سیدھا حق بات کو سننے اور سمجھنے کی کوشش ہو۔

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ہر ایک کے پاس ایک محدود وقت ہے اس میں اگر کوئی سنے گا تو توفیق ایمان نصیب ہو جائے گی نہیں سنے گا تو دین حق کے بغیر زندگی گزار جائے گا۔ موت سے تو کسی کو مفر نہیں اور موت زندگی کا خاتمہ نہیں۔ موت سے تو وہ زندگی شروع ہوتی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ فرمایا، ہر مرنے والے کو اللہ کریم زندہ کریں گے ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ پھر سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا جہاں یہ حساب ہوگا کہ تمہیں کتنی نعمتیں بخشیں، تو نے کتنا شکر ادا کیا؟ تمہیں کتنے مواقع بخشے تم نے توبہ نہیں کی، کتنا عرصہ تیرا انتظار کیا اور تو واپس نہیں آیا۔ میرے جہان میں رہا۔ میری نعمتیں استعمال کرتا رہا اور میری عظمت کا انکاری ہی رہا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ یہ لوگ معجزے کے ظہور کا مطالبہ کرتے ہیں کہ معجزہ ظاہر ہو تو یہ مانیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو رسول اللہ ﷺ معجزہ ظاہر کیوں نہیں کر دیتے۔ فرمایا، انہیں کہہ دیجئے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جو معجزہ چاہے اور جب چاہے ظاہر کرے لیکن تمہاری اکثریت جہالت کا شکار ہے۔ نہ تمہیں اللہ کی عظمت کا ادراک ہے نہ نبی کریم ﷺ کی صداقت کا ادراک ہے۔ تمہارے یہ بودے اعتراض اس لئے ہیں کہ تم نے نبی کریم ﷺ پر وہ اعتماد نہیں کیا جو ایمان کا تقاضا ہے۔ اس لئے تمہیں عظمت الٰہی پر بھی وہ یقین حاصل نہیں ہوا جو ایمان کا تقاضا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فرمایا اللہ کی رحمت کو ماننا ہو تو ذرے ذرے سے اس کی عظمت ہویدا ہے۔ ایک ایک ذرہ اس کی کبریائی پر گواہ ہے۔ ماننے والوں کے لئے یہ کائنات بسیط ایک بہت بڑی کتاب ہے۔ فضا میں جو پرندے اڑ رہے ہیں اور زمین پر جو جانور ہیں یہ تمہاری طرح اللہ کی مخلوق ہے۔ انکی بھی قومیں ہیں لیکن ان کو آزمائش میں نہیں ڈالا گیا۔ ان کو وہ شعور نہیں دیا گیا جو تمہیں عطا ہوا ہے۔ ان کی زندگی چند لگے بندھے اصولوں کے مطابق چلتی رہتی ہے اور اس سے ہٹ نہیں سکتی۔ دنیا میں کتنے عجائبات ہیں۔ جانوروں کی دنیا ہی دیکھ لی جائے تو حیرت انگیز معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کیا یہ عجائبات نہیں ہیں کہ کتنے پرندے فضا میں تیرتے ہیں جن کی قسمیں فرق ہیں رنگ مختلف ہیں۔ پروں کی بناوٹ فرق ہے۔ عادات الگ الگ ہیں۔ کیا یہ سب معمولی باتیں ہیں؟ اللہ نے اپنی ہر مخلوق کو مختلف قوتوں سے لیس کیا ہے۔ گدھ ایک نجس

پرندہ ہے مردار کھاتا ہے۔ آسمان میں اُڑتا ہے اور زمین میں پچاس میل کے ریڈیئس میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس چیز کو بغور دیکھنا چاہتا ہے دوربین کی طرح اپنی آنکھوں سے اسے فوکس کرتا ہے اور اتنی بلندی پر اڑتے ہوئے اسے ایک مربع انچ کی چیز بھی نظر آجاتی ہے اور اس حد تک نظر آتی ہے کہ وہ پہچان لیتا ہے کہ یہ پتھر ہے یا جانور؟ مردہ ہے یا زندہ؟ ایک نجس سا پرندہ ہے لیکن اس میں اللہ نے یہ کمال رکھا ہے۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے پرندے ننھے ننھے گھونسلے بناتے ہیں۔ خاص طرح کے پتے منتخب کر کے لاتے ہیں پھر گانٹھیں لگا کر کمرے علیحدہ کرتے ہیں گھاس کے پتوں سے گرہ لگاتے ہیں پھر اس میں باقاعدہ دروازہ بناتے ہیں۔ ایک کمرہ آرام کے لئے اور ایک کمرہ بچوں کے لئے ہوتا ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے یہی بڑی نشانیاں ہیں۔ شہد کی مکھیوں کو دیکھ لیں اتنا بڑا چھتہ ہے۔ ہر چھتے کے خانے ایک جیسے ہیں لاکھوں خانے ہیں لیکن کسی خانے کا کوئی ضلع چھوٹا بڑا نہیں سب ایک جیسے ہیں۔ شہد کی مکھی کس طرح رس چوستی ہے کیسے شہد بناتی ہے؟ یہ خود بڑا عجیب کام ہے تو جس نے ماننا ہو اسے معجزات کے مطالبے کی ضرورت نہیں۔ قدرت باری کے کرشمے دیکھ کر ہی اسے اللہ کے ہونے کا یقین آجاتا ہے۔

فرمایا' فضا میں تیرنے والے پرندے ہوں یا زمین پر چلنے والے جانور یہ سب تمہاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں لیکن انسان کو ساری مخلوق سے اعلیٰ مقام و مرتبہ دیا گیا ہے۔ تمہیں وہ شعور دیا گیا ہے جس سے تم اللہ کو پہچان سکتے ہو۔ انسان کے علاوہ ساری مخلوق صرف حکم کی تابع ہے لیکن اس کے رخ انور کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتی۔ یہ سوال نہیں کر سکتی کہ اللہ کون ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ یہ جرأت رندانہ صرف انسان کو بخشی گئی۔ **مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾** سارے حیوانات، جمادات، نباتات، ذرات، ریت کے ذروں، گھاس کے تنکوں، بارش کے قطروں تک کا شمار اور ان کے احوال لوح محفوظ میں درج ہیں۔ اللہ نے مخلوق کے بنانے سے پہلے اس کا سارا پروگرام طے کر دیا۔ کیا ہونا ہے؟ کب ہونا ہے؟ اس پر کتنا وقت لگے گا؟ یہ سب باتیں طے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ اب انسان نے اس اختیار کو جو اسے اللہ نے عطا کیا ہے استعمال کرنا ہے۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے مہربان رب کی بات مانتا ہے اس کی شکر گزاری کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں بندہ جو چاہے فیصلہ کرے پھر سب نے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جو اَبد کے لئے ہے:

میدان حشر میں ہر ایک کو حاضر ہونا ہے لیکن حساب کتاب کے بعد انسان کے سوا تمام مخلوقات فنا

کر دی جائیں گی ان کی زندگی میں دوام نہیں۔ اس لئے کہ ان کی روح عالم امر سے نہیں۔ ان میں معرفت الٰہی کا شعور نہیں۔ یہ دنیا میں محض انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ کریم ایسا عادل ہے کہ وہ میدان حشر میں سب کو حاضر کرے گا۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ اگر کسی بکری نے دوسری کسی بکری کو سینگ مار کر اس پر زیادتی کی ہوگی تو حشر میں اس کو بھی اس زیادتی کا بدلہ دیوایا جائے گا۔ حالانکہ جانور میں وہ شعور نہیں ہے کہ وہ اس طرح مکلف ہو۔ اس کے باوجود جتنی جس نے زیادتی کی اسے اس کا بدلہ دلایا جائے گا اور پھر وہ فنا کر دیئے جائیں گے۔ جنات اپنی حیثیت کے مکلف ہیں لیکن انہیں بھی دوام نہیں۔ ان میں سے جو کفر کرے گا یا ظلم کرے گا وہ اپنی سزا پائے گا۔ جسے سزا نہیں ملے گی وہ فنا ہو جائے گا۔ باقی مخلوق میں سوائے انسان کے سب ختم ہو جائیں گے۔ صرف انسان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ روح کے باعث اسے دوام نصیب ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اے انسان تجھے تو اللہ نے ابد کے لئے پیدا کیا ہے۔ تجھے فنا نہیں ہے۔ اس بات پر غور کر کہ تیری اتنی سی عارضی زندگی دنیا کی ہے۔ اس کے نتائج تیری ابدی زندگی پر مرتب ہو رہے ہیں جو تجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھگتنے ہوں گے۔ اگر تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو تیری ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی خوش حال اور شادمان ہو جائے گی اور تو آخرت میں اللہ کی رحمت کے زیر سایہ رہے گا۔ اگر تو نافرمانی کرے گا تو پھر اپنی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی تباہ کرے گا۔ یوں میدان حشر میں فنا پانے والی ساری مخلوق کی تو جان چھٹ جائے گی لیکن کافر و ظالم کی جان پر بنی رہے گی۔ کافر کی اس کیفیت کا تذکرہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ یوں آیا ہے وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ○ النبا: 40 تمام مخلوقات کو فنا ہوتے دیکھ کر کافر کہہ اٹھے گا کہ اے کاش! میں بھی مٹی ہو جاتا۔ اللہ مجھے بھی خاک میں ملا دیتا اور میں ختم ہو جاتا لیکن انسان نے ختم نہیں ہونا۔ جہاں رب العالمین پرندوں، درندوں کا محاسبہ کر کے انصاف کرے گا وہاں بھلا انسان کیسے بے حساب رہ جائے گا! صرف انسان نے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اس لئے اسے اپنے کردار کے نتائج بھی ہمیشہ بھگتنے ہیں۔ یاد رکھیں کوئی چیز اللہ کی گرفت سے باہر نہیں بلکہ لوح محفوظ میں درج ہے۔ لوح محفوظ تو ایک کتاب ہے۔ علم الٰہی کی تو کوئی حد نہیں۔ اللہ کا علم تو لامحدود ہے۔ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ سب لوگوں کو سب مخلوقات کو بہر حال میدانِ حشر میں جمع ہونا ہے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ فرمایا' جو اللہ کے احکام کا انکار کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی گونگا بھی ہو بہرہ بھی ہو اور مزید یہ کہ سخت تاریکی میں ہو۔ ایسی تاریکی میں ہو کہ اسے کچھ بھی نظر نہ آ رہا ہو۔ نہ کسی کو بول کر پکار سکے نہ کسی کی پکار اسے سنائی دے۔ احکام الٰہی کی طرف توجہ نہ کرنا اپنے آپ

کو تباہ کر لینے کے برابر ہے۔ یعنی سماعت، بصارت اور گویائی کھو دینے کے برابر ہے۔ اور جو یہ دل سے طے کر لے کہ مجھے اللہ کو پکارنا ہے۔ اسے ماننا ہے اللہ اسے ہدایت دے دیتا ہے۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾ اور جس کی اللہ سے بگڑ جائے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اسے اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ اور جو یہ فیصلہ کر لے کہ اسے اللہ کی عظمت کا اقرار کرنا ہے تو اللہ اسے صراط مستقیم کی ہدایت دے دیتا ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ یہی بات یوں ارشاد فرمائی گئی ہے وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۝ العنکبوت:69 جو لوگ مجھے پانے کے لئے محنت و مجاہدہ کرتے ہیں میں ان پر اپنے راستے کھول دیتا ہوں۔ علماء کرام سُبُلَنَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان کے لئے ہدایت کے اسباب بنا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس پہنچا دیتا ہے جو عارف باللہ ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے انہیں معرفت الٰہی نصیب ہو جاتی ہے اور اگر کوئی دل سے ہی ہدایت نہ چاہے تو پھر اللہ کریم اسے ہدایت نصیب نہیں فرماتے اور وہ گمراہ ہی رہتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿40﴾ اللہ کریم نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوا رہے ہیں کہ اے انکار کرنے والو! یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر اچانک قیامت واقع ہو جائے تو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس وقت بھی انہی کو پکارو جن کو زندگی بھر پکارتے رہے ہو۔ جن سے زندگی بھر امیدیں وابستہ رکھی ہیں ان کو کیوں نہیں پکارتے؟ جب عذاب کی صورت حال بنتی ہے تو پھر تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ اور ان کو بھول جاتے ہو جنہیں دنیا میں اللہ کے مقابل مانتے رہے ہو۔ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاۗءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿41﴾ فرمایا' اللہ تو کریم ہے جسے چاہے معاف کر دیتا ہے وہ قادر ہے جب چاہے عذاب ہٹا دیتا ہے لیکن تمہاری حیثیت یہ ہے کہ تم اپنے سارے سہارے جنہیں اللہ کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھتے ہو انہیں بھول جاتے ہو اور تمہیں پھر کوئی آسرا نظر نہیں آتا۔ تو بجائے اس کے کہ عذاب کی گرفت میں آ جاؤ پہلے نبی کریم ﷺ کی صداقت پر یقین کر کے غیر اللہ کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟

کفر پر وارد ہونے والے عذاب کی کیفیت:

یہ آیات وضاحت کر رہی ہیں کہ جو تکلیف کفر و شرک، اللہ کی نافرمانی پر آتی ہے وہ عذاب الٰہی ہوتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ سارے وسائل نگاہوں سے گر جاتے ہیں۔ بندہ ظاہری اور دلی طور

پر ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اسے کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ کافر پر جب موت اچانک آجائے تو اس کے لئے ایک چھوٹی قیامت بپا ہو جاتی ہے اور بطور عذاب کے آتی۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اس وقت مشرک و بے دین کو بھی سمجھ آجاتی ہے کہ اب سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔

موت کے فرشتے نظر آئیں تو کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی:

موت کے قریب، ابھی بندہ زندہ ہوتا ہے لیکن اس پر برزخ منکشف ہو جاتی ہے۔ آخرت نظر آنے لگتی ہے موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے **قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ** فرشتے اس سے پوچھتے ہیں۔ تمہیں اتنی زندگی مہلت ملی لیکن تمہارے وجود میں نیکی کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ نہ تم نے کبھی توبہ کی، نہ اللہ کو یاد کیا۔ تمہارا دل بھی تاریک ہے اور وجود بھی تاریک۔ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو؟ تم نے عمر کہاں ضائع کر دی؟ اتنا عرصہ کیا کرتے رہے؟ وہ جواب دیتا ہے۔ **قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ** میں تو معاشرے کا ایک کمزور فرد تھا۔ جدھر لوگ چلتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے میں بھی ان کے پیچھے چلتا رہا۔ فرشتے کہتے ہیں **قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ** ○ النساء: 97 اگر تم ایسے معاشرے میں تھے جہاں ماحول ہی برائی کا تھا تو کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم کہیں ایسی جگہ ہجرت کر جاتے جہاں نیک لوگ ہوتے نیک ماحول ہوتا کہیں کوئی اللہ والے ہوتے۔ کوئی اللہ اللہ کرنے والا ہوتا۔ آخر آج بھی تو تمہیں یہ جگہ چھوڑنی پڑ رہی ہے۔ مجبوراً تم اپنے اہل وعیال، گھر بار کو چھوڑ رہے ہو تو پہلے ہی اپنی مرضی سے چھوڑ دیتے۔ لیکن کفر کی مصیبت یہ ہے کہ اس وقت کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی۔ یہ تو ایمان بالغیب کا معاملہ ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتبار کا معاملہ ہے۔ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتبار کر لیا وہ بن دیکھے مان گیا وہ جیت گیا۔

میدان حشر میں جب کافر اپنے انجام کو دیکھ لے گا تو فریاد کرے گا کہ یا اللہ! مجھے واپس دنیا میں بھیج دے پھر دیکھ میں کس طرح تیری فرمانبرداری کرتا ہوں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسے واپس بھیج بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی گناہ ہی کریں گے۔ اس لئے کہ یہ اپنا دل تباہ کر چکے ہیں۔ دل ویران اور تاریک کر کے دنیا سے یہاں لائے ہیں۔ اگر واپس جائیں گے تو یہی تاریک دل لے کر جائیں گے اور شیطان کی ہی پیروی کریں گے۔

ایمان والوں پر آنے والی تکلیف کی کیفیت اور اس کی وجہ:

دکھ اور تکلیف صرف بدکاروں پر ہی نہیں آتی ۔ نیک لوگوں پر بھی آتی ہے لیکن ان پر عذاب نہیں آتا۔ نیک لوگوں پر جو تکلیف آتی ہے اس میں ان کے قلب کا سکون قائم رہتا ہے۔ وہ اللہ سے پر امید رہتے اور وہ زیادہ کثرت سے یادالٰہی میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ وہ اللہ کو پکارتے ہیں اور اطمینان قلبی پالیتے ہیں۔ ایماندار بندے پر موت آجاتی ہے تو اس کے پاس اللہ کا نام ہوتا ہے۔ وہ کلمہ پڑھتا ہے۔ اللہ کو یاد کرتا ہے۔ایمان کا کمال یہ ہے اور ایمان اللہ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ بندہ صاحب ایمان ہو اور گنہگار بھی ہوا سے موت آرہی ہو۔ اس پر آخرت منکشف ہوجائے اور وہ خلوص دل سے توبہ کرلے تو اللہ قبول کرلیتا ہے۔صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دل وزبان سے پڑھنے کا اتنا فائدہ ہے کہ موت کے وقت کی توبہ بھی اللہ کریم قبول فرمالیتے ہیں۔

نیک لوگوں پر آنے والی تکالیف کی وجہ تلافیٔ مافات ہوتی ہے یا ترقی درجات، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ مومن کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس تکلیف کے بدلے میں اس کے کتنے ہی گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔تلافی مافات یہ ہے کہ اللہ کریم نے ایمان والے بندے کو جو مقام دیا ہے اس کی شایان شان اعمال میں کچھ کمی رہ جاتی ہے تو اللہ کریم اسے کوئی بیماری بھیج دیتے ہیں۔ کچھ دکھ بھیج دیتے ہیں۔ بندہ صبر کرتا ہے۔استغفار کرتا ہے۔جس کی وجہ سے اس کمی کی تلافی ہوجاتی ہے۔

بعض نیک لوگوں پر جو دکھ آتے ہیں وہ ترقی درجات کے لئے آتے ہیں۔ کچھ مقامات ایسے ہوتے ہیں جن کو پانے کے لئے ان تکالیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ جیسے شہید کو شہادت پانے کے لئے قتل ہونا پڑتا ہے۔ جس طرح مرتبہ شہادت پر فائز ہونے کے لئے جسمانی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔اسی طرح عنداللہ بعض اعلیٰ مقامات کو پانے کے لئے کچھ مصائب سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

اللہ کریم بہت کریم ہے اور بے حد مہربان ہے۔ دنیا میں ہی آخرت کے حقائق بیان فرما کر ہدایت کے اسباب واضح فرماتا ہے۔اللہ کریم وقت آخر مومن کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔اپنے کلمے کا اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اتنا پاس اور لحاظ رکھتے ہیں تو کیا بندے کو کچھ حیا نہیں کرنا چاہیے وہ مالک اور بے نیاز ذات ہو کر اتنا لحاظ رکھتا ہے اور بندہ جو ہر لحہ اس کا محتاج ہے کیا اسے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟

سورۃ الانعام رکوع 5 آیات 42 تا 50

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ
وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا
تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ
اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ
بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ
هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ
بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا
نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ
اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ

الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَ فَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے اور اُمتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے ہو چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ﴿۴۲﴾ سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے؟ لیکن ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر کے دکھلاتا رہا ﴿۴۳﴾ پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے ﴿۴۴﴾ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے ﴿۴۵﴾ آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون معبود ہے کہ یہ تم کو پھر سے دے دے؟ آپ دیکھیئے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں ﴿۴۶﴾ آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے خواہ بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائے گا ﴿۴۷﴾ اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو شخص ایمان لے آئے اور درستی کر لے سو ان لوگوں کو کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے ﴿۴۸﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلائیں ان کو عذاب پہنچنا ہے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے رہے تھے ﴿۴۹﴾ آپ کہہ دیجیئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں

فرشتہ ہوں میں تو صرف جو میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں آپ
کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟ ﴿۵۰﴾

خلاصہ رکوع

یہ صرف آج کی بات نہیں آپ سے پہلی امتوں کو بھی پیغام پہنچایا گیا۔ انبیاءؑ مبعوث ہوئے۔ جب ان لوگوں نے تسلیم نہ کیا تو ان پر سختی کی گئی اور یہ سختی اور مصیبت ان کے لئے ان پر اللہ کی رحمت تھی کہ اس سختی اور مصیبت سے ڈر کر اللہ کے سامنے عاجزی کریں اور اپنی اصلاح کر لیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مصیبتیں آئیں تو بھی اللہ کی نافرمانی میں مشغول رہے۔ اس لئے کہ ان کے دل سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے انہیں ان کے اعمال کو خوب صورت بنا کر دکھایا۔ اور جب وہ میری باتوں کو میرے نصائح کو بھول گئے تو پھر میں نے ان پر اپنی نعمتیں عام کر دیں۔ ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے دنیاوی آسائشیں دے دیں۔ یہ بھی اللہ کی رحمت تھی۔ شاید فراخی میں انہیں احساس ہو جائے کہ اللہ کتنا کریم ہے اور وہ اللہ کا شکر ادا کریں۔ اللہ کی اطاعت کریں لیکن انہوں نے یہ موقع بھی گنوا دیا بلکہ الٹا اس بات پر اترانے لگے کہ یہ تو ہمارا ذاتی کمال ہے۔ یہ ہماری عقل کا اور علم کا کمال ہے۔ جب انہوں نے یہ رویہ اختیار کیا تو اچانک اللہ کی گرفت میں آ گئے اور جب پکڑے گئے تو پھر انہیں کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ پھر یہ حیرت زدہ رہ گئے اور اللہ نے ظالموں کی جڑ کاٹ دی۔ اس لئے کہ تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہر حال میں اسی کا شکر واجب ہے۔ آپ فرما دیجئے اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے علاوہ کون معبود ہے؟ جو نعمتیں تمہیں عطا کر سکتا ہے؟ اور دیکھئے ہم کس طرح سے دلائل بیان فرماتے ہیں لیکن یہ اس کے بعد بھی منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ انہیں فرما دیجئے کہ دیکھو! اگر اللہ کا عذاب تمہیں اچانک پکڑ لے یا خبردار کر کے بتا کر آ جائے تو کون ہلاک ہو گا سوائے تمہارے ان لوگوں کے جو ظلم کرتے رہے۔ اور ہم پیغمبروں اور رسل کو بھیجتے ہیں کہ اچھی بات کے اچھے نتائج کی بشارت دیں اور برائی کے برے انجام سے بروقت مطلع فرمائیں سو جو ایمان لایا اور جس نے اپنی اصلاح کر لی ایسے لوگوں کو نہ خوف ہو گا نہ انہیں کوئی دکھ ہو گا۔ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں ہمیشہ کا عذاب انہی کو ہوتا ہے اور اس عذاب کا سبب ان کی اپنی بداعمالیاں ہوتی ہیں۔ اے میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ انہیں فرما دیجئے کہ میں نے تم سے یہ کبھی نہیں کہا کہ اللہ کے خزانے میرے قبضے میں ہیں۔ نہ میں

نے کبھی کہا ہے کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ ہاں میرا یہ دعویٰ ہے، یہ بات یقینی ہے کہ میں وحی الٰہی کا اتباع کرتا ہوں۔ میں وہ کہتا ہوں وہ کرتا ہوں جو اللہ مجھے وحی فرماتا ہے۔ اور یہ فرما دیجئے کہ اندھا اور دیکھنے والا کبھی برابر نہیں ہوتے۔ کیا یہ اس پر غور نہیں کرتے؟

تفسیر و معارف

قرآن حکیم ہدایت کی کتاب ہے۔ تاریخ اس کا موضوع نہیں ہے لیکن یہ تاریخی واقعات مثال کے طور پر پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہو۔ لوگ اس مثال سے سبق حاصل کریں۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزریں ان پر بھی مختلف حالات آئے۔ ہر دور کے انسان پر اس کے مزاج کے مطابق مشکلات آئیں۔ جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور اپنے انبیاءؑ کی بات کی پرواہ نہ کی تو ہم نے ان پر مصیبتیں بھیجیں۔ انہیں تکلیفوں میں گرفتار کیا۔ قحط سالی کا شکار ہوئے، بھوک وافلاس میں مبتلا ہوئے۔ امراض میں گرفتار ہوئے، علاج کے لئے دوا ملنا مشکل ہو گیا اور لوگ مصائب میں گھیرے گئے لیکن مصیبتیں بھیج کر اللہ کریم ان سے کوئی انتقام نہیں لے رہے تھے بلکہ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۝ وہ مصیبتیں ان کے لئے ایک طرح سے رحمت تھیں کہ لوگ توبہ کریں۔ اللہ سے معافی چاہیں اور اپنے نبی علیہ السلام کی اطاعت اختیار کریں تاکہ انہیں معاف کر دیا جائے اور ان پر فراخی بھیجی جائے لیکن جو بدنصیب تھے جنہوں نے اپنے دل سیاہ کر لئے تھے انہوں نے منہ پھیر لیا۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں نرمی نہ رہی۔

حصول ہدایت میں قلب کا مقام:

اس آیہ کریمہ میں اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ انسانوں کی اصلاح کے لئے اللہ کریم مختلف ادوار میں مختلف تکالیف بھیجتے رہے تاکہ لوگ اللہ کی طرف لوٹ آئیں لیکن لوگ اعراض ہی کرتے رہے اس لئے کہ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل سخت ہو چکے تھے یعنی دلوں کی سختی حصول ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جب دل ویران ہو جائیں ان میں اللہ کا نام اور اس کی یاد نہ رہے تو نرمی نہیں رہتی۔ دل یا قلب میں فطری طور پر نرمی ودیعت کی گئی ہے تاکہ انسان عبرت حاصل کرے۔ تفکر و تدبر کرے۔ حالات کی تبدیلی کو محسوس کرے اور اصلاح پذیر ہو۔ لیکن جس دل میں اللہ کا نام نہ ہو وہاں نرمی کہاں سے آئے گی؟ انسانی وجود میں اصل حکمران دل ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا وجود درست ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں

بھی نیکی کرنے لگ جاتے ہیں۔آنکھوں میں حیا آجاتی ہے۔زبان میں ادب واحترام اور شرینی آجاتی ہے۔ دل کے خیالات پاکیزہ ہوجاتے ہیں۔ذہنی افکار میں بھلائی آجاتی ہے۔**وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَاوَھِیَ القلب او کما قال رسول اللہ** ﷺ۔اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔خوب غور سے سنو یہ انسانی قلب ہے۔اگر یہ بگڑ جائے تو آنکھوں سے حیا جاتی رہتی ہے۔دماغ برائی سوچتا ہے۔دل میں برے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ہاتھ برائی کرنے لگ جاتے ہیں، پاؤں گناہ کی طرف چلتے ہیں، جسمانی قوتیں اللہ کی نافرمانی پر استعمال ہونے لگتی ہیں، اس حدیث مبارکہ سے دل کی اصلاح کی اہمیت واضح کی گئی ہے لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ جتنی تاکید قلب کی اصلاح کی قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے اتنا ہی ہم اس سے غافل ہیں۔

دور حاضر ان مثالوں سے پر ہے۔حرام رزق اور غیر اخلاقی قدروں نے دلوں کو سخت کر دیا ہے۔ کچھ لوگ تو صرف برائی ہی کرتے رہتے ہیں۔ان کے دل کی سختی انہیں توبہ پر مائل نہیں ہونے دیتی۔ان لوگوں پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہورہی۔ان کے لئے تو دعا ہی کرسکتے ہیں لیکن لوگوں کی کثیر تعداد ایسی بھی ہے جو پانچ وقت صلوٰۃ ادا کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، سال میں دو دو' تین تین' چار چار' عمرے بھی کرتے ہیں لیکن جب دکان پر بیٹھتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں یا مزدوری کرتے ہیں وہاں دیانتداری نام کی کسی چیز کو نہیں جانتے۔وہاں دھوکہ دیتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں قیمت زیادہ لگاتے ہیں۔اچھال مال دکھاتے ہیں اور گھٹیا مال دیتے ہیں۔عام مزدور اپنی ذاتی زندگی میں صلوٰۃ ادا نہیں کرتا لیکن مزدوری کے اوقات کے دوران وقت صلوٰۃ میں دو' دو گھنٹے کام سے باہر گزارتا ہے، وضو کرنے میں وقت ضائع کرتا ہے، پانی سے کھیلتا رہتا ہے، محض بیٹھا رہتا ہے، وہ اور کچھ نہیں کرسکتا تو اس طرح ڈنڈی مار لیتا ہے۔جب مزدوری سے فارغ ہوتا ہے تو پھر کسی وقت کی صلوٰۃ کی ادائیگی کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ جو لوگ کسی عہدے پر ملازمت کرتے ہیں وہ جس کام کے لئے تعینات کئے گئے ہیں جس کی انہیں تنخواہ ملتی ہے اسی کام کے لئے وہ رشوت طلب کرتے ہیں۔ملازمت کے وقت میں کوئی اور منافع بخش کام بھی کرتے ہیں۔ اور کچھ نہ ہوسکے تو کام چوری کرتے ہیں۔ایسے ایسے امیر کاروباری لوگ ہیں سیاستدان ہیں جنہوں نے حرمین شریفین میں گھر لے رکھے ہیں، بیوی بچے وہاں رہتے ہیں، خود آتے جاتے رہتے ہیں اور وطن عزیز میں دھڑلے سے ذخیرہ اندوزی کر کے مال بٹورتے ہیں۔لوگوں کا جینا مشکل بنا کر مال لوٹتے ہیں۔تجوریاں بھرتے ہیں اور حرمین کی زیارت بھی کرتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ دل، جہاں اللہ کا گھر ہونا چاہیے وہاں اللہ کا گھر نہیں ہے۔ جسم انسانی میں دل ایک بہت اہم عضو ہے۔ جسم انسانی کی زندگی کا دارومدار اس عضو کی صحت پر ہے۔ اسی دل کے اندر ایک لطیفہ ربانی ہے جسے قرآن حکیم قلب کہتا ہے اور اس کا مقام بھی سینے میں بتاتا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے **الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ** O الحج:46 قلوب جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ قلب عالم امر کی شئے ہے۔ اس میں نور ہے۔ اس کی حیات نور نبوت سے ہے۔ دل ایک بہت بڑا شہر ہے۔ اس میں ہر کوئی بستا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ہمارے پیارے ہمارے دل میں رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے دل میں دشمن کا بھی ایک گھر ہے جس سے آپ جتنی زیادہ نفرت کرتے ہیں وہ اتنا ہی آپ کو یاد رہتا ہے۔ جن سے ملنا جلنا ہوتا ہے وہ بھی اور جن کے بارے محض سنا ہو وہ بھی اسی دل میں بستے ہیں اور یہ میرے اور آپ کے بس میں نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں لوگوں سے ملنا ہے۔ کاروبار کرتے ہیں لوگوں کی باتیں سنتے ہیں تو جس جس قسم کے لوگوں سے ہم ملتے جلتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے ہیں، دل کے اس شہر میں ان سب کا ایک ایک گھر بنتا چلا جاتا ہے۔ یہ اب ہمارے پر ہے کہ ہم دن بھر اپنے دل میں کن لوگوں کو بساتے رہتے ہیں؟ نیک لوگوں کو یا بدمعاشوں کو؟ ہمارے چاہنے نہ چاہنے کے باوجود دشہر بس جاتا ہے۔ لیکن یہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ دل کے اس شہر میں ایک مسجد بنالے۔

دل میں مسجد بنانا بندے کے ذمے ہے:

دل ہر چیز کا تاثر قبول کرتا ہے۔ ہر منظر اپنا اثر چھوڑتا ہے۔ ہر سنائی دینے والی آواز اپنا اثر چھوڑتی ہے اور یہ کام از خود ہوتا رہتا ہے۔ لیکن دل کے اندر مسجد از خود نہیں بنتی۔ یہ اپنی چاہت اور لگن سے بنانی پڑتی ہے۔ اللہ کریم قرآن حکیم میں جابجا فرماتے ہیں دل کی آبادی کا سبب اللہ کی یاد ہے۔ **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** O الرعد:28 خوب اچھی طرح سن لو دلوں کا قرار اللہ کی یاد میں ہے۔ اس لئے فرمایا دل کو اللہ کی یاد سے آباد کرو۔ اس میں میری کبریائی کے ترانے گونجیں۔ میرے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی شہادتیں فضا میں گونجیں۔ اس میں میرے نام کا ذکر ہو۔ میری ذات کو سجدے ہوں۔ میری ذات سے دعائیں کی جائیں تو وہ مسجد جو اپنے دل کے اندر بناؤ گے اسے آباد کر لو گے تو جتنے دشمنوں کی آبادیاں ہیں ان سے تمہیں محفوظ رکھوں گا۔ تمہارے نہ چاہنے کے باوجود شیطان بھی دل میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ تمہارے ارادوں پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب تم میرے نام سے اسے آباد رکھو گے۔ میرے نبی کریم ﷺ کی عظمت کی شہادت اس میں راسخ ہوگی تو پھر نہ اس میں شیطان داخل ہو سکے گا اور نہ ہی دشمن تمہارا کچھ بگاڑ سکے گا۔

اور ہم ہیں کہ دل کی پاکیزگی کا خیال ہی نہیں رکھتے۔ دل میں مسجد بنانے کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتے۔ نتیجہ سامنے ہے ظاہری عبادتیں کرتے رہتے ہیں اور دل برائی کی طرف مائل رہتا ہے۔ عبادت گزار حاجی پیسہ دیکھ کر للچا جاتا ہے۔ اسے کوئی فکر نہیں کہ عوام مہنگائی کے شکنجے میں مزید کسے جائیں گے۔ اس نے تو جھوٹ بول کر دولت کمانی ہے۔ کوئی مرتا ہے مرجائے وہ دھوکہ دہی سے دولت میں اضافہ کرتا چلا جائے گا اور عبادات کا، حج اور عمرے کا تکلف بھی جاری رہے گا۔ تاجر اور کاروباری حضرات افسران اور مزدور، سیاستدان اور عوام سب ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ دل ویران ہیں دل میں شیطان گھسا ہوا ہے۔ جبکہ اللہ کے نبی کریم ﷺ نے عملی دیانت کا جو نمونہ مسلمانوں کے لئے معیار بنایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ بازار سے تشریف لے جارہے تھے۔ ایک صحابیؓ جو غلے کا کاروبار کرتے تھے ان کی دکان کے سامنے غلے کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور دانے بہت خوبصورت صاف اور چمکدار تھے۔ آپ ﷺ نے ڈھیر میں دستِ مبارک ڈالا تو اندر سے نمی محسوس ہوئی۔ استفسار فرمایا تو صحابیؓ نے عرض کی کہ غلے کو دھو کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر گاہک کو بتا دینا کہ اوپر والے دانے خشک ہیں اور اندر والے دانے گیلے ہیں۔ کتنے نازک معاملے ہیں۔ کیا کبھی ہمارے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ جو ہم کر رہے ہیں اس سے کہیں گاہک کو دھوکہ تو نہیں دے رہے؟

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں کسی جگہ نقصان نہیں ہے۔ ہر دیانت دار تاجر اس پر گواہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی پاسداری میں دنیا کا بھی نفع ہے اور دل کا سکون اور آخرت کی کامیابی بھی ہے۔ میرا ذاتی تجربہ یہی ہے ایک مرتبہ کوئلے کی کمیابی ہوگئی اور فی کلو نرخ چارسو سے زائد ہوگئے۔ میں نے ایک شخص سے سودا ایک سوبیس روپے ٹن کے حساب سے طے کیا ہوا تھا۔ جب وہ شخص کوئلہ لینے آیا تو گھبرایا ہوا تھا کہ قیمت تو کئی گناء بڑھ گئی لیکن میں نے اسے کہا کہ رزق تو اللہ نے دینا ہے۔ سَو ٹن کا سودا تمہارے سے ایک سوبیس کے حساب سے طے ہو چکا ہے سَو ٹن تو تم اسی ریٹ پر لے لو اور مزید لینا ہو تو آج کی قیمت کے حساب سے خریدنا۔ اس طرح سودے کرکے میں مفلس تو نہیں ہوگیا۔ میں دوسروں سے زیادہ خوشحال ہوں۔ جنہوں نے مہنگا بیچا تھا ان کے پاس آج وہ گاڑی نہیں ہے جو اللہ نے مجھے دی ہے۔ میرا یقین ہے کہ جو مقسوم ہے وہی ملتا ہے۔ بات صرف دیانت اور امانت کی ہے اللہ نے یہی دیکھنا ہے کہ کس نے اللہ کی فرمانبرداری کر کے اللہ پر بھروسہ رکھا اور کون ظاہرداری کی عبادتیں کرتا رہا اور دل میں اللہ کا گھر نہ بنایا جس کے نتیجے میں معاملات دنیا میں سچائی دیانت وامانت نہ رہی اور دل سخت رہے۔

اس آیہ مبارکہ میں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے بندوں پر مصیبتیں اور تکلیفیں بھیجیں کہ اس طرح یہ توبہ کرلیں لیکن انہوں نے توبہ نہ کی **وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ** ان کے دل ویران تھے۔ ان میں اللہ کے نام کی برکت نہیں تھی۔ وہ نرم نہیں ہوئے بلکہ سخت ہی رہے۔ جب دل ویران اور بے آباد ہوئے تو شیطان کو موقع مل گیا۔ **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾** جو کرتوت یہ کرتے تھے شیطان انہیں بڑھا چڑھا کر دکھاتا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے لوگ قتل کر کے بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ وہ اتنے لوگوں کے قاتل ہیں۔ ہر برائی پر شرمندہ ہونے کے باوجود فخر کرتے ہیں۔ خود کو بڑا بہادر سمجھتے ہیں۔ اس طرح شیطان ان کے گناہوں کو ان کی نگاہ میں آراستہ کر کے دکھاتا ہے۔ اور اس سب خرابی کی وجہ دل کی سختی ہے جو اللہ سے دور ہونے کے باعث ہوتی ہے۔ اللہ سے قربت اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے اور اللہ سے دوری اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہٹ جانے سے ہوتی ہے۔ اتباع کا معنی ہے دلی خلوص کے ساتھ اطاعت کرنا۔ جب دل ہی نہ مانے تو کیسی اطاعت اور کیسا اتباع؟ یہی فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے دلوں کو زنگ کھا گیا۔ ان کے قلوب بد سے بدتر ہو گئے۔ **كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ○ المطففین: 14 دلوں پر گناہوں کا زنگ آتا گیا اور قساوت اور سختی آتی گئی۔ **فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ** جب میں نے اپنے نبیوں کے ذریعے ان سے بات کی، ان کو نصیحتیں کیں، ان کو اپنی طرف بلایا، انہیں ان کے دل میں اپنا گھر بنانے کو کہا، انہیں یاد دلایا کہ تمہیں اتنی نعمتیں دی ہیں تم مجھے اپنے دل میں بسا لو لیکن انہوں نے نہ مانا۔ پھر میں نے ان پر اس طرح اپنی رحمت کی کہ افلاس اور سختی بھیجی انہوں نے پھر بھی نہ مانا۔ **فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ** میں نے ان پر فراخی بھیج دی اپنی نعمتوں کے دروازے کشادہ کر دیئے۔ ہر نعمت ان پر عام کر دی صحت عطا کر دی، خوشحالی دی کہ اس طرح میرا شکرادا کریں اور میرے نبیوں کی اطاعت کریں لیکن انہوں نے اللہ کا شکرادا نہیں کیا بلکہ الٹا اکڑ گئے **حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا** کہنے لگے کہ یہ سب نعمتیں ہماری دانش اور عقل کا نتیجہ ہیں۔ ہم اتنے طاقتور ہیں یہ سب کچھ ہم نے اپنے علم و فضل سے حاصل کیا ہے۔ فرمایا جب یہ اس بات پر آئے کہ میری عطا کردہ سب نعمتیں ان کا ذاتی کمال ہے **اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾** تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ اس طرح ان پر عذاب آئے کہ قوموں کی قومیں اچانک تباہ ہوگئیں۔ بادلوں سے بارش کے بجائے آگ برسی، ہوا زندگی کا سبب تھی وہی ہوا ان کے لئے عذاب بن کر آئی اور وہ چیخ چیخ کر ہلاک کر دیئے گئے۔ پانی زندگی کا سبب تھا وہ سیلاب بن کر خشکی پر چڑھ آیا اور غرق ہونے کے عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ زمین کے تخت الٹ دیئے گئے۔ یہ عذاب دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ **فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ**

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یوں ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی۔ جو لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ ہمیشہ تباہ و برباد ہی ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے ایک حد تک رسی دراز کی جاتی ہے پھر دفعتہً کھینچ لی جاتی ہے۔ پہلی قوموں کے حالات پڑھ کر دیکھ لو کہ اللہ نے یہ واقعات عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان کئے ہیں۔ فرعونوں کو بھی مہلت دی گئی تھی۔ چار صدیاں انہوں نے حکومت کی لیکن خدائی کا دعویٰ کرنے کے بعد کیا ہوا؟

تو مشو اوُ مغرور از حلم خدا

دیر گیرد سخت گیرد بر ترا

اللہ رحم فرماتا ہے برداشت کرتا ہے تو اس پر مغرور مت ہو جاؤ۔ نافرمانی پر بالآخر پکڑ ہو جائے گی۔ جب اللہ کی پکڑ آ جائے اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ البروج: 12 تو اس کی پکڑ بڑی سخت ہے اور سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔ جو مانے گا اس کا اپنا بھلا ہو گا۔ جو نہیں مانتا وہ اپنا نقصان کر رہا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اللہ کریم بڑی محبت سے متوجہ فرماتے ہیں اور اپنے حبیب پاک ﷺ کے ذریعے کہلواتے ہیں کہ دیکھو میں کتنے پیار سے سمجھا رہا ہوں۔ کتنی خوبصورت مثالیں دے کر سمجھا رہا ہوں کہ قدرت کے جو آثار تمہارے وجود میں ہیں ان پر غور کرو۔ ان کی اہمیت کو سمجھو اور سوچو کہ یہ نعمتیں اللہ واپس لے لے تو اللہ کے سوا کون ہے جو دلا دے۔ کتنے علمی اور عقلی دلائل کے ساتھ منطقی انداز سے سمجھا رہا ہوں اور یہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ قدامت پسندی ہے۔ فرسودہ باتیں ہیں۔ ان کی اپنی حیثیت تو یہ ہے کہ صرف ایک دانت میں درد چھیڑ دوں تو ساری لذات دنیا تلپٹ ہو جائیں۔ ان کے وجود کلی طور پر میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ یہ میری دی ہوئی قوت سے سانس لیتے ہیں۔ کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھنے میں میرے محتاج ہیں۔ میں خالق و بے نیاز ہو کر انہیں پیار سے، مثالوں سے سمجھاتا ہوں یہ عاجز مخلوق ہو کر میرے محتاج ہو کر اعراض کرتے ہیں۔

عقلی دلائل:

فرمایا' اے میرے حبیب ﷺ آپ انہیں یاد دلائیے کہ اپنے اعضاء و جوارح کو دیکھو۔ ایک انسان گوشت پوست کا بنا ہوا وجود ہے۔ لیکن ہر حصہ وجود اپنی اپنی جگہ قدرت کی اعلیٰ صنعت گری ہے۔ آواز کی لہریں کان کے پردے سے ٹکراتی ہیں اور ارتعاش پیدا کرتی ہیں وہاں عضلات اور پٹھوں کا نظام حرکت میں آ جاتا ہے۔ یہ حرکت دماغ کو جاتی ہے۔ دماغ کا کمپیوٹر اپنا کام شروع کر دیتا ہے وہ لہروں کو ان کی فریکوینسی

کے مطابق الفاظ میں ڈھالتا ہے اور بنے بنائے الفاظ سنائی دیتے ہیں۔ کان کے پردے کے لرزنے سے ارتعاش کے آگے جانے تک اور دماغ کا اس ارتعاش کو آوازوں میں ڈھالنے تک سارا کام اس قدر تیزی سے ہوتا ہے کہ ادھر کسی کے منہ سے کوئی لفظ نکلا ادھر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ کہنے والے نے کیا کہا حالانکہ اس دوران اللہ کا بنایا ہوا نہایت لطیف نظام چل رہا ہوتا ہے۔ یہاں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ کریم سماعت کے نظام کو بند کر دے اگر کان کے پردے میں ارتعاش ہی نہ ہو یا وہ پردہ پھٹ جائے یا اس سے آگے کی باریک نسیں بے حس ہو جائیں تو کوئی طاقت ہے جو تمہیں قوت سماعت دے سکے؟ اسی طرح اگر وہ تمہاری بصارت لے لے تو بھی تم اسے واپس نہیں لے سکتے سوائے اس کے کہ اللہ خود عطا فرما دے۔ آنکھ بھی تو اسی گوشت پوست سے بنی ہے جس سے باقی سارا وجود انسانی بنا ہے۔ اس عضو بدن میں قدرت باری کا نہایت حساس سسٹم ہے۔ سادہ الفاظ میں یوں ہے کہ آنکھ تصویر لیتی ہے اس کا عکس دماغ کو بھیجتی ہے، حساس رگیں اور پٹھے اپنا کام کرتے ہیں، دماغ سمجھا دیتا ہے کہ یہ تصویر کیا ہے؟ مکان ہے یا باغ ہے یا انسان۔ دیکھنے میں آنکھ ہے جو دیکھتی ہے لیکن اس کے پیچھے قدرت باری کا نظام بڑی باریکی اور نفاست سے اپنا کام لمحوں کے اندر اندر کرتا رہتا ہے۔ بغیر کوئی وقت لگائے ادھر آنکھ دیکھتی ہے ادھر دماغ بتا دیتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو ہمیں برسوں پہلے ملا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس سے ہماری دوستی تھی، فلاں جگہ ہم اکٹھے رہتے تھے تو آنکھ کے دیکھنے سے لے کر دماغ کے کمپیوٹر کی برسوں پرانی فائل کھلنے تک اور ہمارے اس شخص کو پہچاننے تک چند لمحے لگتے ہیں لیکن اللہ کے نظام میں کتنے عضلات، پٹھے، رگیں، نسیں کام کرتی ہیں یہ ایک پیچیدہ مرحلہ ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کاملہ ہے جو اتنی تیزی سے سارا کام کرتی ہے کہ نگاہ اٹھتی ہے اور بندہ دیکھتا ہے، سمجھتا ہے اور پہچان لیتا ہے۔

یہی دلائل دے کر اللہ پاک فرماتے ہیں کہ بصارت کا اتنا نازک نظام جس نے اتنی کاریگری سے بنایا ہے اگر وہی اسے بند کر دے تو تمہاری دنیا اندھیر ہو جائے پھر تمہیں قوت بصارت کون دے سکتا ہے؟

دل اور دماغ:

کیسی عجیب کاریگری ہے۔ انسان کی آنکھ ایک خوبصورت باغ اور اس میں پھولوں کی بہار دیکھتی ہے۔ آنکھ سے دماغ تک کام یہاں ختم ہو جاتا ہے لیکن اس مشاہدے کا اثر دل تک جاتا ہے۔ دل کھل اٹھتا ہے۔ دیکھا تو آنکھ نے دماغ نے دیکھنے میں آنکھ کی مدد کی لیکن دیکھنے کی کیفیت دل تک گئی۔ کوئی دوست محبوب سرراہ مل گیا لیکن اس دیکھنے سے خوشی دل کو ہوئی۔ ان مثالوں سے دماغ اور دل کے اپنے اپنے کام اور اپنے

اپنے مختلف شعبوں میں کام کرنا واضح ہو گیا۔ قرآن و سنت کے مطابق وجود کا اصل حکمران دل ہے۔ دماغ اس کا ایسا وزیر ہے جو تمام اعضاء و جوارح پر اختیار رکھتا ہے۔ دل خواہش کرتا ہے، دماغ وجود کو حکم دیتا ہے اور دل کی آرزو کو وجود کے ذریعے پورا کرواتا ہے۔ دل پاکیزہ ہو تو پاکیزہ خواہشات کرتا ہے اور شیطان کا مسکن بن چکا ہو تو گناہ اور برائی کے حکم دیتا ہے۔ بعض اوقات دماغ دل کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا اور اپنی رائے دیتا ہے کہ یہ کام درست نہیں ہے۔ مفید نہیں ہے لیکن وہ دل کے حکم کا انکار نہیں کرسکتا۔ اس کا تجربہ کر کے دیکھا جاسکتا ہے ایک جواء کھیلنے والے کو نقصان ہوتا ہے۔ کبھی قید بھی ہو جاتا ہے۔ معاشرے کی ملامت سہہ لیتا ہے لیکن کھیلنے سے باز نہیں آتا اسے سمجھایا جائے تو وہ مانتا ہے کہ یہ غلط کام ہے لیکن پھر بھی دماغ مجبور ہوتا ہے کہ جو حکم دل نے دیا ہے اس پر عملدرآمد کروائے۔ اس کا مطلب ہے وجود کی بادشاہت دل کے پاس ہے۔ جیسا دل ہوتا ہے ویسی ہی خواہشات ہوتی ہیں۔ دل پاک ہو تو بندہ اللہ کو سجدہ کرنا چاہتا ہے۔ دل چاہتا ہو تو بندہ اللہ کو دل میں بسا لیتا ہے۔ ہر دھڑکن میں اللہ کا نام شامل ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے تو دل میں مدینہ بس جاتا ہے۔ شاعر نے کہا تھا

''یا قلب مدینے جا پہنچے یا دل میں مدینہ آ جائے''

اس میں نبی کریم ﷺ کی یاد آپ ﷺ کے ارشادات بس جاتے ہیں لیکن یہ تب ہوتا ہے جب دل ہو۔ قلب ہو اور اس میں حیات ہو۔ اور اگر اللہ کریم ناراض ہو جائیں اور دل پر مہر کر دیں تو پھر ان کے پاس مادی سماعت و بصارت رہ جاتی ہے۔ پھر وہ حقائق اخروی سے بے گانہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں ایسے لوگوں کے بارے اللہ کریم نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی کہ آپ ﷺ کی تبلیغ سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا یہ ماننے والے نہیں اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ یہ لوگ جو آپ ﷺ کی اتنی محنت شاقہ کے باوجود کفر کر رہے ہیں ان کے لئے برابر ہے کہ آپ انہیں تبلیغ کریں یا نہ کریں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ البقرہ: 7 اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے کانوں پر مہر کر دی ہے اور آنکھوں پر پردے گرا دیئے ہیں انہیں شدید عذاب ہوگا۔ جب دل اندھے ہو جائیں تو آنکھ دیکھتی ہے لیکن حق کو نہیں پہچانتی کان سنتے ہیں لیکن حق کو نہیں سمجھتے۔ ایسے ہی سیاہ قلوب رکھنے والے حضور اکرم ﷺ پر نگاہیں تو ڈالتے ہیں وہ اپنے قریشی ہاشمی بھائی محمد بن عبداللہ کو دیکھ لیتے تھے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ سورہ الاعراف میں اللہ کریم اس بات کو یوں بیان فرماتے ہیں یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ یہ آپ ﷺ پر نظریں تو

ڈالتے ہیں انہیں وجود عالی صلی اللہ علیہ وسلم تو نظر آتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور کمالات رسالت نظر نہیں آتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے دل سیاہ کر لئے تو اللہ نے ان کی نگاہ میں ایسی عجیب تبدیلی کر دی کہ اندھے بھی نہیں ہوئے اور اندھے ہو بھی گئے۔ اللہ کریم نے اتنی سخت سزا کس سبب سے دی؟ جب اللہ نے ہی ان کے دلوں پر مہر کر دی تو ان کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟ فرمایا' اللہ نے زبردستی کسی پر مہر نہیں کی۔ یہ بندے کی اپنی مرضی ہے کہ اس نے یہ راستہ چنا۔ جب بندہ ظلم کرتا ہے، گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں دل پر ایک تاریکی پیدا ہوتی ہے، ایک سیاہ نقطہ دل پر لگ جاتا ہے، توبہ سے دھوڈالے تو دھل جاتا ہے، توبہ نہ کرے اور مزید گناہ، مزید ظلم کرے تو نقطے بڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ تب اللہ کریم ناراض ہو کر مہر لگا دیتے ہیں کہ اب تم اسی حال میں رہو جس میں رہنا چاہتے ہو۔ اب تمہیں توبہ بھی نصیب نہیں ہوگی۔ حضرت موسیٰ نے برسوں محنت کرنے کے بعد بے شمار معجزات دکھانے کے بعد، حق ثابت کرنے کے بعد جب دیکھا کہ فرعونی ضد پر اڑ گئے ہیں تو آپؑ نے یہی دعا دی تھی **وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** O یونس:88 یا اللہ اب ان کے دل پتھر کر دے۔ اب انہیں توبہ نصیب نہ ہو۔ فرمایا' گناہ کرتے ہوئے یاد رکھو جس کی نافرمانی کر رہے ہو اگر وہ تمہاری بصارت اور سماعت چھین لے یا دلوں پر مہر کر دے تو پھر تم موت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہو گے اور جہنم میں زندگی بسر کرنا بہت تکلیف دہ ہوگا۔ **اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ** ۝ اے مخاطب ذرا دیکھ کہ میں بے نیاز قادر مطلق ہو کر کتنی خوبصورت دلیلیں دیتا ہوں۔ میں حکماً بھی منوا سکتا تھا، زبردستی بھی منوا سکتا تھا لیکن میں نے چونکہ سمجھنے کے لئے شعور دیا، استعداد دی اس لئے میں نے دلائل سے سمجھایا اور اس چھوٹی سی دنیاوی زندگی میں انسان کے پاس اختیار ہی کتنا ہے؟ کیا اپنی مرضی سے پیدا ہو سکتا ہے؟ کیا اپنی مرضی سے مر سکتا ہے؟ کیا اپنی مرضی سے اپنا قد کاٹھ اور اپنی عقل و خرد تراش سکتا ہے؟ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ ہاں انسان کے پاس صرف ایک اختیار ہے۔ ہم نے اسے دانا و بینا بنا کر اسکے سامنے دنیاوی لذات رکھ دی ہیں۔ اپنا پیارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرما دیا ہے۔ اپنی کتاب نازل فرما کر راہ ہدایت واضح کر دی ہے۔ میں نے انسان کو کسی نعمت کے استعمال سے منع نہیں فرمایا۔ اسلام نے یہ نہیں کہا کہ اچھے مکان نہ بناؤ، قیمتی گاڑیاں نہ رکھو، اسلام کہتا ہے کہ دنیا کی ہر نعمت تمہارے لئے ہے۔ اللہ نے یہ نعمتیں استعمال کرنے کے لئے بنائی ہیں لیکن اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے کے اصول سکھا دیئے ہیں کہ محنت سے جائز ذرائع سے کماؤ۔ اپنا حق لو دوسروں کا نہ چھینو اپنا حق حاصل کرو اور دوسرے کو بھی موقع دو کہ وہ اپنا حق حاصل کرے۔

جن لوگوں کو یہ باتیں سمجھ میں آگئیں انہیں تو یہ اس قدر عزیز لگیں کہ انہوں نے جانیں نچھاور کردیں لیکن ان باتوں کو نہیں چھوڑا۔ مگر یہ منہ پھیر کر چل دینے والے ایسے بد بخت ہیں کہ انہیں یہ باتیں سمجھ ہی نہیں آتیں۔ سمجھ کیوں نہیں آتی؟ جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بات بگڑ جائے تو بات سمجھ میں آنا بند ہو جاتی ہے۔ بندہ حقیقت سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اشیاء کی اصل حقیقت جاننے کے لئے دعا بھی ارشاد فرمائی ہے کہ اے اللہ ہمیں اشیاء کی حقیقت دکھا دے۔ اشیاء کی حقیقت یہ ہے کہ مال حرام اگر سونا چاندی کی شکل میں رکھا ہو تو وہ بڑے بڑے اژدھے نظر آئیں۔ اگر ہمیں مال حرام کی حقیقت نظر آجائے تو کون سانپ اور اژدھے پالے گا؟ قلب درست ہو تو اشیاء کی حقیقت محسوس ہوتی ہے بندہ غلطی کر کے توبہ کر لیتا ہے اصلاح احوال کر کے سیدھا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور قلب گناہوں سے لتھڑا ہو، ضد اور ہٹ دھرمی سے تاریک ہو چکا ہو تو تمام دلائل سن کر بھی منہ پھیر کر چل دیتے ہیں اور اللہ کی باتوں کو قدامت پسندی اور فرسودہ کہتے ہیں۔ فرمایا انہیں ایک بات کہتے جاؤ **قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً** اگر اللہ کریم کا عذاب تمہیں اچانک دبوچ لے، چلتے چلتے فالج ہو جائے، حرکت قلب بند ہو جائے، بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاؤ، کوئی موذی بیماری لاحق ہو جائے، زمین پھٹ جائے یا آسمان تم پر گر پڑے یا عذاب ایک معین وقت کے ساتھ آئے جس کی تمہیں پہلے سے خبر دی جا چکی ہو، تو ہے کوئی ہستی جو تمہیں بچا سکے؟

عذاب صرف بدکار پر آتا ہے:

پچھلی اُمتوں میں جب قوموں کی قومیں عذاب الٰہی کا شکار ہوئیں تو عذاب صرف بدکاروں پر آیا **هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۴۷﴾ تو کون ہلاک ہوگا؟ صرف ظالم ہی ہلاک ہوں گے۔ انسانی تاریخ دیکھ لو، جب بھی لوگوں نے انبیاءؑ کو جھٹلایا اور ان پر اللہ کا عذاب وارد ہوا تو اللہ نے اپنے نیک لوگوں کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا۔ حضرت نوحؑ ایمان دار لوگوں کو کشتی میں سوار کرا کر لے گئے۔ اسی طرح دیگر انبیاءؑ اور ان پر ایمان والے ان علاقوں سے چلے جاتے جہاں عذاب واقع ہونے والا ہوتا تھا۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت بڑے بڑے نیک لوگ سخت بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، بعض اوقات قتل ہو جاتے ہیں تو یہ کیا ہے؟ شریعت مطہرہ میں بتایا گیا ہے کہ نیک لوگوں پر تکالیف آنے کے سبب تلافی مافات یا ترقی درجات ہے، کچھ نیک لوگوں کے مدارج اچھے ہوتے ہیں لیکن ان کی عبادات کم ہوتی ہیں اس لئے ان پر مصیبت بھیج کر مجاہدہ کرایا جاتا ہے تاکہ تلافی مافات ہو جائے جو کمی رہ گئی ہے وہ پوری ہو جائے۔

کچھ نیک لوگوں پر تکالیف اس لئے آتی ہیں جو ان کے ترقی درجات کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ بعض منازل قرب ایسے ہیں کہ ان دکھوں، بیماریوں اور تکلیفوں سے گزر کر ہی بندہ اس منصب پر فائز ہوتا ہے لہٰذا نیک بندوں پر جو تکالیف آتی ہیں وہ یا تو اس کے اعمال کی کمی کو پورا کرتی ہیں یا اس کے درجات کو بلند کرتی ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ نیک بندہ ہر مصیبت میں دلی طور پر پُرسکون ہوتا ہے۔ فطری احساس تو ہوتا ہے بے چینی، بے سکونی اور شکایات نہیں ہوتیں، کافر پر جو عذاب آتا ہے اس میں اس کے وجود کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اس کے قلب کو بے چینی ہوتی ہے۔ سوفرمایا' جب عذاب الٰہی آتا ہے تو صرف بدکار ہی تباہ ہوتے ہیں۔ **وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ** نبیؑ اور رسولؑ جب بھی تشریف لاتے ہیں تو ان کا کام ہی یہ ہے جو کہ سوائے رسولوں اور انبیاءؑ کے کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ وہ یہ کہ تمہیں بتائے کہ کون سے اعمال ہیں، تمہارے کردار میں، معاملات میں کون سے امور ہیں جن سے تم واقف نہیں ہو لیکن جن پر تمہاری آخرت کا مدار ہے، جن پر تمہاری ہمیشہ کی زندگی کا مدار ہے۔ میرے نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت بھی یہی ہے کہ وہ تمہارے کردار کی اچھائیوں پر تمہیں انجام خیر کی بشارت دیں کہ ایمان لاؤ گے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرو گے تو تمہیں تمہاری دنیاوی زندگی میں بھلائیاں ملیں گی اور اخروی، دائمی زندگی میں انعامات ملیں گے اور جو لوگ غلط کام کرتے ہیں انہیں بروقت مطلع کردیں کہ ان برے کاموں کا انجام برا ہوگا انذار کا اردو میں ترجمہ ڈر لکھا گیا ہے۔ انذار محض ڈر نہیں ہوتا۔ انذار کا معنی یہ ہے کہ کسی خطرناک کام کے خطرناک نتیجے کا اس کے صادر ہونے سے پہلے خبردار کردینا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کوئی شئے کھانے لگے اور کوئی ڈاکٹر یا حکیم اسے اس غذا کے بارے بتادے کہ یہ تمہارے لئے اس طرح نقصان دہ ہوگی تو ڈاکٹر کا یوں نقصان سے خبردار کردینا انذار ہوگا۔ یہ لفظ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اپنے علم نبوت سے ہمیں وقت سے پہلے بتادیتا ہے کہ اس طرح کی سوچ، فکر اور کردار رکھو گے تو اللہ کی رضا پالو گے اور اس کے مخالف چلو گے تو انجام بدنصیب ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا منصب جلیلہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے پسندیدہ اندازِ زندگی بتائیں ان پر عمل کرنے والوں کو بشارت دیں اور برے کاموں کے برے نتائج سے بروقت مطلع کریں۔ **فَمَنْ اٰمَنَ** پھر جو ایمان لے آئے **وَاَصْلَحَ** اور اصلاح کرلے **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾** تو نہ اسے خوف ہوگا نہ کوئی اندیشہ ہوگا۔

ایمان کیا ہے؟

علماء نے بہت سے علمی تشریحات بیان کی ہیں۔ مجھے اللہ نے جو سمجھ دی ہے۔ اللہ کے کرم سے جو میں

سمجھا ہوں۔ سادہ سی بات جو دل میں اترتی ہے وہ یہ ہے کہ ایمان نام ہے اس اعتبار و اعتماد کا جو ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ پر ہے۔ یہ کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا وہ حق ہے اور جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ اللہ کریم نے اس اعتبار کو جانچنے کی کسوٹی یہ رکھی ہے کہ جس نے اپنے ایمان کی مضبوطی دیکھنی ہے وہ دیکھے **فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ** کہ آپ ﷺ نے جن چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے ان سے پرہیز کرے۔ جن کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے انہیں استعمال کرے۔ جس طرح کمانے کا طریقہ سکھایا ہے اور جس طرح خرچ کرنے کا طریقہ سکھایا ہے ویسے کرے۔ کہیں غلطی ہو جائے تو توبہ کرے۔ معذرت کرے **وَ اَصْلَحَ** اور اصلاح کرے یعنی غلطی کے بعد نادم ہونا اور نادم ہو کر اصلاح کرنا ہی توبہ ہے۔ یعنی جس کو غلطی کے بعد ندامت ہوئی اور اس نے اصلاح کر لی اسی نے حضور اکرم ﷺ پر اعتبار کیا۔ اعتبار سے مراد یہی ہے کہ کہے پر عمل کیا جائے اور جو آپ ﷺ کے کہے پر اعتبار نہیں کرتا پھر اس نے کیا مانا؟ اور جس نے اپنا آپ سدھار لیا اسے نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوگا۔ خوف اس اندیشے کو کہتے ہیں جو آئندہ آنے والے زمانے سے وابستہ ہوتا ہے آئندہ کے خطرے کو خوف کہتے ہیں۔ اور حزن اس ملال کو کہتے ہیں جو گذشتہ پر ہوتا ہے مثلاً یہ دکھ حزن کہلائے گا کہ بندہ یہ سوچے کہ اس نے فلاں وقت اتنی رقم ضائع کر دی۔ فلاں کام غلط ہو گیا۔ عمر کا اتنا حصہ ضائع ہو گیا وغیرہ۔ فرمایا، جس نے میرے نبی کریم ﷺ کا دامن تھاما اور آپ ﷺ کی غلامی میں آ گیا اسے نہ گذشتہ کا خوف ہوگا نہ آئندہ کا ڈر۔ وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہو گیا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اور جنہوں نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا انہیں اس انکار کا حتمی نتیجہ یعنی عذاب پکڑنا پڑے گا۔ غور کا مقام ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں ایمان اور انکار کی نسبت اللہ نے اپنی طرف ارشاد فرمایا ہے یعنی جو حضور اکرم ﷺ کا کہنا نہیں مانتا دراصل وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو عذاب چھوئے گا۔ انہیں عذاب لگے گا۔ سادہ سی بات ہے اللہ کریم نے کسی کا نام نہیں لیا۔ کسی خاندان کا، کسی فرد کا اور کسی ذات کا نام نہیں لیا صرف عمل کی بات کی ہے۔ ایمان لانا عمل ہے۔ توبہ کرنا عمل ہے۔ اصلاح کرنا عمل ہے۔ عمل یہی ہے کہ کوئی کتنا حضور اکرم ﷺ کا اعتبار کرتا ہے اور کوئی کتنا آپ ﷺ کا انکار کرتا ہے۔ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دو ہی قسمیں تھیں ایک ماننے والے اور ایک انکار کرنے والے۔ انکار کرنے والوں میں ایک قسم منافقین کی تھی جو کہتے تھے ہم مانتے ہیں لیکن عملاً مان کر نہ دیتے تھے وہ قلیل تھے۔ آج اللہ پناہ دے ایسے لوگ کثیر ہو گئے ہیں زبانی کہتے ہیں ہم مانتے ہیں عملاً نہیں مانتے۔ ایسے لوگوں کے لئے ارشاد باری ہے **اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ**

النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا O النساء: 145 یہ لوگ جہنم میں کافروں سے بھی نچلے درجے میں ہوں گے۔ کافروں کے جلنے سے جو خون اور پیپ ہوگی وہ ان منافقین کی خوراک ہوگی۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں کو جو عذاب دائمی ہوگا اس کی وجہ ان لوگوں کی اپنی بداعمالیاں ہی ہوں گی۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ انہیں فرما دیجئے کہ میں نے تو تم سے یہ نہیں کہا کہ اللہ کے خزانے میرے قبضے میں ہیں یا یہ کہ تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمہیں دولت دوں گا۔ خزانوں کے دروازے کھول دوں گا وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اور یہ بھی نہیں کہا کہ اُمورِ غیبیہ میرے قبضے میں ہیں وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اور میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ میں فرشتہ ہوں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ ہاں میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہ کام کرتا ہوں جو اللہ مجھے وحی کرتا ہے۔ مشرکین مکہ کو اعتراضات ہی سوجھتے تھے انہی میں سے یہ باتیں بھی تھیں کہ کہتے اگر یہ اللہ کے رسولؐ ہیں تو عام آدمی کی طرح کیوں رہتے ہیں؟ ان کا لباس بھی عام آدمی کا ہے۔ کھاتے پیتے بھی عام آدمی کی طرح ہیں۔ ان کی معاش بھی عام انسان جیسی ہے۔ کچھ تو عام آدمی اور ان میں فرق ہوتا! یہ اللہ کے رسولؐ ہوتے تو اللہ کے خزانے ان کے پاس ہوتے ان کے مکان بڑے عالی شان ہوتے، ان کے نوکر چاکر ہوتے، دولت کے انبار لگے ہوتے، انہیں علوم غیبیہ پر دسترس ہوتی اور لوگوں کو یہ بتاتے کہ پیسہ یہاں لگاؤ منافع ہوگا۔ اسی طرح غیبی خبریں دے کر ہماری رہنمائی کرتے۔ یہ فرشتہ صفت ہوتے۔ نہ کھاتے نہ پیتے، نہ انہیں نیند آتی۔ فرشتوں کی طرح ذکر اللہ پر ہی زندہ رہتے۔ اس پر اللہ کریم نے فرمایا کہ انہیں بتا دیجئے کہ یہ جو شرط لگاتے ہیں کہ ہم تب مانیں گے جب آپ ہمارے گھر دولت سے بھر دیں گے یا غیب کی خبریں دیں گے تو یہ شرط درست نہیں۔ انہیں فرما دیجئے کہ غیب کا جاننا خاصۂ خداوندی ہے اور آپ تو اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ فرما دیجئے میں غیب کی خبریں دینے کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ تمہاری تو یہ خواہش ہے کہ کوئی تمہیں بتائے کہ فلاں چیز اس وقت خرید لو تو تمہیں منافع ملے گا یا فلاں عمل کرو تو بیٹا ملازم ہو جائے گا۔ یہ سب امور اللہ نے پہلے سے طے کر دیئے ہیں۔ میں نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں فرشتہ ہوں۔ فرشتے تو نبیوںؑ کے خادم ہوتے ہیں۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ اس کا نبیؐ اور رسول ﷺ ہوں۔ یہ میرا دعویٰ ہے کہ میں تمہیں جو کچھ بتاتا ہوں یہ اللہ نے مجھ پر وحی کیا ہے۔ میں تب بتاتا ہوں جب اللہ مجھے بتانے کا حکم فرماتے ہیں۔ جو بات میں لوگوں کو بتاتا ہوں اس بات پر پہلے میں خود عمل کرتا ہوں۔

رہی یہ بات کہ اللہ کریم نے کس کس کو کتنا کتنا دیا ہے یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ ایک بات طے ہے کہ جتنے علوم، جتنی برکات، جتنی نعمتیں اللہ کریم نے مخلوق میں کسی کو عطا کی ہیں ان سب کو جمع کیا جائے تو جو کچھ اس

نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بخشا ہے وہ سب سے زیادہ ہے۔ دنیا میں جو کچھ تقسیم ہوا ہے وہ کم ہے اور حضور اکرم ﷺ کے خزانے ان سے زیادہ ہیں لیکن نیکی کا معیار دولت دنیا نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ رواج ہو گیا ہے کہ ہم ولی اللہ بھی اسے سمجھتے ہیں کہ جس کے پاس جائیں تو ہمیں دولت مل جائے۔ اولاد، روزگار اور صحت مل جائے۔ یہ مذاہب باطلہ کی خصوصیت ہے اسلام کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ دنیا بھر کے باطل مذاہب کی بنیاد اسی پر ہے کہ رسم عبادت کے ساتھ کوئی نہ کوئی دنیاوی مفاد وابستہ ہوتا ہے کہ یہ رسم کریں تو فلاں دنیاوی کام پورا ہوگا۔ یہ رسم کریں تو فلاں مراد پوری ہوگی۔ اس پوجا سے دولت ملے گی اور اس طرح پوجا پاٹ کرنے سے اولاد ملے گی۔ مذاہب باطلہ کی رسومات اسی طرح دنیاوی مفادات کے ساتھ منتھی ہوتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں اس میں مسلمان کو یہ عقیدہ عطا فرمایا گیا ہے کہ مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے خالق نے سب کا رزق تقسیم کر دیا ہے۔ استعداد، علم، صلاحیتیں، زندگی سب کے حصے کی سب چیزیں تقسیم ہو چکی ہیں اور قلم لکھ کر سیاہی خشک ہو چکی ہے۔ رب العالمین نے اپنی ہر مخلوق کو ہر ضروری چیز سے بہرہ ور فرما دیا ہے جتنا اس نے چاہا تقسیم ہو چکا ہے۔ ہر بندہ اپنے حصے کا رزق کھائے گا اور اپنے وقت پر چلا جائے گا **خَزَآئِنُ اللّٰهِ** سے یہاں مراد دنیا کے امور ہیں کہ دنیاوی نعمتیں بھی اللہ ہی کے خزانے ہیں لہٰذا اس کے ساتھ یہ بات منتھی کر لینا کہ ہم آپ کو نبیؐ ہی تب مانیں گے جب آپ کے ساتھ سونے چاندی کے ڈھیر ہوں۔ یہ تو کوئی شرط نہیں ہے۔ اس لئے کہ رزق کی کمی بیشی، صحت اور بیماری اقتدار کا ملنا یا نہ ملنا یہ ایک الگ نظام ہے۔ جس طرح پرندے صبح خالی پیٹ گھونسلوں سے اڑتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ سوتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں بھی رزق تقسیم ہو چکا ہے ہر ایک کو وہی ملتا ہے جو اس کا مقدر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ مومن کا رزق دو طرح سے ہے۔ ایک وہ جو اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا دوسرا وہ جو اس نے کھا لیا یا پہن کر استعمال کر کے پرانا کر دیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ کسی اور کا ہے وہ خوانخواہ سنبھال کر بیٹھا ہوا ہے۔ مر جائے گا تو ورثاء میں تقسیم ہو جائے گا۔ لہٰذا خزائن دنیا کو اور امور غیبیہ کو منصب نبوت سے جوڑنا درست نہیں۔

علم غیب خاصۂ خداوندی ہے:

صرف اللہ کی ذات ایسی ہے جو غیب جانتی ہے۔ یہ صرف اللہ جل شانہٗ کی خصوصیت ہے اور اس میں وہ واحد لاشریک ہے۔ انبیاءؑ کو اللہ کریم امور غیبیہ سے خود مطلع فرماتے ہیں۔ اللہ کریم انہیں غیب کی اطلاع

دے دیتے ہیں وہ علم غیب نہیں ہوتا غیب کی اطلاع ہوتی ہے اسے اطلاع عن الغیب کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے پاس جو علم ہوتا ہے وہ باتباع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوتا ہے۔ دین کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے اور اللہ کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے موسیٰؑ کی والدہ کو بتادیا کہ بچے کو دریا میں ڈال دو میں اسے تمہیں واپس دے دوں گا۔ اسے اپنا اولوالعزم رسولؑ بناؤں گا تو یہ سب غیب تھا لیکن اللہ نے اپنی بندی اور ولیہ کو اس کی اطلاع دے دی۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کو حکم دیا کہ عیسیٰؑ کو قوم کے پاس لے جائیں اور آپ نہ بولیں یہ بچہ خود بات کرلے گا۔ اور وہی ہوا حضرت مریمؑ سے تو یہی فرمایا تھا کہ بچے کو لوگوں کے سامنے لے جاؤ یہ خود بتادے گا۔ یہ بھی غیب تھا لیکن اللہ نے جب حضرت مریمؑ کو بتادیا تو یہ اطلاع عن الغیب ہوگئی۔ ورنہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ وہ ہر شئے کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔ اللہ کے ہاں ماضی حال اور مستقبل حاضر رہتے ہیں۔ غیب بھی اس کے سامنے ہے گذشتہ بھی' حال بھی اور آنے والا وقت بھی اس کے حضور حاضر ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں جو اسے کچھ بتائے اور ساری مخلوق علم حاصل کرنے میں اس کی محتاج ہے۔ تمام انبیاءؑ کو اللہ کریم نے بڑے بڑے علوم غیبیہ سے مطلع فرمایا۔ کائنات میں جتنے علوم تقسیم ہوئے ان میں سب سے زیادہ علوم نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کے علوم کا احاطہ مخلوق میں سے کوئی نہیں کرسکتا۔

اہم نکتہ:

استاذنا المکرّم فرمایا کرتے تھے کہ انبیاءؑ کی ذوات مبارکہ کو زیر بحث نہ لایا جائے خصوصاً حضور اکرم ﷺ کا نام نامی لے کر آپ ﷺ کی ذات عالی کو سامنے رکھ کر بحث نہ کی جائے۔ اس میں بے ادبی کا اندیشہ ہے اور حضور اکرم ﷺ کی بے ادبی کفر ہے۔ سب نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ یہ کہنا کہ حضور اکرم ﷺ یہ جانتے تھے اور یہ نہیں جانتے تھے یہ گستاخی ہے۔ یوں کہو کہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے انبیاءؑ واولیاءؒ کو اللہ جو بتائے اور جتنا بتائے وہ اطلاع عن الغیب ہے اور کائنات بسیط میں تمام اولین وآخرین میں سب سے زیادہ علوم آپ ﷺ کو عطا ہوئے۔ آپ ﷺ کے علوم سب سے ماورا ہیں اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نبیوں کے بھی نبیؐ ہیں اور حضور ﷺ کی شان کی بلندی ماپنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ کسی کی یہ حیثیت ہی نہیں۔ کسی چیز کو تولنے کے لئے کچھ اوزان چاہیں کوئی پیمانہ چاہئے اور حضور اکرم ﷺ کی شان صرف اللہ کی ذات جانتی ہے جس نے آپ ﷺ کو بے مثل وبے مثال بنایا ہے۔ ہم انسان اسی چیز کا پیمانہ اور معیار بناسکتے ہیں جو ہمارے علوم کی حد کے اندر ہو اور جو چیز ہمارے علوم سے ورا الورا ہو۔ جسے ہم سوچ بھی نہ سکتے ہوں اس کی حدود ہم

کیسے متعین کر سکتے ہیں؟

ایک ولی جو حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ کا خادم ہوتا ہے اس کی ولایت کی حدود کو سوچنا ممکن نہیں کہ ولایت کی وسعت اس حد تک ہے۔ اگر ایک عام مسلمان کے قرب الٰہی کے مدارج کا احاطہ ممکن نہیں کہ یہ اللہ کا اور بندے کا معاملہ ہے تو نبی کریم ﷺ کی ذات عالی کی شان ناپنے کے لئے ترازو لے کر بیٹھ جانا کتنی بڑی زیادتی ہے۔ یہ ایسی گستاخی اور ظلم ہے کہ ایسے بندے کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

آج یہ ظلم لوگوں میں اتنا عام ہو چکا ہے کہ لوگ بڑی بے باقی سے یہ جرأت کر رہے ہیں اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ ہمارے صحن میں نبی کریم ﷺ کا قدم مبارک لگا ہوا ہے۔ پانچ چھ فٹ کا نشان بنا رکھا ہے اس پر شیشے چڑھا دیئے ہیں لوگ زیارت کو جاتے ہیں نذریں نیازیں دے آتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی نشانی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سب سے اعلیٰ نشانی:

یہ جو حضور اکرم ﷺ کی نشانیوں کی تلاش میں بدعات کر رہے ہیں انہیں کوئی پوچھے۔ اللہ کے بندو! نبی کریم ﷺ کا یقینی تحفہ کلام الٰہی ہے۔ قرآن کریم سے بڑھ کر کون سی نشانی ہے کہ جس کا ایک ایک لفظ حضور اکرم ﷺ کے زبان مبارک سے ادا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کی سب سے اعلیٰ نشانی قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے جو دو طرح سے لذت آفرین ہے۔ ایک یہ اللہ جل شانہٗ کا کلام ہے اور دوم یہ ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا ہے۔ قرآن حکیم کاغذ پر لکھا گیا ہے اس کے حروف ونقوش، الفاظ اور جملے لکھی ہوئی صورت میں ہیں لیکن قرآن نام ہے ان مفاہیم کا جن کا یہ الفاظ اظہار کرتے ہیں۔ یہ سارے الفاظ بھی اور ان کے مفاہیم بھی حضور اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہیں۔ یہ ایسا مبارک کلام ہے جس صحیفے پر لکھا ہے وہ بھی مبارک ہے تو جو لوگ اسے پڑھ نہیں سکتے تو وہ اسے چومتے ہی رہیں۔ زیارت ہی کر لیں۔ کسی سے سن لیں اور جو پڑھ سکتے ہیں وہ پڑھیں۔ اس سے بڑی نشانی کیا ہوگی اسے کیوں اہمیت نہیں دیتے جبکہ وہ ہر گھر میں موجود ہے۔ احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے جن کی تصدیق مُسلّم ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ کی نشانیوں کی زیارت کرنی ہو تو حضور اکرم ﷺ کے ارشادت کی زیارت کرو۔ ان کو محبت سے سنو، سمجھو، عمل کرو۔

جن چیزوں کی تصدیق نہیں، کسی نے خود ہی گڑھا بنا دیا۔ شیطان نے بنا دیا اور لوگوں نے اعلان کر دیا۔ جن لوگوں کو درست عقائد و اعمال کی خبر نہیں جن کے کردار درست نہیں، ان کے ہاں قدم مبارک لگ گئے صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، تین صدیاں گزر گئیں کسی کو کوئی قدم مبارک نہ ملا یہ آج صحابہ کرامؓ سے بھی عظیم

کون ہو گئے، جن کے گھروں میں قدم مبارک لگے اور بھاگنے والوں کو دیکھیں مسجد تک نہیں جاتے، بیبیاں وضو کر کے سجدہ نہیں کرتیں اور قدم مبارک کی زیارت کے لئے بھاگے جا رہے ہیں۔ وہاں جا کر بھی نہ کسی کا وضو نہ کسی کی نماز خوب پہچانا آج کے مسلمان نے اپنے نبی کریم ﷺ کو!

شیطان کی مصاحبت:

دنیا کے مخفی احوال جاننے کے لئے لوگوں نے کچھ تحقیق اور جستجو کی اور چند اندازے بنا لئے ان میں دو طرح سے کام ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کو شیطان سے مصاحبت ہو جاتی ہے۔ شیطان کچھ نہ کچھ ان کے دل میں باتیں ڈالتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ ○ الانعام:121 شیاطین اپنے دوستوں سے باتیں کرتے ہیں۔ شیاطین روئے زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور ایک جگہ کی بات دوسری جگہ کے شیاطین کو بتا دیتے ہیں۔ وہ اپنے ان دوستوں کو بتاتا ہے جو انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور اس کی پیروی اور مصاحبت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دوسروں کو دوسرے خطوں، علاقوں کی باتیں گذشتہ زمانے کی باتیں بتا کر مرعوب کرتے ہیں۔ جاہل لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا غیب دان ہے حالانکہ جس سے شیطان بات کرتا ہے اسے اللہ نے شیطان کا دوست کہا ہے۔ اس کا مطلب ہے اس بندے کا کردار بھی شیطانی ہوگا اس کا کھانا بھی حلال نہیں ہوگا۔ اس کے اعمال بھی کافرانہ ہوں گے۔ وہ غلیظ اور بدکار بھی ہوگا۔ ایسے تمام اعمال کافرانہ ہیں۔

جفر، رمل، دست شناسی، چہرہ شناسی سب اندازے ہیں:

یہ تمام مشقیں انسانوں کی ایجاد کردہ ہیں۔ یہ سب اندازے ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں اور انہیں حتمی سمجھنا خلاف شریعت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان علوم پر اگر کوئی یقین کر لے تو اس کا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ یہ محض اندازے ہیں جس میں غلط اور صحیح دونوں کے ہونے کا احتمال ہے۔ یہ حتمی نہیں ہوتے۔ ان سے زندگی کی راہیں متعین نہیں کی جاسکتیں۔ ہندو راجاؤں میں ان جوتشیوں اور نجومیوں سے ہدایات لینے کا رواج بہت تھا بعد میں ملکی حکمرانوں میں در آیا اور اب شائد کوئی ایسا پاکستانی حکمران ہو جس نے جوتشی، رملی نہ رکھے ہوئے ہوں۔ آج کے وزیر اعظم، صدر نے اپنے اپنے محلوں میں اور وزرائے اپنے نجومیوں کو جوتشیوں کو اعلیٰ ہوٹلوں میں مقیم رکھا ہوا ہے ان سے رہنمائی لے کر چلتے ہیں۔ جس کا نتیجہ دیکھا جا سکتا ہے ملکی وسائل تباہ ہو

رہے ہیں۔ عوام بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں اور ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ لوگو! تم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے۔ یا کلمہ چھوڑ دو اور اگر کلمہ قائم رکھنا ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ سے مشورہ لو، قرآن کریم سے مشورہ لو، اللہ کے احکام کی پیروی کرو، بات صرف اتباع رسول اللہ ﷺ میں عمل کرنے کی ہے۔

اتباع رسول اللہ ﷺ ایک نعمت:

نبی کریم ﷺ بھی یہی فرما رہے ہیں کہ نہ تو میں فرشتہ ہوں نہ عالم الغیب نہ میرے پاس دنیا کے خزانے ہیں البتہ میں اللہ کا فرماں بردار ہوں جو بات اور جو حکم مجھے اللہ دیتا ہے میں بعینہٖ وہی بات اور وہی حکم آگے پہنچا دیتا ہوں اور سب سے پہلے میں خود اس پر عمل کرتا ہوں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى وحی الٰہی پر عمل اصل کام ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد پہلا کام ہی اللہ کے احکام کی اطاعت ہے۔ آج کے مولویوں اور واعظوں میں یہی کمی بہت نمایاں ہے۔ قرآن حکیم اس موضوع کی اہمیت واضح کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ میدان حشر میں نیک لوگ جنت میں چلے جائیں گے۔ دوزخی دوزخ چلے جائیں گے اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت و دوزخ کے درمیان بیٹھے ہوں گے۔ وہ اہل اعراف جنت کی طرف دیکھیں گے تو بڑے بڑے محلات اور اللہ کی نعمتیں دکھائی دیں گی، خواہش کریں گے کہ اللہ انہیں بھی جنت بھیج دے دوسری طرف دیکھیں گے تو دوزخیوں کی چیخ و پکار اور عذاب نظر آئے گا تو اللہ کی پناہ مانگیں گے۔ وہ لوگ اہل دوزخ سے پوچھیں گے کہ وہ لوگ تو جنت میں مزے کر رہے ہیں جن کے بارے دنیا میں تم کہتے تھے کہ یہ تو وضو کرتے اور سجدے کرتے رہتے ہیں۔ انہیں تو دنیاوی مال و دولت میسر نہیں۔ ان کی تو کوئی حیثیت نہیں اور آج وہ اللہ کی جنت میں ہیں اور تم دوزخ میں۔ پھر وہ دوزخی اہل جنت کی طرف دیکھیں گے جن جن کو وہ پہچانتے ہوں گے انہیں پکار کر کہیں گے اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۝ الاعراف:50 ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں کچھ ہمیں بھی دے دو۔ آخر دنیا میں تم ہمارے دوست، رشتہ دار اور ہم عصر تھے۔ اہل جنت کہیں گے اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ہم نہیں دے سکتے یہ اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ انہیں حاصل کرنے کا وقت دنیا تھا۔ جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنا تھا۔ تب تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ اب تم انہیں نہیں پا سکتے۔

اس کا مطلب ہے اہل جنت اپنے مقام پر رہتے ہوئے دوزخیوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ دوزخی اہل

جنت کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پہچان رہے ہوں گے۔ حدیث شریف میں ملتا ہے کہ ایک شخص جہنم کے درمیان میں ہوگا۔ اس کا بہت بڑا پیٹ ہوگا۔ اس میں سانپ اور بچھو بھرے ہوں گے۔ اہل جنت میں سے کچھ لوگ اسے پہچان لیں گے۔ کہیں گے مولانا آپ کہاں؟ ہم آپ کی باتیں سن سن کر ان پر عمل کر کے جنت میں جا پہنچے اور آپ کہاں؟ وہ شخص کہے گا کاش جو کچھ میں تمہیں بتاتا تھا خود بھی اس پر عمل کر لیتا۔ میں تمہیں تو حلال کھانے کی تلقین کرتا تھا خود حرام کھاتا تھا۔ تمہیں ادائیگی صلوٰۃ سکھاتا تھا خود بھی کوئی سامنے ہوتا تو نماز پڑھ لیتا کسی نے نہ دیکھا تو چھوڑ دیتا۔ یہ حال بے عمل واعظ کا ہوسکتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تو شان یہ ہے کہ اللہ کے نبیؑ جو فرماتے ہیں بعینہٖ اس پر خود عمل کرتے ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں کا، نبیؑ کے حقیقی متبعین کا بھی یہی شیوہ ہے کہ ان کا کردار بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع میں ہوتا ہے۔

فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْأَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ انہیں فرما دیجئے ایمان بینائی کا نام ہے روشنی کا نام ہے۔ جس کے پاس نور بصیرت ہو اسے اللہ کا رسول، رسول ﷺ نظر آتا ہے اسے عظمت الٰہی، اللہ کی شان کے مطابق نظر آتی ہے۔ وہ احکام الٰہی کو حق سمجھتا ہے۔ اسے اللہ کی نافرمانی سے ڈر لگتا ہے۔ تمہارے پاس وہ آنکھ نہیں اس لئے کہ تمہارے پاس ایمان نہیں۔ تم تو اندھے ہو اور اندھا اور صاحب نظر ایک جیسے نہیں ہوتے۔ فرما دیجئے میں تو بصیرت بانٹنے والا ہوں۔ جو میرے دامن رحمت سے وابستہ ہو جائے اس کی نگاہیں کھل جاتی ہیں۔ وہ حقائقِ دنیوی اور حقائقِ آخرت کو جاننے والا بن جاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر گزارنے والا بن جاتا ہے۔ انہیں فرما دیجئے اندھے اور صاحب نظر کبھی برابر نہیں ہوا کرتے۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ کیا یہ اس معاملے پر غور و فکر نہیں کرتے؟

سورۃ الانعام رکوع 6 آیات 51 تا 55

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت سے جمع کئے جائیں گے کہ غیر اللہ میں سے نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں ﴿۵۱﴾ اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضامندی کا قصد

رکھتے ہیں ان کا حساب ذرا بھی آپ سے متعلق اور آپ کا حساب ذرا بھی ان سے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں ورنہ آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے ﴿۵۲﴾ اور اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تا کہ لوگ کہا کریں کہ کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے؟ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے؟ ﴿۵۳﴾ اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں ﴿۵۴﴾ اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تا کہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے ﴿۵۵﴾

خلاصہ رکوع

اور ان لوگوں کو آخرت کے خطرات یا بے عملی کے نتائج سے بروقت مطلع کر دیجئے جنہیں یہ یقین ہے کہ انہیں اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی مددگار رہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا تا کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔ جو لوگ صبح و شام اللہ کریم کو پکارتے ہیں اس کی رضا کے لئے انہیں آپ اپنے سے جدا نہ کریں اس لئے کہ کسی کا کسی پر کوئی لین دین نہیں ہے۔ ہر شخص نے اپنا حساب دینا ہے۔ ان کا حساب آپ پر نہیں ہے اور آپ کا ان پر نہیں۔ اور اگر ایسے لوگوں کو آپ اپنی مجلس سے اٹھادیں گے تو یہ غلط ہوگا۔ صحیح نہیں ہوگا۔ اور اس طرح ہم بعض لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیتے ہیں اور وہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں؟ غریب اور کمزور ہیں۔ ہمارے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں اور ان پر اللہ نے ہم سب سے زیادہ فضل کیا ہے؟ اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو خود جانتا ہے۔ ان میں یہ جاننے کا شعور نہیں اور جب آپ کی خدمت میں ایمان والے لوگ حاضر ہوتے ہیں تو آپ ان پر سلامتی کی دعا فرمائیے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سلامتی اپنے ذمے لے لی ہے۔ جو بھی آپ کے پاس آتا ہے اللہ کی پناہ میں آتا ہے۔ اللہ کریم

کے پاس سلامتی ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ انسان ہوتے ہوئے بتقاضائے بشریت ایماندار بندے سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔ غلطی نادانی اور جہالت ہے اور اگر کوئی ایسی جہالت کر بیٹھے تو توبہ کرے۔ رجوع الی اللہ کرے۔ اور توبہ یہ ہے کہ اللہ سے مغفرت چاہے اور اس غلطی کی اصلاح بھی کرے۔ جو غلط ہوا ہے اسے درست کرے اور یہ یاد رکھے کہ اللہ بخشنے والا بھی ہے اور رحم کرنے والا بھی ہے۔ اور اسی طرح ہم باتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا یا غلط کام کرنے والوں کا راستہ واضح ہوجائے۔ پتہ چل جائے کہ جرم کیا ہے خطا کیا ہے اور نیکی کیا ہے؟ اے میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ جن چیزوں یا جن ہستیوں کی تم پوجا کرتے ہو، اللہ کو چھوڑ کر۔ مجھے میرے پروردگار نے ان سے روک دیا ہے۔ اور انہیں یہ بھی بتا دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرسکتا۔ اگر میں بھی ایسا کروں گا تو یہ گمراہی ہوگی۔

تفسیر و معارف

فرمایا' جو آپ پر فضول اعتراض کرتے ہیں۔ طرح طرح کے مطالبے کرتے ہیں۔ شرائط مقرر کرتے ہیں انہیں چھوڑ دیجئے اور ان لوگوں پر توجہ فرمایئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی رضا کے لئے اسے پکارتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی ذرا پرواہ نہ کریں جو آپ ﷺ کی عظمت سے ناآشنا ہیں۔ ان کے لئے یہ بہت بڑی سزا ہے۔ اللہ کا یہ بہت بڑا عذاب ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ کسی کی طرف سے رُخِ انور پھیر لے۔ پھر اس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔

فرمایا آپ ﷺ ان لوگوں سے بات کیجئے جن کے پاس اللہ کا کوئی تصور ہے جن کے پاس آخرت کا کوئی تصور ہے۔ جو سوچتے ہیں کہ اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں کفر و شرک عام ہو چکا تھا لیکن دین ابراہیمی کی کچھ چیزیں باقی تھیں۔ گو اپنی حقیقی شکل میں موجود نہیں تھیں ان میں سے آخرت کا تصور تھا۔ فرشتوں کا تصور تو تھا لیکن فرشتوں کی پوجا کرتے تھے سو فرمایا جن لوگوں کے پاس تصور آخرت ہے ان سے بات کریں پھر ان کو سمجھ آئے گی کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار اور نہ سفارشی۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جو سب حاجات پوری فرماتا ہے۔ دنیا میں بھی وہی دوست ہے اور ولی ہے اور آخرت میں بھی وہی ولی ہے اور دوست ہے۔ اس سے معاملہ درست کرنا چاہیے۔ ایسے لوگ ہی آپ کی بات مانیں گے اور اپنی آخرت درست کریں گے جنہیں کچھ تصور آخرت ہوگا اور جب انہیں آپ ﷺ کی وساطت سے نور بصیرت حاصل ہوگا ان کے دل روشن ہوں گے وہ لوگ تقویٰ سے سرفراز ہوں گے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱ تاکہ وہ اللہ کی اطاعت

خلوص دل سے کر سکیں ۔ اللہ کی اطاعت خلوص دل سے کرنا ہی تقویٰ ہے **وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ** ط مشرکین مکہ کے روساء نے یہ بات کہی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے کے لئے کیسے آئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں تو وہ لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جو یا تو ہمارے آباء واجداد کے زمانے سے نسل درنسل غلام چلے آرہے ہیں یا ہمارے کھیتوں میں کام کرنے والے مزارعے یا ملازم پیشہ مزدور ہیں ۔ یہ ہمارے برابر کے نہیں ہم ان میں بیٹھ کر آپ کی بات کیسے سنیں ۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو اٹھا دیں تاکہ ہم بیٹھ سکیں ۔ اس بات کا جواب اللہ کریم نے اس آیہ کریمہ میں دیا ہے اور یہ جواب قرآن کا حصہ ہے ۔ قرآن قیامت تک کے لوگوں کے لئے کتاب ہدایت ہے ۔ اور یہ جواب بھی اس میں قیامت تک رہے گا اور اس اصول کو واضح کرتا رہے گا کہ وہ لوگ جو محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے صبح وشام اللہ کو پکارتے ہیں انہیں اللہ کریم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بٹھانا پسند فرماتا ہے ۔

عظمتِ صحابہؓ:

صحابہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت عالی کی سعادت پانے والی ہستیاں ہیں ۔ ان کے مقام کا کماحقہٗ ادراک وشعور ہونا ہمارے علم کی رسائی سے بالاتر ہے ۔ نبیؑ جب مبعوث ہوتا ہے تو نبیؑ کو اللہ کریم نبوت کی قوت عطا فرماتے ہیں ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت اللہ کی عطا کردہ برکات ہوتی ہیں اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یہ کمال ہوتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی بات ارشاد فرماتے ہیں تو بندۂ مومن پر اس بات کی کیفیت بھی طاری کر دیتے ہیں ۔ اس کے کان ہی نہیں سنتے اس کا دل بھی سنتا ہے ۔ اس کا صرف ظاہر ہی نہیں مانتا اس کا باطن بھی اللہ کے آگے جھک جاتا ہے ۔ اور یہ کام لمحوں میں ہوا ۔ بغیر کسی وظیفے اور چلّے کے ہوا ۔ صحابہؓ میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو فرضیت صلوٰۃ اور فرضیت صوم سے پہلے دنیا سے کوچ کر گئے ۔ اس وقت وفات پا گئے جب نہ زکوٰۃ فرض ہوئی نہ جہاد لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لمحے کی مصاحبت پا گئے اور صحابیؓ کے منصب جلیلہ پر فائز ہو گئے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک کا کسی وجود پر پڑ جانا ایسی نعمت ہے اور ایسی دولت تھی جو بعد والے کسی کے حصے میں نہ آئے گی ۔ شرف صحابیت یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک نگاہ سے صحابہؓ کے وجود کے ذرات تک ذاکر ہو گئے ۔

بارگاہ الٰہی اور بارگاہ رسالت میں عزت:

مسلمانوں میں اولیاء اللہ کا بڑا احترام ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ اللہ کے یہ بندے لوگوں کی ہدایت کا

سبب بنتے ہیں۔ آپ ﷺ کی برکات کے امین ہوتے ہیں۔ ان حاملین برکات کی تو قبور کا بھی ادب واحترام ملحوظ رکھا جاتا ہے اور ہونا بھی چاہیے لیکن یادرکھیں دنیا کے سارے ولی اللہ کی ولایت اگر جمع کر لی جائے تو کسی صحابیؓ کی خاک پا ان سب کی ولایت سے برتر ہوگی۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھنے والے تھے جنہیں مشرکین مکہ اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے۔ مشرکین کے لئے بے شک وہ غریب، مزدور، ملازم اور غلام تھے۔ غلاموں کی اولاد تھے لیکن اللہ کریم نے اس آیہ مبارکہ میں گواہی دی ہے کہ ان کے روئیں روئیں میں میرا نام بس گیا اور ذرے ذرے سے میری تجلیات پھوٹ رہی ہیں **سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ** الفتح:29 ان کی عبادات کا اثر تو ان کے چہروں سے ہویدا ہے اور اے مشرکین تم کہتے ہو کہ یہ لوگ اٹھ جائیں تو ہم بیٹھیں گے۔ ان کے مقابلے میں تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ تم سراپا ظلمت ہو ان کے وجود کے ذرے ذرے میں میری تجلیات کا نور رچ بس گیا ہے۔ اللہ کے نزدیک دولت پیمانہ نہیں کہ امیر آدمی کی عزت صرف امارت کی وجہ سے کی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ اگر دولت دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ذرہ بھی نہ ملتا لیکن دنیا کا مال و دولت ایک کھیل تماشہ ہے۔ ارب پتی شخص بھی جب مر جاتا ہے تو پیوند خاک ہی ہو جاتا ہے۔ فرعونوں نے اپنے مرنے والوں کو سونے کے تابوتوں میں دفن کیا ان کے مقابر پر کروڑوں خرچ کئے لیکن وہی مٹی ان کے جسموں کو کھا گئی جو ایک عام مزدور کے جسم کو کھاتی ہے۔ کیا سونے کے تابوتوں نے انہیں اخروی حساب سے نجات دلا دی۔ فرمایا اللہ کے نزدیک یہ معیار نہیں ہے کہ کسی کے پاس کتنی دولت ہے۔ اس کا معیار یہ ہے کہ کون میری رضا کا طالب ہے۔ یہ لوگ تو جو میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور برکات نبوت نے انہیں وہ نعمت عطا کر دی کہ **يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ** ان کی زندگی کا صبح سے شام تک کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ ان کا ذرہ ذرہ اللہ کو یاد نہ کر رہا ہو۔ تمہاری ان کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے کہ تم کہتے ہو یہ اٹھ جائیں تو ہم بیٹھیں گے **مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ** فرمایا اللہ کی بارگاہ میں سب کی پرسش ہوگی۔ نیکی کی عزت ہوگی کفر و برائی کی بے وقعتی ہوگی۔ اس پر سزا ہوگی۔ اس جگہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ کوئی دولت مند کسی غریب کے اور کوئی غریب کسی دولت مند کے کام نہیں آئے گا۔ ہر ایک کو اپنا اپنا حساب دینا ہوگا۔ ایسے لوگوں کی خاطر جن کے روئیں روئیں میں کفر و تکبر ہے جو اپنے آپ کو کوئی اور مخلوق سمجھتے ہیں ان لوگوں کو اٹھا دیا جائے جو ہر وقت اللہ کی یاد میں محو ہیں تو یہ ناانصافی ہوگی۔ ظلم ہوگا۔ ان کا تو حق بنتا ہے کہ یہ بارگاہ رسالت میں حاضر رہیں۔ ان متکبرین کی حیثیت ہی کیا ہے؟ یہ اپنی جاگیروں پر ناز کرتے ہیں جبکہ

انہیں نہیں معلوم کہ دفن ہونے کے لئے بھی اللہ کو منظور ہوا تو ہی چار پانچ فٹ زمین کا ٹکڑا دفن کے لئے ملے گا۔ دنیاوی نعمتیں تو سب اللہ کی ہیں۔ ان کے پاس تو وقتی طور پر امانتاً دی گئی ہیں۔ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ ایسے نیک لوگوں کو اپنی محفل سے اس لئے اٹھا دینا کہ متکبرین آپ ﷺ کی محفل میں بیٹھ سکیں ایسا کام ہے جو ناانصافی کے زمرے میں آتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے اور نہ ہی ایسا کام آپ ﷺ کی شان کو زیب دیتا ہے وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ یہ اللہ نے آزمائش بنا دی ہے۔ یہ ابتلائے الٰہی ہے کہ ان کے ذہن میں اپنی بڑائی کا خیال گھس گیا ہے۔ یہ کہتے ہیں لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ ہم اہل ثروت و دولت جن کے پاس بہترین سواریاں ہیں ہم اعلیٰ غذائیں کھانے والے اور بہترین لباس زیب تن کرنے والے لوگ ہیں ہم بھلا ان غرباء کے ساتھ کیسے بیٹھیں جن کو نہ لباس اور نہ غذا کی نفاست و نزاکت کا علم ہے۔ ان پر اللہ نے احسان کر دیا۔ یہ ولی اللہ ہو گئے اور ہم رہ گئے۔ فرمایا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ انہیں یہ سادہ سا جواب دے دیں کہ یہ جانچنا تمہارا کام نہیں۔ یہ فیصلہ کہ کون مقبول بارگاہ الٰہی ہے اور کون نہیں یہ اللہ کریم کا کام ہے۔ اگر اس نے ان مزدوروں، غلاموں کو اپنا نام لیوا بنا دیا ہے تو یہ لوگ یقیناً تم سے کروڑوں درجہ بہتر ہیں جن کو ایمان لانے کی توفیق ملی۔ یہ لوگ اللہ کے پسندیدہ ہیں اور اس کی پسند کی دلیل یہ ہے کہ جسے وہ پسند کرتا ہے اسے توفیق اطاعت ارزاں کر دیتا ہے اپنی یاد کی توفیق عطا کر دیتا ہے اور ایسے بندوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو محض اس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے ہیں۔ اپنی خطاؤں کی معافی چاہتے ہیں۔ اس کے رُخ انور کے طالب ہیں۔ اس کی ذات پر فدا ہیں۔ اس کی مرضیات میں فنا ہو چکے ہیں۔ ایک تم ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کرتے ہو۔ ایسے محروم ہو کہ تم سے بڑا اندھا ہی کوئی نہیں۔ بینائی سے محروم لوگوں کو بھی اگرچہ سورج نظر نہیں آتا لیکن سورج کی تپش محسوس ہوتی ہے۔ تم تو ایسے بے حس ہو کہ تم نے خود کو دھوپ کی تپش سے بھی محروم کر لیا ہے۔

میرا رسول ﷺ روشنیاں بکھیرنے والا سراج منیر ہے اور تم اپنے کردار کی خرابی کے باعث ایسے اندھے ہو چکے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد بھی ہدایت سے محروم ہو حالانکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی۔ تم کس بات کے انتظار میں ہو؟ اس سب کے باوجود تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں اللہ کی بارگاہ میں اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عزت ملے۔ تمہاری عقل بگڑ گئی ہے اور تمہارا شعور تباہ ہو گیا ہے اور اَللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ صرف اللہ ہی حق شناسوں کو خوب جانتا ہے۔ وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اور جب یہ وابستگان درِ حبیب ﷺ آپ کے

پاس آجائیں تو ان پر سلامتی نچھاور فرمائیے۔ یہ آیہ مبارکہ ایمان اور ایمان کے تقاضوں کی وضاحت کر رہی ہے۔ ایمان اعتماد علی الرسول ﷺ کا نام ہے۔ جب یہ یقین آجائے کہ آپ ﷺ تمام کائنات میں سے سب سے زیادہ جاننے والے اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جس کام کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ غلط ہے وہ یقیناً غلط ہے۔ وہ مجھے نہیں کرنا اور جس کام کے کرنے کا حضور اکرم ﷺ حکم دے دیں وہ یقیناً فائدہ مند ہے۔ مجھے پوری کوشش سے وہ کام کرنا ہے۔ اس کیفیت کا نام ایمان ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حکم ارشاد فرما دیں اس کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کے لئے سوچنے کی گنجائش نہ رہے صرف تعمیل ارشاد کرے اور پورے خلوص سے ہو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم بوجھ اور مجبوری سمجھ کر نہ کرے بلکہ اس کا دل بھی اطاعت پیغمبر ﷺ پر راضی ہو۔

ایسے لوگوں کے بارے ارشاد ہوا ہے کہ میرے حبیب ﷺ جب یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو آپ ﷺ ان کے لئے سلامتی کی دعا فرمائیں۔ انہیں سلامتی کی خوشخبری دیجئے۔ انہیں میری طرف سے میری رحمت کی نوید دیجئے۔ **كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ** اس لئے کہ آپ ﷺ کا اتباع کرنے والوں کے لئے اللہ نے اپنی رحمت کو لازم قرار دے دیا ہے۔ ان کے حق میں یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ میں ان پر اپنی رحمت کی بارش کروں گا۔ اگر ان سے کوئی غلطی ہوگئی نادانی اور جہالت کے باعث وہ کچھ غلط کام کر بیٹھے **ثُمَّ تَابَ** تو پھر وہ توبہ کریں۔ گویا صدور زنب منافی ء ولایت نہیں۔ ہاں علماء فرماتے ہیں کہ غلطی کرنا جہالت ہے کہ جس لمحے گناہ یا غلطی ہوتی ہے اس لمحے کرنے والے کی نگاہوں سے تمام علوم او جھل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے عالم بھی اگر گناہ کرے تو اس لمحے وہ جاہل ہی ہوتا ہے۔ وہ بتقاضائے بشریت اگر جہالت کا مرتکب ہو جائے تو پھر توبہ کا راستہ اپناتا ہے۔ توبہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا **الندم التوبہ** غلطی پر نادم ہونا توبہ ہے۔ جس کام پر انسان نادم ہوا سے بار بار کرنا پسند نہیں کرتا بلکہ اس کی اصلاح چاہتا ہے۔ گویا صدور زنب منافی ء ولایت نہیں۔ ہاں اصرار علی الذنب منافی ولایت ہے۔ اس لئے کہ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے **الله ولی الذین امنوا** ہر کلمہ گو اللہ کا ولی ہے۔ اللہ ہر مومن کا ولی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کلمے کے باعث مومن کی عزت ہے لیکن وہ لوگ جو مسلمانوں کی عزتیں لوٹتے ہیں۔ مساجد اور گلیوں میں بم پھوڑتے ہیں، بے گناہوں کو خون میں نہلاتے ہیں ان کو کلمے کی کیا عزت اور انہیں انسانیت کی کیا خبر؟ وہ کیا جانیں کہ ایک کلمہ گو کی اللہ کے نزدیک کتنی اہمیت ہے؟ اتنی اہمیت ہے کہ اللہ نے بندے کو اپنا دوست بنایا ہے۔ بندہ اللہ سے کتنی ہی دوستی کرے اس طرح سے

نہیں کر سکتا جس طرح رب العالمین دوستی کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جس کسی نے صدق دل سے کلمہ پڑھا، میں اس کا دوست ہوں۔ اس لئے ہر مومن کا احترام اور ہر مومن کی عزت و آبرو جان و مال کا تحفظ لازمی ہے۔

یہی فرمایا جا رہا ہے کہ بندہ مومن، خواہ خطا کار ہی ہو، نادم ہو جائے، اصلاح کر لے تو بھی صاحب ایمان ہے۔ اور اللہ کو مومن اتنا عزیز ہے کہ فرمایا اے میرے حبیب ﷺ جب یہ مومن آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ان پر سلامتی بھیجئے فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۞۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت اور اس کی برکات ہمیشہ کے لئے ہیں:

سلامتی بھیجنا محض عہد نبوی تک یعنی جو وقت حضور اکرم ﷺ نے دنیا میں گزارا، دنیا میں جلوہ افروز رہے صرف اسی وقت تک محدود نہیں ہے بلکہ جب تک نبوت قائم ہے تب تک یہ دولت بھی قائم رہے گی۔ جو بھی بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوگا اس پر سلامتی نچھاور کی جائے گی۔

بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضری کی صورتیں:

ہم کلمہ پڑھتے ہیں تو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری ہوتی ہے۔ موذن اذان کہتا ہے **اشھد ان لا الہ الا اللہ** تو اسے حضور حق نصیب ہوتا ہے **اشھد ان محمد رسول اللہ** کہتا ہے تو حضور رسالت ﷺ نصیب ہوتا ہے۔ درود شریف پڑھیں تو حضوری کا ایک اور درجہ نصیب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے ہمارے پاس تو بہت مواقع ہیں کہ ہم درود ہی پڑھتے رہیں تو ہمہ وقت روضۂ اطہر سے ہمارے لئے سلامتی کی دعائیں گونجتی رہیں گی۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے خدمت عالی میں عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ پر درود زیادہ بھیجا کروں، آپ ﷺ آپ بتا دیجئے کہ میں اپنی دعا میں سے کتنا حصہ آپ ﷺ پر درود کے لئے مخصوص کر دوں؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت کا چوتھائی حصہ آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے لئے مخصوص کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر اور زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا تو پھر میں آدھا وقت اس کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا چاہو کر دو اور اگر زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا تو پھر میں اس میں سے دو تہائی وقت آپ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم چاہو کر دو، اور اگر زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے خیر کا باعث ہوگا۔ میں نے عرض کیا' پھر تو میں اپنی دعا کا سارا ہی وقت آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی جائے گی اور تمہارے قصور معاف کر دیئے جائیں گے۔ (جامع ترمذی)

یہ آیہ کریمہ بھی یہی بات بتا رہی ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ ان میں سے جو کوئی تیری بارگاہ میں حاضر ہوگا اس پر سلامتی اترتی رہے گی۔ حضور اکرم ﷺ دار دنیا میں جلوہ افروز تھے تو لوگ جسمانی طور پر بارگاہ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو جاتے تھے۔ جو خوش نصیب آج روضۂ اطہر پر حاضر ہوتے ہیں وہ بھی حضوری کی ایک صورت پا لیتے ہیں۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ روضۂ اطہر پر حاضری کا وہی ادب ہے جو دنیوی حیات مبارکہ میں تھا۔ لیکن سب مسلمان تو وہاں تک نہیں پہنچ پائے تو جو دور بیٹھے درود شریف پڑھتے ہیں ایک درجے میں حاضری انہیں بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم سارا وقت ہی درود پڑھتے رہو تو میری بارگاہ سے تم پر ہر لحہ سلامتی اترتی رہے گی۔ دنیا کے مصائب بھی حل ہو جائیں گے اور آخرت کی مشکلیں بھی حل ہو جائیں گی۔ جب ہم التحیات میں پڑھتے ہیں السلام علیك ایھا النبی ﷺ اے اللہ کے رسول! ﷺ سلام ہو آپ پر تو ایک درجہ حضوری انہیں بھی نصیب ہوگی۔ اللہ کا فرشتہ یہ سلامتی پہنچا دے یا اللہ اپنی قدرت کاملہ سے پہنچا دے لیکن سلام بارگاہ عالی میں پہنچے گا۔ دیکھا یہ ہے کہ ایسا وہ کس خلوص سے کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دن بھر کتنی باتیں کرتے ہیں اور کتنا درود شریف پڑھتے ہیں۔ پڑھتے بھی ہیں یا نہیں۔

یہ باتیں بیان تو کی جاتی ہیں لیکن نتیجہ تو عمل پر مرتب ہوتا ہے دیکھئے اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ کریم حکم فرما رہے ہیں کہ ان میں جو بھی آپ کے پاس آئے اس پر سلامتی نچھاور کر دیجئے۔ یہاں امیر غریب کی تخصیص نہیں ہے یہ صرف فقیر کے لئے نہیں یہ امیر کے لئے بھی ہے کہ جو بھی اس بارگاہ میں حاضر ہوا سے سلامتی عطا ہو۔ فرمایا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ انہیں فرما دیجئے کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اور انہیں فرمایئے کہ تمہارے رب نے تم وابستگان بارگاہ رسالت کے لئے اپنے اوپر سلامتی اور رحمت لازم کر لی ہے۔ تمہیں اس سے محروم نہیں کرے گا پھر اس کے ساتھ ایک اور رعایت بھی عطا کی اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ تم سے نادانی سے کوئی نافرمانی بھی ہو گئی تو توبہ کرو، رجوع الی اللہ کرو، اپنے کردار کو درست کرو تو اللہ یقیناً بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ اور آیات الٰہی کا کمال یہ ہے کہ یہ جرم کرنے والوں کے کرتوتوں کی اطلاع کر دیتا ہے ہر بندے کو پتہ چل جاتا ہے کہ برائی کیا ہے؟ اور مجرمین کا طرز زندگی کیا ہے؟

سورۃ الانعام رکوع 7 آیات 56 تا 60

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

آپ کہہ دیجئیے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ کہہ دیجئیے کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا راہ پر چلنے والوں

میں نہ رہوں گا ﴿۵۶﴾ آپ کہہ دیجئیے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے ﴿۵۷﴾ آپ کہہ دیجئیے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿۵۸﴾ اور اللہ ہی کے پاس ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں ﴿۵۹﴾ اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تا کہ میعادِ معیّن تمام کر دی جائے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ﴿۶۰﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا، میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ کے علاوہ تم جن چیزوں یا جن ہستیوں کی پوجا کرتے ہو، مجھے میرے پروردگار نے ان سے روک دیا ہے اور یہ بھی فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرسکتا۔ اگر میں بھی ایسا کروں تو یہ گمراہی ہوگی اور ساتھ یہ بھی فرما دیجئے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح، روشن راستے پر ہوں۔ تم اس راستے کی حقانیت کا انکار کر رہے ہو اور کہتے ہو کہ جب ہم آپ کی بات نہیں مانتے تو آپ کہتے ہیں کہ بت پرستی پر، شرک پر اور کفر پر عذاب ہوگا تو پھر وہ عذاب لے آیئے تو جان لو کہ عذاب دینا میرا منصب نہیں ہے۔ ثواب وعذاب دینا اللہ کا کام ہے۔ یہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے کہ کسی پر عذاب بھیج دوں۔ یہ میرا منصب نہیں ہے۔ اور میں نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا۔ حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے۔ کسی کو عذاب دے یا نجات دے بخشے یا نہ بخشے۔ یہ فیصلہ اس کا اپنا ہے۔ وہ حق کو واضح فرماتا ہے اور یہ اسی

کی شان کو سزاوار ہے کہ وہ فیصلے کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلے کرنے والا ہے۔ اگر یہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو تمہیں جس قدر جلدی پڑی ہوئی ہے۔ اس کا فیصلہ ابھی تک ہو چکا ہوتا لیکن یاد رکھو اللہ غلط کاروں کو خوب جانتا ہے وہ خود فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ کے پاس ہیں غیب کے خزانے اور انہیں کوئی نہیں جانتا سوائے اس کی اپنی ذات کے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو تری میں ہے۔ اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا جسے وہ نہ جانتا ہو یعنی وہ ہر شئے کو ہر وقت جانتا ہے۔ کوئی دانہ، کوئی ذرہ زمین کی گہرائیوں میں ہے، کوئی خشک وتر چیز کہیں بھی ہے اللہ کے علم میں ہے۔ اللہ کا علم تو بہت عظیم ہے۔ مخلوقات کے بارے ذرہ ذرہ لوح محفوظ میں درج ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ مخلوق کو نیند میں ایک طرح کی موت دے دیتا ہے پھر انہیں اٹھا دیتا ہے تاکہ اپنی زندگی کی معیاد معین پوری کریں۔ انہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ انہیں ان کے ہر ہر عمل کی خبر دے گا۔ ان کے ہر کام سے انہیں مطلع کرے گا۔

تفسیر ومعارف

انسان اللہ کی ایک عظیم مخلوق اور اس کی صنعت کا بہت بڑا شاہکار ہے۔ اللہ کی تمام تخلیقات میں انسان ایک بے مثال مخلوق ہے اور روئے زمین کی تمام مخلوق اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۝ البقرہ: 29 روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ تمہاری خاطر پیدا کیا گیا ہے۔ گویا ساری کائنات انسان کے لئے ہے لیکن انسان کس کے لئے ہے؟

مرکز امید کون؟

انسان کے اندر تخلیقی طور پر اللہ کریم نے ایک شعور وآگہی رکھ دی ہے کہ کوئی ایسی غیبی طاقت ہونی چاہیے جو اس کا تحفظ کرے۔ جو اس کی مشکلات دور کرے۔ جو اس کی ضرورتیں پوری کرے یعنی توحید باری تخلیقی طور پر فطرت انسانی میں سمو دی گئی ہے۔ خواہ انسان پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ یہ طلب ہر انسان کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے لیکن جب لوگوں کا فکر وشعور بارگاہ الٰہی تک نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گئے تو انہوں نے مختلف ظاہری طاقتوں کو ایک غیبی طاقت تصور کر کے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے والا بنا لیا۔ جو مقام اللہ کا تھا وہاں مخلوق کو بٹھا لیا اور ان کی پوجا کرنے لگ گئے۔ اس لئے کفر وشرک کی تاریخ بتاتی ہے کہ انسان کبھی کسی ایک طاقت کا تصور نہیں کر سکتا جو اس کے سارے مسائل حل کر دے۔ کہیں اولاد دینے والے بت کا تصور ہے، بارش

برسانے کے لئے کوئی اور، اور کھیتی اگانے کے لئے کسی اور بت کا تصور موجود رہا لیکن ایسے لوگ بھی موجود رہے جو اپنی فطرت سلیمہ پر قائم تھے جیسا کہ بعثت رسول اللہ ﷺ سے پہلے عہد فترت میں جب دین کی خبر نہیں تھی ایسے لوگ تھے جو کفر وشرک کو نہیں مانتے تھے مثلاً مکہ مکرمہ کے ایک شخص زید بن عمرو بن نفیل تھے وہ فرماتے تھے

ءَ رب واحد ام الف رب

ءَ دین اذا تقسمت الامور

ترکت لات والعزیٰ جمیعاً

کذلک یفعل رجل للبصیرۃ

خالق و مالک اور پالنہار تو کوئی ایک ہوگا ہزاروں کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور دین میں جب کام بانٹ دیئے جائیں تو نہ یہ دین رہتا ہے نہ یہ بات ربوبیت باری کے شایان ہے۔ فرد تو ایک ہے اس کی ضروریات بے شمار ہیں۔ ہر ضرورت کے لئے ایک علیحدہ خدا ہو تو سب خداؤں کو راضی کرنا مشکل ہے کہ ان میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔ پھر وہ کہتے تھے میں لات وعزیٰ وغیرہ سب کو چھوڑتا ہوں اور جس بندے کو اللہ نے بصیرت دی ہے وہ ایسا ہی کرے گا۔

یہ بھی دین نہیں کہ انسان اپنی خواہشات کو ہی مرکز امید بنالے۔ بت پرستی صرف ظاہری بتوں کی پوجا کا نام نہیں۔ جسے بھی مرکز امید بنالیا وہی اِلٰہ بن گیا۔ خواہ وہ افراد ہوں یا انسان کی اپنی ہی خواہشات ہوں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جو اپنی خواہشات کی عبادت کرتے ہیں۔ خواہش کو بت بنا کر تو کوئی سجدہ نہیں کرتا لیکن عملاً اپنی خواہشات کی غیر مشروط اور اندھا دھند پیروی کرتا رہتا ہے۔ خواہشات اور تمناؤں کی غیر مشروط اطاعت عبادت کہلاتی ہے۔

یہی بات اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمائی گئی ہے **قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** فرمایا' میرے حبیب ﷺ انہیں بتا دیجئے ایک اللہ کے علاوہ جتنی ہستیوں سے تم امیدیں وابستہ کر کے ان کی پوجا کرتے ہو مجھے اللہ نے ان سے روک دیا ہے۔ میں ان میں سے کسی ایک کو پرکاہ اہمیت نہیں دیتا۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں **قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝٥٦** اور میں تمہارے ایجاد کردہ فلسفے کو ماننے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ کا رسول ﷺ، خاتم الانبیاء، امام الانبیاء ہوں۔ اگر میں بھی تمہاری بات مان لوں تو یہ غلط ہوگا۔ غلط کو صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ کوئی بڑی سے بڑی ہستی غلط کو صحیح مان

لے تب بھی وہ غلط ہی ہوتا ہے لہٰذا تمہارا عقیدہ، تمہاری سوچ وفکر سب غلط ہے۔ تم اس بات پر زور لگاتے رہتے ہو کہ میں تمہاری بات مان لوں۔ بالفرض تمہاری بات مان لوں تو میرے ماننے سے غلط بات صحیح نہیں ہو جائے گی، غلط ہی رہے گی۔ اور مجھے میرے پروردگار نے تمہاری ان خرافات کو ماننے سے روک دیا ہے لہٰذا نہ مجھ سے ایسا مطالبہ کرو نہ ایسی باتوں کی مجھ سے امید رکھو۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ فرمایا' انہیں بتا دیجئے کہ مجھے میرے رب نے واضح اور روشن راستہ بتا دیا ہے۔ میں تمہاری طرح راہ گم کردہ نہیں ہوں اور تم راہ گم کردہ لوگ ہو۔ میں اپنے رب کے عطا کردہ ایسے روشن راستے پر ہوں جس میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ جس کی صداقت پر دلائل وبراہین موجود ہیں اور اس میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ اور تم اسی کا انکار کر رہے ہو۔ حق کا انکار کر کے اپنے لئے مصیبت مول لے رہے ہو۔ تمہاری عبادات منتشر ہیں۔ تمہارے معبود مختلف ہیں۔ تمہاری سوچ وفکر میں انتشار ہے۔ یہ حق کا انکار کرنے کا نتیجہ ہے۔ دراصل حق ایک ہوتا ہے اور حق کو ماننے والے اسی حق پر متحد ہوتے ہیں۔ ناحق میں کسی ایک بات پر اتفاق نہیں ہوتا۔ اور یہی رویہ آج ہمارے معاشرے کا جزو ہے۔ اس رویے کا علاج بھی قرآن پر عمل کرنا ہے لیکن ہم جب قرآن پڑھتے ہیں تو اس طرح کہ بھلائی کی آیات کو صحابہ کرامؓ پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ جو آیات کفار منافقین کے طرز عمل پر بحث کرتی ہیں انہیں ہم عہد نبوی کے کفار ومنافقین پر چسپاں کر کے خود الگ ہو جاتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کسی ایک زمانے کے لئے نہیں ہے یہ درست ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس کے مصداق اس وقت کے کافر تھے اور قرآن حکیم کی حقانیت کو ماننے والے صحابہ کرامؓ تھے لیکن کیا قرآن حکیم کے ارشادات وہیں ختم ہو گئے؟ نہیں قرآن حکیم تو قیامت تک آنے والی انسانیت کی رہنمائی کے لئے ہے۔ آج بھی جو اپنی امیدیں اللہ کے بجائے کسی غیر اللہ سے وابستہ کرے گا وہ اپنا نام مسلمان رکھ لے، دین محمد رکھ لے یا کوئی ہندوانہ نام رکھ لے اہمیت اس روّیے کی ہے کہ کیا اس کی امید اللہ سے وابستہ ہے یا غیر اللہ سے وابستہ ہے۔ یہ بھی طے ہے کہ جس کا جو مرکز امید ہوتا ہے وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جس سے امید ہو اس سے بگاڑنا نہیں چاہتا۔ کوئی ایسا کام نہیں کرتا کہ امید کی رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ آج اگر ہماری امیدیں رب العالمین سے وابستہ ہوں تو معاشرے میں جرائم کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ نہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ ایک دوسرے کے وسائل پر قبضہ کرنے کی، نہ قتل وغارت گری کی گنجائش رہتی ہے۔ آج ملک میں بدامنی، ناانصافی وبدحالی کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے عظمت الٰہی سے منہ پھیر کر فانی مخلوق سے اپنی امیدیں وابستہ کر لی ہیں اور اس ناانصافی وبدامنی کا علاج بھی الٹا سوچا گیا ہے کہ

دہشت گردی کا علاج مزید دہشت گردی کر کے دیا جائے۔ کسی بھی بیماری کا علاج اس کی وجوہات ختم کرنے سے ہوتا ہے اور یہاں قتل کا علاج مزید قتل سے کیا جا رہا ہے۔ لیکن افراد تو قتل ہو جاتے ہیں ان رویوں اور ان افکار کو کون قتل کرے گا؟ دہشت گردی کا سبب تو ایک منفی سوچ ہے منفی رویے ہیں۔ ان رویوں کو مثبت کرنا ہی دہشت گردی کا علاج ہے۔ تعلیمات قرآن کو، ارشادات رسول کریم ﷺ کو عام کر کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر کے، بچوں کو دینی باتیں پڑھا کر، سمجھا کر اس قابل کرنا ہی علاج ہے تا کہ آنے والی نسل دہشت گردی کے خلاف امن کی ضامن بن جائے۔

مَا عِنۡدِىۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ‌ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ‌ؕ يَقُصُّ الۡحَـقَّ‌ وَهُوَ خَيۡرُ الۡفٰصِلِيۡنَ ۝ فرمایا تم جس عذاب کا تقاضا کر رہے ہو اور عذاب کو جلد لانا چاہتے ہو تو وہ عذاب لانا میرا کام ہے۔ فیصلے کرنا میرا کام نہیں۔ فیصلے تو وہ کرے گا جس نے تمہیں مہلت دی ہے۔ فرصت دی ہے۔ اگر تمہارے پاس فرصت ہے، وقت ہے تو اسے عذاب مانگنے میں صرف کرنے کے بجائے اصلاح پر صرف کرو۔ وقت تو گزر ہی جائے گا فیصلے کی گھڑی تو آ ہی جائے گی مہلت ختم ہو جائے گی۔ پھر حکم صرف اللہ کا چلے گا کہ فیصلہ کرنا صرف اللہ کو سزاوار ہے۔ وہ مالک ہے اس لئے فیصلہ بھی وہی کرے گا۔ اور اللہ وہ ذات ہے جو سیدھی حق بات ارشاد فرماتا ہے اور بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

قرآن حکیم ہر عہد کے انسان کو مخاطب کرتا ہے:

قرآن حکیم کسی ایک زمانے کے لئے نہیں ہے۔ قرآن حکیم ساری انسانیت کے لئے ہے اس لئے ہر عہد کے انسان کو مخاطب کرتا ہے۔ آج ہم سے مخاطب ہے۔ نبی کریم ﷺ کے مخاطب ہم بھی ہیں اور قیامت تک آنے والے تمام اہل جہان ہوں گے۔ آج جو آیہ کریمہ آپ کے سامنے پڑھی جا رہی ہے آج اس کے مخاطب مشرکین مکہ یا عرب کے باسی نہیں ہیں۔ اس وقت وہی مخاطب تھے آج ہم ہیں۔ چونکہ قرآن میں دوام ہے۔ یہ ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے آج ہم سے مخاطب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بحکم الٰہی آج ہمیں بتا رہے ہیں کہ لوگو! تم نے جو خواہشات کی پوجا شروع کر دی ہے اس میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔ مجھے اللہ نے اس سے روک دیا ہے۔ ان کاموں میں تم تنہا ہو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں اور اگر تمہاری ان غلط حرکات کی میں بھی تائید کر دوں تو کسی بڑی سے بڑی ہستی کے تائید کرنے سے غلط کام درست نہیں ہو جاتا۔ آؤ! میرے پاس آؤ کہ میرے پروردگار نے مجھے روشن، واضح اور خوبصورت راستہ بتا دیا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کے

ساتھ خوبصورت اور آسان زندگی کے طریقے کا میں امین ہوں۔

سیرت پاک میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے زمین پر ایک سیدھی لکیر لگائی اور فرمایا یہ اسلام ہے۔ یہ حق کا راستہ ہے اور بالکل سیدھا ہے پھر اس لکیر کے دائیں بائیں بہت سے خطوط لگائے اور فرمایا یہ بے شمار راستے گمراہی کے ہیں۔ حق کا راستہ ایک ہوگا تو سارے راہرو ایک جگہ جمع ہوں گے۔ جب راستہ ایک ہوگا تو منزل ایک ہوگی پھر ساتھ چلنے والے باہم محبت کرنے والے ہو جائیں گے۔ یوں آپس کا بھائی چارہ، ایک تعلق اور محبت پیدا ہو جائے گی۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ قرآن کی بات کو آپ ﷺ کے ارشادات کو عام کیا جائے کہ آج بھی حضور اکرم ﷺ کی نبوت ہے۔ آج بھی وہی کلمہ ہے جو پندرہ صدیاں پہلے پڑھا گیا تھا۔ کلمے میں یہی پڑھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب آج کے رسول حضور اکرم ﷺ ہیں تو کس کی بات مانی جائے گی؟ خواہش نفس کی، حکومت وقت کی یا ملا کی؟ حق یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی بات نہیں مانی جائے گی۔ ملا ہو، پیر فقیر ہوں یا مرشد سب اس بارگاہ کے غلام ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے وہی بتائیں۔ جو ایسا نہیں کرتا نہ وہ مولوی ہے نہ پیر نہ کسی احترام کا مستحق ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں اللہ اپنے نبی کریم ﷺ سے کہلوا رہا ہے کہ فرما دیجئے قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ میں اللہ کے عطا کردہ سیدھے اور روشن راستے پر ہوں جس کے ساتھ دلائل ہیں۔ جس کا حق ہونا ثابت ہے۔

سوال یہ ہے کہ اتنا روشن راستہ جب ہمارے پاس ہے تو ہم مار کیوں کھا رہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم صرف زبانی طور پر مانتے ہیں اور عملاً وہی کام کرتے ہیں جو کافر کرتے ہیں؟ اور نتائج تو کام پر مرتب ہوتے ہیں محض کہنے پر نہیں۔ کوئی شخص زہر پی رہا ہو اور زبان سے کہتا رہے کہ وہ شربت پی رہا ہے تو اثر زہر کا ہوگا اس لئے کہ نتیجہ عمل پر مرتب ہوگا۔ اگر ہم زبانی کلمہ پڑھتے رہیں اور کردار عملاً کلمے کے خلاف ہو نتیجہ بھی عمل کے مطابق ہوگا سو فرمایا یہ بڑی سیدھی سی بات ہے، یہ نہ کسی خاندان کی بات ہے نہ کسی قوم و نسل کی نہ رنگ و زبان کی۔ یہ بات انسان کی ہے۔ جو بھی جیسا بھی عمل کرے گا ویسا ہی نتیجہ پالے گا خواہ وہ کسی بھی قوم، رنگ و نسل اور قومیت و خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔

فرمایا' یہاں تک تو میری ذمہ داری تھی کہ غلطیوں، گمراہیوں اور غلط رویّوں کی نشاندہی کر کے تمہیں ان سے روکوں اور راہ ہدایت تمہارے سامنے رکھوں لیکن تم نے تو یہ شرط عائد کر دی ہے کہ آپ عذاب لے

آئیں قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ تو جس عذاب کی تم جلدی کر رہے ہو۔ وہ عذاب لانا میرا کام نہیں لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ یہ فیصلہ اس کے بس میں ہے جس کی مخلوق ہے۔ میں نے فیصلہ کرنا ہوتا تو جو مطالبے تم کر رہے ہو وہ فیصلہ ہو جاتا اور جھگڑا ختم ہو جاتا لیکن یہ تو اللہ کے کام ہیں جس نے اپنی مخلوق کی رہنمائی کے لئے کتاب نازل کی۔ رسولؐ مبعوث فرمائے۔ کردار تمہارا ہے اور فیصلہ اس نے کرنا ہے۔ انتخاب تمہارے پاس ہے کہ تم کون سا راستہ چنتے ہو لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ کہ کسی کی کوئی حرکت اس ذات پاک سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کی سوچ وفکر اور عمل کو دیکھ رہا ہے لہٰذا اس کے مطابق اور اپنی مرضی سے فیصلہ فرمائے گا۔ یہ بھی مت بھولو کہ تم برائی کر رہے ہو اور تمہارا کچھ نہیں بگڑا۔ درحقیقت تمہارا بہت کچھ بگڑ رہا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایک کشتی میں چھوٹے چھوٹے کنکر ڈالتے جائیں تو ایک دن وہ کنکر مل کر کشتی کو اتنا بوجھل کر دیتے ہیں کہ وہ ڈوب جاتی ہے۔ یہی حال گناہوں کا ہے۔ گناہ کرتے کرتے بندہ یہ سوچتا ہے کہ اس نے گناہ کیا تو کسی نے اس کا کیا بگاڑ لیا لیکن ایک دن ضرور بگڑ جائے گا۔ تو فرمایا جب بگڑے گا تو کچھ بھی تمہارے بس میں نہیں ہوگا لہٰذ بروقت اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ شکر گزاری کا راستہ اپناؤ، اور کفار کی پیروی سے بچو۔

فطرت کا ایک اصول ہے کہ ہر کام ہماری دنیاوی اور اخروی زندگی دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ ایک نتیجہ فوری مل جاتا ہے جو اس دنیا میں نظر آتا ہے اور اس نتیجے کا حتمی ظہور آخرت میں ہوگا۔ جو نتیجہ دنیا میں ظاہر ہوتا ہے اس کے لئے کفر یا اسلام شرط نہیں ہے۔ اچھی صحت مند غذا خواہ مسلمان کھائے یا کافر دونوں کے لئے یکساں مفید ہوگی۔ جب دونوں آخرت پہنچیں گے تو مومن کو اجر ملے گا کہ اس نے دنیا میں اللہ کی نعمتیں استعمال کرتے ہوئے اللہ کا احسان یاد رکھا۔ اس کا شکر ادا کیا اور کافر کو ناشکری کی سزا ملے گی۔ اسی طرح دنیا کی زندگی میں کافر اگر کاروبار میں دیانت داری کرے گا تو اس کا کاروبار اچھا چلے گا۔ اسے دنیاوی فائدہ ضرور ملے گا۔

یہی وہ اصول ہے جس پر چل کر مغربی اقوام نے ترقی کی ہے۔ تاریخی طور پر یہ بات واضح اور مسلم ہے کہ نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت مغرب جہالت اور اجڈپن کا شکار تھا۔ بلکہ بہت بعد میں بغداد کے حکمران نے جب فرانس کے حکمران کو ایک گھڑی تحفتاً بھیجی تو فرانس سے ایک وفد آیا کہ گھڑی استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا جائے۔ آج جہاں جہاں اہل مغرب کا کام دنیوی اعتبار سے درست چل رہا ہے وہاں انہوں نے تمام اصول اسلام سے لے کر اپنائے ہیں۔ اور جہاں انہوں نے اسلام کے طرز حیات کو نہیں اپنایا وہاں وہ خوار ہو رہے ہیں۔ مثلاً انہوں نے معیشت کی بنیاد سود پر رکھی ہے تو وہاں اتنی معاشی ناہمواری ہے کہ

امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ مغرب کے سخت سرد موسم میں لوگ پلوں کے نیچے رات بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات اور باقی رشتوں کو دیکھ لیں۔ گھر ٹوٹ چکے ہیں۔ خاندان بکھر گئے ہیں باپ بیٹی کو اور بھائی بہن کو برائی سے نہیں روکتا۔ عزت اور آبرو نام کی شئے عنقا ہے۔ کھانوں میں حلال حرام کی تمیز روا نہیں رکھی تو کافروں کی غذا میں سانپ، کچھوے، مینڈک، بچھو، بندر اور خنزیر شامل ہیں۔ گویا جہاں جہاں انہوں نے دنیاوی طور پر بھی اسلام نہیں اپنایا وہاں وہ انسانی مزاج بھی مسخ کر بیٹھے ہیں۔ قرآن حکیم انہی اصولوں کو بیان کر کے انسانوں کو ان کے حقیقی مقام کی طرف متوجہ فرماتا ہے اور ہر دور کے انسانوں کو ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اسلام رہتی دنیا تک کے لئے لوگوں کو ہدایت پہنچانے کا ضامن ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ واحد ہے۔ لاشریک ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کی ذات اور اس کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ کوئی دوسرا اس جیسا نہیں۔

علم اللہ کی ذاتی صفت ہے:

اللہ کی ذات کے علاوہ کہیں علم کا یہ تصور نہیں پایا جاتا کہ ذاتی طور پر کوئی جانتا ہو۔ علم اس کی ذاتی صفت ہے۔ علم کے بارے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **العلم علمان علم الادیان و علم الابدان او کما قال رسول اللہ** ﷺ مکمل علم وہ ہے جس میں علوم الٰہیات ہوں یعنی اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات، اس کی پسند و ناپسند اس کی رضا کے احکام اس کے اوامر و نواہی اور ایمانیات اور اخلاقیات کا علم اور دوسرا علم الابدان یعنی اشیاء کا علم۔ مادی وجودوں کا علم۔ پھر علم کے مدارج ہیں ایک عام سطح کا علم ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اشیاء کی خصوصیات جانتا ہو۔ اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ان کی تاثیر سے واقف ہو جیسے طبیب، حکیم یا ڈاکٹر وجود انسانی کے بارے علم رکھتے ہیں لیکن یہ دونوں علوم مخلوق کو اللہ کریم نے عطا فرمائے ہیں۔ اگر شہد کی مکھی شہد کے چھتے بنانے سے لے کر شہد بنانے تک کے محیّر العقول کام کرتی ہے تو یہ علم اسے اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح دوسرے جاندار کس طرح اپنے بچے پالتے ہیں۔ ان کی حفاظت کرتے ہیں یہ بھی سب اللہ کریم نے سکھایا ہے۔ انسان یا جن جو کچھ جانتا ہے وہ بھی اللہ کریم کی عطا ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ بے شک اللہ ہی کے پاس ہے علم غیب۔ اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو غیب

جانتی ہو۔ اللہ بغیر کسی کے بتانے کے جانتا ہے اور ساری مخلوق اللہ کے بتانے سے جانتی ہے۔ اللہ عالم الغیب ہے اور باقی سب کے پاس اطلاع عن الغیب ہے۔ یہ صفت صرف اللہ کی ہے کہ بغیر بتائے، بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے وہ جانتا ہے۔ ہر شئے کو جانتا ہے اور ہر وقت جانتا ہے۔ اور کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس طرح سے جانے ہر مسلمان کا اللہ پر ایمان ہے لیکن سب سے بڑا غیب اللہ ہے۔ ہم اللہ کو کیسے جانتے ہیں؟ ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا تو ہم جانتے ہیں۔ بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تو کسی کے پاس ذات باری کا تصور تک نہ رہا تھا۔ عہد فترت میں گم ہو چکا تھا۔ انسانیت کو اللہ کی پہچان ہمیشہ انبیاءؑ نے عطا کی۔ جب انبیاءؑ کی تعلیمات گم ہوئیں تو کوئی فلسفی، دانشور، ادیب یا مورخ اللہ کی معرفت بیان نہ کر سکا۔ انبیاءؑ کے بتانے پر لوگ آخرت پر ایمان لاتے رہے فرشتوں پر ایمان لاتے رہے حالانکہ یہ سب غیب تھا۔ آج ہم اللہ پر، تمام رسولوںؑ پر، تمام کتابوں پر، جنت و دوزخ پر، فرشتوں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جبکہ ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ سب غیب کی باتیں ہیں لیکن ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے جانتے ہیں اہل علم کے بتانے سے جانتے ہیں۔ قرآن حکیم نسلاً بعد نسلاً، وارثتاً نقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔

انبیاءؑ کو اللہ کریم علوم غیبیہ سے مطلع فرماتا ہے:

جیسا کہ ابراہیمؑ کے بارے قرآن حکیم میں آتا ہے **وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض**۔

ہم نے زمینوں، آسمانوں کی بادشاہت کھول کر ابراہیمؑ کو دکھا دی لیکن یہ علم غیب نہیں ہے یہ اطلاع عن الغیب ہے۔ علم غیب وہ ہے جس میں کوئی بتانے والا نہ ہو۔ جو کسی سے سنا نہ ہو بلکہ ذاتی ہو اور ہر زمانے پر محیط ہو۔ پھر وہی ابراہیمؑ ہیں کہ آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور بیٹا اسمٰعیلؑ ذبح کر رہے ہیں۔ پٹی کھولتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دنبہ ذبح ہو چکا ہے اور اسمٰعیلؑ پاس کھڑے مسکرا رہے ہیں یعنی جس ہستی کو زمین و آسمان کی بادشاہتیں کھول کر دکھا دیں اسے یہ علم نہیں دیا گیا کہ ذبح دنبہ ہوگا۔ اللہ نے انہیںؑ آخری وقت تک پتہ نہیں چلنے دیا اور اپنی قدرت کاملہ سے اسمٰعیلؑ کی جگہ دنبہ کھڑا کر دیا لیکن یہ علم غیب نہیں تھا۔ اسی طرح جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے انہیں کنوئیں میں پھینک دیا اور یعقوبؑ سے وہ بچھڑ گئے پھر بکتے بکاتے مصر پہنچے وہاں محل میں پلے بڑھے پھر جیل میں رہنا پڑا لیکن یعقوبؑ کو یقین تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں۔ انؑ کا خواب سچا تھا۔ انہیں نبوت اور حکومت دونوں عطا ہوں گے اس لئے وہ اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ یوسفؑ کو کوئی بھیڑیا نہیں کھا سکتا اور بھائی کہتے تھے اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ یوسفؑ: 95 برسوں گزر گئے اور آپؑ اسی بات کو لئے بیٹھے ہیں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ یوسفؑ کے غم میں حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں سفید ہو گئیں تھیں۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ O یوسف:84 پھر تاریخ آگے بڑھتی ہے۔ یوسفؑ کے بھائیوں کی ملاقات یوسفؑ سے ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور میرے والد گرامی کے چہرے پر پھیرنا انؑ کی آنکھیں درست ہو جائیں گی۔قرآن حکیم بتاتا ہے وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ O یوسفؑ:94 جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو یعقوبؑ کنعان میں تھے۔ وہاں کہنے لگے مجھے آج یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔ اس نکتے کو مولوی رومی نے بڑے خوبصورت اشعار میں بیان کیا ہے

کسے پُر سیداں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گوہر پیر خرد مند

کسی نے اس عظیم ہستی سے جن کا بیٹا کھو گیا تھا یہ پوچھا کہ اے دانا انسان اور بہت دانشور بزرگ

زے مصرش بوئے پیراہن
چرا گر چاہ کنعان نہ دیدی

مصر کے شہر سے کرتہ باہر نکلا تو آپؑ نے یوسفؑ کی خوشبو سونگھ لی تو پھر آپؑ نے اسے کنعان کے کنوئیں میں کیوں نہ دیکھ لیا جب بھائیوں نے اسے وہاں پھینک دیا تو توانہوں نے فرمایا

بگفت احوال ما برق جہاں است
دمے پیدا دمے دیگر نہاں است

ہمارا حال اس طرح سے ہوتا ہے جس طرح آسمانی بجلی کہ چمکتی ہے تو سارا جہاں روشن ہو جاتا ہے اور بجلی کی چمک غائب ہو جائے تو سب کچھ غائب ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے جب دکھا دیتا ہے تو کائنات ہتھیلی پر آ جاتی ہے۔نہیں بتاتا تو پھر کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔

گہے بر طارم علی نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کبھی ہماری نگاہ عرش عظیم سے پار ہو رہی ہوتی ہے اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت نظر نہیں آتی جو نظر کے سامنے ہوتی ہے۔

یہ علوم، علوم غیبیہ نہیں ہیں۔ان پر اطلاع عن الغیب کا اطلاق ہوتا ہے۔اللہ کریم کا ارشاد پاک ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ O ال عمران:179 تم میں سے ہر ایک کو اللہ غیب پر مطلع نہیں فرماتا۔اپنے انبیاءؑ میں سے اپنے برگزیدہ کو چن لیتا ہے اور انہیں علوم غیبیہ عطا فرماتا

ہے۔ قرآن کی اصلاح میں جو مخفی علم انبیاءؑ کے پاس ہوتا ہے وہ علم غیب نہیں ہوتا بلکہ اللہ انہیں غیب کے بارے بتا دیتے ہیں۔

شانِ رسالت:

حضور اکرم ﷺ کی شان ارفع یہ ہے کہ مخلوق میں آپ ﷺ ہر پہلو سے بے مثل و بے مثال ہیں۔ علم کا پہلو ہو یا عمل کا جتنا علم کائنات میں سب کو دیا گیا ہے۔ تمام انبیاءؑ کو دیا گیا ہے اس کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کے علوم کے خزانے سب سے زیادہ ہیں لیکن کتنے ہیں؟ انہیں مکمل طور پر جاننا ہمارے بس سے باہر ہے۔ آپ ﷺ کے علوم ہمارے علم اور ہمارے شمار میں نہیں آسکتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

اللہ، خالق ہے اور حضور اکرم ﷺ مخلوق ہیں۔ اللہ کے بعد آپ ﷺ بے مثل و بے مثال ہیں۔ اللہ کا علم، علم غیب ہے اور حضور اکرم ﷺ کو اللہ نے ہر صنعت میں بے مثال بنایا ہے لہٰذا حضور اکرم ﷺ کا علم بھی بے مثل و بے مثال ہے۔ یہ بات ہی ہمارے فہم وادراک سے بالاتر ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ کریم نے کتنے علوم عطا فرمائے۔

استاذ نا المکرّم بہت جید عالم اور اپنے عہد کے بہت بڑے مناظر تھے۔ وہ عہد تھا جس میں علمی دلائل سے بات کی جاتی تھی اور دلائل سے بات سنی جاتی تھی۔ علمی باتیں مانی اور منوائی جاتی تھیں، مناظرے ہوتے تھے۔ علماء تشریف لایا کرتے تھے تو استاذ نا المکرّم فرمایا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات عالی کو مناظرے کا موضوع نہ بنایا جائے۔ آپ ﷺ کی ذات عالی کسی بحث و مناظرے سے بالاتر ہے۔ آپ ﷺ ایسی ہستی ہیں کہ اللہ کریم نے مخلوق میں کوئی آپ جیسا نہیں بنایا۔ آپ ﷺ ساری کائنات کے لئے معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں لہٰذا ساری مخلوق حصول علم کے لئے آپ ﷺ کی محتاج ہے تو پھر کس طرح آپ ﷺ کے علوم کو شمار کر سکتی ہے؟ لیکن عظیم ترین معلم انسانیت ہونے کے باوجود علم غیب پر اس وقت مطلع ہوتے ہیں جب اللہ کریم غیب کی باتیں آپ ﷺ کو بتاتے ہیں۔

فرمایا، غیب کے خزانے اللہ کے پاس ہیں **لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ** ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کریم کے یعنی کوئی نہیں جانتا کہ اللہ کے علوم کیسے ہیں؟ **وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** فرمایا، خشکی اور تری میں جو کچھ بھی ہے میں ان سب کو جانتا ہوں۔ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں یہ سب کچھ اشیاء کے ملنے سے بنتی ہیں۔ چند

گیسوں کے ملنے سے پانی بن جاتا ہے۔ چند ذرات کے ملنے سے وجود بن جاتا ہے۔ کچھ ذرات دوسری نسبت سے ملتے ہیں تو پھول بن جاتا ہے۔ ہر وجود مختلف اشیاء کا مجموعہ ہے حتیٰ کہ پانی کے قطرے میں متعدد گیسیں ملی ہوئی ہیں۔ وہ فرماتا ہے پانی کے قطرے ہوں یا مادے کے باریک ذرات ان سب کی ترکیب و ترتیب، ان میں جاری نظام، ان سے وابستہ تمام مخلوقات کو وہ ہر آن جانتا ہے۔ زمین کے عجائبات ہوں یا پانی کے اندر کی مخلوق سب سے وہ ہر لمحے باخبر ہے۔ کون سا بیج زمین کی کس تہہ میں ہے؟ اس سے کیا بننے والا ہے؟ وہ پودا بڑا ہو کر برگ و بار لائے گا؟ کس کھیت سے غلہ اُگے گا؟ فرمایا میں ہر ذرے کی ہر کیفیت کو ہر وقت جانتا ہوں۔

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا جو پتہ خشک ہو جاتا ہے پھر جھڑ جاتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ دنیا میں کتنے پتے ہیں؟ کتنے زرد ہو رہے ہیں؟ کتنے گرنے والے ہیں؟ کوئی شمار کر سکتا ہے؟ فرمایا' یہ صرف میرا کام ہے۔ میں ہی خالق ہوں۔ میں بناتا ہوں اور میں ہی جانتا ہوں۔ انہیں سبزہ میں ہی عطا کرتا ہوں ان کی طراوت میں ہی سلب کرتا ہوں۔ انہیں زرد کر کے میں ہی خشک کرتا ہوں۔ **وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾** کوئی ذرہ یا کوئی چیز خشک ہو یا تر سب کا بننا، بگڑنا اللہ کے سامنے ہے۔ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے اور اللہ کا علم لوح محفوظ سے بھی ورا الورا ہے۔ لوح محفوظ بھی علوم الٰہی کی انتہا نہیں۔ اللہ کا علم ازلی ہے۔ ابدی ہے۔ اس کے علم کی کوئی حد نہیں۔ جیسی اس کی ذات ازلی و ابدی ہے ویسی اس کی صفات بھی ازلی و ابدی ہیں۔ ہر شئے اگرچہ اللہ کے علم میں ہے لیکن انسان مکلّف ہے۔

انسان اسباب اختیار کرنے کا مکلّف ہے:

دنیا عالم اسباب ہے اور انسان اسباب اختیار کرنے کا مکلّف ہے۔ اللہ نے اصول دے دیئے۔ طریقہ بتا دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہر شعبے میں تربیت فرما دی کہ جائز اسباب اختیار کرے اور ناجائز سے بچے اسباب کی اہمیت اپنی جگہ مُسلّم ہے اس کے باوجود اسباب محض بہانہ ہوتے ہیں۔ نتائج اللہ کریم کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے عطا کردہ نظام زندگی سے اعراض کر کے آج مسلمان اس سطح پر آ گئے ہیں کہ نوجوانوں سے لے کر پختہ عمر تک کے لوگوں کا اللہ کے ساتھ یقین متزلزل ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نے ان کی کامیابی باندھ دی ہے۔ رزق باندھ دیا ہے۔ ترقی روک دی ہے۔ اولاد کی شادیاں باندھ دی ہیں۔ یہ

سراسر غیر اسلامی عقیدہ ہے۔ کائنات میں نہ کوئی کسی کی کامیابی باندھ سکتا ہے نہ کھول سکتا ہے۔ اس کی کائنات میں کسی کا دخل نہیں۔ سب کچھ اس کے دست قدرت میں ہے۔ ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ سب کام اپنے وقت پر ہو جاتے ہیں۔ وقت آنے پر اس کی قدرت کاملہ سے کام ہو جاتے ہیں۔ اس کی تمام مخلوقات کا علم، بحر و بر کا علم، ہر پتے کے بننے کا اور جھڑنے کا علم، درخت پر پھل آنے کا علم، شبنم اور اوس کے قطروں کا شمار اور ان کا علم، انسان و حیوان کے مرنے کا علم یہ سب تو لوح محفوظ میں ہے۔ اس کی ایک محفوظ کتاب میں ہے۔ اور اللہ کا علم تو بہت ہی عظیم ہے۔ اس کا علم اس کی شان کے مطابق ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ وہ ذات رات کو تمہاری روح قبض کر لیتا ہے۔ دن کو تم جیتے جاگتے ہوتے ہو۔ رات کو لیٹتے ہو تو موت جیسی کیفیت یعنی نیند سے دوچار ہو جاتے ہو۔ تمہیں کچھ خبر نہیں رہتی کہ تم کس حال میں پڑے ہو۔ لیکن وہ جاگ رہا ہوتا ہے اور دیکھ رہا ہوتا ہے وہ تمہارے ہر حال سے واقف ہے۔ جب تم ایک دفعہ نیند میں چلے جاتے ہو تو گویا موت کی وادی میں چلے جاتے ہو اور یہ تمہارا روز کا تجربہ ہے۔ کیا یہ تجربہ تمہیں یاد نہیں دلاتا کہ تم بے بس ہو گئے تھے۔ تمہاری آنکھوں نے دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ سب اعضاء ڈھیلے پڑ گئے تھے صرف دل دھڑک رہا تھا اور سانس آ جا رہی تھی تو جس دن وہ مسلسل نیند طاری کر دے گا تو پھر کیا ہوگا؟ تمہیں تو اپنی نیند پر بھی اختیار نہیں۔ یہ تمہارے بس میں نہیں یہ اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ جب نیند میں تم بے خبر ہو جاتے ہو گرد و پیش میں کوئی کچھ بھی کہے اور کچھ بھی کرے۔ تمہارے خلاف باتیں کرے یا تمہارا مال و اسباب لوٹ لے جائے تم تو بے خبر ہی رہتے ہو تو پھر جاگ جانے کے بعد اللہ کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہو اور اپنی مرضی کرنے پر اتر آتے ہو؟ تمہاری حیثیت تو یہ ہے کہ نیند سے بے بس ہو کر نہ اپنے گھر کی نگہبانی کر سکے نہ مال و اسباب کی نگہداشت۔ اسی طرح مر جاؤ گے تو تمہارے پاس کیا اختیار رہے گا؟ اور وہی ہے جو تمہیں دوبارہ زندگی دے دیتا ہے۔ دن کو جو کارستانیاں کرتے ہو وہ ان سے آگاہ رہتا ہے۔ برداشت کرتا ہے۔ وہ ایسا عظیم کریم ہے کہ تم محتاج و بے بس ہو کر اس کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ قادر مطلق ہو کر گرفت نہیں کرتا۔ وہ مہلت دیتا ہے کہ جتنی زندگی مقرر کی ہے اسے پوری کرے۔ اسے دعوت دیتا رہتا ہے۔ اس کی کتاب بلاتی رہتی ہے۔ اس کا نبی ﷺ دعوت حق دیتے رہتے ہیں۔ اللہ کے بندے **حیّ علی الصلوٰۃ** اور **حیّ علی الفلاح** پکار کر تمہیں اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ تم نہیں آتے تو اللہ تمہاری روزی بند نہیں کرتا۔ تمہاری

سانسیں نہیں روک لیتا۔ بلکہ ہر رات مزے کی نیند سلاتا ہے اور دن کی روشنی عمل کے لئے دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس فرصت عمل میں فرمانبرداری کرلو۔ بہتر ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو نہیں کرو گے تو اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اپنا وقت کھو کر ضائع کر کے اپنا ہی نقصان کرو گے۔ مہلت عمل کو اعمال صالح میں بسر کرو۔ اللہ کو یاد کرو اٹھتے بیٹھتے اللہ کی یاد سے زبان تر رکھو۔ آنکھوں کو اللہ کی عظمت کے مناظر دکھاؤ۔ قلب و باطن کو اس احساس سے زندہ رکھو۔ دل کو اللہ اللہ سے روشن رکھو۔ اللہ کی یاد کے بغیر تمہارا ہونا خود تمہارے لئے نقصان دہ ہے۔ جو وقت اللہ کے دھیان، اس کی عظمت کے احساس اور اس کی یاد کے بغیر گزرے اس کے نتائج بہت ہیبت ناک ہوں گے۔

انسان کی ایک ایک سوچ اور فکر کا ایک ایک زاویہ شمار ہوگا:

تمہیں آخر کار لوٹ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور وہ محتاج نہیں ہے کہ تفتیش کرے گا تو پتہ چلے گا بلکہ ہر حال میں دیکھنے والی ذات تمہارے کرتوتوں کی فہرست تمہارے سامنے رکھے گی۔ **ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾** تم جو گناہ کر کے بھول چکے ہو گے وہ بھی بتائے گا۔ کیا کمایا، کیسے خرچ کیا، تمہارے دل میں اللہ کی عظمت کتنی تھی؟ اللہ کے حبیب ﷺ سے کتنی محبت تھی؟ تم نے اللہ کی کتاب کو کتنا مانا؟ اور کتنی لاپرواہی کی۔ وہ ایک ایک بات تمہیں بتائے گا۔ پیر مہر علی شاہ لکھتے ہیں کہ اگر جانور کا دم اللہ کے نام کے بغیر نکل جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اور انسان جتنے سانس لیتا ہے اگر وہ اللہ کے نام کے بغیر نکلیں تو کیا ہوگا؟ اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں جو دم غافل سو دم کافر۔ جس دم میں اللہ کا نام نہ آئے وہ ناشکری میں چلا جاتا ہے۔ اللہ کی ناشکری میں شمار ہوتا ہے تو اللہ کے ہاں دل کی ایک ایک دھڑکن شمار ہوگی۔ سوچ اور فکر کا ایک ایک زاویہ شمار ہوگا۔

یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اللہ کریم ہے اور اللہ کا رسول ﷺ کریم ہیں۔ شاعر کہتا ہے اے اللہ

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستم میان دو کریم

تو بھی کریم ہے تیرا رسول ﷺ بھی کریم ہے اور تیرا احسان ہے کہ ہم دو کریموں کے درمیان ہیں۔ بچنے کی امید رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ مومن اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کی سوچ کا زاویہ بگڑ جاتا ہے۔ جب تک برائی پر عمل نہیں کرتا اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اگر برائی کرنے کا

ارادہ کر کے اللہ سے حیا کر لے اور برائی سے رک جائے تو اللہ اسے گناہ کے بدلے میں ثواب عطا فرماتا ہے۔ اگر نیکی کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے نیکی کا اجر عطا فرما دیتا ہے اور نیک ارادے کو عملی جامہ پہنانے پر ثواب عطا فرماتا ہے۔ یہ اس کا کرم ہے لیکن اس کے کرم کی روانی اور وسعت کے باوجود اگر ہم محروم رہیں تو پھر ہم اپنے آپ کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ کتنا کرم ہے اللہ کا اور کتنی کریم ذات ہے محمد رسول اللہ ﷺ کہ جن کے ایک ایک ارشاد پر جنتیں بٹ رہی ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اس طرح تقسیم ہو رہی ہیں کہ بندوں کا دامن تنگ پڑ جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے ایک ایک حکم کو سوچنا عبادت، سمجھنا ثواب، اس پر عمل کرنا ثواب ہے۔ اتنی نعمتوں کے نچھاور ہونے کے بعد بھی کوئی دوزخ جانا چاہتا ہے تو زبردستی ہاتھ چھڑا کر ہی جاتا ہے۔

آج کے حالات کو اس آیہ کریمہ کی روشنی میں دیکھیں۔ آج ہم جھوٹ بولنے کو کمال سمجھتے ہیں۔ دھوکہ دینے کو خوبی مانتے ہیں۔ ظلم کرنے کو اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔ یہ کون سی خوبیاں ہیں اور کیسی بڑائی؟ خوبیاں تو صرف اللہ کے لئے ہیں۔ نجات اور کامیابی کا ایک ہی راستہ ہے۔

کسی یکجائی سے عہد غلامی کرلو
اور ملت احمد مرسل کو مقامی کرلو

جو دامنِ محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہو گیا وہ جیت گیا۔ جس نے چھوڑ دیا وہ ہار گیا خواہ وہ اپنا نام کچھ رکھ لے۔ ایمان کا تقاضا اطاعت ہے۔ پورے خلوص کے ساتھ اتباع رسالت ہے۔

سورۃ الانعام رکوع 8 آیات 61 تا 70

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى
اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا
يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ
الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ
ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا
مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا
وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ
عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ
اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ
بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾
وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ
﴿۶۶﴾ ؕ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ
الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا
فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ
بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہیں (برتر ہیں) اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آ پہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے ﴿۶۱﴾ پھر سب اپنے مالکِ حقیقی اللہ کے پاس لائے جائیں گے خوب سن لو کہ فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا ﴿۶۲﴾ آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو ان سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی (پر قائم رہنے) والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿۶۳﴾ آپ کہہ دیجئیے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو ﴿۶۴﴾ آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھاوے آپ دیکھئیے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں ﴿۶۵﴾ اور آپ کی قوم اس کی تکذیب کرتی

ہے حالانکہ وہ یقینی ہے آپ کہہ دیجیے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں ﴿۶۶﴾ ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا ﴿۶۷﴾ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں ﴿۶۹﴾ اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو نہ سفارش کرنے والا اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کے لئے نہایت تیز کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب سے ﴿۷۰﴾

خلاصۂ رکوع

اللہ اپنے بندوں پر اور اپنی مخلوق پر غالب ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کا ہر لمحے ظہور ہے۔ وہ تمہاری حفاظت کے لئے تم پر فرشتے متعین فرماتا ہے تا آنکہ کسی کی زندگی پوری ہو جائے۔ اس کا وقت ختم ہو جائے تو پھر موت کے فرشتے آ جاتے ہیں اور وہ اپنے کام میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے اور موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے پھر بندے کو واپس اپنے اس مالک کے پاس جانا ہے جو واقعی اس کا مالک ہے اور یہ حق ہے۔ اور یاد رکھو تمام اختیار و اقتدار اللہ کے لئے ہے اور اسے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ ان سے کہیے کہ جب تم مصیبت میں ہوتے ہو تو اس سے تمہیں کون نجات دیتا ہے؟ اس کے باوجود تم اللہ کے شریک بناتے ہو۔ تمہیں کون نجات دیتا ہے سمندری طوفانوں سے، زمین پر پھیلنے والے طوفانوں میں۔ اس وقت تو تم اللہ کو پکارتے ہو بڑے تذلل

کے ساتھ اور چپکے چپکے دل میں اور کہتے ہو کہ اگر اللہ ہمیں اس سے نجات دے دے تو ہم اس کے شکر گزار بندے بنیں گے۔ تو تمہیں کون نجات دیتا ہے ہر مصیبت سے؟ لیکن نجات پانے کے بعد تم پھر اللہ کے شریک بنانے لگتے ہو۔ اس سے فرما دیجئے کہ وہ قادر ہے تم پر اوپر سے عذاب بھیج دے یا پاؤں کے نیچے سے عذاب نکال دے یا تم کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے اور تم ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگ جاؤ اور دیکھئے کہ ہم کس طرح سے واقعات بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ سکیں۔ آپ کی قوم نے اس کا انکار کیا حالانکہ یہ حق ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں ہوں کہ زبردستی تم سے اقرار کرواؤں اور ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے، عنقریب تمہیں سمجھ آ جائے گی۔ اے مخاطب جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو اللہ کی آیات کا مذاق اُڑا رہے ہوں تو ان سے علیحدہ ہو جا۔ تب تک ان کے قریب نہ جا جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مصروف نہ ہو جائیں اور کبھی غلطی سے بھول جاؤ یا احساس نہ ہو اور شیطان یہ بات بھلا دے کہ غلط کر رہے ہو پھر یاد آ جائے کہ یہاں نہیں بیٹھنا چاہیے تو وہاں سے الگ ہو جاؤ۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ جو لوگ اللہ جل شانہٗ سے معاملہ درست رکھتے ہیں ان پر ان کی جوابدہی نہیں ہے۔ وہ اپنے کام کے خود ذمہ دار ہیں لیکن اللہ کریم نصیحت فرماتے ہیں تا کہ لوگ اپنے کردار کی وجہ سے مصیبت میں نہ پھنس جائیں کیونکہ ان کے لئے اللہ کے علاوہ نہ کوئی دوست ہے نہ سفارش کرنے والا۔ ایسے نافرمانوں کے لئے اپنے کردار کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ ان کے لئے جہنم کا گرم پانی ہو گا اور دردناک عذاب اس لئے کہ وہ کفر کرتے ہیں۔

تفسیر و معارف

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے اور اس کا خاصہ ہے کہ جس علمی سطح کا فرد اسے پڑھتا یا سنتا ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق سمجھ لیتا ہے۔ ایک ان پڑھ یا کم ذہنی و علمی استعداد رکھنے والا بھی عمل کرنے کے لئے اس میں سے ہدایت پا لیتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہی اعجاز اس کے کلام الٰہی ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

اپنی ساری مخلوق پر اس کی قدرت کاملہ ہمہ وقت غالب ہے:

قرآن حکیم میں زندگی کی حقیقت انتہائی خوبصورت انداز میں بڑے واضح طریقے سے ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اللہ کریم اپنے بندوں پر انتہائی شفیق ہے اور اس کی قدرت کاملہ ان پر ہمہ وقت غالب ہے **وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ** بندے ہمہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں فرمایا' کوئی چیز اور کوئی فرد اس کے قبضۂ اختیار

سے باہر نہیں۔ حتیٰ کہ تمہارے وجود کو باقی رکھنے اور زندگی قائم رکھنے کے لئے بھی اس نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں **وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً** ؕ ایک ایک عضو اور اس کی کارکردگی پر فرشتے مقرر ہیں مثلاً ہم کھانا کھاتے ہیں۔ حلق سے اترتا ہے، معدے میں جاتا ہے، تحلیل ہو کر بےکار مواد فضلے میں خارج ہو جاتا ہے اور قوت بخش اجزاء خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ قوت آنکھوں کو پہنچتی ہے۔ ہاتھ پاؤں دماغ، دل ہڈیوں اور گوشت پوست کو تقسیم ہوتی ہے۔ ان تمام امور پر فرشتے مقرر ہیں جو اس نظام کو چلا رہے ہیں۔ بڑی آسان مثال سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ انسان جو مشینیں بناتے ہیں انہیں چلانے کے لئے مختلف کاریگر مختلف مرحلوں پر متعین کئے جاتے ہیں تاکہ مشین اپنا مطلوبہ کام مطلوبہ وقت میں مقرر کر سکے۔ اسی طرح انسان اپنے وجود کو ایک مشین تصور کرے تو سمجھ آتی ہے کہ اللہ کریم نے اس پر فرشتوں کی صورت میں کاریگر بٹھا دیئے ہیں۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب انسان پر بیماری آتی ہے تو اللہ کریم کسی فرشتے کو حکم دیتا ہے وہ اس جگہ پر اپنا کام ڈھیلا کر دیتا ہے۔ کمزوری آجاتی ہے یا اُسے روک دیتا ہے تو کارکردگی گھٹتی جاتی ہے اور مرض بننا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر ہر بیماری کا اللہ کریم نے علاج بھی پیدا کیا ہے۔ بارش تو ایک ہی زمین پر برستی ہے لیکن اس میں سے مختلف جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہر ایک کی تاثیر جدا ہوتی ہے۔ مریض طبیب کے پاس جاتا ہے وہ دوا تجویز کرتا ہے لیکن دوا میں ازخود قوت نہیں ہے اس میں تاثیر پیدا کرنا بھی اسی ذات حق کا کام ہے۔ اسی لئے جب وہ چاہے تو تاثیر بھی بدل دیتا ہے لہٰذا سمجھنا چاہیے کہ علاج کرنا مسنون طریقہ ہے اور شفا اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ جب چاہتا ہے شفا بخش دیتا ہے، نہیں دینا چاہتا تو کوئی جڑی بوٹی، کوئی دوا، کوئی انجکشن، شفا بخش نہیں رہتا۔ اس طرح اللہ ہر چیز پر قادر اور غالب ہے۔ انسان کی زندگی، سماعت، طاقت گفتار، استعداد کار، شادی، اولاد، روزی، رزق، صحت و بیماری سب میں فیصلہ صرف اللہ کا ہے۔ ہماری کوئی رائے نہیں۔

ایک سوال:

جب ہر چیز اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، کسی چیز میں ہمارا دخل نہیں تو ہمارا حساب کس بات کا ہے؟
انسان کا حساب اس اختیار کے استعمال پر ہے جو اللہ نے اسے عطا فرمادیا ہے۔ اسے یہ اختیار استعمال کر کے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اللہ کی عظمت کا اقرار کر کے اس کا شکر گزار بن کر رہنا چاہتا ہے یا اپنے نفس اور شیطان کی غلامی میں زندگی بسر کر کے محروم ہدایت رہنا چاہتا ہے۔ حساب صرف اس استعداد اور اس کے استعمال پر ہوگا اس لئے کہ یہ استعداد صرف انسان کو دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی ذات کو جان سکتا ہے۔ پہچان سکتا ہے۔ اس کی

عظمت سے واقف ہو سکتا ہے۔ چونکہ نبوت صرف بنی آدم میں ہے لہٰذا معرفتِ باری کی استعداد بھی صرف بنی آدم میں ہے۔ صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کے اندر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اللہ کیسا ہے؟ اس کی ذات کیسی ہے؟ اس کی صفات کیسی ہیں؟ تمام انبیاءؑ انسانوں میں سے ہیں۔ انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، اللہ نے اپنی کتابیں نازل کی ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ اللہ کس بات پر راضی ہے؟ کس پر خفا ہوتا ہے؟ پھر یہ اختیار دیا گیا ہے کہ کیا چاہتے ہو؟ تم اللہ کی اطاعت کرنا چاہتے ہو تو تمہارے پاس استعداد کا رہے۔ عقل وشعور حواس ہیں ان پر فرشتے مقرر ہیں جو تمہاری مشینری کو چالو رکھتے ہیں۔ تمہیں قوت فراہم کرتے ہیں۔ پھر تمہاری مرضی ہے کہ تم اس قوت سے کیا کام لیتے ہو۔ اگر تم کسی کو ناحق قتل کرتے ہو تو وہ تمہارا ہاتھ شل نہیں کردیتے۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسی طرح قوت بہم پہنچانے میں روانی قائم رکھیں۔

حساب تو اسی بات پر ہوگا۔ اللہ کریم پوچھیں گے کہ میں نے تو تمہارے لئے اتنا اہتمام کیا۔ تمہارے وجود کے لئے اتنے فرشتے مقرر کردیئے، روئے زمین پر تمہارے لئے سبزہ، سمندر، پہاڑ، معدنیات، نباتات، جمادات بکھیر کر سجا دیئے۔ جانوروں، پرندوں، ستاروں، سیاروں کو تمہاری خدمت پر لگا دیا تھا کائنات کی قوتیں تمہارے لئے مسخر کردی تھیں۔ جب تمہاری اتنی ناز برداری کی گئی تو تم اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ احساس کرتے کہ جو ہستی میری اتنی ناز برداری کر رہی ہے میں اس کی نافرمانی کیوں کروں؟ اور تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ اتنے کریم رب کی نافرمانی کرو گے تو کتنی بڑی جوابدہی ہوگی!

دنیا میں زلزلے اور طوفان عبرت اور تنبیہ ہے:

نافرمان بندے سرے سے احکام الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ گستاخی کرتے ہیں اور اللہ اتنا کریم ہے کہ کئی مصیبتیں اور بیماریاں بندے کی اصلاح کے لئے بھیج دیتا ہے۔ اس طرح تھوڑے تھوڑے جھٹکے دیتا ہے کہ بندے کو اپنی حیثیت کا اندازہ رہے۔ بیماریاں بھیج کر یہ پیغام دیتا ہے کہ خود کو بڑا طاقتور نہ سمجھو۔ تم تو اتنے کمزور ہو کہ دانت کا درد ہو یا کان اور آنکھ کا تمہاری دنیا تلپٹ ہو جاتی ہے۔ جب تم میں اتنی برداشت بھی نہیں تو اللہ کے مقابلے میں کیوں آتے ہو؟ لیکن جب انسان بے راہ روی اور نافرمانی کا راستہ اپنا لیتا ہے تو زمین پر سمندروں میں طوفان آتے ہیں۔ زلزلے آتے ہیں۔ خشکی پر تباہی آتی ہے بارشوں کی کثرت سے لوگ غرق ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ انسانوں کے کرتوتوں کے باعث ہوتا ہے۔ یہ عبرت کا سامان ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے رحمت ہوتی ہے کہ دنیا میں ہی تنبیہ ہو جاتی ہے کہ باز آجاؤ۔ توبہ کرلو۔ اپنے آپ کو تبدیل کرلو۔ اپنے کردار کو سنوار لو اللہ ایسا کریم ہے کہ گناہوں کی پوری سزا اسی دنیا میں نہیں دے ڈالتا بلکہ حساب کے لئے

اس نے آخرت کا دن مقرر کر دیا ہے جہاں ہر چیز تولی جائے گی۔ دیکھا جائے گا کہ کس نے کیا کیا؟ اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ دار دنیا میں مصیبتیں تنبیہ کے لئے بھیج دیتا ہے۔ بیماریاں، تکلیفیں، قحط سالی اس لئے آجاتی ہیں کہ لوگ توبہ کریں۔ برائی کو چھوڑ دیں۔ اللہ کی طرف واپس آئیں۔ نیکی کا راستہ اختیار کریں۔ فرمایا' یاد رکھو اللہ ہر ایک پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہ کسی کو اتنی آزادی نہیں دیتا کہ جس کا جو جی چاہے وہ کرتا پھرے اور پھر اس کا حساب نہ ہو۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے رائی برابر کوتاہی نہیں کرتے۔ کائنات اس کی ہے اس کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے اللہ کے فرشتے اس کے انتظام پر اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔ ان کے ذریعے تمہاری حفاظت کی جاتی ہے یہاں تک کہ تمہاری زندگی کی فرصت پوری ہو جاتی ہے تب بحکم الٰہی فرشتے اپنا کام مکمل طور پر روک دیتے ہیں اور دنیا پر عرصۂ حیات تمام ہو جاتا ہے۔ پھر موت کے فرشتے آجاتے ہیں۔ تمہاری روح قبض کر لیتے ہیں لیکن یاد رکھو۔ یہاں زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

موت حقیقی زندگی کی ابتداء ہے:

آخرت حقیقت ہے اور دنیا اس کا پرتو اور عکس ہے۔ دار دنیا عمل کے لئے ہے دار آخرت مکمل جزا پانے کے لئے ہے۔ دار دنیا سے عالم برزخ میں منتقلی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔ موت حقیقی زندگی کی ابتداء ہے۔ انسان کی روح عالم امر میں بنی۔ وجود و عالم خلق میں بنا۔ وجود کے ذرات غذا کی صورت میں منتشر رہے پھر دار دنیا میں اللہ نے مقرر کردہ رزق ہر ایک مخلوق کے جسم میں پہنچایا۔ مشرکین کو یہ اعتراض تھا کہ جب ان کے گوشت پوست گل سڑ جائیں گے، ہڈیاں مٹی ہو جائیں گی، وجود خاک کے ذرات کی صورت میں منتشر ہو جائے گا تو پھر دوبارہ وہ کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ اللہ کریم نے فرمایا میں نے ہی تمہیں پہلے عدم سے پیدا کیا۔ مر کر تم اتنے منتشر نہیں ہو سکتے جتنے پیدا ہونے سے پہلے تمہارا رزق خاک کے ذرات میں پوشیدہ رہتا ہے جسے وقت مقررہ پر وجود کا حصہ بنایا جاتا ہے۔ رب کریم مٹی کو مختلف روپ دیتا ہے۔ جانور چارہ کھاتا ہے دودھ دیتا ہے جو انسان کی غذا کا حصہ ہے۔ اسی طرح اجناس، پھل، سبزی مٹی کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ وہی ذات جس نے تمہیں پہلے پیدا فرمایا وہی ذات اسی طرح ذرات کو اکٹھا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور اس کا یہ سارا نظام اس کے اپنے دست قدرت میں ہے لہٰذا جب کسی کی موت آجاتی ہے تو قصہ ختم نہیں ہوتا قصہ شروع ہوتا ہے۔ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ پھر حقیقی مالک کے پاس واپس جانا پڑتا ہے۔

جن فانی ہستیوں پر دنیا میں ناز کرتے ہیں ان کی دولت عہدے اور دوستی پر بھروسہ کرتے ہیں وہ سب یہیں رہ جاتے ہیں اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ خوب سن لو حکم صرف اللہ کا ہے۔

فیصلہ صرف اللہ کا ہے:

یاد رکھو کہ فیصلہ اس اکیلے کا ہے۔ اسے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں حتیٰ کہ جب کوئی کسی کے حق میں دعا کرتا ہے اور اس کا بھلا ہو جاتا ہے تو یہ دعا بھی اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ وہ کسی کو توفیق دیتا ہے کہ دعا کی جائے اور اسے اپنی مرضی سے قبول فرماتا ہے۔ یہی اس کی شان کو زیبا ہے کہ وہ حکم دے اور ساری کائنات تعمیل کرے۔ اس کے شایان یہی ہے کہ فیصلے اس کے اپنے ہوں وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ اسے ساری مخلوقات کا حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ جب لینا چاہے گا تو پل بھر میں لے لے گا۔ تمہیں باتیں بھول چکی ہوں گی لیکن وہ ہر بات حاضر کر دے گا اور حساب لینے میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔ ہر چیز اس کی بارگاہ میں ہمہ وقت دست بستہ حاضر ہے۔

اللہ کی بارگاہ عادل ہے:

اللہ عادل ہے۔ حساب کتاب میں کوئی کمی بیشی اور کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ہر ایک کا اپنا کیا ہوا ہی سامنے آجائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ ہر ایک کو یہ بتایا جائے گا کہ اس نے یہ کیا، وہ کیا اور یہ سب کیا لیکن اگر کسی سے یہ سوال ہو گیا کہ اس نے فلاں گناہ کیوں کیا؟ تو پھر اس کے پاس راہ نجات نہ ہوگی۔ وہ حساب سے بچ نہ سکے گا اور حساب میں پورا نہ اتر سکے گا۔ اس لئے کہ بندے کے پاس مخلوق ہو کر خالق کی نافرمانی کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

اللہ کی رحمت بے کراں ہے:

بندے کے پاس ایک ہی راستہ ہے۔ وہ ہے توبہ۔ کچھ بھی ہو جائے بندہ اللہ سے توبہ کرے تو وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ انسان کے گناہ اس کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بندہ خلوص کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے۔ اقرار جرم کر لے کہ اللہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے توفیق دے کہ میں آئندہ تیری نافرمانی نہ کروں۔ توبہ کرنے والوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ میں گزشتہ گناہ بخش دوں گا۔ آئندہ کے لئے نیکی کی توفیق ارزاں کر دوں گا۔ ایسے اچھے مواقع پیدا کر دوں گا۔ نیک ساتھی دے دوں گا۔ نیکی کی توفیق عطا

کردوں گا فرمایا اس بات کو ذہن نشین کرلو کہ اس کی بارگاہ عادل ہے اور اس نے بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ بڑی رعایت دے رکھی ہے کہ میری بارگاہ کھلی ہے۔ سچے دل سے اور خلوص دے سے توبہ کر کے اتباع رسول اللہ ﷺ کی گھنی چھاؤں میں آجاؤ ورنہ اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھنا پڑے گا۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً فرمایا' جب تم مصیبت میں مبتلا ہوجاتے ہو، گرفتار بلا ہوتے ہو۔ اور سمجھتے ہو کہ اب بچنے کا کوئی چارہ نہیں تو تم مشرک ہو کر بھی اس وقت بڑے تذلل سے اور بڑی عاجزی سے اللہ کو پکارتے ہو۔ بڑی خاموشی سے خفیہ بات کرتے ہو۔ اس وقت یہ کوشش نہیں کرتے کہ کوئی سننے والا سمجھے کہ بڑی عجز سے دعا مانگ رہا ہے لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ اس وقت تو تم کہتے ہو کہ اگر اس مصیبت سے نجات ہوگئی تو اللہ کا شکر ادا کریں گے۔

نزول قرآن کے وقت اکثر عربوں کا ذریعہ معاش چونکہ تجارت تھا اور وہ خشکی اور سمندر کا سفر اختیار کرتے تھے۔ اس وقت دور حاضر جیسی سہولیات نہیں تھیں نہ موبائل فون تھے نہ ہوائی جہاز، اس کے لئے سفر میں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا رہتا تھا۔ اس حالت میں بڑے بڑے مشرک بھی بڑے تذلل کے ساتھ اور چپکے چپکے اللہ کو پکارتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اللہ نے یہاں سے بچالیا تو ہم بڑے شکرگزار بندے بنیں گے۔ فرمایا' اللہ کریم ہے اور ساتھ وہ علیم بھی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم بچالئے جانے کے بعد کیا کرو گے لیکن اس کے باوجود وہ جب تک تمہاری زندگی ہے تمہاری حفاظت فرماتا ہے۔ تمہیں بچالیتا ہے۔ جب اللہ تمہیں بڑی بڑی مصیبتوں سے بچالیتا ہے۔ تمہیں نجات دے دیتا ہے تو پھر تم شرک کرنے لگ جاتے ہو۔ اللہ کی عظمت کو بھلا دیتے ہو اور دوسروں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہو کہ فلاں نے مجھے بچالیا۔ فلاں نے میرا کام کردیا۔ اور شرک تو ایسا جرم ہے جس کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی ہے۔ قرآن حکیم کا نزول بے شک خاص ہے لیکن اس کے احکام عام ہیں۔ قرآن حکیم نے قیامت تک آنے والی انسانیت کی رہنمائی کرنا ہے لہٰذا یہ ہر دور کے انسانوں کو انسانی نفسیات سے آگاہ فرماتے ہوئے بتاتا ہے کہ دعا انسان کی فطری ضرورت ہے۔

دعا کا سلیقہ:

اس آیۃ کریمہ میں دعا کا سلیقہ سکھایا گیا ہے کہ دعا میں دو باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک اس میں تصنع اور بناوٹ نہ ہو۔ دوسروں کو سنانے کے لئے نہ ہو دوسرا اس میں انتہائی عجز و تذلل کا اظہار ہو لیکن عجیب بات ہے کہ ہمارے ہاں دعا بھی مانگتے ہیں تو اللہ کو راضی کرنے کے بجائے کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ سنیں کہ کتنی

خوبصورت اور لمبی دعا مانگی جا رہی ہے۔ انداز بنا بنا کر الفاظ سے سجا سجا کر دعا میں تصنع سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض آئمہ مساجد کی عادت ہوتی ہے کہ تنہا صلوٰۃ ادا کر رہے ہوں تو ہلکی پھلکی ادا کرتے ہیں اور جماعت کی امامت کروائیں تو قیام طویل ہوتا ہے۔ رکوع اور سجدوں کی تسبیحات بھی ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ جبکہ انفرادی صلوٰۃ بھی اللہ کی عبادت ہے اور جماعت کی امامت بھی اللہ ہی کی عبادت ہے لیکن ان کا تو مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ جو پیچھے کھڑے ہیں ان پر رعب ڈالا جائے حالانکہ دعا تو خالص اللہ کے لئے ہونا چاہیے کہ جس سے مانگا جا رہا ہے اسے سنایا جائے۔

انسان کا ہر فعل، ہر جملہ ایک بیج ہے:

ہر جملہ ہر بات ہر کام کسی نتیجے کا متقاضی ہوتا ہے جس طرح کوئی بیج زمین پر گرتا ہے تو کچھ روئید گی پیدا ہوتی ہے۔ جس چیز کا بیج ہوتا ہے وہی اگتی ہے۔ گھاس کے بیج سے گھاس پیدا ہوتی ہے، غلے کے بیج سے غلہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح انسان کا ہر فعل اور ہر کہی گئی بات بھی ایک بیج ہے۔ یہ ایک تخم ریزی ہے جو انسان فضا میں کرتا ہے۔ جو یقیناً اپنے وقت پر بڑا ہو جاتا ہے۔ ایک تناور درخت بن جاتا ہے اور اس پر وہی پھل آتا ہے جو اس کا بیج تھا۔ اگر کوئی فحش گفتگو کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے تو اس کا نتیجہ نکلنے میں تھوڑا سا وقت لگ جاتا ہے کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے اور قدرت کا ایک نظام ہے کہ ہر چیز کے نتیجے میں تھوڑا سا وقت لگتا ہے، اس نظام کے تحت اپنے وقت پر ہر چیز پھل لے آتی ہے۔ انسان گناہ کر کے بے فکر ہو جاتے ہیں کہ اتنے فریب کئے، ڈاکے کئے، حق مار لئے تو کیا بگڑا؟ حالانکہ بہت کچھ بگڑ جاتا ہے صرف فوری نتیجہ سامنے نہیں آتا، ہر نتیجے کے واقع ہونے میں ایک وقت لگتا ہے نتائج اوقات مقررہ کے مرہون منت ہیں۔ فوری نتیجہ سامنے نہ آنا بھی اللہ کا کرم ہے اور اس کی رحمت ہے کہ بندے کو اپنے کردار پر نظر ثانی کا موقع مل جاتا ہے کہ وہ نادم ہو جائے اور خلوص دل سے توبہ کر لے لیکن اگر کوئی توبہ نہ کرے اصلاح احوال نہ کرے تو اپنے قول و فعل کے انجام بد کو ضرور پا لیتا ہے۔

اللہ کریم کا کرم:

یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ جب کوئی اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں اللہ کریم کے بے پایاں کرم کا اظہار ہو رہا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں اور بتایا جا رہا ہے کہ مشرکین بھی جب کسی انتہائی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے تو بڑی عاجزی اور بڑے خلوص سے بغیر دکھاوے کے اللہ کو

پکارتے کہ آج ہمیں بچالے تو ہم پھر تیرے شکر گزار بن کر رہیں گے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ خلوص سے مانگی گئی دعا کسی مشرک کی بھی رد نہیں کرتا۔ جس لمحے کوئی صرف اللہ کی طرف یکسو ہو کر اللہ کو پکارے تو اس وقت وہ مشرک نہیں رہتا۔ اس وقت تو وہ یہی سمجھتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ اللہ! تیرے سوا کوئی نہیں۔ اس وقت تو وہ موحد بنا ہوتا ہے۔ اللہ تو عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ مصیبت ٹلنے کے بعد یہ مکر جائے گا لیکن اس کا کرم اتنا ہے کہ جاننے کے باوجود وہ اس وقت جب وہ اللہ واحد لاشریک کو پکار رہا ہو تو اس کی سن لیتا ہے۔ کیا ہم جو امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں کیا ہم اس اللہ کو نہیں پکار سکتے کہ یا اللہ! میں اس مصیبت میں ہوں اس سے میری نجات فرما۔ ہم کیوں ایسا نہیں کرتے؟ کیوں لوگوں پر بھروسہ کر کے ان کے پیچھے بھاگتے ہیں؟ جب ایک کافر و مشرک بھی اللہ کو خلوص سے پکارتا ہے اور اللہ اس کی بھی دعا رد نہیں کرتا تو ہم اللہ کو کیوں نہیں پکارتے؟ ہم اپنے مسائل اس کی بارگاہ میں کیوں پیش نہیں کرتے؟ ہم ماوشما کی منتیں کرنے کے بجائے سیدھے اس کی بارگاہ میں کیوں ہاتھ نہیں اٹھاتے؟

اس لئے کہ ہمیں اللہ جل شانہٗ کی عظمت پر اور اس کے کرم پر وہ یقین حاصل نہیں جو ہونا چاہیے اس لئے بھی کہ ہم اسلام کا دعویٰ کر کے عملاً اسلام سے کوسوں دور رہتے ہیں اور اسی پر راضی ہیں۔ ہمیں انفرادی طور پر اور صاحب اقتدار کو مجموعی طور پر اسلام کا نام منظور ہے اسلام کا نظام منظور نہیں۔ سب چاہتے ہیں کہ نمازیں پڑھ لیں، حج عمرہ کر لیں لیکن نظام اسلام کے بجائے موجودہ غیر اسلامی نظام ہی قائم رہے۔ جس میں اللہ کا کلمہ بھی زبان پر رہے اور عملی زندگی میں اپنی مرضی کرتے رہیں خواہ ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں کا ملا جلا نظام ہی چلتا رہے۔ یہی بے اعتمادی ہے جو قبولیت دعا میں رکاوٹ ہے۔

قبولیت دعا کا سلیقہ:

اللہ کریم پر مکمل اعتماد۔ اللہ کے رسول ﷺ کے طریقے کو اپنانا ہی سلیقہ ہے۔ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ سب کو ایک دوسرے کے لئے دعا کرنا چاہیے لیکن سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنا مقدمہ خود بارگاہ الٰہی میں پیش کریں۔ مومن کے پاس تو ذات محمد رسول اللہ ﷺ بہت بڑا وسیلہ ہے۔ آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا قبولیت دعا کا سلیقہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ درود شریف خود ایک دعا ہے اور بہت مقبول دعا ہے کہ اے اللہ! سلامتی اور برکات نازل فرما حضور اکرم ﷺ پر ان کی ازواج و اہل بیت پر ان کے اصحاب پر تو جب دعا سے پہلے درود شریف پڑھیں تو اللہ اسے قبول فرماتے ہیں۔ پھر اپنی درخواست پیش کریں اور آخر میں

پھر درود شریف پڑھیں تو درود قبول ہوتا ہے تو اللہ کی عظمت سے بعید ہے کہ وہ دعا کا پہلا حصہ قبول فرمالے۔ آخری حصہ بھی قبول فرمالے اور درمیان کو چھوڑ دے۔ درود شریف کے طفیل ہی بندے کی درخواست قبول ہو جاتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مومن کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ ایک حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ مومن کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے لیکن اس کی دو شرائط ہیں ایک دعا میں عجز و نیاز ہو، تضرع وزاری ہو، تذلل ہو اور دوسرا دعا میں دکھاوا نہ ہو۔ بات صرف اللہ سے ہو۔ اگر دکھاوا ہو گیا تو دعا، دعا نہ رہی۔

قبولیت دعا کی صورتیں:

قبولیت دعا کی صورتیں مختلف ہیں۔ ایک صورت ہے فوری قبولیت دوسری صورت ہے بہتر متبادل مل جانا۔ بعض اوقات دعا ہو بہو پوری ہو جاتی ہے لیکن اس میں وقت لگ جاتا ہے۔ کچھ چیزیں ہم مانگتے ہیں وہ ہمارے لئے مضر ہوتی ہیں تو اللہ کریم اسے اچھی چیز سے بدل دیتے ہیں بہرحال ہر کام وقت معین پر ہی ہوتا ہے۔ اور جس کی دعا دنیا میں پوری نہ ہو اس کا اجر اللہ کریم اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ میدان حشر میں میزان پر اعمال تولے جا رہے ہوں گے اور فرشتے ہر شخص کی نیکیاں اور گناہ دونوں پلڑوں میں رکھ رہے ہوں گے تو اللہ کریم فرمائیں گے کہ اس شخص کی کچھ نیکیاں میرے پاس بھی ہیں یہ بھی پلڑے میں رکھ دو تو ان کا وزن اتنا زیادہ ہو گا کہ اس شخص کی کامیابی یقینی ہو جائے گی۔ یہ نیکیاں مومن کی وہ دعائیں ہوں گی جن کا بدل انہیں دنیا میں نہیں ملا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے مستجاب الدعوات لوگ کہیں گے کہ کاش! ان کی کوئی دعا دنیا میں قبول نہ ہوتی۔ دنیا میں پیش آنے والے دکھ اور تکلیف کا فلسفہ بھی عجیب ہے۔ ہم کچھ سوچتے ہیں، آرزو کرتے ہیں، خواہش کرتے ہیں اور اسکے مطابق واقعات وقوع پذیر ہو جاتے ہیں تو ہم خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ واقعات کا فیصلہ تو اس نے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے کر دیا۔ یہ سب کچھ تو اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ہماری خواہشات کے خلاف واقعات ہو جائیں تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ واویلا کرتے ہیں کہ ہم پر مصیبت آ گئی۔ ہم میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ ہم کہیں کہ جو اللہ کو منظور ہے وہ ہو رہا ہے۔ اس طرح سوچنا اور یہ کہنا اس کے خاص بندوں کا حوصلہ ہے جن پر وہ اپنا کرم فرمادے۔ یہ اس کے مقربان خاص ہیں۔ یہ ان کا مقام ہے۔ ہم عام لوگ ہیں لیکن یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں میری اس مصیبت کو دور فرمادے۔ مجھ پر کرم فرمادے تو اللہ کریم ہے وہ کرم فرمادے گا۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ فرمایا میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کو بتا دو قرآن حکیم کا یہ اعلان قیامت تک کے لئے ہے کہ اللہ ایسا قادر ہے کہ وہ نافرمانوں پر ان کے اوپر سے عذاب بھیج دے یا قدموں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا پھر انہیں گروہ در گروہ بانٹ دے۔

فرمایا انہیں بتا دیجئے کہ اگر تمہارا یہی رویہ رہا کہ تم زبان سے اسلام کی باتیں کرتے رہے، اللہ کی عظمت کی بات کرتے رہے، نیکی کے دعوے کرتے رہے اور عملاً کردار برا رہا۔ برائی کرتے رہے، جھوٹ بولتے رہے، دھوکہ دیتے رہے، سود کھاتے رہے تو پھر اللہ ایسا قادر ہے کہ جس زمین پر بارش رحمت بن کر برستی ہے اسی بارش کو سیلاب اور تباہی کا سبب بنا دے۔ اوپر سے عذاب بھیج دے۔ نئی نئی بیماریاں مسلط کر دے یا زیر زمین سے عذاب پیدا کر دے جس زمین کے سینے سے کھیتیاں اگتی ہیں اور مخلوق رزق پاتی ہے اسی زمین میں خشک سالی آ جائے۔ فصلیں کم ہو جائیں یا خراب ہو جائیں اور سب سے بڑا عذاب یہ ہے **اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا** کہ وہ قادر مطلق تمہیں گروہوں میں بانٹ دے، ہر گروہ دوسرے گروہ کے قتل کے درپے ہو جائے۔ قرآن حکیم میں لفظ شعیہ متعدد مقامات پر آیا ہے جس کا لغوی معنی گروہ ہے لیکن قرآن حکیم نے لفظ شعیہ کا کہیں بھی اچھے گروہ پر اطلاق نہیں کیا۔ یہاں بھی ایسے عذاب کی ایک صورت کے لئے استعمال کیا ہے۔

آج ہم ان تینوں صورتوں میں مبتلائے عذاب ہیں۔ باران رحمت کے نہ برسنے سے زیر زمین سطح آب کم ہو گئی ہے۔ زمین سے روئیدگی ختم ہو چکی ہے۔ لوگ پیاس سے مجبور ہو کر پانی خریدنے پر مجبور ہیں اور جن علاقوں میں بارشیں ہو رہی ہیں وہاں لوگ سیلاب کی وجہ سے غرق ہو رہے ہیں اور تیسرا عذاب یہ ہے کہ لسانی و قومی عصبیت میں گرفتار ہو کر گروہ در گروہ ہو چکے ہیں۔ ہر گروہ دوسرے کو قتل کئے جا رہا ہے اور دونوں خود کو کلمہ گو کہتے ہیں اور اس قتل و غارت گری میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کسی صاحب اقتدار کو خوش کرنے کے لئے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ کسی امیر آدمی کو خوش کرنے کے لئے قتل و غارت گری کرتے ہیں۔ کسی سے ڈر کر کہ یہ میرا نقصان کر دے گا اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں تو یہ شرک ہے۔

شرک:

صرف بتوں کو پوجنا شرک نہیں ہے بلکہ سب سے خطرناک شرک یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی کر کے غیر اللہ کی اطاعت کی جائے۔ کسی نفع کی امید پر یا اس کے نقصان کے ڈر سے غیر شرعی کام کیا جائے۔ یہ بہت بڑا

شرک ہے کہ کسی کو وہ درجہ دے دیا جائے جو صرف اللہ کا ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے اس سے صرف وہی بچ پاتے ہیں جنہیں اللہ بچالے۔ اردگرد دیکھیں تو اکثریت اس شرک میں مبتلا ہے۔ مولانا احمد علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب اذان ہو جائے اور دکاندار بیٹھا رہے دکان بند نہ کرے اسے اندیشہ ہو کہ دکان بند کرنے سے گاہک واپس چلے جائیں گے اور روزی میں خلل آ جائے گا اور وہ صلوٰۃ وقت پر ادا نہ کرے اور اسے مؤخر کر دے تو گویا اس نے اللہ کو روزی رساں نہیں سمجھا۔ اس نے دکان کو ہی رب سمجھ لیا۔ اس طرح ہم اپنا جائزہ لیں اپنے اندر جھانکیں کہ میں اپنے روزمرہ کے امور میں اللہ کریم پر کتنا بھروسہ کرتا ہوں اور غیر اللہ پر کتنا بھروسہ کرتا ہوں۔ جائز شرعی وسائل استعمال کرنا تو اللہ کی عبادت ہے۔ جائز اسباب کو استعمال کرنا ایسی عبادت ہے جیسے رکوع و سجود کرنا، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو چھوڑ کر غیر شرعی طریقے اپنانا، جھوٹ بول کر، خوشامد کر کے، دھوکہ دے کر، کم تول کر رزق کمانا یا اللہ کی نافرمانی کر کے کسی صاحب اقتدار کی خوشامد کرنا اور اس سے نفع و نقصان کی امید وابستہ کر لینا ایسا شرک ہے جس کی اگرچہ سمجھ نہیں آتی لیکن اس میں عمریں برباد ہو جاتی ہیں اور ان اعمال کے نتیجے میں اوپر سے عذاب آتے ہیں۔ پاؤں کے نیچے سے آتے ہیں اور گروہوں میں بٹ کر اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ فرمایا دیکھئے ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے واضح کر کے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو سمجھ آ جائے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ اور وہ برائی چھوڑ دیں۔ شرک سے تائب ہوں، میری عظمت کا اقرار کریں اور میرے حبیب ﷺ کی اطاعت کو شعار بنائیں۔

جو بھی نبی کریم ﷺ کا دامن تھام لے:

جس طرح سیدنا ابراہیمؑ کفار و مشرکین میں گھر گئے لیکن اللہ سے تعلق اور اس کی توحید پر قائم رہے اور کفار کی طرف سے بطور سزا آگ میں ڈالے جانے کے باوجود آگ ان کے لئے بادِ بہاری بن گئی۔ آگ بھڑکتی رہی، ہر چیز کو جلاتی رہی لیکن ابراہیمؑ کے حق میں سلامتی کا باعث بن گئی۔ اس آگ کے دھوئیں کے باوجود ابراہیمؑ کے لئے وہی خوشگوار ہوا بن گئی۔ آگ کے شعلے ٹھنڈک اور خوشبو سے بھر گئے اور آپؑ سلامت رہے۔

وہ ایسا قادر ہے کہ ان عذابوں میں بھی آج ایسے لوگ ہیں جو مزے سے اللہ اللہ کر رہے ہیں اللہ انہیں روزی بھی دے رہا ہے اور حفاظت بھی۔ وہ کسی بدکار کی خوشامد نہیں کرتے، کسی مفاد کے لئے کسی کے آگے نہیں جھکتے اور یہ انعام کسی ایک فرد کے لئے نہیں ہے بلکہ جو بھی اللہ پر اعتماد کرے جو بھی اس کے

نبی کریم ﷺ کا دامن تھام لے، جس کے ہاتھ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن ہو اُسے نہ کوئی عذاب چھوتا ہے نہ اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے۔

نیک لوگ جب مصائب سے دوچار ہوتے ہیں تو یہ ان کے لئے تلافی مافات یا ترقی درجات کا سبب ہوتے ہیں۔ بحیثیت انسان ان سے جو خطائیں ہو جاتی ہیں یہ مصائب ان کی تلافی کر دیتے ہیں اور وہ بخشش الٰہی پاتے ہیں۔ بعض مصائب کے باعث نیک انسانوں کے منازل و مقامات بلند ہوتے ہیں۔

اللہ کریم کا یہ اعلان قیامت تک کے لئے ہے **لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝٦٥** تاکہ لوگ غور فکر سے کام لیں۔ اس کے نفع و نقصان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ مہلت عمل کا فائدہ اٹھا کر اپنے عقیدے اور کردار کی اصلاح کر لیں۔ فرمایا' اللہ سے بات بنا کر رکھو اللہ کے حبیب ﷺ کے ساتھ تعلق سیدھا کھرا اور سچا رکھو تا کہ اللہ تم پر رحم فرمائے اور مصیبتیں ٹل جائیں۔ لیکن لوگ ان حقائق کا انکار کرتے ہیں۔

وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ اپنے حبیب ﷺ سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے خادم ہونے، آپ ﷺ کے امتی ہونے کا بھی اقرار کرتے ہیں اور اللہ نے جو حقائق ارشاد فرمائے ہیں ان کا انکار بھی کرتے ہیں اور پھر اس کے انجام بد سے بے خوف بھی ہیں۔ برے کاموں میں مبتلا ہو جانے کے بعد ان پر فخر کرتے ہیں۔ لوگوں کا مال ہڑپ کر کے، آبرو چھین کر، قتل و غارت کر کے خود کو بڑا طاقتور اور کامیاب سمجھتے ہیں تو انہیں بتا دیجیے **وَهُوَ الْحَقُّ** کہ اللہ کریم کا ارشاد سراپا حق ہے۔ یہ ایسی صداقت ہے جس میں کسی شبے کی کوئی گنجائش نہیں **قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦٦** انہیں بتا دیجیے میری یہ ذمہ داری نہیں کہ تم سے زبردستی توبہ کرواؤں۔ میری ذمہ داری تم تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اگر تم چاہو تو تمہیں توبہ کا طریقہ سکھانا ہے، احوال کی اصلاح اور تلافی کرنا سکھانا ہے، توبہ کا قبول کرنا اللہ کریم کا کام ہے لیکن اگر تم توبہ نہ کرو تو میں تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرتا **لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٦٧** یاد رکھو! ہر کام کا ایک وقت معین ہے۔ تم گناہ کر کے، جرم کر کے یہ نہ کہو کہ میرا کیا بگڑا؟ ہر خبر کے پورا ہونے کا ایک وقت ہے، جب وقت آئے گا تو نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ تب بات چھپی نہیں رہے گی۔ سامنے آ جائے گی۔ تمہیں سمجھ آ جائے گی لیکن تب وقت گزر چکا ہو گا۔ اصلاح نہ ہو سکے گی لہٰذا اب بھی وقت ہے اپنی اصلاح کر لو۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زہر کھا لے اور اس کو قے ہو جائے یا پیچش لگ جائے تو اس کے جسم سے زہر خارج ہو جائے اور زہر کا ہضم نہ ہونا اس کے بچ جانے کا سبب ہو گا لیکن اگر کسی کو زہر ہضم ہو جائے تو اس کی موت یقینی ہے۔ گناہ بھی زہر ہے۔ گناہ کا زہر کھا

کر اس کے اثرات ظاہر ہونے میں وقت لگتا ہے اسی عرصے میں تم جرم پر جرم کرتے جاتے ہو اور سمجھتے ہو کہ کچھ نہیں بگڑے گا لیکن یاد رکھو زہر اپنے اثرات ضرور ظاہر کرے گا۔

اللہ کریم حقائق پر بات کرتے ہیں۔ حقائق سامنے لاتے ہیں، اعمال بد کے نتائج اسی دنیا میں بتا دیتے ہیں تا کہ لوگ پورے خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے توبہ کریں۔ اپنے نبی کریم ﷺ سے عہد وفا باندھیں اور اللہ سے توفیق عمل طلب کریں۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ بڑے خوبصورت اور پیارے انداز میں اللہ کریم نے ایک ضروری بات کی وضاحت فرمائی ہے جو کہ ہمارے معاشرے کی روزمرہ کی مصروفیات کا حصہ ہے وہ یہ کہ بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ میل جول کی حدود کیا ہیں؟ دراصل دنیا میں دو ہی قومیں ہیں ایک مومن دوسرے کافر۔ مومنوں میں اقسام نہیں۔ سب مومن ایک گروہ ہیں جن میں شاید کچھ زیادہ نیک ہوں گے لہٰذا ایمان والوں کے درجات میں تفاوت ہوسکتا ہے لیکن ایمان سب کا ایک ہے۔ کفر کی بے شمار اقسام ہیں۔ کوئی بتوں کا پجاری ہے کوئی ستاروں کا، کوئی آگ کو پوجتا ہے، کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا انکار کرتا ہے اور کوئی دین کا مذاق اڑاتا ہے۔ کوئی زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے اسلام کو نہیں مانتا وہ منافق کہلاتا ہے۔ کفر کی ایک اور قسم الحاد اور زندقہ ہے۔ ملحد اور زندیق بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن نہ انہیں اسلام سے سروکار ہے نہ کفر سے لگاؤ۔ وہ مفادات کے اسیر ہوتے ہیں جیسا موسم دیکھتے ہیں ویسا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ انہیں حق کا علم ہوتا ہے لیکن ان کے دل حق کو قبول نہیں کرتے۔ ایسے لوگ دنیاوی مفادات کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور عقیدہ و عمل میں بدلتے رہتے ہیں۔ یوں کفر کی کئی اقسام ہیں۔

مومن اور کافر کے مابین تعلقات کی تعیین:

قرآن و حدیث میں مومن اور کافر کے مابین تعلقات کی تعیین کر دی گئی ہے اور علماء حق نے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے کہ صریح کافر سے کوئی تعلق رکھنا جس سے دین پر حرف آتا ہو وہ جائز نہیں۔ البتہ کافر سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے۔ اس کے پڑوس میں رہتا ہو تو اس کا خیال رکھنا۔ اس کی بیماری کی صورت میں دیکھ بھال کرنا، مفلس ہو تو مدد کرنا ایسے تمام معاشرتی روابط رکھنا جائز ہے۔

ملحدین و زندیق اور ریاست اسلامی کا فریضہ:

ملحدین اور زندیق وہ ہیں جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ملحد وہ ہیں جو

ضروریات دین میں ایسی تاویل کرتے ہیں جو انکار کے برابر ہے اور ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ زندیق وہ ہیں جو آیات قرآن کو ان کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ چسپاں کرتے ہیں۔ کتاب الٰہی کے الفاظ میں اپنی پسند کے معنی داخل کرتے ہیں۔ یہ تحریف قرآن کی مہلک ترین قسم ہے لہٰذا جو لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اپنی نبوت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں جیسے قادیانی اور اسی طرح کے دیگر مدعیان نبوت یہ ملحد و زندیق ہیں۔ یہ لوگ شرعاً واجب القتل ہیں۔ جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں اور عقائد خود سے گھڑ لیتے ہیں۔ کفر یہ عقائد کی اشاعت بھی کرتے ہیں تو وہ واجب القتل ہیں لیکن ان کو قتل کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ان پر قتل کی سزا جاری کرے۔ پھر وہ یا تو تائب ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں انہیں قتل کی سزا دینا اسلامی ریاست کا فریضہ ہے۔ شہری اٹھ کر کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔

ملحد و زندیق کے ساتھ معاملات:

قرآن حکیم کے مطابق ایسے لوگوں کے ساتھ کسی بھی طرح کا معاملہ کرنا حرام ہے جو اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق اڑانے کی کئی صورتیں ہیں۔ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس کا انکار کر دینا بھی مذاق اڑانا ہے۔ آیات قرآن کے بارے ایسے جملے کہنا ''بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟''، ''ہم اسے نہیں مانتے''، ''ایسا کیسے ہوگا؟''، ''یہ ماننے والی بات نہیں''۔ یہ بھی مذاق اڑانا ہے۔ مذاق اڑانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آخرت کے بارے حقائق پر بے یقینی کا اظہار کیا جائے جیسے پہلے مشرکین کہتے تھے کہ مر گئے، مٹی کھا گئی، ہڈیاں گل سڑ گئیں تو دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے؟ ایک صورت یہ ہے کہ آیات کا مفہوم بدل کر کفر کو حق ثابت کیا جائے۔

یاد رکھیں! جس طرح قرآن حکیم اللہ کا ذاتی کلام ہے اور وحی الٰہی ہے اسی طرح وحی الٰہی کا انسانوں میں سے سننے والا صرف اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ حضور اکرم ﷺ وحی کی آواز وصول فرماتے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ جو خادم ہوتے تھے انہوں نے کبھی وحی کی آواز نہیں سنی۔ انہوںؓ نے صرف حضور اکرم ﷺ کے بتانے سے جانا۔ وحی کا گواہ صرف ذات الٰہی ہے۔ مخلوق میں سے کوئی نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ اصدق الصادقین ہیں۔ آپ ﷺ کی ہر بات سو فیصد درست ہے۔ اس میں کوئی رائی برابر شک کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ قرآن حکیم کی آیات کے معنی متعین کرنا بھی صرف حضور اکرم ﷺ کا منصب عالی ہے۔ اسی لئے صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ عرب کے بڑے بڑے زبان دان حضور اکرم ﷺ کی محفل میں بیٹھے ہوتے تھے لیکن کوئی بھی اپنی

زبان دانی سے وحی کا مفہوم نہیں سمجھتا تھا بلکہ صرف آپ ﷺ کے بتانے پر سمجھتے تھے چنانچہ حدیث شریف بھی وحی الٰہی ہے اور قرآن حکیم کی بہترین تفسیر ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی O النجم :4/3 میرا حبیب ﷺ اپنی مرضی سے بات ہی نہیں کرتا بلکہ ہر فرمائی گئی بات آپ ﷺ پر وحی کی جاتی ہے یعنی قرآن حکیم کا مفہوم اور اس کی تفسیر بھی اللہ نے بذریعہ وحی بتائی۔ قرآنی مفہوم متعین ہوگئے کہ یہ آیۃ کریمہ کب اتری؟ کس موقعہ پر اتری؟ حضور اکرم ﷺ نے اس کا کیا مفہوم متعین کیا؟ صحابہ کرامؓ نے اس مفہوم کے مطابق حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس پر عمل کیا اور حضور اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ یہ ہے قرآن حکیم کی تفسیر و تعبیر۔ اس سے ہٹ کر کوئی اپنی طرف سے گھڑ کر معنی پہناتا ہے تو یہ مذاق اڑانے کی صورت ہے۔ جیسے قادیانیوں کے کذاب نبی نے شان رسالت ﷺ میں نازل ہونے والی آیات کو اپنے آپ پر منطبق کیا۔ جو آیات حضور اکرم ﷺ کی شان رسالت پر نازل ہوئیں اس کذاب نے کہا یہ اس کے لئے نازل ہوئی ہیں تو یہ مذاق اڑانے کی بدترین صورت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے کسی طرح کا کوئی معاملہ نہ کریں۔ ان سے چیزیں خریدنا، ان کو چیزیں بیچنا، ان کے پاس بیٹھنا، ان سے بات کرنا سب حرام ہے، یہ اس طرح کے کافر ہیں جنہوں نے دین کی توہین کی، دین کو مذاق بنایا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ رشتہ داری کرنا تو دور کی بات ہے ان کے پاس بیٹھنا بھی جائز نہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں جہاں دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہو وہاں کوئی مخلص مسلمان بیٹھا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔ ایسی محفل جہاں دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہو قرآن حکیم کو غلط معنی پہنائے جا رہے ہوں تو ایسی گفتگو سننا بھی حرام ہے۔ کہنے والا تو کافر ہو جاتا ہے لیکن مخلص و مومن کے لئے یہ خرافات سننا حرام ہے جیسا کہ یہود کے بارے قرآن حکیم میں آیا ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ O المائدہ :42 کہ یہود پر آنے والے عذابوں کا سبب اُن کا یہ کردار تھا کہ وہ جھوٹ سنتے اور حرام کھاتے تھے۔ حصول دولت کے لئے حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور جھوٹ سنتے تھے۔ گویا جھوٹ اور برائی کا سننا بھی باعث عذاب بن جاتا ہے۔

فرمایا' جو لوگ کتاب الٰہی کا مذاق اڑائیں ان کے پاس مت بیٹھو حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۚ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی تمہیں شیطان یہ بات بھلا دے اور تمہیں یہ خیال نہ

رہے کہ یہ کیا غلط باتیں کر رہے ہیں تو جب احساس ہوا سی وقت ان سے الگ ہو جاؤ۔ جو لوگ اللہ سے معاملہ درست رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ اللہ کے نافرمانوں سے علیحدہ رہیں۔

اس وقت پورے ملک میں احتجاج جاری ہے کہ اہل مغرب نے پھر شان رسالت میں گستاخی کی جسارت کی ہے، پورے عالم اسلام کو احتجاج کرنا چاہیے اور ایسے ممالک کی مصنوعات خریدنا بند کر دینا چاہیے ان سے تمام تعلقات ختم کر دینے چاہیں۔ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے کہ ہماری زندگی میں یہ ہو رہا ہے لیکن سوچنا چاہیے کہ اس طرح کی جرأت اور بے باکی کیوں ہو رہی ہے؟

مسلمانوں کے سامنے کافر شانِ رسالت میں گستاخی کیسے کرتا ہے؟

ہمیں جاننا چاہیے کہ ہمارے سامنے ہمارے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کیوں کی جاتی ہے؟ لوگوں کو یہ جرأت کیسے ہوتی ہے؟ کفار ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس کی اصل وجہ ہماری بے حمیتی ہے۔ ہمارا کردار ہے۔ کفار ہمارا کردار دیکھ کر، ہمارا حلیہ دیکھ کر، ہمارے معیشت و معاشرت کے اطوار دیکھ کر، ہماری گفتگو سن کر یہ کہتے ہیں کہ ان کا اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا تعلق؟ جیسے قصاب جانور کی کھال اُتارنے سے پہلے چھری سے اس کے ٹخنے پر مارتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے کہ جان پوری طرح نکل چکی ہے تاکہ وہ اس کی کھال اتارے۔ اسی طرح جو توہین رسالت کرتے ہیں وہ ہماری مسلمانی کے جسد بے روح کے ٹخنے پر چھری مار کر اندازہ کرتے ہیں کہ ہم زندہ ہیں یا مرے پڑے ہیں۔ ہمارا تعلق اپنے نبی کریم ﷺ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہے۔

ہندوؤں نے بندروں کو، ہاتھیوں کو، سانپوں کو اور جانوروں کو معبود بنا رکھا ہے۔ کیا کسی نے کبھی ان کے معبودوں کا مذاق اڑایا ہے؟ ہمارے نبی کریم ﷺ یقیناً ہمارے معبود نہیں ہیں۔ ہمارے اللہ وحدہٗ لاشریک نے نبی کریم ﷺ کو ہمارے لئے ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ہمیں اللہ کی رضا اور پسند کے راستے پر چلنا سکھائیں تو ہمارے نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی اس لئے کی جاتی ہے کہ پہلے ہم خود یہ گستاخی عملاً کرتے ہیں، ہم نے اپنی نبی کریم ﷺ کے دین کا اتنا لحاظ بھی نہیں کیا۔ ہم نے اللہ کریم سے اتنی حیا بھی نہیں کی جتنی شرم ہندو اپنے بتوں سے رکھتا ہے۔

ہماری زندگی سے حضور اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ خارج ہوگئی ہے۔ ہم نے اپنی زندگی اپنی پسند سے جینا شروع کر دی ہے حالانکہ مومن کی زندگی کے بارے قرآن حکیم میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ التوبہ: 111 جب مومن نے کلمہ پڑھ لیا تو اپنی جان و مال کو اللہ کے پاس بیچ دیا اب دنیا میں مال خرچ کرتا ہے یا جان تو وہ اپنی مرضی سے نہیں کرے گا بلکہ جہاں

اللہ نے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے وہاں خرچ کرے گا۔ جن سے دوستی کرنے کی اللہ نے اجازت دی ہے وہیں دوستی کرے گا۔ جن سے دشمنی کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے ان سے دشمنی نہیں کرے گا۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرے گا۔ یہی تقاضائے ایمان ہے لیکن ہماری مسلمانی تو یہ ہے کہ ہمارے طور واطوار، معاملات زندگی کو دیکھ کر کافر بھی شرماتے ہیں۔

وضع میں تم ہونصاریٰ' تمدن میں ہنود
اور یہ مسلمان جنہیں دیکھ کر شرمائے یہود

حلیہ اور شکل و شباہت عیسائیوں جیسی رواجات و رسوم اندازِ زندگی ہندوؤں جیسے ہیں اور کردار ایسا کہ یہود بھی شرما جائیں اس پر زعم یہ ہے کہ خود کو مسلمان کہتے ہیں۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ جو لوگ اللہ سے اپنے تعلق درست رکھتے ہیں ان سے نافرمانوں کے ساتھ بھول کر بیٹھ جانے کی پرسش نہیں ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ سے تعلق رکھنے والے لوگ گستاخوں سے الگ رہیں۔ اللہ کے نافرمانوں اور اللہ کے دین کا مذاق اڑانے والوں کی ہم نشینی جائز نہیں لہٰذا جیسے ہی یاد آ جائے کہ کسی محفل میں گستاخی ہو رہی ہو تو فوراً علیحدہ ہو جائیں کہ اس طرح کی ہم نشینی دین سے دوری کا باعث ہے۔ جن لوگوں کے دل میں عظمت الٰہی کا احساس موجود ہے اگر ان سے بھول ہو جائے اور وہ کچھ دیر وہاں بیٹھے رہیں پھر انہیں جیسے ہی یاد آئے وہ فوراً اُٹھ جائیں۔ اس محفل سے علیحدہ ہو جائیں تو انہیں اس تاخیر کی معافی مل جائے گی۔ انہیں اس جرم میں شریک نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ عامۃ المسلمین کے لئے ایک عمومی اصول ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آدمی پر کسی وقت غفلت آ جائے۔ اسے یاد نہ رہے اور وہ کسی ایسی محفل میں بیٹھا رہ جائے جس کے برے کاموں سے نہ تو وہ متفق تھا اور نہ ہی ان میں شریک تھا اور پھر اسے جیسے ہی یاد آ جائے کہ یہ غلط ہو رہا ہے تو وہ فوراً الگ ہو جائے تو اللہ کریم نے ایسے اطاعت گزاروں کے لئے یہ رعایت فرمائی ہے کہ جتنی دیر انسان بھول کر وہاں بیٹھا رہا اس غلفت کی اسے معافی مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی بول چال میں، اپنے اعمال و کردار میں اللہ کی عظمت کا احساس کرتے ہوں۔

فرمایا' جو لوگ جرم کرتے ہیں وہ اپنا حساب خود دیں گے ان کے اعمال بد کی باز پرس ان سے نہیں ہو گی جن کے دل میں عظمت الٰہی کا احساس موجود ہوگا اور جو لوگ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ان پر کفار جیسا

عذاب تو نہیں لہٰذا انہیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو کرتا ہے وہ خود بھرے گا۔ نبی کریم ﷺ سے تعلق کی حفاظت مومن کے لئے جان سے زیادہ قیمتی معاملہ ہے۔ یہ اتنی نازک بات ہے کہ شریعت مطہرہ نے اس کا ہر پہلو سے خاص اہتمام کیا ہے۔ یہاں تک احتیاط روا رکھی گئی ہے کہ بے شک بات سچی ہو، حدیث مبارکہ ہو، حضور اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی ہو لیکن کسی ایسے شخص کے سامنے نہ کہی جائے جو اپنی ناسمجھی کے باعث وہ بات سمجھ نہ سکے اور اسے غلط قرار دے دے۔ یعنی نااہلوں کے سامنے ایسی بات کہنے کی ممانعت ہے جسے وہ سمجھ نہ سکیں اور کہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق بات کرو'' لوگوں میں جو عقلی استعداد ہے اس سے زیادہ بات نہ کرو کیونکہ وہ اسے نہیں سمجھ سکیں گے اور جھوٹ قرار دیں گے حالانکہ وہ حق ہوگی۔ اسی لئے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ تم میں سے کوئی مجھے جھوٹا نہ کہے عرض کی گئی ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ معاذ اللہ ہم آپ ﷺ کو جھوٹا کہیں؟ فرمایا' کسی کے سامنے ایسی بات نہ کرو جو کہ اگرچہ سچی ہو، میری بات ہو اور جسے کوئی اپنی کم عقلی کے باعث اسے جھوٹا کہہ دے تو اس طرح گویا تم نے مجھے جھوٹا کہا۔ اور ساتھ ہی یہ عہد ہے کہ ''جس نے جان بوجھ کر میری ذات پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے''۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ فرمایا' جو لوگ دنیا کے لالچ میں، دنیا کی لذات اور عیش وعشرت میں اتنے کھو گئے ہیں کہ دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اپنی دولت وامارت پر اتنے مغرور ہیں کہ انہیں اپنی آخرت کی فکر ہی نہیں ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ان کے ساتھ نہ رہیں۔

بری صحبت سے پرہیز:

انسان دوسرے انسانوں سے اثر لیتا ہے۔ ہمارا سب کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ صحبت کے اثرات کیسے مرتب ہوتے ہیں۔ تجربے کے طور پر کسی بچے یا بڑے کو کسی خاص مزاج کے لوگوں میں بٹھا دیں۔ کچھ عرصے بعد دیکھیں گے کہ اسے ان کے شغل میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ کبوتر باز کی صحبت سے کبوتر بازی کا شوق پیدا ہو جائے اور تاش کھیلنے والے کی ہم نشینی سے اسی شغل کی عادت پڑ جائے گی۔ اسی لئے علماء حق فرماتے ہیں کہ اگرچہ تبلیغ دین کے لئے بے دین لوگوں میں جانا فرض ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو بے دینوں میں جا کر اپنا دین ضائع نہ کر بیٹھیں۔ تبلیغ کے لئے وہ لوگ جائیں جن کے اپنے بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو اور جس

کے بگڑنے کا اندیشہ ہو اسے دینی کام کرنے کے لئے بے دینوں میں مت بھیجا جائے۔

آج تو ملک کے سربراہ اور حکومتی ارکان کا یہ حال ہے کہ قرآن حکیم کی ایک چھوٹی سی اور معروف سورۃ بھی درست نہیں پڑھ سکتے وہاں عام آدمی کی شکایت کون سنے گا؟ لیکن ہر شخص کو اپنی قبر میں جانا ہے۔ زندگی موت کی طرف رواں دواں ہے۔ مسلسل چل رہی ہے۔ رکتی نہیں۔ زندگی کا ہر گزرنے والا سال ہمیں موت کی آغوش میں پہنچانے والا ہے۔ یہ توبہ کا مقام ہے۔ اپنی اصلاح کرنے کا مقام ہے۔ زندگی کی سند کسی کے پاس نہیں۔ موت کی تلوار ہمہ وقت سر پر لٹک رہی ہے تو فرمایا اپنے کردار اور گفتار میں ان لوگوں کا ساتھ دو جو تمہیں اللہ کی طرف متوجہ کریں۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت عالی میں سوال پیش کیا گیا جس کا مفہوم ہے کہ حضور! آپ ﷺ تو روشنیاں بکھیرنے والا سورج ہیں۔ ہمیں جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو یا کچھ فرصت نصیب ہو جائے تو ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ مسجد نبوی میں پہنچیں۔ آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھ جائیں لیکن جب آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے تو پھر لوگ کس کے پاس جائیں گے؟ کس کے پاس بیٹھیں گے؟ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین کے ادوار ختم ہوں گے، نسل در نسل انسانیت آگے بڑھتی جائے گی۔ جب تک دنیا آباد رہے گی آپ ﷺ کی نبوت قائم رہے گی۔ قرآن کریم بھی ہوگا۔ شریعت مطہرہ بھی ہوگی لیکن صحبت کس کی اختیار کی جائے گی؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ایسے لوگوں کے پاس بیٹھو جن کے پاس بیٹھ کر اللہ کی یاد آئے'' ارشاد پاک کا منشا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھو جن کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی طرف متوجہ ہونا نصیب ہو۔ جو اللہ کی باتیں سنائیں۔ ایسے لوگوں کی مجلس ضرور اختیار کرو اور جو اللہ اور آخرت کو بھلا دینے والے ہوں ان سے اجتناب کرو۔ ان سے الگ رہو۔ **وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ دے رکھا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی حکومت ہمیشہ رہے گی اور یہ ہمیشہ ہی دولت مند رہیں گے۔ انہیں یہ بھول ہی گیا ہے کہ یہ دنیا میں رسومات کے اسیر رہے ہیں تو مرتے وقت کفن دفن پر بھی رسومات ہی ہوں گی جیسی ہمارے ہاں ہندوؤں کی رسومات رائج ہیں تو فرمایا ایسے لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں کہ انہوں نے دین کو رسومات کی نذر کر دیا ہے **وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ** بے دینوں سے تعلق تو نہ رکھو لیکن جو بات بھی کرو اس میں بھلائی کی نصیحت ہو شاید ان میں سے بھی کسی کو توبہ نصیب ہو جائے۔

بندے کا کردار دیکھیں اور اللہ کا کرم دیکھیں فرماتا ہے ان سے تعلق نہ رکھو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو لیکن جب موقع ملے ان سے اچھی بات کہتے رہو شاید کوئی توبہ کر لے تو میری رحمت اسے بڑھ کر تھام لے گی۔ کتنی وسیع رحمت ہے اور اللہ کا کتنا کرم ہے! حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ پوری زندگی میں کسی کی ایک تسبیح قبول ہو گئی تو اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔ پھر ہمیں اپنی نجات ہونے کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟

اللہ کے وعدۂ بخشش پر بے اعتمادی کی وجہ؟

ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جنہیں یہ اعتماد ہے کہ انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ ہمیں وعدۂ بخشش پر اعتبار کیوں نہیں آتا؟ اس بے یقینی کی وجہ ہماری اپنی کمزوری ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کہیں دولت کے بڑھ جانے کی بات ہو رہی ہو تو ہم بڑے انہماک سے سنتے ہیں۔ جہاں کہیں دوستی، دشمنی کی بات ہوتی ہے تو دل لگا کر سنتے ہیں اور اس پر عمل درآمد کے لئے بڑے خلوص سے آمادہ ہوتے ہیں لیکن جب اللہ کی عبادت کا وقت ہو تو ہم رسمی طور پر کر کے فارغ ہو جاتے ہیں کہ بعد میں دیکھا جائے گا فی الحال پانچ نمازوں کا ٹوٹل پورا کیا جائے۔ کاش! عبادت بھی دل سے کی جائے۔ پھر کیسے اعتبار نہ آئے؟ اللہ کی فرمانبرداری کرنے پر اللہ کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے تو کیوں نجات نہ ہو گی؟ بات یہ نہیں کہ اللہ کی رحمت پر یقین نہیں ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر یقین نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اپنے کردار کا پتہ ہے۔ اپنے کرتوتوں کے باعث یقین نہیں ہے۔ اپنے بے خلوص ہونے کے باعث عبادات کو رسم بنا لیا ہے۔ دل عبادت میں شامل نہیں ہے۔ یہی ہماری کمزوری ہے کہ ہم دنیا کے کام تو بڑے خلوص سے کرتے ہیں اور دین کے احکام واجبی طور پر کرتے ہیں۔ رسمی طور پر کرتے ہیں۔

اس کا علاج یہی ہے کہ عبادت کو رسم نہیں حقیقت بنائیں۔ دل میں اللہ کی یاد کو بسائیں۔ دل اور سینے کو اللہ کے نام سے روشن کیجئے۔ ایک ایک تسبیح تہہ دل سے نکلے۔

وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ فرمایا' انہیں نصیحت کرتے رہیے اسلئے کہ جب لوگ اپنے کردار کے بدلے گرفت میں آ جائیں گے تو اللہ کے سوا نہ کوئی کسی کا دوست ہو گا اور نہ سفارشی **وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ** جب عذاب واقع ہو گا اور بالفرض کسی کے پاس ساری دنیا کی دولت ہو اور وہ اسے معاوضے کے طور پر دے کر اپنی جان چھڑانا چاہے تو وہ نہ چھڑا سکے گا۔ وہاں انصاف ہو گا اور لوگ اپنے کردار کے باعث عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔ تب پتہ چلے گا جب یہ گستاخ پکڑے جائیں گے۔ ان کے لئے جہنم کا پانی تک کھولتا ہوا ہو گا اس دردناک عذاب کی وجہ ان کا اپنا یہ فیصلہ ہو گا کہ دنیا میں انہوں نے کفر کیا اور کفر پر ہی مر گئے۔

اس آیہ مبارکہ کی روشنی میں اپنا جائزہ لیں تو اپنی مسلمانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ دنیا ہمارے دلوں میں اتنی دھنسی ہوئی ہے کہ لب گور بھی دنیا کے کاموں میں ہی دلچسپی لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس وقت تو خلوص سے اللہ اللہ کر لیں۔ جو آیات یاد ہیں ان کی تلاوت کر لیں۔ درود شریف پڑھ لیں۔ کسی سے

فرمائش کر کے کہیں کہ ہمیں ہمارے نبی کریم ﷺ کی باتیں سناؤ۔ اس وقت تو دنیاوی جائیداد کی فکر چھوڑ دیں جب کہ اسے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ایسے بھی لوگ مشاہدے میں آتے ہیں جو ایک مکان ہی چھوڑ کر جا رہے ہوں پھر بھی اس کی فکر لاحق ہوتی ہے کہ اس کی تقسیم اس طرح کرنا۔ فلاں کو یہ دے دینا فلاں کو وہ دے دینا حالانکہ اللہ کا عطا کردہ قانون وراثت موجود ہے۔ اس کے مطابق تقسیم ہو جائے گا اور تمام وارثین کو ان کا حق مل جائے گا۔ لیکن یہ اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں لب گور بھی اپنی مرضی کرنے پر تلے رہتے ہیں۔

یہ کسی ایک فرد کی بات نہیں ہم سب کی یہی کہانی ہے۔ دنیا ہمارے دلوں میں اتنی دھنسی ہوئی ہے کہ مرتے مرتے بھی ہم اس کی فکر کر رہے ہوتے ہیں۔ دین کے ساتھ ہمارا تعلق واجبی سا ہے گویا گلے پڑ گیا ہے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ لہٰذا مسلمان ہیں رویہ یہ ہے کہ کبھی صلوٰۃ ادا کر لی اور چھوٹ گئی تو خیر ہے پھر پڑھ لیں گے اور نہ پڑھیں گے تو ایک وقت کی صلوٰۃ کا کیا ہے؟ قرآن پڑھنے والوں کا یہ حال ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں سے پڑھ رہے ہیں۔ دنیا میں اتنی دلچسپی ہے کہ کہانیاں ناول پڑھیں جو فرضی باتیں ہیں یا ٹی وی پروگرام دیکھیں اور اچانک بجلی چلی جائے تو ہر ایک کو پتہ ہوتا ہے کہ کہانی کس موڑ پر تھی جب کتاب بند کی یا جب بجلی گئی تو پروگرام میں کیا کہا جا رہا تھا؟ لیکن تلاوت کرتے ہوئے قرآن حکیم بند کرنا ہو، پھر دوبارہ کھولیں تو پتہ نہیں ہوتا کہ کس آیت پر چھوڑا تھا؟ دین سے دلچسپی کا یہ عالم ہے تو عمل میں اور کردار میں بہتری و بھلائی ہوگی؟

اللہ کی رحمت بہرحال بے کراں ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ زندگی ختم ہونے سے پہلے جتنے ظلم کر چکے ہو ان سے توبہ کر لو۔ میری رحمت کے سائے میں آ جاؤ۔ میں تمہیں بخش دوں گا۔ اللہ کریم ان آیات مبارکہ میں مخلص اور مومن بندوں کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ دین کا مذاق اڑانے والوں کی ہم نشینی سے باز رہو لیکن انہیں نصیحت کرتے رہو۔ ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی توبہ کر لے۔ اور ہم جنہیں نصیحت کرنے کا فریضہ سونپا گیا ہے ہمیں خود ہی یاد نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہماری دلچسپی دین میں اتنی نہیں ہے جتنی دنیا میں ہے۔ اللہ ہمیں معاف کرے۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

فرمایا' اللہ کی ناشکری' دین کا مذاق اور کفر ایسی مصیبت ہے کہ یہ جب اس میں پھنسیں گے تو ان کو خود پتہ چل جائے گا اور دوسروں کو بھی اندازہ جائے گا۔ یہ اپنے کفر کے سبب اس میں پھنس گئے جس کا نتیجہ دردناک عذاب ہے۔

اللہ پناہ دے۔ ہمیں توبہ کی توفیق دے۔ ہمارے دلوں کو روشن رکھے اور صدق دل سے اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے۔

سورۃ الانعام رکوع 9 آیات 71 تا 82

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا
وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ
الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى
الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَاُمِرْنَا
لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاتَّقُوْهُ ۗ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ
قَوْلُهُ الْحَقُّ ۗ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ۗ عٰلِمُ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ وَاِذْ قَالَ
اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ
وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا
قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ

لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً
قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾
وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ
اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ
رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ
مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا
اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچائے؟ اور کیا ہم الٹے پھر جائیں بعد اس کے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کردی ہے؟ جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کردیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ، آپ کہہ دیجیے کہ یقینی بات ہے کہ راہِ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا کہ ہم پورے مطیع ہو جائیں پروردگار عالم کے ﴿۷۱﴾ اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ﴿۷۲﴾ اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو باقاعدہ

پیدا کیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ حشر ہو جا بس وہ ہو جائے گا اس کا کہنا بااثر ہے اور جب کہ صُور میں پھونک ماری جائے گی ساری حکومت خاص اسی کی ہوگی وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی ہے بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ﴿۷۳﴾ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تُو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں ﴿۷۴﴾ اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہو جائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے والوں میں ہو جائیں ﴿۷۵﴾ پھر جب رات کی تاریکی اُن پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا ربّ ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿۷۶﴾ پھر چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا ربّ ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرا رب مجھ کو ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں ﴿۷۷﴾ پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا اے میری قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں ﴿۷۸﴾ میں یکسو ہو کر اپنا رُخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ﴿۷۹﴾ اور اُن سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی فرمایا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا لیکن ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے کیا تم پھر خیال نہیں کرتے؟ ﴿۸۰﴾ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ

کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں
فرمائی سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے؟ اگر تم خبر رکھتے
ہو ﴿۸۱﴾ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں
کرتے ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں ﴿۸۲﴾

خلاصہ رکوع

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ اللہ کے علاوہ کس کو پکاروں جو کہ ہمیں نہ نفع دے سکتا ہے نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور اگر ہم ایسا کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے پاؤں پر الٹے پھر گئے بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو شیطان یا جن نے پکڑ لیا ہو اور وہ ویرانوں میں پریشان پھر رہا ہو حالانکہ اس کے دوست اسے سیدھے راستے کی طرف آواز دے رہے ہوں اور اسے کچھ خبر نہ ہو۔ اور انہیں فرما دیجیے کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ رب العالمین کی عبادت کریں۔ اپنی عبادات قائم کریں اور اللہ کریم کے ساتھ اپنا ذاتی تعلق استوار رکھیں اس لئے کہ وہی ذات ہے جس کے پاس سب کو واپس جانا ہے۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور دوبارہ پیدا کرنے کے لئے جب حکم دے گا تو دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ اس کا ارشاد حق ہے اور اقتدار اعلیٰ اسی کو زیب دیتا ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو یہ بات سب کو سمجھ آ جائے گی کہ اقتدار اسی کا ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر باتوں کا جاننے والا ہے۔ وہ حکمت والا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اس ضمن میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے آنکھ کھولی۔ ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ اُن کے والد آزر بت بناتا اور بتوں کی پوجا کرتا ہے تو انہوں نے اپنے والد سے فرمایا کتنی عجیب بات ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں سے بت بناتے ہیں اور پھر ان کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں۔ میری رائے میں آپ اور آپ کی پوری قوم صریح گمراہی میں ہے۔ فرمایا' اور ہم نے ابراہیم کو زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہت کھول کر دکھا دی تاکہ انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے۔ ابراہیم نے اپنی قوم سے بات کرنے کا یہ انداز اپنایا کہ جب رات ہوگئی تو ایک روشن ستارہ دیکھا جو باقی ستاروں سے زیادہ روشن تھا تو فرمایا یہ میرا پروردگار ہے کہ یہ باقیوں سے زیادہ روشن اور سب سے بڑا ہے۔ جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا میں غروب

ہو جانے والوں سے تو محبت نہیں کرتا۔ جو خود اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتا اسے رب ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر جب انہوںؑ نے چاند کو نکلتے دیکھا تو کہا یہ رب ہوگا لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمانے لگے جو حقیقی رب ہے جب تک وہ میری رہنمائی نہیں فرمائے گا تو میں بھی گمراہ لوگوں کا ساتھ دیتا رہوں گا۔ اس کے بعد سورج طلوع ہوا تو فرمانے لگے کہ یہ میرا رب ہوگا کہ یہ سب سے بڑا ہے لیکن وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا' اے قوم! میں اس بات سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں جو تم سورج، چاند، ستاروں کو معبود مان کر شرک کرتے ہو اور میں اپنا رخ اللہ کی طرف کرتا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ **حنیفاً** خالص، کھرا اور بالکل سیدھا رخ اللہ کی طرف اور میں مشرکوں کا ساتھ نہیں دوں گا۔ اس پر انؑ کی قوم نے انؑ سے جھگڑا کیا تو کہنے لگے تم اللہ کی ذات کے بارے مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ خود اللہ نے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ میرا سینہ علوم سے منور فرمایا ہے۔ تم مجھے بتوں سے ڈراتے ہو کہ یہ کچھ نقصان پہنچا دیں گے لیکن میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے۔ میں تو وہی کروں گا جو میرے رب کو پسند ہے اور جو میرے اللہ کا حکم ہے اور اللہ ہی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ کیا تمہیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی؟ اور میں ان بتوں سے کیسے ڈروں جو لکڑی، پتھر، مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ جو تم نے خود بنائے ہیں۔ تم تو ایسے لوگ ہو کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ خود تو اللہ قادر مطلق سے نہیں ڈرتے اور مجھے ان بتوں سے ڈراتے ہو جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ جن کے بارے کوئی علمی یا عقلی دلیل موجود نہیں۔ کسی آسمانی کتاب میں کسی نبیؑ اور رسولؐ نے ان کی بات نہیں کی تو تم خود دیکھ لو کہ میرے اور تمہارے دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ جو حق پر ہے اسی کو امن نصیب ہوگا۔ دوسرے تباہ ہو جائیں گے۔ اگر تمہیں اس بات کی سمجھ آ جائے؟ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی طرح کے ظلم کو شامل نہیں ہونے دیا یقیناً وہ لوگ امن کے مستحق ہیں اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی۔ جس کے درجات چاہتے ہیں ہم بلند کر دیتے ہیں اس لئے کہ تمہارا پروردگار حکیم بھی ہے اور علیم بھی ہے۔

تفسیر و معارف

دین پر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا:

دنیا میں انسان معاشرے کی صورت میں بستے ہیں۔ سب کی ضروریات اور محبتیں رشتوں میں بندھی

ہوتی ہیں۔ سب نے ایک جگہ جینا ہے اور گزارہ کرنا ہے تو پھر ایک اصول لاگو ہوتا ہے کہ کچھ لو اور کچھ دو کے تحت گزارا ہوگا۔ یوں جب مل جل کر ایک شہر یا ملک میں بحیثیت قوم اور شہری کے رہنا ہو تو اپنے اپنے مطالبات میں کچھ کمی لانا پڑتی ہے۔ کہیں کہیں اپنی رائے سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ یہ ایک بڑا اصول معاشرت ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ دین میں اس کی گنجائش نہیں اس لئے کہ انسانوں کے درمیان معاملہ کرتے ہوئے دونوں طرف انسان ہوتے ہیں۔ دونوں سے غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ دونوں کی رائے حتمی نہیں ہوسکتی لہٰذا وہاں کچھ لو اور کچھ دو کا اصول کارگر ہوسکتا ہے لیکن جب معاملہ اللہ اور بندے کے درمیان آتا ہے تو اللہ کی بات سچی، پکی اور حتمی ہوتی ہے۔ غلطی کا امکان بندے کی طرف سے ہوتا ہے اللہ کریم کی طرف سے نہیں لہٰذا دین پر سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔

مشرکین مکہ نے بھی حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں یہی کہا تھا کہ مکہ میں تو پہلے بھی بہت سے مذاہب ہیں۔ صرف بتوں کی ہی نہیں بلکہ سورج، چاند، ستاروں، فرشتوں، نجومیوں اور جادوگروں کی بھی پرستش ہوتی ہے۔ لیکن معاشرے کا نظام ہم سب مل کر طے کر لیتے ہیں۔ اس طرح ہمارا گزارہ ہو رہا ہے آپ نیا دین لے کر آ گئے ہیں تو یہاں تک ہم مان لیتے ہیں کہ آپؐ جسے اپنا معبود سمجھتے ہیں اس اللہ کی آپ عبادت کریں اور جس طریقے سے چاہیں کریں لیکن ہماری معاشرت کو نہ چھیڑیں۔ طریق انصاف، معاملات اور لین دین، رشتہ داریاں اور باہمی حقوق کا نظام جیسے چل رہا ہے ویسے چلنے دیں۔ آپ اپنے اللہ کی عبادت کریں۔ ہمارے بتوں کو غلط نہ کہیں۔ آپ اپنا کام کریں اور ہمیں اپنا کرنے دیں اور مل جل کر گزارہ کریں۔

اس بات کا جواب اللہ کریم نے ارشاد فرمایا **قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا** ان سے فرما دیجیے اللہ کے علاوہ مجھے کسی سے کچھ امیدِ نفع نہیں۔ نہ تمہارے کسی بت سے کسی نفع کی امید ہے نہ وہ کسی قسم کا ضرر پہنچانے کی سکت رکھتے ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر، اللہ کے احکام سے منہ موڑ کر کیا ہم ایسا کام کریں؟ ان کی غلامی کریں جو خود محتاج ہیں۔ جو اپنی ذات میں احتیاجات رکھتے ہیں۔ تمہارے بت تو تمہارے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ کیسے معبود ہیں کہ کوئی انہیں توڑ دے تو یہ اس کا ہاتھ نہیں روک سکتے۔ ہماری حفاظت کیا کریں گے؟ یہ تو پتھر تھے۔ ان پر کسی نے تیشہ چلایا تو یہ بت بن گئے اگر یہی پتھر فرش پر لگایا جاتا تو لوگ اس کے اوپر چلتے پھرتے تو ان سے امید رکھنا فضول بات ہے۔ عقل انسانی بھی اسے سمجھتی ہے کہ یہ ایک لغو بات ہے۔ یہاں ایک نازک نکتہ ہے لیکن نہایت اہم ہے کہ مجسموں کو پوجنا تو شرک جلی ہے لیکن لوگوں کو حاجت روا سمجھا

شرک خفی ہے۔اس سے اسی طرح بچنے کی ضرورت ہے جیسے شرک جلی سے بچنے کی ضرورت ہے۔

شرک خفی:

شرک خفی، شرک کی ہی ایک صورت ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ اللہ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو نفع پہنچانے والا یا نقصان پہنچانے والا مانا جائے۔ اللہ کی ذات کو چھوڑ کر اور کسی سے نفع کی امید رکھی جائے اس کے ڈر سے اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ کسی کی رضا مندی کے لئے اللہ کی اطاعت چھوڑ دی جائے یا کسی دوسرے کو راضی کرنے کے لئے اللہ کی نافرمانی کی جائے اور یہ سب کرتے ہوئے اس سے امید ہو کہ اس طرح وہ مجھے نفع پہنچائے گا یا فکر ہو کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا تو وہ مجھے نقصان پہنچائے گا تو یہ شرک خفی ہے۔ یہ دل میں، باطن میں، ذہن میں چھپا ہوتا ہے۔اس کا اظہار عملی زندگی میں کئی صورتوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ نے ایک چیز حرام کردی ہے کوئی کسی حاکم یا طاقتور کے کہنے پر اسے استعمال کرتا ہے تو یہ شرک ہے۔ جیسے آج ہر کوئی بینکوں سے اور ڈاک خانوں سے سود لے کر کھا رہا ہے اس غلط نظام کا سہارا لینا بھی شرک خفی ہے کہ اس نے حاکم کو وہ درجہ دیا جو اللہ کو سزاوار تھا۔ اس طرح ہر قسم کے سودی نظام کا سہارا لینا بھی شرک خفی ہے۔ جو شخص بھی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نفع پہنچانے والا اور نقصان سے بچانے والا سمجھے گا وہ شرک کرے گا۔ اور جو شرک کرتا ہے اس کا صرف یہ دعویٰ رہ جاتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہوں۔ حقیقتاً اس کا ایمان بالرسالت ختم ہو جاتا ہے۔ جس نے توحید باری کو نہیں مانا اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں مانا اس لئے کہ آپ ﷺ کی بعثت اسی لئے ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ اللہ کی ذات وصفات سے مخلوق کو آگاہ فرمائیں۔ جب وہ اس بنیادی بات سے پھر گیا تو وہ امت میں کہاں شامل رہا؟ اس نے رسول اکرم ﷺ کو کب مانا؟

اللہ کریم اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مومن کا یہ بڑا نازک رشتہ ہے۔ یہ اتنا مضبوط ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہیں سکتی اور اتنا نازک ہے کہ بندے کا اپنا احساس وشعور اس کو پل بھر میں توڑ دیتا ہے۔ ذراسی آمیزش اسے ختم کر دیتی ہے اس لئے کہ اللہ کریم کو کسی کی ضرورت نہیں۔ سارے لوگ مل کر اللہ کی عظمت کے گن گائیں تو اس کی شان بڑھ نہیں جائے گی اور سب لوگ انکار کر دیں تو اس کی شان کم نہیں ہو جائے گی۔ انسانوں کے فیصلے اور ان کے اعمال کے نتیجے کا اثر خود انسان پر ہی آئے گا۔ اللہ کی بات مانے گا تو عزت پائے گا۔ انکار کرے گا تو ذلت اٹھائے گا۔ اللہ کریم تو بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ اپنی شان میں یکتا ہے۔

وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لہٰذا تمہارا ہمیں باطل معبودوں کی طرف بلانا بے سود ہے۔

جب اللہ کریم نے ہمیں اپنی توحید سے آشنا کیا اور ہدایت کے راستے پر چلنے کی توفیق دی تو ہم الٹے پاؤں لوٹ جائیں؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں توفیق ایمان دی **كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ** جو اسلام کو چھوڑ کر کسی اور بات پر عمل کرتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ اسے فائدہ ہوگا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کو شیطان یا جن نے پکڑ لیا ہو اور وہ پاگل ہو کر ویرانوں میں بھٹکتا پھرتا ہو اور اسے اپنے نفع و نقصان کا ہوش ہی نہ رہے۔ پھر اس کے کچھ دوست بھی ہوں جو اسے سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہوں لیکن اس کا ذہن تو مختل ہو چکا ہو اسے بھلے برے کا ہوش نہیں رہا تو اس کے واپس آنے کی امید ہی نہیں۔ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ نے متعین کر دیا۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ راہ ہدایت وہی ہے جو اللہ نے متعین فرما دی۔ ہمارے پاس یہ ایک ہی راستہ ہے۔ بحیثیت مسلمان ہماری صبح سے شام تک اور پیدا ہونے سے مرنے تک کی زندگی کا سلیقہ یہی ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت کریں۔ اس کے تابع فرمان رہیں اور اسی کے ہو کر رہیں۔

آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ انہیں فرما دیجیے کہ تم جو مشورے ہمیں دے رہے ہو کہ معاملات، کاروبار، معاشرت اور لین دین میں تمہارے ساتھ سمجھوتہ کر لیں تو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ اللہ نے ہمیں صرف توحید باری کا عقیدہ رکھنے تک محدود نہیں کیا۔ اس نے ہمیں زندگی کا پورا نصاب دیا ہے۔ صرف صلوٰۃ کی ادائیگی اور روزہ رکھنا ہی عبادت نہیں۔ حقیقی عبادت یہ ہے کہ روزمرہ کے امور میں اللہ کی اطاعت کی جائے۔ بات صرف نماز، روزے تک نہیں رہتی بات عملی زندگی کی ہے۔ نماز، روزے سے تو مشرکین مکہ بھی نہیں روکنے آئے تھے۔ وہ تو کہتے تھے کہ آپ اپنے اللہ کو مانو۔ اس کی عبادت جس طرح کرنا چاہتے ہو کرو۔ ہمیں اپنے معبودوں کی عبادت کرنے دو۔ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہو اور ہمارے کاروبار حیات میں ہمارا ساتھ دو۔ ہمارے ساتھ مل جل کر معیشت و معاشرت کے نظام کو جاری رکھو۔

آپ ﷺ نے فرما دیا اسلام سمجھوتوں کا دین نہیں یا اللہ کی اطاعت ہوگی یا اللہ کی نافرمانی ہوگی۔ دو میں سے ایک خانے میں بندے کا نام لکھا جائے گا یا اطاعت شعاروں کی فہرست میں یا نافرمانوں کی۔ تم نے اپنا نظام خود بنایا ہے جس میں دونوں طرف انسان ہیں اس لئے وہاں سمجھوتہ ہو سکتا ہے لیکن ہمارے لئے صرف ایک راستہ ہے وہ ہے اللہ کی اطاعت۔ یہ اللہ کا عطا کردہ سیدھا راستہ ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم کائنات کے پالن ہار کے احکام تو تسلیم کریں۔

اقامت صلوٰۃ:

وَاَنۡ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوۡهُ‌ ؕ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کو قائم کریں۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ ارکان صلوٰۃ مکمل ہوں تعدیل ارکان کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ خلوص دل سے متوجہ الی اللہ ہونے کی کوشش ہو اور بندہ نہ صرف خود صلوٰۃ ادا کرے بلکہ اس کے طفیل صلوٰۃ کا نظام قائم ہو۔ اس کے لئے مسائل و فضائل صلوٰۃ سیکھے جائیں اور سکھانے کا اہتمام کیا جائے۔ اپنی صلوٰۃ ادا کر لینا کوئی مشکل نہیں ہے صلوٰۃ کے پورے نظام کو متعارف کروانا اقامت صلوٰۃ ہے۔ اقامت صلوٰۃ کا فریضہ ہر مومن کی اپنی ذمہ داری ہے اور اپنے اپنے دائرہ میں قائم کرنا واجب ہے۔ جہاں تک اس کی بات سنی جاتی ہو خواہ گھر میں ہی قائم کروائی جائے۔ بندے کا کسی اور پر اختیار نہیں تو کم از کم اپنے بچوں پر تو ہے۔ اسے اس کے بارے جواب دینا ہوگا۔ اور صرف عبادات ہی نہیں بلکہ بچوں کی ہر پہلو سے تربیت والدین کی ذمہ داری ہے۔ پوچھا جائے گا کہ کیا بچوں کو صلوٰۃ سکھائی؟ حلال وحرام بتایا؟ اللہ کی عظمت سے آشنا کیا؟ نبی کریم ﷺ کی صداقت کے دلائل بچوں کو سکھائے؟ نیک و بد، اچھے برے، پاکیزگی اور طہارت کے بارے بتایا؟ اچھے اخلاق کی تربیت کی؟ اور کیا کوشش کی کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں۔ انسان کے دائرہ اختیار میں آنے والی ہر ذمہ داری کے بارے پوچھا جائے گا۔ میری سمجھ کے مطابق اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ اس کا پورا نظام قائم ہو۔ صلوٰۃ قائم کرنے والے وہ ہیں جن کے ملنے جلنے والے، نمازی بن جائیں۔ پاس بیٹھنے والے اللہ کی عبادت میں لگ جائیں۔ اللہ کی عظمت سے آشنا ہو جائیں۔ اور زندگی کے ایک مجموعی عمل کی حیثیت کے معاشرے میں اس کا پھیلاؤ ہو۔

وَاتَّقُوۡهُ‌ ؕ اور تقویٰ اختیار کرو۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ تقویٰ کا تعلق استوار کریں۔ اردو میں تقویٰ کا معنی ڈرنا لکھا جاتا ہے۔ جبکہ یہ لفظ تقویٰ کے مفہوم کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ڈر کی تو کئی اقسام ہیں۔ تقویٰ دراصل اللہ کریم سے استوار کئے گئے تعلق کے ٹوٹنے کے ڈر کو کہتے ہیں۔ بندے کا رب العالمین سے ایسا تعلق بن جائے کہ بندہ بات کرتے ہوئے رک جائے کہ کہیں اس بات سے اس کا اللہ کریم سے جو تعلق ہے اس میں خلل نہ آجائے۔ کام کرتے ہوئے اسے فکر لاحق رہے کہ اس کے اس کام سے اللہ کریم کہیں ناراض نہ ہو جائیں؟

اس آیہ مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ سے ایسا تعلق قائم کر لو کہ بات کہتے

اور عمل کرتے ہوئے یہ احساس رہے کہ کیا اس کام کی اللہ کریم نے اجازت دی ہے؟ اور کیا یہ طریقہ سنت پیغمبر ﷺ کے مطابق ہے؟ اور پھر بات صرف سوچنے تک محدود نہ رہے بلکہ اس کے لئے قربانی بھی دے سکے۔ یعنی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے عطا کردہ دین پر چلنے میں اگر آمدن میں کمی آتی ہے تو برداشت کرے۔ مصیبت آتی ہے تو سامنا کرے لیکن اللہ سے تعلق نہ بگڑنے دے۔ مرتے دم تک اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خلوص کے ساتھ اطاعت کرتا رہے۔ اس میں مشکل آئے یا راحت۔ اگر اس راستے پر چلتے ہوئے مشکلات آئیں تو کیا کفار کو مشکلات نہیں آتیں؟ اگر کوئی کفر کے لئے مصیبتیں سہہ لیتا ہے تو مومن کے لئے زیادہ آسان ہے کہ اسے رضائے باری کی لذت نصیب ہے۔ اگر اس راستے پر موت آجائے تو کیا ویسے بھی موت نہیں آئے گی؟ اللہ کی راہ میں جو مصیبت آئے گی وہ خطا کی معافی کا سبب بنے گی۔ قرب الٰہی کا سبب بنے گی۔ اللہ کریم اس راہ پر اجر عطا فرمائیں گے۔ کوئی مارا جائے تو شہید ہوگا۔ تقویٰ کے حصول کے لئے مومن کی پوری زندگی عبادت بنتی ہے۔ عبادات سے لے کر معاملات تک، افکار سے لے کر کردار تک اور دن بھر کے چھوٹے چھوٹے امور سے لے کر زندگی کے بڑے بڑے فیصلوں تک ہر چیز میں اللہ کی اطاعت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر چلنے کی کوشش جاری رہتی ہے۔ بحیثیت انسان غلطیاں ہو جاتی ہیں لیکن اسے توبہ کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے لیکن آج کی مسلمانی کی طرح نہیں کہ نماز پڑھ لی، عمرہ کر آئے اور سوچ لیا کہ پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ آکر دوبارہ کرنے شروع کر دیئے۔

توبہ کے بارے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ توبہ ندامت کا نام ہے جو کسی کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے شرمندگی ہو وہ محسوس کرے کہ جہاں جہاں اس نے اللہ کی نافرمانی کی، بہت برا کیا۔ اسے شرم محسوس ہو کر عاجز مخلوق ہو کر اس نے اپنے خالق کی نافرمانی کی۔ ندامت اسے یہ احساس دلائے کہ وہ کچھ نہیں تھا اللہ نے اسے ایک قطرے سے بنایا پھر اس کی نشوونما کی۔ دنیا میں لایا گیا۔ تب وہ ایک بے بس بچہ تھا۔ اللہ نے اسے ایک کڑیل جوان بنا دیا۔ علم وہنر عطا کیا، روزی کے ذرائع عطا کیئے۔ گھر بار، والدین، بہن بھائی، اولاد عطا کی۔ معاشرے میں باعزت مقام دیا۔ ساری زندگی نعمتیں دیتا رہا اور وہ عمر بھر اس کی نافرمانی کرتا رہا۔ احساس ندامت اسے اس بات پر تڑپا دے کہ وہ اس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کرتا رہا جس نے اسے اللہ کے روبرو کھڑا ہونا سکھایا۔ جس نے جہالتوں، گناہوں اور غفلتوں میں آلودہ زندگی سے اٹھا کر اللہ کے حضور کھڑا کیا۔ **وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ**

فرمایا' اور ہمیں اقامت صلوٰۃ اور حصول تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔

عبادات اللہ سے تعلق بنانے کا ذریعہ:

اس لئے فرمایا **اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** اللہ کی عبادت کو قائم کرو **وَاتَّقُوْهُ** اور اس کے ساتھ ایک رشتۂ الفت قائم کرلو جس کی حفاظت کا تمہیں ہر لمحہ خیال رہے۔ اس رشتے میں دراڑ آنے کا تمہیں اندیشہ رہے رشتہ الفت بہت نازک چیز ہے اور جب الفت کے یہ رشتے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے ہوں تو آبگینوں سے زیادہ نزاکت کے حامل ہوتے ہیں۔ ذرا سی ٹھیس انہیں چکنا چور کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا

رشتۂ الفت کو ظالم یوں نہ بے دردی سے توڑ
جڑ تو پھر بھی جائے گا لیکن گرہ رہ جائے گی

ٹوٹ کر جڑنے والے رشتے میں گرہ کی گانٹھ کا نشان رہ جاتا ہے۔ پہلے والی روانی نہیں رہتی اللہ کریم سے تعلق عبادات سے بنتا ہے۔ ذکر، اذکار سے، رکوع و سجود سے، تسبیح و تلاوت سے، درود شریف پڑھنے سے اور اللہ کریم کی اطاعت سے بنتا ہے۔

عبادات اللہ سے تعلق کو مضبوط کرتی ہیں۔ میدان عمل میں اس تعلق کی مضبوطی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے **اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ** العنکبوت:45 کہ یقیناً صلوٰۃ برائی اور فحاشی سے روک لیتی ہے۔ یعنی صلوٰۃ کے ذریعے اللہ سے اتنا مضبوط تعلق ہو جاتا ہے کہ بندے کو یہ احساس رہتا ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں خلوت میں برائی کروں اور لوگوں کے سامنے برائی کرنے سے رکا رہوں تو بھی اللہ ہر حال میں مجھے دیکھ رہا ہے۔

عبادات کا حاصل یہ ہے کہ عملی زندگی میں، لین دین، معاملات، بول چال اور تعلقات میں شادی بیاہ سے لے کر امور خانہ داری اور موت تک کے تمام امور میں اللہ کی اطاعت نصیب ہو جائے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن جو کچھ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے وہ اللہ کریم کے ہاں صدقہ شمار ہوتا ہے کہ وہ راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔ عرض کی گئی کہ اہل وعیال پر خرچ کرنا تو مومن کی ذمہ داری ہے۔ فرمایا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی صدقہ ہے۔ اس نے اللہ کا حکم پورا کیا اور حکم بجالانا ہی عبادت ہے۔ بندہ مومن کا ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے اگر وہ اسے اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔

سیدنا فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت سے پہلے اپنا حساب خود کرلو اس سے پہلے کہ تم سے

حساب لیا جائے۔ہمیں دن بھر کا اپنا محاسبہ رات کو کر لینا چاہیے کہ عاجز بندہ ہو کر کتنے کلمات حق منہ سے نکالے؟ کتنا باطل منہ سے نکلا؟ کتنے کام اتباع رسالت میں کیئے؟ کتنے کاموں میں خلاف ورزی کی؟ پھر خود سمجھ آجائے گی کہ کہاں کھڑے ہیں؟

فرمایا' اپنے رب سے ایسا رشتہ بنالو کہ اس کے ٹوٹنے کا تصور نہ ہو۔ **وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ** اسلئے کہ تمہارا حشر اسی کی بارگاہ میں ہونا ہے۔ تمہیں لوٹ کر اس کے سامنے جواب دینا ہے۔ تم نے کسی حکمران کو، کسی وزیر کو یا کسی عہدے دار کو جواب نہیں دینا۔ تمہیں تو اللہ کریم کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کرنی ہے لہٰذا اس سے معاملہ درست رکھو۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ فرمایا' وہ اکیلی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بنایا۔ حق سے مراد یہ ہے کہ زمین و آسمان کا ہر ذرہ جس کام کے لئے تخلیق ہوا ہے وہ کام اپنی پوری ذمہ داری سے کر رہا ہے اور جب تک اللہ کا حکم ہوگا کرتا رہے گا۔

اللہ کی تخلیق میں اور انسان کی صنعت میں یہی فرق ہے کہ اللہ کریم کی ہر تخلیق ایک خاص اندازے پر تخلیق ہوتی ہے اور جس مقصد کے لئے بنائی جاتی ہے اسے کماحقہٗ پورا کرتی ہے۔ اسی لئے زمین و آسمان کی تخلیق میں آج تک نہ کوئی غلطی لگی ہے نہ آئندہ لگنے کا امکان ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کیکر کا بیج بویا گیا ہو اور اس پر آم کا پودا اُگ جائے۔ ہر چیز اپنے لگے بندھے نظام کے مطابق اپنے فرائض ادا کرتی چلی جا رہی ہے۔ ہم انسان ہیں ہم سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ ہمیں دھوکہ لگتا ہے ہم جو بنانا چاہتے ہیں وہ نہیں بنتا کچھ اور ہی بن جاتا ہے لیکن اللہ کریم کی تخلیق میں کہیں کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں کو یہ وہم ہے کہ مر کر خاک ہو جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے؟ تو وہ سن لیں کہ اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ جب یہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا تو اللہ کریم کا جب ارشاد ہوگا **وَيَوْمَ يَقُوْلُ** کہ ہو جا تو **فَيَكُوْنُ** پھر سب کچھ ہو جائے گا۔ جس قادر مطلق نے مادے کے ایک ایک ذرے کو جوڑ کر اتنی بڑی کائنات بنا دی وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہی ذرات کو اکٹھا کر کے دوبارہ بنا دے۔ ہر چیز جب بگڑتی ہے، بکھرتی ہے تو قدرت باری کے نظام کے تحت بالآخر واپس اپنی اسی شکل میں ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ نے اسے تخلیق کیا۔ اور جب دوبارہ حکم دے گا تو ہر چیز پھر سے ہو جائے گی۔ اس میں کچھ دیر نہ لگے گی۔ **قَوْلُهُ الْحَقُّ** چونکہ اس کا حکم حق ہے اس لئے اثر پذیر ہے اور اس میں کوئی تاخیر و تقدیم نہیں۔ اس کا ارشاد حق ہے۔ **وَلَهُ الْمُلْكُ** اور حقیقی بادشاہ وہی ہے۔ حقیقی قبضہ

اسی کا ہے۔ حقیقی حکم اسی کا نافذ ہے۔ ہر ذرہ اس کی مخلوق ہے اور اس کے حکم کے تابع ہے **یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ** ؕ جب صور پھونکا جائے گا تب یہ حقیقت سب کے سامنے آ جائے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز تباہ ہو جائے گی پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے، آسمان پھٹ جائیں گے، سورج، چاند، ستارے، جھڑ جائیں گے اور ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو کوئی دیر نہ لگے گی۔ ہر چیز اللہ کے حضور حاضر ہو جائے گی **عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ** ؕ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ اس کا علم حضوری ہے۔ ہر چیز ہمہ وقت اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ جو چیز ہمارے لئے معدوم ہو چکی وہ اس کے روبرو حاضر ہے۔ جو چیز ہمارے لئے آئندہ آنے والی ہے وہ اس کے سامنے ہے۔ **وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ** ﴿۷۳﴾ ہر ذرے سے باخبر ہے۔ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔ ہر شئے اس کے علم میں موجود ہے۔ اور وہ حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا۔ اسباب پیدا ہوتے ہیں تو ان کے نتائج سامنے آتے ہیں اور ہم اب اسباب کو ہی ان چیزوں کے بنانے کا سبب سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ ان اسباب کو بنانے والا بھی وہی ہے اور ان سے نتائج پیدا کرنا بھی اس ذات کا کام ہے جو ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ چیزیں اور واقعات اپنے اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے **وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** ﴿۷۴﴾ جب ابراہیمؑ نے اپنے والد آزر سے بات کی آپ اپنے ہاتھوں سے بت بناتے ہیں پھر انہیں معبود مانتے ہیں۔ یہ تو کوئی دانش مندی کی بات نہیں۔ میری رائے میں آپ بھی اور یہ ساری قوم بھی بڑی واضح گمراہی میں پڑے ہیں۔

مفسرین کرام نے اس واقعے کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو مختصراً یہ ہے کہ ایک پوری قوم اپنے بادشاہ سمیت بت پرستی میں مبتلا تھی۔ اس بادشاہ کا نام نمرود تھا اس نے عجیب وغریب مذہب ایجاد کر کے پوری قوم کو گمراہ کر رکھا تھا۔ اس کے تحت وہ لوگ بادشاہ کو اللہ کا جانشین مانتے، اسے معبود سمجھتے اور اسے سجدہ کرتے تھے۔ وہ بت بھی بناتے، بتوں کی پوجا کرتے، انہیں طاقت کا مظہر سمجھتے، اس کے ساتھ ساتھ سورج، چاند، ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ ابراہیمؑ کے والد آزر شاہی بت گر تھے بلکہ بادشاہ کے وزیر مذہبی امور تھے۔ بت بنانا اور بنوانا، بت کدے کو سجانا، عبادات وتہواروں کا اہتمام کرنا، پوجا پاٹ کا سارا انتظام ان کے پاس تھا اور وہ بادشاہ کے بہت قریبی مصاحب بھی تھے۔

ایک ضمنی بات:

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد نہیں چچا تھے اور ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے ہاں پرورش فرمائی اس لئے انہیں والد کہا گیا اور عربی میں چچا کو بھی والد کہہ دیا جاتا ہے۔ مفسرین کرام نے آزر کو چچا کہا ہے اور اس کی بنیاد اس حدیث مبارکہ کو بنایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے میں آدمؑ سے لے کر اپنی پیدائش تک پاکیزہ رحم اور پاکیزہ صلب میں رہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضور اکرم ﷺ کی پیدائش تک جن والدین کی رحم اور پشت میں رہے، نسل در نسل سب کے کردار صالح تھے لہٰذا اگر بت پرست آزر بھی حضرت ابراہیمؑ کے والد تھے تو بھی وہ بت پرست ہوں گے۔ لیکن ان کا کردار مثالی رہا۔ عفت و پاکیزگی ان کا خاصہ رہی تمام نسلوں میں والدین سفاح میں مبتلا نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ ان میں تعلق نکاح کے ذریعے ہی قائم ہوا۔ آپ ﷺ کا نور حضرت ابراہیمؑ کو منتقل ہوا تو آزر کے ذریعے ہوا۔ اور آزر والد بھی تھے بت پرست بھی تھے۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کا کردار پاکیزہ رہا۔ یوں ابراہیمؑ کے والد کا بت پرست ہونا مانع نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے **وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ** O النور:26 پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں۔ اس لحاظ سے حضور اکرم ﷺ کے نسب میں شامل تمام لوگ ''طیبین'' میں شامل ہیں۔ طیبین میں شامل ہونے کے لئے عفت اور پاکیزگی ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ صاحب ایمان بھی ہو۔ کفر وہ نجاست ہے جو وجود پر طاری ہوتی ہے وجود میں ساری نہیں ہوتی۔ وجود کا حصہ نہیں بنتی۔ بڑے سے بڑا کافر جب کلمہ پڑھتا ہے تو نجاست چھٹ جاتی ہے لیکن بدکرداری وہ نجاست ہے جو وجود کا حصہ بنتی ہے اور جس میں ساری ہوتی ہے لہٰذا آپ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد عفت اور پاکیزگی کو قائم رکھنے والے تھے۔

تبلیغ پہلے اپنے گھر والوں کو:

وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ ابراہیمؑ نے بت پرستی کی مذمت کی اور اس کام کی ابتدا سب سے پہلے اپنے گھر سے کی جس طرح حضور اکرم ﷺ کو بھی ارشاد ہوا **وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** O الشعراء:214 اپنے قریبی رشتہ داروں کو سب سے پہلے متنبہ کیجئے اس لئے تبلیغ کی ابتداء گھر سے ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ بندہ تبلیغ کے لئے دنیا بھر میں پھرتا رہے اور اس کے گھر میں سود کھایا جا رہا ہوا۔ اہل خانہ جھوٹ، خیانت اور ایسی برائیوں میں مشغول ہوں، صلوٰۃ کی پرواہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں جن کو تبلیغ کی جا رہی ہے وہ لوگ مبلغ

کو دیکھیں گے اس کے اہل خانہ کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ان کی بات سچی ہوتی تو یہ خود بھی اس پر عمل کرتے۔ اس پر عمل کرنے میں فائدہ ہوتا تو یہ اس پر خود بھی عمل کرتے اور اولاد سے بھی عمل کرواتے لیکن یہ لوگ خود تو اس پر عمل نہیں کرتے اور ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ طریقہ بہت مفید ہے۔ لہٰذا تبلیغ کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداء اپنی ذات سے، اپنے گھر والوں سے اور اپنے اقرباء سے کی جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی مانتا ہے اور کوئی نہیں مانتا۔ سیدنا ابراہیمؑ نے بھی گھر سے ابتداء کی اور والد آزر سے کہا کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے بت تراشتے ہیں مختلف دھاتوں، پتھروں اور لکڑی کو تراش خراش کر آپ شکلیں بناتے ہیں پھر اسے بت کدے میں رکھ کر اس کے آگے سجدے کرنا شروع کر دیتے ہیں تو یہ کوئی دانشمندی نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کی پوری قوم بڑی صریح گمراہی میں ہیں۔ یہ ایسی کھلی گمراہی ہے جو سامنے نظر آرہی ہے۔

یہ حقائق سیدنا ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم سے ارشاد فرمائے اور یہ آپؑ کا بچپن سے مشاہدہ تھا۔ وہ اسی گھر میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور بت پرستی اور اس کی قباحتیں پہلے سے جانتے تھے۔ ابراہیمؑ اللہ کے نبیؑ اور رسولؑ تھے۔ نبیؑ اور رسولؑ کا مقام ارفع یہ ہے کہ انبیاءؑ کو اللہ کریم خود تعلیم فرماتے ہیں لیکن عمومی طور پر بچے والدین سے ہی سیکھتے ہیں۔ بچپن میں ہر بچے کے لئے دنیا کی بہترین ہستی اس کی والدہ ہوتی ہے اور بہترین انسان اس کا باپ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ والدین کا جیسا کردار ہو بچہ اس میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ اور آج کا یہ بہت بڑا مسئلہ ہے کہ خصوصاً کافر ممالک میں رہنے والے والدین جو خود اسلام پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ وہ اپنے حلیے، لباس، معاشرت اور اقدار میں مغربی معاشرے کا حصہ بن کر رہتے ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ ان کی اولاد نیک ہو جائے۔ ان کی اولاد کی رائے یہ ہے کہ والدین نے خود تو ساری عمر عیش کی ہے اور ہمارے لئے انہیں وعظ یاد آگیا ہے۔ اگر یہ سب کچھ غلط تھا تو وہ خود یہ سب کچھ کیوں کرتے رہے؟ اگر والدین اپنا دامن برائی سے بچا کر رہتے تو شاید انہیں زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا پڑتا۔ بچے ان کو دیکھ کر سب اچھی باتیں سیکھ جاتے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ بچے والدین سے سیکھتے ہیں تو یہ بچہ کس طرح کا ہے جو والد کو سکھانے چلا آرہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ والد! آپ جو کچھ کر رہے ہیں یہ غلط ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ ہم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنا نبیؑ مبعوث فرمایا۔ اپنا خلیل بنایا تو ہم نے ان پر کائنات کے سارے راز آشکار کر دیئے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ ابراہیمؑ ایک چٹان پہ کھڑے تھے کہ انہیں نظر آنے لگ گیا کہ زمین کے ایک

ایک ذرے کی کیا خصوصیت ہے اور یہ کیسے کام کرتا ہے؟ کیسے سیل جڑتے ہیں تو سبزہ بنتا ہے پودے بنتے ہیں۔ اور کس طرح سیل جمع ہوتے ہیں تو بالکل ہی دوسری چیز بن جاتی ہے۔ دھاتیں بن جاتی ہیں، کس طرح معدنیات اور نباتات کی ترتیب وتعمیر پر اللہ کے مقرر فرشتے کام کرتے ہیں؟ کس طرح فصل اگتی ہے درخت بنتے ہیں پھر درخت کے اندر پتوں، پھولوں اور پھلوں کی نشوونما کیسے ہوتی ہے؟ ہر ہر مرحلے پر فرشتے کیا کیا فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور کائنات کا لگا بندھا نظام کس طرح رب کریم کے دست قدرت میں ہے؟ اللہ کریم نے صرف زمین کی ہی بات نہیں کی بلکہ آسمانوں کی سلطنت کا مشاہدہ بھی کروادیا۔ آسمانی مخلوق، فرشتوں کا وجود، ان کی ذمہ داریاں کہ کون سے فرشتے کس کس کام پر متعین ہیں؟ کچھ عبادت میں لگے رہتے ہیں، کچھ تقدیر الٰہی کو پورا کرنے پر متعین ہیں، کچھ احکام الٰہی پہنچاتے ہیں، کچھ بادل بناتے ہیں اور بارش برساتے ہیں۔ آسمانوں میں جو آسمانی کے جتنے کُرّے ہیں وہ سب دکھادیئے۔ یہ سب کچھ آسمانوں سے نیچے نیچے ہے یہ علوم انسان کے لئے مسخر کردیئے گئے ہیں لیکن بالائے آسمان کے حقائق جن پر منکشف ہوتے ہیں ان کی بات ہی اور ہے۔ یہ صرف علوم انبیاءؑ ہوتے ہیں۔

علم کے دو ذرائع:

ایک حواس ظاہری کے ذریعے حاصل کیا جانے والا علم ہے۔ انسان سن کر، دیکھ کر، چکھ کر محسوس کر کے علم حاصل کرتا ہے۔ استاد اور کتاب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ دوسرا اور حقیقی ذریعہ لطیفہ قلب ہے۔ جس پر وحی کا نزول ہوا، وحی، الہام، القاء، کشف اور وجدان یہ انبیاءؑ کے حصول علم کی صورتیں ہیں حتیٰ کہ نبیؑ کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ کشف کے معنی ہیں کسی چیز سے پردہ اٹھادینا۔

دنیاوی علوم، انسانی عقول کی تگ ودو اور انسانی تجربات کی ایجاد ہیں جن میں غلطی کا امکان زیادہ ہے لیکن جو علوم کشفاً حاصل ہوتے ہیں وہ انبیاءؑ کو براہ راست ذات باری سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں غلطی کا کوئی امکان اور تصور نہیں ہوتا۔ دین کی اساس کشف نبیؑ پر ہے۔ کوئی نبیؑ کسی انسان سے کچھ نہیں سیکھتا۔ ہر نبیؑ کو اللہ کریم براہ راست تعلیم فرماتے ہیں۔ جبرئیل امین جب وحی الٰہی لے کر آتے تھے تو دوسروں کو نظر نہیں آتے تھے صرف حضور اکرم ﷺ کو نظر آتے تھے یا کسی اور صورت میں وحی نازل ہوتی تب بھی وحی براہ راست حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوتی کوئی دوسرا شخص حضور اکرم ﷺ کے ساتھ گواہ نہیں جو یہ کہے کہ نزول آیت کے وقت اس نے بھی وحی الٰہی کو سنا۔ یہ صرف الصدق الصادقین ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے ارشاد پر

ساری انسانیت کا اللہ سے تعلق کا مدار ہے۔ بعثت عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک ساری انسانیت کا مدار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اعتبار کرنے میں ہے۔

نبی علیہ السلام کے کشف اور ولی اللہ کے کشف میں فرق:

انبیاءؑ کے علوم کشفی، الہامی اور القائی ہوتے ہیں اور ان میں کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ ولی کا کشف با اتباع نبیؑ ہوتا ہے اور اس کا معیار شریعت مطہرہ ہوتی ہے۔ نبیؑ کا کشف کسی بھی تردد سے پاک ہوتا ہے اور براہ راست اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ولی کا کشف نبیؑ کے اتباع میں ہوتا ہے براہ راست نہیں ہوتا۔ ولی اگر نبیؑ کے اتباع سے نکل جائے، نبیؑ کی غلامی سے باہر ہو جائے تو اس کی بصیرت کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ولی کا کشف نبیؑ کے اتباع کا محتاج ہوتا ہے۔ علماء دیوبند نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبیؑ کا کشف اتنا واضح، روشن اور مبنی بر حقائق ہوتا ہے کہ جیسے کسی کو کسی عمارت کے اندر باہر پھرا کر دکھا دیا جائے اور ولی کی حیثیت یہ ہے کہ اسے اسی عمارت کو دور سے دکھا دیتے ہیں لہٰذا جو وضاحت نبیؑ فرماتے ہیں وہ ولی نہیں کر سکتا چونکہ ولی کو کشف با اتباع نبیؑ ہوتا ہے لہٰذا ولی کا کشف نبیؑ کے کشف کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر ولی کوئی بات کشف کے ذریعے سمجھے جو نبیؑ کے ارشاد سے ٹکرائے تو ولی کی بات باطل ہوگی اور نبیؑ کی بات سچ ہوگی۔ نبیؑ کو جو کشف ہوتا ہے اس کے پابند نبیؑ خود بھی ہوتے ہیں اور پوری اُمت بھی اس پر عمل کرنے کی مکلف ہوتی ہے۔ ولی کو جو کشف ہوتا ہے، اس پر عمل کرنے کا پابند صرف وہ خود ہوتا ہے دوسرا اور کوئی نہیں ہوتا۔ ولی کا کشف اس کے اپنے لئے ہوتا ہے اس سے کوئی دوسرا دلیل نہیں لے سکتا۔ اگر لے گا تو گنہگار ہوگا۔ ولی اگر اپنے کشف پر عمل نہ کرے تو اسے دنیاوی نقصان ہوگا۔ آخرت میں کوئی پرسش نہ ہوگی۔ نبیؑ کا کشف پوری امت کے لئے وجہ ہدایت ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہوتا ہے جس کا پابند نبیؑ اور پوری امت ہوتی ہے۔ اس فرق کی وضاحت قرآن حکیم میں مختلف واقعات کی صورت میں ملتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو اللہ نے الہام کیا کہ اپنے بیٹے کو صندوق میں ڈال کر بہا دیں اللہ اسے بحفاظت واپس آپ کو ملا دے گا۔ اُمّ موسیٰؑ ولیہ تھیں۔ نبیہ نہیں تھیں۔ ان کا الہام ان کی اپنی ذات کے لئے تھا۔ انہوں نے اپنے کشف والہام پر عمل بھی کیا۔ بچے کو صندوق میں ڈال کر بہا دیا۔ فرعون نے پکڑا اسے پالا اور اسی وقت اُمّ موسیٰؑ کو اللہ نے ان کا بچہ لوٹا دیا۔ اس طرح کہ بچہ کسی دایہ کا دودھ قبول نہیں کر رہا تھا بالآخر اُمّ موسیٰؑ پہنچیں تو بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ یوں ولیہ نے اپنے کشف پر عمل کر کے دنیاوی راحت پالی۔ اپنی ذات کے لئے اللہ کا حکم پورا فرما کر ولیہ ہونے کا حق ادا کیا۔

اسی طرح حضرت مریمؑ کا ذکر ہے کہ وہ بھی عبیّہ نہیں تھیں۔ ولیّہ تھیں انہوں نے بھی حضرت جبرئیلؑ کو کشفاً دیکھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے انہیں بتایا کہ وہ اللہ کے حکم سے ان کے پاس آئے ہیں تا کہ انہیں دم کر دیں اور بیٹے کی خوشخبری دیں جو اللہ کا رسولؑ ہوگا۔ ولادت عیسیٰؑ اپنی نوع کا معجزہ ہے۔ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے عیسیٰؑ کو بغیر والد کے پیدا فرمایا۔ ولادت کے لئے بھی نو ماہ کا عرصہ نہیں لگا بلکہ یہ کام لمحوں میں ہوگیا۔ نو مہینے گزرتے تو قوم ان کی تلاش میں ان کے پیچھے پھر رہی ہوتی۔ جب وقت ولادت آیا تو پھر اللہ کریم نے انہیں کشفاً بتایا کہ اس سوکھے درخت کو ہلائیں اس میں اللہ کے حکم سے تر اور خشک کھجوریں گریں گی انہیں کھائیں اپنے قدموں کے پاس دیکھیں پانی ملے گا اسے پئیں۔ کھجور تسہیل ولادت کے لئے قرآنی نسخہ ہے۔ پھر بچہ پیدا ہوگیا۔ مریمؑ اللہ کے حضور عرض گزار ہوئیں کہ میں صبح گھر سے نکلی تھی ابھی دن پورا نہیں ہوا جب شام کو گھر جاؤں گی تو میں قوم سے کیا کہوں گی؟ اللہ کریم نے فرمایا کہ جب قوم کے پاس جاؤ تو اشارے سے بتا دینا کہ میرا خاموشی کا روزہ ہے۔ اور بچے کی طرف اشارہ فرما دینا بچہ خود بتائے گا۔ یہ سب کچھ کشف والہام کے ذریعے ہوا۔ مریمؑ نے اس پر عمل کیا تو عیسیٰؑ نے فرمایا' اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ مریم:30 میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ نے مجھے صاحب کتاب نبیؑ بنایا ہے۔ اس سارے واقعے کی بنیاد حضرت مریمؑ کا کشف ہے اور وہ ولیّہ تھیں کہ کوئی عورت نبیؑ نہیں ہوئی۔ ولی کا کشف نبیؑ کے اتباع میں نصیب ہوتا ہے۔ ولی کا کشف نبیؑ کا ہی کمال ہوتا ہے۔ ولی اپنے کشف پر عمل نہ کرے تو اخروی مواخذہ نہیں ہوتا دنیاوی نقصان ہوتا ہے جبکہ نبیؑ کا کشف شریعت ہوتا ہے۔ نبیؑ خود اس پر عمل فرماتے ہیں اور پوری امت اس پر عمل کرنے کی مکلف ہوتی ہے۔

کشف حق الیقین کے لئے:

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ اس بات پر گواہ ہے کہ کشف کا مقصد حق الیقین کا حاصل کرنا ہے۔ فرمایا' وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۝ ہم نے زمینوں اور آسمانوں کی سلطنت کو کھول کر رکھ دیا۔ ارض وسماء میں کس طرح کارگہہ حیات چل رہی ہے اس کا پورا نظام کھول کر رکھ دیا۔ یہ کشف ہے۔ اللہ کا کوئی نبیؑ اور رسولؑ کسی انسان سے تعلیم وتربیت نہیں پاتا بلکہ اللہ جل شانہٗ انہیںؑ خود تعلیم فرماتے ہیں۔ انؑ کی تربیت فرماتے ہیں اور تعلیم الٰہی کا طریقہ یہی ہے جسے کشف کہتے ہیں اس میں

وحی، الہام، القاء، مشاہدہ اور وجدان سب شامل ہیں۔ انبیاءؑ کے خواب بھی وحی کی حیثیت رکھتے ہیں تو ابراہیمؑ کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب رب کریم نے دکھانا چاہا تو کائنات کی ہر چیز کھول کر رکھ دی لیکن جب اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو یہ نہیں بتایا کہ اسمٰعیلؑ ذبح نہیں ہوں گے لہٰذا یہ اللہ کی مرضی کہ کس چیز سے پردہ اٹھانا چاہتا ہے اور کب کس چیز کو پردہ میں رکھنا چاہتا ہے۔

کشف نہ نبیؑ کے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ ولی کے اختیار میں۔ اصل علم اللہ کا ہے جتنا عطا کرتا ہے وہ کشفاً عطا کرتا ہے۔ نبیؑ کو براہ راست اور ولی کو باتباع نبیؑ عطا ہوتا ہے۔ ولی کو جو علم نصیب ہوتا ہے وہ نبیؑ کے علم کے سمندروں میں سے چند قطروں کے برابر ہوتا ہے۔ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک جتنے علوم کائنات میں اللہ نے تقسیم فرمائے بوساطتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے بھی امام ہیں۔ جتنے علوم فرشتوں، نبیوںؑ، رسولوںؑ اور انؑ کے اتباع میں ولیوں کو عطا ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم ان سب سے زیادہ ہیں لہٰذا کوئی یہ حد بندی نہیں کر سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کتنے ہیں۔ یہ رب جانے اور اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جانے۔

حضرت ابراہیمؑ کو کائنات کی ہر چیز کشفاً دکھا دینے کا مقصد یہی بتایا گیا وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ تا کہ انہیں حق الیقین حاصل ہو جائے۔ یقین کے مختلف درجے ہیں مثلاً کسی جگہ سے دھواں اٹھتا نظر آئے تو یقین ہو کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی آنکھوں سے آگ کو بھی دیکھے اور دھوئیں کو بھی دیکھے لیکن حق الیقین یہ ہے کہ کسی کو آگ میں سے گزرنا پڑے اور وہ جھلس جائے تو اسے آگ پر جو یقین ہو گا وہ کسی دوسرے کو نہیں ہو گا۔ کسی چیز پر یقین کا وہ درجہ کہ وہ محسوسات میں اتر جائے حق الیقین کہلاتا ہے۔

نبیؑ کا ایمان تو نبیؑ کا ایمان ہوتا ہے۔ ابراہیمؑ کو اللہ کی قدرت کاملہ پر یقین تھا۔ اس کی کارگہہ حیات پر یقین تھا اس کے نظام چلانے پر یقین حاصل تھا لیکن فرمایا گیا کہ میں نے انہیں یہ اس لئے دکھا دیا کہ انہیں حق الیقین حاصل ہو جائے وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ وہ حق الیقین پر فائز ہو جائیں۔

تبلیغ کا سلیقہ:

ابراہیمؑ پر تو سارے حقائق واضح ہو گئے لیکن قوم تو بت پرستی میں مبتلا تھی۔ قوم تو بادشاہ کو بھی خدا مانتی تھی، ستاروں، چاند اور سورج کی بھی پوجا کرتی تھی اور بت بھی بنا رکھے تھے تو ابراہیمؑ نے تبلیغ کا وہ انداز اپنایا جوانؑ کی شان کے لائق تھا۔ اس انداز تبلیغ میں سیکھنے سکھانے والوں کے لئے خوبصورت نکتے پنہاں ہیں۔ تبلیغ

میں یہ ضروری نہیں کہ مخاطب کے ساتھ کرخت اور لٹھ برداری کا رویہ رکھا جائے یا چھوٹتے ہی کسی کو کافر کہہ دیں اس طرح تو کوئی بات نہیں سنتا۔ بات کرنے کا بھی ایک انداز اور سلیقہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیمؑ نے اپنایا۔ آپؑ اپنی قوم کے پاس گئے فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ جب رات ہوئی تو ایک ستارہ دوسروں کی نسبت زیادہ روشن دیکھا تو فرمایا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ یہ سارے ستاروں سے روشن ہے یہ ہمارا رب ہوسکتا ہے۔ چونکہ آپؑ کی قوم ستاروں کی پرستش کرتی تھی تو آپ نے دلیل دے کر ثابت کیا کہ جب سارے ہی ستاروں کی پرستش ہو رہی ہے تو پھر سب تو کمزور ہیں یہی ایک زیادہ روشن ہے لہٰذا اس سب سے زیادہ روشن ستارے کو رب ماننا چاہیے لیکن ستارے نے تو آسمان پر کچھ دیر ہی نظر آنا تھا لہٰذا فَلَمَّآ اَفَلَ جب وہ غروب ہوگیا قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ تو فرمانے لگے جو اپنا وجود قائم نہ رکھ سکا میں اسے کیسے رب مان لوں! یہ تو بیوقوفی ہے کہ اب رب مانا جائے جو خود اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکا۔ یہاں ابراہیمؑ نے یہ دلیل قائم کی رب تو وہ ہے جو خود قائم الذات ہے اور سب کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ سب کا خالق ہے اور سب کو روزی دیتا ہے اس ذات میں کوئی کمی نہیں۔ صرف وہی ذات رب ہے۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ جب چاند نکلا اور ہر طرف روشنی پھیل گئی تو فرمانے لگے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ یہ میرا رب ہو کہ یہ بہت روشن ہے اس نے زمین کو بھی روشن کر دیا ہے فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ لیکن آخر چاند کو بھی غروب ہونا تھا اور چاند بھی غروب ہوگیا تو فرمانے لگے یہ تو خود بھی اپنا وجود قائم نہ رکھ سکا تو ہم اس کی پوجا کہاں کرتے پھریں لہٰذا ہمیں یہ امید رکھنی چاہیے کہ جو ہمارا حقیقی رب ہے صرف وہی ہماری رہنمائی فرمائے اگر وہ ہماری رہنمائی نہ فرمائے تو پھر ہم گمراہ ہی رہیں گے کہ حقیقی پروردگار وہی ہے جس نے ہمیں زندگی اور حیات دی جو ہماری ضرورتیں پوری کر رہا ہے اپنی نعمتیں دے رہا ہے وہ ہی ہمیں راستہ بھی دکھا سکتا ہے۔ چونکہ راستہ پانا بھی ہماری ویسی ہے ضرورت ہے جس طرح مادی غذا کھانا زندگی کی ضرورت ہے۔ زندگی میں صحیح رہنمائی بھی ہماری بنیادی ضرورت ہے تاکہ ہم حق پر قائم رہ سکیں اور یہ رہنمائی صرف وہی دے سکتا ہے جو ہمارا خالق مالک اور رب ہے اور اس کی رہنمائی کے بغیر گمراہ ہی رہیں گے کہ چاند ستارے تو خود اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتے ہمیں حقیقت آشنا کب کریں گے؟

پھر صبح ہوگئی سورج طلوع ہوگیا فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ کہنے لگے واہ! سبحان اللہ! اب تک جتنے ستارے دیکھے ہیں یہ ان سب سے بڑا ہے۔ سب سے زیادہ روشن ہے لہٰذا سورج کو رب مان لینا چاہیے فَلَمَّآ اَفَلَتْ پھر سورج بھی غروب ہوگیا۔ شام ہوگئی قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ تو آپ نے تمام دلائل کی تکمیل کر کے فرمادیا کہ اے میری قوم! تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور میں اس سے بری ہوتا ہوں۔ میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے بیزار ہوں۔ اللہ قائم رہنے والی ہستی ہے۔ اللہ دوسروں کو قائم رکھنے والی ہستی ہے اور تم ان کو اللہ کا شریک بناتے ہو جو خود اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس میں تمہارے ساتھ میں کیسے چل سکتا ہوں؟ اگر تم میری بات مان لو تو یہ بہت بہتر ہے۔ اور اگر تم میری بات نہ مانو تو میں تمہارے ساتھ اس جرم میں شریک نہیں ہوسکتا۔ میں اس سے بری ہوں اور میں اپنا رخ اللہ کی طرف کرتا ہوں اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ خالص اللہ کے لئے جو زمینوں کا بھی خالق ہے اور آسمانوں کا بھی۔ جو ساری مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے اور ساری مخلوق کا پالنہار بھی ہے۔ میں اپنا رخ اسی کی طرف کرتا ہوں پورے خلوص کے ساتھ اور میں شرک میں کبھی کسی کا ساتھ نہیں دوں گا۔ میں ہر طرح کے شرک سے بیزار ہوں۔

یاد رہے انبیاءؑ کو چونکہ تعلیمات اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ملتی ہیں لہٰذا یہ کام صرف انبیاءؑ کا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی عظمت سے آشنا کریں۔ اس کی ذات وصفات سے آگاہ کریں۔ انہیں بتائیں کہ اللہ کس بات سے راضی ہے اور کس بات سے خفا ہوتا ہے تاکہ لوگ اللہ کی اطاعت پر کاربند رہ کر اس کے کرم اور اس کی رحمت کو پاسکیں۔ یہ کام کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اور دانشور نہیں کرسکتا اس لئے کہ انسانی علوم انسانوں سے سیکھے گئے ہوتے ہیں۔ انسان خود محدود ہے۔ ایک حد کے اندر ہے کہ مخلوق ہے اور اپنی حد سے باہر نہیں جاسکتا۔ انسانوں میں یہ صرف انبیاءؑ ہیں جنہیں اللہ کریم براہ راست علوم عطا فرماتے ہیں انؑ کے بعد انؑ کے ماننے والے ان کے متبعین یہ خزانے انبیاءؑ سے حاصل کر کے عوام میں تقسیم کرتے ہیں۔

ابراہیمؑ نے جب اپنی قوم کی بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کیا تو ان کی قوم نے ان سے حجت بازی شروع کر دی وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــٴًـا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ آپؑ نے فرمایا' تم اللہ کی ذات کے بارے مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ خود اللہ نے میری رہنمائی فرمائی ہے اور علوم سے میرا سینہ منور فرمایا ہے۔ تم مجھے بتوں سے ڈراتے ہو کہ یہ بت میرا نقصان کر دیں گے لیکن میں تمہارے شریکوں سے نہیں ڈرتا میں تو وہی کروں گا جو میرے رب کو پسند ہے۔ وہ میرے اللہ کا حکم ہے اور اللہ ہی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ کیا تمہیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی؟ قوم نے جب جھگڑا کیا تو کہا کہ آپ ہمارے باپ دادا کے مذہب کو غلط

کہہ رہے ہیں کیا مدتوں سے جاری یہ مذہب غلط ہے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا سارے ہی جاہل تھے اور آپ کی بات مان کر کیا ہم ان تمام بت پرستی کرنے والے آباؤ اجداد کو جہنمی مان لیں؟ آپؑ نے فرمایا' بات آباؤ اجداد کے اتباع کی نہیں بات حق اور باطل کی ہے۔ اگر آباؤ اجداد حق پر ہوں تو ان کا اتباع کرنا تو اچھی بات ہے لیکن بات یہ ہے کہ بندے نے حق کا اتباع کرنا ہے۔ اگر باپ دادا کو غلطی لگی تو یہ ضروری نہیں کہ اگلی نسل بھی پچھلی غلطی دہرائے۔ حق یہ ہے کہ حقیقی علم تو صرف اللہ کا ہے جو وہ اپنے انبیاءؑ کو عطا کرتا ہے اور انبیاءؑ اپنی قوم کی رہنمائی فرماتے ہیں تو کیسی عجیب بات ہے کہ تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو کہ میں ان کو معبود مان لوں جو حق تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ تم اللہ کی عظمت میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو۔ اللہ کریم کو ماننے سے انکار کرتے ہو حالانکہ مجھے تو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اللہ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے۔ مجھے اپنا اولوا العزم رسول بنایا ہے۔ جو بات اللہ کریم مجھے براہ راست بتا رہا ہے تم چاہتے ہو میں اسے چھوڑ دوں اور جو قصہ کہانیاں تم نے گھڑ رکھی ہیں ان کو مان لوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور پھر تم مجھے ڈرانے کی کوشش کرتے ہو کہ اگر میں تمہارا کہا نہ مانوں تو فلاں بت مجھے نقصان پہنچائے گا اور دوسرا بت کوئی اور نقصان لیکن یہ کیسی حماقت آمیز بات ہے کہ تمہارے یہ جھوٹے معبود' بت وغیرہ اپنے آپ کو تو سنبھال نہیں سکتے۔ اپنی تو حفاظت نہیں کر سکتے کوئی انہیں اٹھا کر باہر پھینک دے یا ان پر تھوک دے تو یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تو میں ان سے کیوں ڈروں؟ صرف اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو جو تمہارا خالق ہے جس کا دیا کھا رہے ہو۔ میں تو ان بتوں سے نہیں ڈرنے والا اس لئے کہ اللہ ہی عظیم ہے۔ علم رکھنے والا ہے۔ اسی نے مجھے علوم عطا فرمائے۔ مجھے ہدایت دی۔ مجھ پر وحی نازل فرمائی اور میری رہنمائی فرمائی اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو؟

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا

فرمایا' کیسی عجیب بات ہے مجھے بتوں سے ڈراتے ہو۔ خود اللہ سے نہیں ڈرتے۔ شرک تو اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر کسی کا شرک پر خاتمہ ہو گیا تو اس کا فیصلہ اسی دنیا میں سنا دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ قیامت کو جو فیصلے ہوں گے وہ ان لوگوں کے ہوں گے جو کم از کم شرک سے محفوظ رہے۔ اللہ کی اطاعت میں کمی ہوئی یا خطا ہوئی، گناہ ہو گئے لیکن اللہ کے ساتھ کسی کو شریک تو نہیں بنایا۔ اور جس نے شرک کیا توبہ نہ کی اور شرک پر ہی مر گیا اسے ہمیشہ جہنم رہنا ہے قیامت کو اس کا حساب یہ ہوگا کہ اس کے گناہ کتنے ہیں اور اسے جہنم کے کس درجے میں رہنا ہے تو تم اللہ کریم سے نہیں ڈرتے اور اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ حالانکہ اس نے اس پر

کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ کسی نبی کی کسی وحی الٰہی کی اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے نہ ہی عقلی طور پر یہ بات ثابت ہے۔ تم محض قصے کہانیاں جوڑ کر اسے بتوں سے منسوب کر کے ان کی پوجا کرتے ہو۔ یہ تمہاری خود ساختہ باتیں ہیں۔ ڈرنا تو تمہیں چاہیے کہ تم نے بلا دلیل، بلا جواز اللہ کی ذات وصفات میں مختلف اسباب و ذرائع کو شریک کر رکھا ہے۔ تمہیں اللہ کی عظمت سے ڈرنا چاہیے **فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ** اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ بھی سوچ لو کہ ایک جماعت وہ ہے جو شرک کرتی ہے اور دوسری توحید باری پر قائم ہے تو ان دونوں جماعتوں میں سے امن کسے نصیب ہوگا؟ بیٹھ کر سوچو! ذرا غور کرو کہ دونوں میں سے کون حق پر ہے **اَحَقُّ بِالْاَمْنِ** اللہ کریم فرماتے ہیں امن اسے ملے گا جو حق پر ہوگا۔

امن اہلِ حق کا خاصہ ہے:

جو حق پر ہوگا اسی کو اللہ کریم امن بھی عطا کرے گا وہی مامون من اللہ ہوگا۔ اللہ اسی کی حفاظت فرمائے گا۔ ساری دنیا اس کے خلاف کھڑی ہو جائے وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر وہ اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو اس کی ذات پر بھروسہ کرے گا اور اس کی اطاعت کرے گا اور اس کے نبی ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے امن دیا جائے گا۔ وہ امن میں رہے گا۔ اور جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بنالے گا اسی کو تباہ ہونا ہے۔

یاد رکھیں! جب نبی اور رسول مبعوث ہوتے ہیں اور اللہ کا حکم پہنچاتے ہیں تو پھر ان کی مخالفت کرنے والے ہمیشہ تباہ ہو جاتے ہیں وہ بچ نہیں پاتے۔ فرمایا' جو بھی شرک کرے گا وہ امن کا مستحق نہیں ہے۔ اگر تم سمجھ سکتے ہو تو یہ بات سمجھو کہ جو شرک کرتے ہیں وہ امن کے مستحق ہیں یا وہ جو اس کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ یعنی شرک کرنے والے امن کے مستحق نہیں۔ علماء نے شرک کے موضوع پر بڑی طویل مدلل بحثیں کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک واضح اور کھلا شرک ہے کہ کسی انسان کو، کسی چیز کو، کسی جانور وغیرہ یا بتوں کو خدا مان لیا جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔ اسے شرک جلی یعنی صاف کھلا ہوا شرک کہتے ہیں۔ اور دوسرا شرک خفی کہلاتا ہے یعنی پوشیدہ شرک۔ اس کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور سے نفع ونقصان کی امید رکھتا ہے اور اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اس کی اطاعت کرتا ہے اس امید پر کہ غیر اللہ کی اطاعت سے اسے نفع پہنچے گا یا اس کی بات نہ مان کر اسے نقصان ہوگا تو علماء کے نزدیک یہ شرک ہے کہ گویا اس نے اس ہستی کو اللہ کا شریک مان لیا۔ قرآن حکیم میں ہے **اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا** ○ الفرقان:43

آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اس کو عملی شکل میں تصور کیا جائے تو کوئی بھی اپنی خواہشات نفس کو سجدہ تو نہیں کرتا پھر خواہشات نفس کی عبادت سے کیا مراد ہے؟ خواہشات نفس کی عبادت یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر نفس کی خواہش پر عمل کرتا ہے گویا اللہ کو معبود نہیں مانتا اپنے نفس کو معبود مانتا ہے۔ ظاہراً خواہ کلمہ بھی پڑھتا ہو، مسلمان ہونے کا مدعی بھی ہو لیکن عملی زندگی میں جو خواہش اس کے نفس میں آئے اسی پر عمل کرتا ہو اور ایسا کرتے ہوئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پرواہ نہ کرتا ہو۔ قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کے بارے فرمایا کہ یہ اپنی خواہش نفس کو معبود مانتے ہیں یہی شرک خفی ہے۔ جو شخص بھی اپنی خواہش کے پیچھے دوڑتا ہے اور اللہ کا حکم چھوڑ دیتا ہے وہ بھی شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی انسان، کسی بادشاہ، کسی امیر، کسی جابر طاقتور کا حکم ماننا کہ یہ راضی رہے یہ بھی شرک خفی ہے اور جو بھی شرک کرے گا وہ امن کا مستحق نہیں ہے۔

ہم دعویٰ ایمان کے باوجود امن سے کیوں محروم ہیں؟

ہمارا دعویٰ اسلام کا ہے لیکن ہمارا کردار کافروں سے بھی بدتر ہے۔ ہم جھوٹ بولتے ہیں سود کھاتے ہیں، سود کی لعنت صرف بینکوں کے ذریعے ہی نہیں پھیل رہی بلکہ ہر سطح پر ایک کاروبار بن گیا ہے۔ کسی غریب کو چند سو یا چند ہزار دیئے جاتے ہیں جو بڑھتے چلے جاتے ہیں سود وصول کرتے ہیں اصل باقی ہی رہتا ہے۔ لوگ سود خوروں سے تنگ آ کر بچوں سمیت خودکشیاں کرنے لگے ہیں اور حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ کوئی نہیں پوچھتا حالانکہ ملکی قانون میں بھی بینک کے علاوہ سود لینا دینا جرم ہے۔ کیا یہ سود خور مسلمان ہیں؟ جو پانی کی جگہ شراب پیتے ہیں یہ مسلمان ہیں؟ جن کی راتیں بدکاری میں بسر ہوتی ہیں وہ بھی مسلمان ہیں؟ ملک کا ہر طبقہ دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔ مغرب زدہ طبقہ علماء کو برا بھلا کہتا ہے اور مولوی ان کے مخالف ہیں عام آدمی حکومت کے خلاف ہے کہ مہنگائی اور ظلم ناطقہ بند کر رکھا ہے لیکن کوئی بھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنی ذات پر نگاہ کرے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو اس کی اطاعت کرے گا اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلے گا وہ امن میں رہے گا تو اگر ہم مسلمان ہیں اور ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں تو پھر اس کا مطلب ہے ہم کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر ہمارے ہاں امن ہونا چاہیے۔ ہمارے ساتھ کوئی زیادتی ہو ہمیں اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن

ایسا تو ہرگز نہیں ہے۔ ہم اس کا سبب حکمرانوں کو گردانتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ فطرت کا ایک اصول ہے کہ بھیڑیوں کے گلے پر قدرت کسی دنبے کو حکمران مقرر نہیں کرتی بلکہ ان میں سے جو سب سے زیادہ خونخوار بھیڑیا ہو وہ اس گلے کا سردار بن جاتا ہے۔ اگر ہم بھی سب اپنی اپنی حیثیت میں بددیانت اور چور بن چکے ہیں تو پھر سب سے بڑا چور ہی ہمارا حکمران ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اعمالکم عمالکم او کماقال رسول اللہ** ﷺ تمہارا کردار ہی تم پر حکومت کرتا ہے۔ جیسے تم ہو جیسا تمہارا کردار ہے ویسے ہی لوگ تم پر حکومت کریں گے۔ اس کا مطلب ہے بددیانت حکمرانوں کو بدلنے کے لئے پہلے اپنا کردار بدلنا ہوگا اپنی اصلاح کی فکر کرنا ہوگا۔ یہی بات ارشاد فرمائی جارہی ہے کہ امن تو اہل حق کے لئے ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے جب ایمان قبول کیا تو کماحقہٗ اطاعت پیغمبر ﷺ قبول کی اور زندگی کو اس روش پر ڈھال لیا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی۔ ایک ایک صحابیؓ کی صحبت نے ایک ایک جہان کو امن و عدل کا گہوارہ بنا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عدیؓ بن حاتم سے فرمایا تھا کہ اے عدیؓ اگر تم زندہ رہے تو تم دیکھو گے کہ جب اسلام پھیلے گا تو حضر موت سے ایک اکیلی خاتون اپنا زادِ راہ ساتھ لئے چلے گی کعبہ شریف آئے گی طواف کرے گی حج کرے گی اور تنہا ہی حضر موت واپس چلی جائے گی اسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ حضر موت عرب کا جنوبی حصہ ہے اسے ربع الخالی کہتے ہیں اس علاقے کا چوتھا حصہ صحرا ہے اس وقت یہاں آبادی نہیں تھی خانہ بدوشوں کی آماجگاہ تھی اور ڈاکوؤں کی بھرمار تھی خود ان کا قبلہ بنوغطفان طائی قبیلے کی ایک شاخ تھی اور ان کا پیشہ ڈاکہ زنی تھا۔ حضرت عدیؓ کو اللہ نے اسلام کی دولت عطا فرمائی وہ فرماتے ہیں اللہ نے مجھے اتنی زندگی دی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوتے دیکھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ خاتون دیکھی جو اپنی پوٹلی بغل میں دبائے اکیلی حضر موت سے چلی ربع الخالی عبور کیا، بیت اللہ شریف آئی، واپس گئی۔ اس کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اہل حق کو اللہ کی طرف سے امن نصیب ہوتا ہے۔

اور جب کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ دے تو باقی صرف دعویٰ اسلام رہ جاتا ہے اس میں جان نہیں رہتی لہٰذا وہ امن کا حقدار نہیں رہتا۔ اس آیہ مبارکہ میں یہی فرمایا گیا کہ ایک فریق وہ ہے جو اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل میں کمربستہ رہتا ہے اور دوسرا فریق وہ ہے جو اللہ کے ساتھ بے شمار چیزوں کو، لوگوں کو، حالات کو اور اپنی خواہشات کو شریک کرتا

ہے تو دونوں میں سے امن کا مستحق کون ہے؟ اگر کچھ شعور رکھتے ہو تو بتاؤ؟

امن کی ضمانت؟

قرآن حکیم امن کی ضمانت دیتا ہے۔ بڑا سیدھا، بڑا محفوظ اور پرامن راستہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا جائے۔ پوری عملی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں ڈھال لیا جائے جو یہ کام کرے گا اسے قرآن کریم امن کی ضمانت دیتا ہے اور جو نہیں کرے گا وہ امن سے محروم ہو جائے گا۔ اس کے لئے سب سے پہلے اپنا جائزہ لیں۔ میں کیا ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ پھر اپنے اردگرد ماحول، ملک وقوم کو دیکھیں۔ جس طرح کے ہمارے کردار ہیں اسی طرح کے ہم نتائج بھگت رہے ہیں۔ اللہ ہمیں ہدایت دے، توبہ کی توفیق دے، حضور اکرم ﷺ کی غلامی اور اتباع نصیب فرمائے تو آج بھی حالات بدل جائیں گے۔ جو تجربہ کرنا چاہتا ہے وہ اپنی ذات پر کرے۔ اکیلا ہی توبہ کر کے خلوص سے اطاعت شروع کردے اسے امن نصیب ہو جائے گا۔ وطن عزیز کی اکیس کروڑ کی آبادی میں سے جتنے لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے ہیں وہ الحمدللہ آج بھی امن میں ہیں ان کا کچھ نہیں بگڑا۔ پورا ماحول آتشکدہ بن جائے تو بھی اللہ کے بندے امن و سکون سے رہیں گے کہ وہ حقیقی طور پر اللہ کے اطاعت گزار اور حضور اکرم ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوں گے وابستگی کا یہ مطلب نہیں کہ نرا دعویٰ ہو بلکہ وابستگی کا معنی یہ ہے کہ جینے سے مرنے تک ہر کام میں محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جائے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ فیصلہ کن انداز میں فرمایا جو لوگ ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ شرک کے بارے قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد پاک ہے **اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝** لقمان: 13 فرمایا اللہ کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرنا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑا کوئی اور ظلم نہیں۔

شرک کے انسانی شخصیت پر اثرات:

شرک اتنی بری بیماری ہے جو انسان کو ہر برائی پر لگا دیتی ہے انسان میں انسانی کمزوریاں بھی ہیں اور

اس کی ضرورتیں بھی بے شمار ہیں اور دنیا کو اللہ نے چونکہ عالم اسباب بنایا ہے لہٰذا یہاں ہر چیز کسی سبب کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے۔ انسان کوتاہ نظر ہے مسبب الاسباب کو بھول جاتا ہے اور اسباب پر امید رکھ لیتا ہے حالانکہ اسباب بھی اس کی مخلوق ہیں۔ ان اسباب میں اثر پیدا کرنے والی ذات وحدہٗ لاشریک قادر مطلق کی ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ جب چاہے کسی چیز کا اثر تبدیل کر دے جیسے پانی زندگی کی علامت ہے لیکن جب چاہتا ہے اس کی تاثیر الٹ دیتا ہے۔ فرمایا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ O الانبیاء:30 اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے پانی کو ہر چیز کی حیات کا سبب بنایا ہے۔ نباتات ہوں یا جمادات، حیوانات ہوں یا انسان ہرایک کی زندگی پانی پر منحصر ہے لیکن جب اللہ نے چاہا پانی کو طوفان بنا دیا اور ایک جہان غرقِ آب ہو گیا۔ اسی طرح ہوا زندگی کا سبب ہے۔ چند لمحے کسی سے ہوا روک لی جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا لیکن جب اللہ نے چاہا قوموں کو ان کی سرکشی کے سبب ہوا سے ہی تباہ کر دیا یعنی اسباب زندگی کے نتائج یوں بدلے کہ قوموں کی قومیں موت کی آغوش میں چلی گئیں اور تباہی سے دوچار ہوئیں۔ اس کا مطلب ہے اسباب بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مسبب الاسباب کی ذات ہے جو ان اسباب میں بھی نتائج پیدا فرماتی ہے لہٰذا بندے کا اعتماد اللہ پر ہونا ضروری ہے۔

اللہ کریم نے صرف اسباب اختیار کرنے کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ اسباب کی حیثیت بھی بتا دی ہے اور جائز و ناجائز میں بھی فیصلہ فرما دیا ہے۔ آپ ﷺ نے احکام الٰہی کی صرف تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ ایک پورا ملک بنا کر ایک حکومت تشکیل دے کر ایک ریاست قائم کر کے معاشرے میں عملی طور پر نظام نافذ فرما کر صحیح اور غلط کو الگ کر دکھا دیا لہٰذا اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہے لیکن وہی اسباب اختیار کئے جائیں گے جو سنت کے مطابق ہوں گے جن کی اجازت نبی کریم ﷺ نے دی ہوگی اور جس طرح دی ہوگی اسی طرح اختیار کئے جائیں گے۔ اس پر نتائج کیا مرتب ہوتے ہیں؟ یہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

چوں قضا آید حکیم اغلا شود
روغن بادام خشکی مے دہد

جب موت آجاتی ہے تو حکیم بھی بوکھلا جاتے ہیں۔ مرض اور ہوتا ہے وہ کچھ اور سمجھتے ہیں۔ مرض کی دوا کچھ اور ہوتی ہے وہ کچھ اور دے دیتے ہیں اور اگر صحیح دوا بھی دے دیں تو اللہ تاثیر بدل دیتا ہے۔ روغن بادام دیتا ہے۔ روغن بادام کی تاثیر تر ہے لیکن اگر بندے کی موت آگئی تو بادام کی تاثیر خشکی میں بدل جاتی

ہے۔ آج میڈیکل سائینس نے بہت ترقی کر لی ہے۔ نئے نئے طریقہ ہائے علاج رائج ہیں لیکن اس بات کو کون روکے کہ جس کام کا قادر مطلق فیصلہ کر لیتا ہے وہ کام اسی طرح ہو جاتا ہے۔

شرک کا علاج:

اللہ کی ربوبیت پر اعتماد حاصل کرنا اور اس یقین کو پختہ کرنا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صرف نقصان ہی ہوگا۔ شرک کا علاج یہی ہے کہ بندے کا بنیادی تعلق اللہ کریم سے ایسا ہونا چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے قائم کروایا ہے کہ بندے کے قلب و باطن میں اللہ پر بھروسہ اور اعتماد ایک حال اور کیفیت بن کر چھا جائے۔

انسان جب گناہ کرتا ہے، دھوکے سے، چوری اور فریب سے کسی کا مال لوٹتا ہے تو اس کا خیال ہوتا ہے کہ اس طرح وہ اپنے لئے بہت آرام اور سہولتیں اکٹھی کر رہا ہے حالانکہ وہی چیزیں اسے تکالیف میں مبتلا کر دیتی ہیں اور جو شخص حلال کمائی حاصل کرتا ہے۔ جائز وسائل اور اتباع سنت کے راستے سے حاصل کرتا ہے اس کے وہ تھوڑے سے سکے بھی اسے سکون، امن عافیت دیتے ہیں اور اس کی ضروریات کی کفائیت کرتے ہیں۔ اللہ کے دست قدرت کا اس طرح ہر انسان کے ہر فیصلے اور اس کے نتائج پر کنٹرول ہے۔

آج تو سائینسدان یہاں تک دریافت کر چکے ہیں کہ ہر بندے کے ذرات بدن میں اس کی کتاب زندگی موجود ہے۔ اتنی تفصیل بھی موجود ہے کہ کس عمر میں اس کا پہلا بال سفید ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ وجود اپنا کردار بھی اٹھائے پھر رہے ہیں۔ کراماً کاتبین تو ہر وقت لکھ رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وجود انسانی کے اندر مالک حقیقی نے کتنے دفتر کھول رکھے ہیں ہر چیز محفوظ ہے تو بندہ کہاں چھپے گا؟ اسی لئے شرک ظلم عظیم ہے کہ یہ بندے کو اللہ سے دور لے جاتا ہے اور اللہ سے دوری سب سے بڑی برائی اور بدنصیبی ہے۔ شرک جلی یا واضح اور کھلا شرک تو ظاہر ہوتا ہے اور مسلمان اس سے بچتا ہے لیکن شرک خفی خطرناک ہے اور مسلمان سے اسی کا صدور ہوتا ہے۔ کلمہ پڑھنے کے بعد جاہل سے جاہل شخص بھی بتوں کو سجدہ نہیں کرتا لیکن نادانی سے اپنی امیدیں اللہ کو چھوڑ کر لوگوں سے وابستہ کر لیتا ہے۔ وہ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر ان لوگوں کی بات مان لیتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان کی اطاعت سے اسے فائدہ ہوگا۔ اور ان کی بات نہ ماننے سے وہ اسے نقصان پہنچائیں گے تو یہی شرک خفی ہے۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو اذان سن کر دکان بند نہیں کرتے اور اس خیال سے مسجد جا کر صلوٰۃ ادا نہیں کرتے کہ گاہک چلے جائیں گے اور روزی میں فرق آجائے گا تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے دکان کو اپنا رب سمجھ لیا ہے کہ انہیں پالنا اسی دکان کا کام ہے۔ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جیسے ہمارے ایک ساتھی تھے سیالکوٹ میں ڈاکٹر تھے مطب پر بیٹھے ہوتے تھے اذان کی آواز آتی تو نسخہ لکھتے لکھتے وہیں قلم چھوڑ دیتے تھے اور صلوٰۃ کے لئے مسجد چلے جاتے تھے۔ مریض کہتا ہی رہ جاتا تھا کہ چند دوائیں ہی تو لکھنی ہیں نسخہ مکمل کرتے جایئے لیکن وہ فرماتے تھے۔ اللہ کا غلام موذن اللہ کا پیغام مجھے سنا رہا ہے کہ صلوٰۃ کے لئے آجاؤ تو میری یہ جرأت نہیں ہے کہ میں یہ سننے کے بعد پھر کچھ اور لکھوں۔ پہلے حکم پر حاضری دوں گا اور صلوٰۃ سے فارغ ہو کر کچھ لکھوں گا۔ یہ توحید ہے۔

اور جو لوگ سود لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سود نہ لیں تو کہاں سے کھائیں؟ یہی اصل رقم ہے اسے جمع کرا کے سود لیتے ہیں اگر سود نہ لیں تو یہ اصل رقم بھی ختم ہو جائے گی پھر کہاں سے کھائیں گے؟ تو ان کا یہ سمجھنا ہی شرک ہے اس لئے کہ اللہ نے قرآن حکیم میں اعلان فرما دیا ہے کہ **وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ** O ھود:6 جتنی مخلوق میں نے پیدا کی ہے اس کی روزی کا ذمہ میرا اپنا ہے۔ تو بندے کے ذمے وسائل کو ہوش مندی سے استعمال کرنا ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ سود پر رکھنے کے بجائے جائز طریقے سے کاروبار کرے اللہ برکت عطا فرما دے گا۔ وسائل جائز ہوں اور کاروباری اصولوں پر کام ہو تو اللہ چاہے تو برکت ہو جاتی ہے لیکن سود کھانا شروع کر دیں تو یہ اللہ کی ربوبیت پر اعتماد نہ کرنا ہے اور یہی شرک ہے۔ یہ بات طے ہے کہ جہاں شرک ہوگا وہاں امن نہیں ہوگا۔

شرک کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے خلاف چلنا ایسا ہے جیسے اپنے گھر اور اپنے سامان کو اپنے ہاتھ سے آگ لگا دینا۔ جو بندہ قدم قدم پر اپنے مال و اسباب کو آگ لگاتا پھرے اور پھر چاہے کہ اس کا گھر ہنستا بستا رہے تو یہ کیسے ممکن ہے؟ ظاہری آگ تو پانی سے بجھائی جا سکتی ہے لیکن معنوی آگ جو ہمارے کردار سے لگتی ہے وہ ہمارے سکون کو تباہ کر دیتی ہے۔ ہمارا آج کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں کہیں بھی امن یا سکون کا کوئی لمحہ نہیں ملتا۔ قرآن حکیم اسی کا سبب بتا رہا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی اطاعت کرنے سے امن ہرگز نہیں آسکتا۔ یہ تو آگ ہے۔ جہاں آگ لگائی جائے وہاں امن و سکون

کیسے ہوگا؟ جس طرح ظاہری آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے اسی طرح معنوی آگ کا علاج بھی خلوص دل سے توبہ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے الندم التوبہ او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ حقیقی توبہ یہ ہے کہ بندہ صدق دل سے نادم ہو۔ جو غلطی کر رہا ہے اسے چھوڑ دے۔ اس کی اصلاح کرے آئیندہ وہ غلطی نہ کرے اور زبانی توبہ توبہ کہتے رہنا ایسے ہی ہے کہ بندہ کہتا رہے مجھے امن چاہیے امن چاہیے لیکن عملاً آگ لگا تا پھرے تو نتیجہ عمل پر مرتب ہوگا کہنے پر نہیں ہوگا۔

موحد ہونے کی نشاندہی:

موحد وہ ہے جو ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کرے۔ اللہ کی عظمت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں کسی دوسرے کا دخل نہ ہونے دے۔ جو اللہ کے بندوں کی، اولیا للہ کی عزت کرے ان سے استفادہ کرے لیکن کسی مخلوق کو خالق کا ہم پلہ نہ ٹھہرائے۔

اگر بہت سے لوگ برائی میں مبتلا ہو جائیں اور ایک بندہ اطاعت الٰہی پر قائم رہے تو یہ طے ہے کہ اس کے دل میں سکون ہوگا۔ لوگ خواہ اس پر کیچڑ اُچھالیں، الزام لگائیں، اس کے خلاف باتیں کریں سب وشتم کریں تو سارا کیچڑ انہی لوگوں پر واپس پلٹ جائے گا۔ اس شخص کی زندگی پرسکون ہوگی اس کا دل چین میں ہوگا۔ کسی کے مومن، موحد ہونے کی یہی نشانی ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق کی یہی علامت ہے۔ جسے اللہ امن دے گا وہی ہدایت پر ہوگا۔

سورۃ الانعام رکوع 10 آیات 83 تا 90

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں بیشک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے ﴿۸۳﴾ اور ہم نے ان کو ایک بیٹا اسحٰقؑ اور ایک پوتا یعقوبؑ دیا ہر ایک کو طریق حق کی ہم نے ہدایت کی اور ابراہیمؑ سے پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان ابراہیمؑ کی اولاد میں سے داؤدؑ کو اور سلیمٰنؑ کو اور ایوبؑ کو اور یوسفؑ کو اور موسیٰؑ کو اور ہارونؑ کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں ﴿۸۴﴾ اور نیز زکریاؑ کو اور یحییٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو اور الیاسؑ کو اور یہ سب حضرات پورے شائستہ لوگوں میں سے تھے ﴿۸۵﴾ اور نیز اسمٰعیلؑ کو اور یسعؑ کو اور یونسؑ کو اور لوطؑ کو اور ان میں سے ہر ایک کو ان زمانوں کے تمام جہان والوں پر ہم نے نبوت سے فضیلت دی ﴿۸۶﴾ اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان سب کو مقبول بنایا اور ہم نے ان سب کو راہ راست کی ہدایت کی ﴿۸۷﴾ اللہ کی ہدایت وہ یہی دین ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے ﴿۸۸﴾ یہ ایسے تھے کہ ہم نے ان کے مجموعہ کو کتاب آسمانی اور حکمت کے علوم اور نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے بہت سے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں ﴿۸۹﴾ یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے صبر کی ہدایت کی تھی سو آپ بھی انہی کے طریقہ پر چلئے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ قرآن پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے ﴿۹۰﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا، اور ہم نے انہیں اسحاقؑ عطا کئے۔ یعقوبؑ عطا کئے اور سب کو ہدایت دی اور ان سے پہلے نوحؑ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہدایت سے سرفراز فرمایا اور ان کی اولاد میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ،

موسیٰؑ اور ہارونؑ کو نبوت عطا فرمائی۔ اسی طرح ہم محسنین کو یعنی خلوص دل سے اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو سرفراز فرماتے ہیں اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ یہ سب لوگ صالحین میں سے تھے یعنی اللہ کے پسندیدہ بندے اور نبیؑ تھے۔ اور اسمٰعیلؑ اور یونسؑ اور لوطؑ ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانے میں سارے جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی اور انؑ کے آباؤ اجداد میں سے، ان کی اولاد میں سے، ان کے بھائیوں میں سے انہیں منتخب فرمالیا اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرمادیتا ہے۔ اور اگر بڑے بڑے آدمی بھی شرک میں مبتلا ہوجائیں تو جو عمل وہ کر چکے ہیں وہ ضائع ہوجائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے آسمانی کتاب عطا فرمائی اور حکمت بھرا دستور عطا فرمایا۔ حکمت بھرے علوم عطا فرمائے اور نبوت عطا کی۔ سو اگر لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے ایسے لوگ بھی مقرر کر دیئے ہیں جو اس سے انکار نہیں کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر قائم ہیں لہٰذا ان کے راستے کا اتباع کیا جائے۔

تفسیر و معارف

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ یہ ایک دلیل تھی جو ہم نے اپنے خلیل ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی۔ ہم نے بطور دلیل کے خلیل اللہ کو تبلیغ کا یہ انداز سکھایا۔ **نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳** اور ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند فرمادیتے ہیں۔ انبیاءؑ کے درجات سب سے بلند ہوتے ہیں انبیاءؑ میں رسولؑ افضل ہوتے ہیں۔ سیدنا ابراہیمؑ اللہ کے خلیل اور اولوا العزم رسولوں میں سے ہیں۔ عظیم ترین ہستیوں میں سے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار صاحب حکمت بھی ہے۔ دانا تر بھی ہے۔ اور علیم بھی ہے۔ ہر ہر ذرے سے ہر حقیقت سے اور ہر بڑی چھوٹی بات سے خود آگاہ ہے وہ کسی کے خبر پہنچانے کا محتاج نہیں نہ کسی کے مشورے کی اسے ضرورت ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود کرتا ہے اور اس کے فیصلے عظیم ہیں۔

فرمایا ہم نے انہیں اسحاقؑ جیسی اولاد عطا فرمائی۔ اسحاقؑ سے یعقوبؑ ہوئے۔ یعقوبؑ سے یوسفؑ ہوئے۔ یہ ابراہیمؑ کا اعزاز و امتیاز ہے کہ چار نسلوں میں نبوت جاری ہوئی۔ ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور یوسفؑ چار نسلوں میں مسلسل نبوت ہے جو ابراہیمؑ پر اللہ کی عطا ہے۔

غیر انبیاءؑ میں یہ فضیلت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو عطا ہوئی۔ آپؓ وہ ہستی ہیں کہ چار نسلوں میں صحابیت محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ آپؓ کے والد صحابیؓ تھے۔ آپؓ خود صحابیؓ تھے، آپؓ کے بیٹے صحابیؓ تھے آپؓ کے پوتے

صحابیؓ تھے۔ چار نسلوں میں صحابیتِ رسول ﷺ کا حامل ہونا آپؓ کا انفرادی اعزاز ہے۔

كُلًّا هَدَيْنَا ۚ فرمایا ان سب کو ہم نے ہادی بنایا۔ لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ عطا فرمایا۔ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ اور ان سے پہلے نوحؑ کو نبوت ورسالت عطا فرمائی وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اور ان کی اولاد میں سے دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، اور ہارونؑ کو نبوت ورسالت عطا فرمائی اور ہم خلوص دل سے اطاعت کرنے والوں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ یہ سب اللہ کے پسندیدہ بندے تھے۔ صالحین میں سے تھے۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اور ہم نے ان سب کو جہانوں میں فضیلت دی۔ ان سب حضرات کو ہم نے اپنے اپنے زمانے میں روئے زمین پر بسنے والے لوگوں پر فضیلت دی اور وہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کا سبب بنے وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ فرمایا، ہم نے ابراہیمؑ پر اتنا کرم کیا، اتنا احسان فرمایا کہ انؑ کے اجداد میں نوحؑ تھے جو اولوا العزم رسولؑ تھے۔ یوں ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو، ان کی اولادوں کو، ان کے بھائیوں کو فضیلت دی اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پھر ہم نے ان کی وجہ سے ان کے خاندانوں، والدین، بہن بھائیوں اور اولاد کو بھی روشن قلوب عطا فرمائے۔ انہیں پسند کر لیا اور سیدھے راستے پر چلایا۔

نیک لوگوں کا اثر ان کی نسلوں تک جاتا ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ:

اچھے لوگوں کی اولاد ہونا اللہ کا انعام ہے کہ ان کی برکات نسلوں تک چلتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عقیدے اور عمل میں ان کی تابعدار اور اطاعت گزار ہوں۔ جہاں سے عقیدہ اور عمل ٹوٹا وہاں نسبی رشتہ ختم ہوا۔ اس لئے کہ نسبی رشتہ مادی ہے اور روحانی رشتہ حقیقی ہے۔ روحانی رشتہ قائم رہے اور مادی رشتہ بھی ہو تو نورٌ علیٰ نورٌ ہے لیکن اگر اطاعت کا یعنی روحانی رشتہ ٹوٹ گیا تو پھر جسمانی رشتے کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ نوحؑ کا نسبی بیٹا تھا جس کے بارے ارشاد باری ہوا قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ ○ وہ تیرے اہل میں سے نہیں تیرے خاندان کا فرد نہیں اس لئے کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ○ ھود: 46 اس کا کردار غیر صالح ہے۔ اس کا تعلق انہی لوگوں سے ہے جن کے ساتھ وہ غرق کر دیا گیا کہ اس کا عقیدہ اور عمل غیر صالح تھا۔ شرک ایسی بیماری ہے، اللہ کے علاوہ کسی اور سے امیدیں وابستہ رکھنا ایسا ظلم ہے کہ انبیاءؑ کی اولاد کو بھی اس زمرے سے

نکال دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حقیقی رشتہ اتباع رسولؐ کا رشتہ ہے۔ نیکوں کی اولاد کو بھی فائدہ ہو تو اس حقیقی رشتے کے قائم رکھنے سے ہی ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف اور حق گو عالم کا مکالمہ:

حجاج بن یوسف ایک سخت مزاج حاکم تھا اسے پتہ چلا کہ ایک عالم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کہتا ہے۔ اس نے اس عالم کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تم حسنین کریمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت یعنی اولاد کہتے ہو؟ اس نے کہا بلاشک میں یہ کہتا ہوں۔ حجاج نے کہا کہ سورۂ آل عمران کی وہ آیت جو مباہلہ کے لئے اتری تھی اس آیت (61) سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اس عالم نے کہا کہ میں بھی مانتا ہوں کہ آل عمران کی آیت مباہلہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حسنین کریمینؓ ذریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ البتہ یہ بات سورۂ انعام کی اس آیہ مبارکہ (87) سے ثابت ہوتی ہے جس میں اللہ کریم ابراہیمؑ خلیل اللہ کی ذریت کو گنوا رہے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کے بعد ان کی ذریت یعنی اولاد میں سلیمانؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک کو شمار فرما رہے ہیں جبکہ عیسیٰؑ کے تو والد ہی نہیں تھے آپؑ ابراہیمؑ کی نسل میں صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں تو اگر عیسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت ہو سکتے ہیں تو حسنین کریمینؓ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ یہ کیسے ذریت نہیں ہو سکتے؟ اس پر حجاج نے سر پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں نے یہ آیت آج سنی ہے لہٰذا اس عالم کو چھوڑ دو اور انعام واکرام سے نوازو کہ اس نے ہمیں قرآن حکیم کی اس آیت کا مفہوم سمجھا دیا۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی نیکوں کی اولاد میں سے ہو اور کفر و شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اللہ کی کتاب پر قائم رہے تو نیکی کا اثر نسلوں تک جاتا ہے جیسا کہ انبیاءؑ کا تذکرہ فرمایا گیا کہ ان سب حضراتؑ کو اللہ نے منتخب فرما کر عالمین پر فضیلت دی۔ انؑ کے طفیل ان کی اولادوں اور بھائیوں کو چن لیا انہیں سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی۔ انؑ کے اہل خاندان میں سے اگر والدین نے انؑ کی اطاعت کی، انؑ کی اولادوں نے اطاعت کی، انؑ کے بہن بھائیوں نے اطاعت کی تو ہم نے ان سب کو اپنے انعام سے نوازا اور انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دی۔

دنیا میں سب سے بڑا انعام:

فرمایا' وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ اور ہم نے انہیں سیدھے راستے کی ہدایت کی۔ اللہ کریم

کے اتنے احسانات ہیں کہ کوئی انہیں گن نہیں سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا النحل:18 اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکو گے۔ ان سب میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے نبی ﷺ کی اطاعت نصیب کر دے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے دے۔ اسی کو ولایت کہتے ہیں۔ یہی اللہ کی دوستی ہے۔ اگر کسی کا عقیدہ درست نہیں اور اس کا کردار صحیح نہیں تو وہ اللہ کا دوست نہیں ہوسکتا۔ حضور اکرم ﷺ کا نافرمان اور آپ ﷺ کا اتباع نہ کرنے والا اللہ کا دوست کیسے ہوسکتا ہے؟

دنیا میں سب سے بڑی محرومی:

دنیا میں سب سے بڑا محروم وہ ہے جو ایمان نہیں لاتا اور ایمان لانے کے بعد بہت بڑی محرومی یہ ہے کہ توفیق عمل سلب ہو جائے۔ بندہ گناہ میں مبتلا رہے اور توبہ کی توفیق نہ رہے۔ اور سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اس کا عقیدہ بھی سلب ہو جائے اور وہ ایمان سے خارج ہو جائے۔ ایسے شخص کے محلات تو ہو سکتے ہیں، اولاد ہوسکتی ہے، اس کے پاس دولت وحکومت ہوسکتی ہے لیکن ایمان کے بغیر یہ تمام چیزیں اس کے لئے عذاب کا سبب بنیں گی بہتری کا نہیں۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾ اگر یہ لوگ بھی شرک کریں تو ان کے اعمال بھی سلب ہو جائیں۔ نبیؑ تو معصوم ہوتا ہے۔ نبیؑ سے تو گناہ نہیں ہوسکتا اور شرک تو ایسا ظلم عظیم ہے کہ نبیؑ سے اس کا صدور ممکن ہی نہیں۔ اس کے باوجود بفرض محال کے طور پر فرمایا کہ اگر کوئی اتنی بڑی ہستی جسے رہنما بنایا گیا ہو وہ بھی شرک کرے تو اسی لمحے اس کی ساری عظمت اور فضیلت سلب ہو جائے شرک اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا ایک شمہ بھی دامن اعمال کو تباہ کر دے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ سے امید رکھے۔ اللہ کی نافرمانی کر کے غیر اللہ کی اطاعت کرے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔ نہ اس کی کوئی نیکی قبول ہوتی ہے اور نہ ہی اسے نیکی کی توفیق عطا کی جاتی ہے۔ سب سے بڑا جرم شرک ہے اور سب سے بڑی سزا گمراہی ہے۔ اللہ کریم اس سے پناہ دے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنۡ يَّكۡفُرۡ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدۡ وَكَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّيۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾ فرمایا یہ لوگ تو بڑے خوش نصیب تھے کہ ہم نے انہیں آسمانی کتابیں دیں جس کے سارے قواعد وضوابط عین دانائی پر مبنی تھے۔ ان میں اپنا نبی ﷺ مبعوث فرمایا۔ میرے نبی ﷺ کے طفیل

انہیں یہ موقع ملا کہ نور نبوت سے اپنے قلوب روشن کریں اپنے سینے روشن کریں۔

انسان اشرف المخلوقات کیسے ہے؟

ساری مخلوق اللہ ہی کی ہے۔ خواہ جانور ہوں یا ان سے کم تر مخلوق، نباتات ہوں یا نوری مخلوق، فرشتے ہوں تو انسان، ساری مخلوقات میں کس طرح افضل ٹھہرا؟ اس لئے کہ دار دنیا میں اللہ کریم کی سب سے بڑی عطا نور نبوت ہے اور انسان وہ واحد مخلوق ہے جسے نور نبوت عطا کیا گیا۔ تمام انبیاءؑ انسانوں میں مبعوث فرمائے گئے اور معرفت الٰہی کی استعداد بھی صرف انسان کو ودیعت کی گئی۔ ان باتوں کا شعور صرف انسان کو ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات کیسی ہے؟ اس کی صفات کیسی ہیں؟ اور کس طرح اس کی اطاعت کی جانی چاہیے؟ اللہ کی مخلوق میں فرشتہ سراپا نیکی ہے۔ نیکی اس کا مزاج ہے۔ سجدہ و ذکر، فرمانبرداری اور اطاعت اس کا مزاج ہے۔ وہ اپنے مزاج کے خلاف نہیں جا سکتا۔ اس کے پاس نافرمانی کا کوئی تصور نہیں۔ اسے کوئی مجبوری بھی نہیں نہ اسے نیند سے غرض ہے نہ بھوک پیاس ستاتی ہے نہ اس کے بیوی بچے ہیں۔ وہ ایک وجود ہے جسے اللہ نے نور سے تخلیق فرمایا ہے اور وہ سراپا اطاعت ہے۔

اللہ کی دوسری مخلوق وہ ہے جس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شیاطین اور دوسرے عام جن۔ شیاطین دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم سے ابلیس اور اس کی اولاد۔ عام جنوں میں سے بھی جو ابلیس کی پیروی کرتے ہیں وہ بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ انسانوں میں سے بھی جو لوگ ابلیس کے پیروکار بن جاتے ہیں وہ بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ یہ گروہ شیطان ہے۔

عام جن شیطان سے الگ مخلوق ہے۔ اس کے پاس گناہ کا موقع بھی ہے اور نیکی کا موقع بھی۔ یہ انسانوں کی طرح ضروریات رکھتے ہیں۔ اپنی تخلیقی صفات کے مطابق کھاتے پیتے ہیں۔ ان کا اپنا خاندانی نظام ہے۔ یہ مکلّف مخلوق ہے لیکن جنات میں سے کوئی نبی نہیں ہوا۔ انہیں یہ استعداد نہیں دی گئی۔ قرآن حکیم میں جہاں جنات کا ذکر آیا ہے وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تو تم اللہ کے دردناک عذاب سے بچ جاؤ گے۔ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ O الاحقاف: 31 پورے قرآن حکیم میں ان کے لئے جنت کی بشارت نہیں۔ عذاب سے بچالیے جانے کی بشارت ہے جبکہ قرآن حکیم میں انسانوں کے لئے جنت اور دوزخ دونوں کا ذکر آتا ہے۔ بعض مفسرین نے سورہ الرحمٰن کی اس آیت جہاں حوروں کے متعلق فرمایا گیا ہے لم يطمثهن انس قبلهم والا جان اہل جنت میں جس کو عطا ہوں گی اس سے پہلے انہیں کسی

انسان یا جن نے نہیں چھوا ہو گا۔ اس لئے بعض علماء نے یہ فرمایا کہ جنات کے لئے بھی جنت ہے کہ انہیں حوریں عطا ہوں گی۔ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی نے چھوا نہیں ہو گا تو یہ بہ اعتبار دنیا کے کہا گیا ہے۔ یہ بات دار دنیا کے اعتبار سے کہی گئی ہے کہ بعض خواتین ایسی ہیں جنہیں واقعتاً دنیا میں کسی نامحرم نے نہ دیکھا ہو لیکن یہ امکان تو ہے کہ کسی جن نے چھوا ہو۔ اس آیت سے جنات کا جنت میں داخلہ ثابت نہیں اور نہ ہی قرآن حکیم کی کسی اور آیت سے ثابت ہے۔ لہٰذا علماء کا یہ ارشاد ہے کہ جنات کا حساب کتاب ہو گا جو مجرم نہیں ہوں گے انہیں فنا کر دیا جائے گا اور جو جرم کریں گے وہ اپنے جرم کے حساب سے اتنا عرصہ جہنم میں رہیں گے۔ اپنے جرم کی سزا پوری کرنے کے بعد انہیں فنا کر دیا جائے گا۔

واحد مخلوق انسان ہے جو ہمیشہ رہے گی۔ جنت میں رہے یا جہنم میں دونوں گھروں میں سے جس گھر میں پہنچے گی اس میں رہے گی۔ اسے یہ دوام اس سبب سے کہ اسے یہ استعداد دی گئی کہ وہ اللہ کو جان سکے۔ پہچان سکے۔ فرشتے جیسی سراپا نیکی اور پوری مخلوق بھی صرف حکم کی اطاعت کرتی ہے۔ حاکم کی طرف نگاہ اٹھانے کی مجال نہیں رکھتی۔ صرف انسان ذات باری کا طالب ہوتا ہے۔ اسی کو بار امانت کہا گیا ہے۔ رب کریم نے فرمایا ''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی پس انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا O الاحزاب:72 اور انسان نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا نورِ نبوت کی وجہ سے ہے۔ ہر انسان کو یہ استعداد دی گئی ہے کہ وہ نورِ نبوت سے اکتساب فیض کرے۔ صرف انبیاءؑ حقیقی انسان ہیں باقی سب نبی آدم ہیں۔ ہم میں انسانیت اتنی ہی ہے جتنا ہم نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے ہیں۔ جتنا ہم اتباع رسالت سے باہر نکل جاتے ہیں اتنی ہم میں سے انسانیت چلی جاتی ہے۔ اتباع رسالت سے مکمل طور پر نکل جانے سے انسان انسان نہیں رہتا ایک درندہ بن جاتا ہے۔

دہشت گردی، قتل و غارت کے جس دور سے ہم آج گزر رہے ہیں اس میں لوگ نہ اپنے گھروں میں محفوظ ہیں نہ عبادت گاہوں میں اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ انسان نہیں رہے درندے بن گئے ہیں۔ اتباع رسالت و نبوت چھوٹ گیا ہے۔

اللہ کریم نے تو انسان کو فیصلہ کرنے کی اجازت دی۔ دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا O الدھر:3 انسان کو معرفت الٰہی کی استعداد دی

گئی ہے اور اسے یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ نہیں کرنا چاہتا تو اسے نہ کرنے کا انجام بتا دیا گیا ہے کہ نافرمانی کا راستہ جہنم پر منتج ہوگا۔ اور کرے گا تو انبیاءؑ کے طفیل جنت میں اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں میں داخل ہوگا۔ یہی تمام باتیں پہلی آسمانی کتابوں میں بھی ارشاد فرمائی گئی تھیں۔ آج بھی میرے نبی کریم ﷺ کتاب حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ پہلی آسمانی کتابیں برحق تھیں ان کے تمام قواعد و ضوابط عین دانائی پر مبنی تھے تو آج حضور اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب برحق کا انکار کرنے والے خود اپنی الہامی کتابوں کے مطابق جرم کر رہے ہیں۔

قرآن حکیم ایک بہترین نظام زندگی:

قرآن حکیم سب انسانوں کو انسانی حقوق دیتا ہے۔ جو نیکی کرے اسے عزت و تکریم دیتا ہے جو برائی کرے اس کے لئے سزا مقرر فرماتا ہے۔ اللہ کی کتاب نے جو نظام عطا فرمایا ہے اس میں ہر انسان کو انسانی حقوق دیئے ہیں خواہ وہ کافر ہو، مسلمان ریاست میں وہ محفوظ رہے گا۔ اسے زندہ رہنے کا حق ہے۔ اس کے اس ایک حق کے زمرے میں تمام وہ حقوق آجاتے ہیں جو زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ ہوگا۔ اس کے روزگار، علاج معالجہ اور اولاد کی تعلیم کا انتظام ہوگا حتیٰ کہ اسلامی ریاست پر اگر حملہ ہو تو اس کا دفاع کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کافر کی نہیں۔ کافر جنگ میں شامل نہیں ہوگا۔ مسلمان اپنی جانیں دے کر ریاست کی حفاظت خود کریں گے۔ کافر صرف جزیہ دے گا۔ اس پر ریاست کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں ہے۔

قرآن حکیم ریاست اسلامی کے افراد کو قانون کی نظر میں یکساں دیکھتا ہے اور یہی بات آج کے حکمرانوں پر گراں ہے۔ شومئی قسمت سے ہم پر ایک خاص طبقہ حکمران ہے جو اسلام کے نظام سے ڈرتے ہیں یہ لوگ خود کو ایک خاص مخلوق سمجھتے ہیں اپنے لئے اور اپنے اہل خاندان کے لئے ان خاص رعائتوں کے طلبگار ہوتے ہیں جو عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ اس میزان میں نہیں آنا چاہتے کہ انہیں ہر آدمی کے ساتھ برابر تولا جائے اس لئے تمام سیاسی جماعتوں کے آپس میں اختلافات کے باوجود تمام سیاسی جماعتیں اسلامی نظام کو روکنے کے لئے ہمیشہ مستعد اور متحد ہوتی ہیں۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ نظام ہی رہنا چاہیے۔ یہ نظام تبدیل نہیں ہونا چاہیے، ہمارے ہاں جو نظام رائج ہے وہ کیا ہے؟ وہ انگریز کا عطا کردہ نظام ہے جو اس نے برصغیر کو غلام بنانے اور غلام رکھنے کے لئے وضع کیا تھا۔ جب تک وطن عزیز میں قرآن حکیم کا نظام زندگی

نافذ نہیں کیا جاتا تب تک وطن انگریزی استعماری نظام کی غلامی میں ہے۔

یہی بات یہاں ارشاد ہو رہی ہے **اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحُکْمَ** کہ ان لوگوں کو دیکھو جنہیں ہم نے آسمانی کتابوں سے نوازا حکمت بھرے قوانین عطا فرمائے۔ **وَ النُّبُوَّۃَ** اور ان میں اپنا نبی ﷺ مبعوث فرمایا۔ میں نے نبی ﷺ کے ذریعے اپنی رحمت کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھولا جو چاہے دامان نبوت سے وابستہ ہو جائے اور یہ دروازہ ایک دن کے لئے نہیں قیامت تک کے لئے کھول دیا ہے اور چند افراد کے لئے نہیں ساری انسانیت کے لئے کھول دیا ہے۔ کسی آنے والے پر یہ پابندی بھی نہیں رکھی کہ اس نے کتنا عرصہ کفر وشرک کیا؟ کتنے گناہ کئے بس در رحمت پر آ جاؤ۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں کہو کہ اے اللہ میں نے جو غلط کیا میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ تیرے نبی کریم ﷺ کا دامن تھامتا ہوں۔ تو جس دن بندہ یہ دامن تھام لے گا اسے نور نبوت سے حصہ مل جائے گا۔ اس کا دل روشن ہو جائے گا۔

فرمایا' میں نے ان پر اتنا بڑا احسان کیا اور اتنے بڑے احسان کے بعد **فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا** یہ ایسے بدبخت ہیں کہ اس سے انکار کرتے ہیں حالانکہ انہیں دینا تو کچھ بھی نہیں لینا ہی لینا ہے۔ بخشش الٰہی لینی ہے۔ رضائے الٰہی اور قرب الٰہی لینا ہے پھر بھی یہ کتنے بدنصیب ہیں کہ برکات نبوت کا انکار کر رہے ہیں جبکہ اس انکار کا نتیجہ بھی انہیں بتا دیا گیا تھا کہ جو انکار کرے گا اس کا انجام جہنم ہے تو یہ لوگ کتنی دلیری سے خود جہنم کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔

آپ ﷺ کی تسلی دیتے ہوئے فرمایا' اے میرے حبیب ﷺ! ان کے انکار کی پرواہ نہ کریں اس لئے کہ **وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾** ہم نے بہت سے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے قدموں کو چومتے رہیں گے۔ جو آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ پر جانیں نچھاور کریں گے۔ جو گھر بار، رشتے ناطے چھوڑ دیں گے لیکن آپ ﷺ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔

اعزاز صحابہؓ اور مومنین کے لئے بشارت:

یہ اعزاز بنیادی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے کہ جب پوری دنیائے کفر مخالفت کر رہی تھی انہوںؓ نے اطاعت کا حق ادا کر دیا اور پھر یہ اعزاز ہے قیامت تک آنے والے ہر اس خوش نصیب کا جو دامان رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہوتا ہے۔ کلمہ پڑھتا ہے اور کلمہ پڑھنے کا حق ادا کرتا ہے۔ کلمہ ایمان ایک زبانی دعویٰ ہے۔ اس کلمے پر عمل ہمارے ایمان کا گواہ ہے۔ ہماری سوچ وفکر، عملی زندگی میں ہمارا

کردار ہمارے ایمان کی گواہی دیتا ہے۔ جب ہم **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کہتے ہیں تو **لا الہٗ** کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی ساری امیدیں اس ذات بے ہمتا سے وابستہ کر دیں اور اس کے سوا کسی سے امید نہ رکھیں۔ اس کے سوا نہ کسی کا ہمیں ڈر ہو نہ کسی کی ناراضگی کا خوف اور کلمے کے دوسرے حصے میں **محمد رسول اللہ** کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا اختیار ختم ہو جاتا ہے باقی صرف تعمیل ارشاد رہ جاتا ہے۔ پھر ہمیں وہ کرنا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کرنے کا حکم دیں۔ اور وہاں رک جانا ہے جہاں اللہ کا رسول ﷺ روک دیں۔ یہ اسلام ہے۔ اسی کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے لئے ایسے بندے مقرر فرما دیئے ہیں۔

عظمت صحابہؓ:

یہ آیت مبارکہ صحابہؓ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا لوگ تھے جنہیں اللہ نے ازل سے چن لیا کہ یہ میرے نبی ﷺ کی رفاقت کا حق ادا کریں گے۔ یہ میرے نبی کریم ﷺ کے خادم ہوں گے۔ جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب ﷺ میں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے فضائل میں ایک حدیث مبارک بیان کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کی پیدائش کے لئے جہاں سے اس کے وجود کے بنیادی ذرات لئے جاتے ہیں۔ وہیں اس کی قبر بنتی ہے۔ مدینہ منورہ کی فضیلت کے بارے لکھتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرامؓ کا مدفن مدینہ منورہ میں ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اس زمین کو ایسا پسند فرمایا کہ جب تک دنیا قائم ہے تب تک اپنے نبی کریم ﷺ کا مسکن بھی وہیں پسند فرمایا اور جتنے بھی اعلیٰ خادمان نبوت تھے ان کے لئے بھی اسی خاک کو پسند فرمایا۔ فرماتے ہیں' یہ ایسی مبارک مٹی ہے کہ اللہ نے اس کو یہ سعادت بخشی ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ یہاں آرام فرما ہیں۔ بے شمار اکابر صحابہؓ بھی مدینہ منورہ میں دفن ہیں۔ اِن سب کی خاک اسی شہر سے لی گئی ہے گویا اللہ کریم نے حضور اکرم ﷺ کی رفاقت کے لئے صحابہ کرامؓ کو تخلیقی طور پر یہ فضیلت عطا فرما دی اور یہ بات اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمائی جارہی ہے کہ **وَکَّلْنَا** ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو آپ ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کر دیں گے۔ اس دار دنیا میں اس سے بڑے کسی اعزاز کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کو اللہ اس کام پر مقرر کر دے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کر دے۔

دین پر عمل مشکل نہیں' دین پر عمل کے لئے دل کو آمادہ کرنا مشکل ہے:

ہم مسلمان ہو کر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کبھی اطاعت کر لی یا کہیں اطاعت چھوڑ دی تو خیر ہے۔ لیکن خیر نہیں ہے۔ اللہ کی بارگاہ اور محمد رسول اللہ ﷺ سے رشتہ ہی اطاعت کا ہے۔ اطاعت کا اقرار ہی ایمان ہے اور

اس پر عمل ہی ایمان کا گواہ ہے۔ میدان حشر کے بارے قرآن حکیم میں آتا ہے کہ کہا جائے گا اے نافرمانو! تم نے جو زبانی دعویٰ کیا اس پر تمہارا عمل گواہی نہیں دیتا۔ پھر ہاتھ پاؤں سے گواہی لی جائے گی۔ ہاتھ پاؤں آنکھیں کان سب اس کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ حیران ہو گا اور کہے گا تم نے میرے خلاف کیوں گواہی دی اس کے اعضاء کہیں گے قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ O حٰم السجدہ: 21 وہ اللہ جس نے ہر چیز کو گویائی دی تھی آج اس نے ہمیں قوت گویائی دے دی ہے۔ ہم تو اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ ہم سے جو کام تم نے لئے ہم تو وہ بتائیں گے۔ ہم اللہ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یوں تمام اعضائے بدن وہ سب کچھ بتا دیں گے جو بداعمالیاں ان سے کروائی گئی ہوں گی۔

اسلام دین آسان ہے۔ یہ اللہ کا عطا کردہ نظام ہے۔ اسے مشکل سمجھا جاتا ہے لیکن یہ مشکل نہیں آسان ہے۔ مشکل کام صرف ایک ہے وہ ہے دل سے، دل کی گہرائی سے، خلوص سے فیصلہ کرنا۔ عموماً ہم زبان سے کچھ اور کہتے ہیں دل کہیں اور لگا ہوتا ہے۔ جب بندہ دل کی گہرائی سے یہ فیصلہ کر لے کہ اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ میں اس کو اطاعت کی توفیق دے دیتا ہوں۔ میں اسے ایسے لوگوں سے ملا دیتا ہوں جو اس کی تربیت کرتے ہیں جو اسے نبی کریم ﷺ کی اطاعت سکھاتے ہیں۔ جو اسے اس مقصد تک لے جاتے ہیں، صدق دل سے دل کی گہرائی سے فیصلہ کرنا انسان پر ہے۔

اسلام پر عمل کرنے میں جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا دل مانے۔ دل مان جائے تو اگلا کام اللہ کریم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ وہ کام اس نے کرنا ہے۔ ہم نے نہیں کرنا۔ وہ فرماتا ہے وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ O الشوریٰ: 13 میں اسے ہدایت دے دیتا ہوں جو صدق دل سے میری اطاعت کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے جو میرے لئے مجاہدہ کرتے ہیں وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا O العنکبوت: 69 جو مجھے پانے کے لئے محنت کرتے ہیں میں انہیں اپنی طرف آنے کے کئی راستے کھول دیتا ہوں۔ یہ کام تو اللہ کریم ہمارے لئے خود کر دیتے ہیں۔ بندے کے لئے اس مشکل کام کو آسان کرنے کے لئے تنہائی میں بیٹھ کر، سوچ کر، دل کی گہرائی سے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اسے حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں یہی فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو آپ ﷺ کی کسی بات کا انکار نہیں کریں گے اس میں مومنین کے لئے بشارت ہے۔

اس آیہ مبارکہ کے اولین مصداق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں پھر تابعین پھر تبع تابعین

اور پھر قیامت تک آنے والے تمام علماء دین جو خلوص سے دین کا کام کر رہے ہیں۔ علماء ربانیین جنہوں نے لوگوں کے سینے روشن کر دیئے۔ مشائخ عظام اور صالحین اللہ کے نیک بندے جنہوں نے دراد نیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق ادا کر دیا اور پھر اس آیت کا مصداق ہر وہ بندہ بھی ہے جو عملی زندگی میں اپنی بساط بھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کرے۔

قیامت تک آنے والوں کے لئے کتنا بڑا اعزاز ہے۔ مشائخ عظام وہ ہستیاں ہیں جن کی بہترین کوشش یہ ہوتی ہے کہ اتباع رسالت کی توفیق ارزاں ہو۔ ان کی شب و روز کی ساری محنت کا حاصل ہی یہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے عجیب لوگ ہوتے ہیں! حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ایسی عجیب نابغہ روزگار ہستی تھے۔ الحمد للہ تقریباً ربع صدی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزری۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دنیاوی مسائل بہت بڑے بڑے تھے۔ میں ہمیشہ اللہ کریم سے عرض گزار رہتا ہوں کہ یا اللہ! ایسی مشکلات سے مجھے بچانا' کہ ہمارے اتنے حوصلے نہیں ہیں۔ چونکہ آپ کا پیشہ کاشتکاری تھا تو مزارعین سے معاملات تھے، بھائیوں سے زمین کی ملکیت میں مسائل تھے۔ برادری کے جھگڑے اور علاقائی دشمنیاں سب کچھ ہی تھا لیکن عجیب بات ہے میں نے پچپن برس حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے تہجد سے لے کر عشاء کے بعد سونے تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کام صرف دین کا کام تھا۔ ہم وہاں ہوتے تو بے فکر سو جاتے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ جگا دیں گے۔ تہجد کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ دروازہ کھٹکھٹا دیتے تھے کہ اٹھ جاؤ۔ تہجد کا ذکر کرواتے پھر فجر پڑھاتے بعد ازاں چند شاگرد پڑھنے آ جاتے، اشراق کے بعد اندر تشریف لے جاتے۔ پھر حاجات ضروریہ کے لئے دور نکل جاتے کہ اس وقت گھروں کے ساتھ باتھ روم بنانے کا رواج نہیں تھا۔ واپس آ کر مطالعہ کرتے۔ کھانے اور ظہر سے فراغت کے بعد قیلولہ فرماتے۔ اٹھ کر مطالعہ فرماتے۔ عصر کے وقت لوگ جمع ہو جاتے ان کے مسائل سنتے۔ دینی مسائل بیان فرماتے۔ صلوٰۃ مغرب کے بعد ذکر پھر عشاء پھر آرام کے لئے تشریف لے جاتے۔ یہ معمول صرف گھر کا ہی نہیں تھا۔ سفر میں بھی یہی معمول قائم رکھتے۔ سفر و حضر میں یا اپنے دھیان میں ہوتے یا کسی کو ذکر کرواتے، دینی مسائل بیان کرتے اور کوئی مسئلہ پوچھنے والا نہ ہوتا تو مطالعہ کرتے۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب دیکھی جا رہی ہوتی تھی۔ سب معمولات میں دین، دین اور دین ہی تھا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات تھی۔ اس کا مطلب ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ مقرر کر دیتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تمام معمولات کا یوں تسلسل سے جاری رہنا بتوفیق الٰہی ہی ممکن تھا۔ باقی

سارے دنیاوی بکھیڑے جو ہر انسان کو اس کی بساط کے مطابق گھیرے رہتے ہیں وہ ان کے ساتھ بھی تھے۔ لیکن ان کی حیثیت ثانوی تھی۔ انہیں زمینوں سے اتنی آمدن ہوجاتی تھی کہ گزر ہوجاتا۔ ساتھیوں کی خوراک کا انتظام بھی ہوجاتا تھا وہی نظام آج بھی چل رہا ہے۔ گذارہ ہو رہا ہے۔ دین کا کام بحمد للہ دن رات جاری ہے۔ یہاں سمجھ آتی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ فرما رہا ہے۔ **وَكَّلْنَا** ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں۔ ان میں یہ جذبہ ڈال دیا ہے کہ وہ یہی کرتے رہیں۔ یہی فرمایا' ہم نے ایسے لوگ پیدا کر دیئے ہیں جنہیں دنیا کی کوئی طاقت آپ ﷺ کے اتباع سے نہیں ہٹا سکتی۔ انہیں کفر میں شامل نہیں کر سکتی ان سے انکار نہیں کروا سکتی۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ یہ لوگ جو شب و روز محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن تھامے ہوئے ہیں، کمانے سے خرچ کرنے تک، رشتوں میں دوستی سے دشمنی تک ہر پہلو میں حضور اکرم ﷺ کے انداز کو مدنظر رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کے ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت پر قائم کر دیا **فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ** ط آپ ﷺ سے پہلے آنے والے تمام انبیاءؑ اللہ کریم کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے لہٰذا آپ ﷺ بھی ان کی ہی راہ اپنایئے۔ جس طرح انہوں نے صبر کیا اور اطاعت پر جمے رہے اسی طرح آپ ﷺ بھی یہی راہ اختیار فرمائیں۔

اس آیہ مبارکہ میں آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنے سے پہلے انبیاءؑ کے طریق پر چلئے اور اس میں کفار کو جواب دیا گیا ہے کہ محض آباؤ اجداد کے پیچھے چلنا مقصود نہیں بلکہ ان کا ہدایت یافتہ ہونا شرط ہے۔ اس میں امت کے تمام افراد کے لئے ہدایت ہے کہ ایسے لوگوں کا ساتھ اختیار کرو جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اندازِ زندگانی کے امین ہوں۔ ان کی پیروی کرو جو میرے حبیب ﷺ کے اتباع میں زندگیاں وقف کئے ہوں۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ آگئی کہ ہم جس کو پیر یا رہنما بناتے ہیں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ ہم سے اپنی باتیں نہ منوائے بلکہ ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع سکھائے۔ وہ خود متبع سنت ہو۔ اتباع رسالت کا امین ہو۔ اس کا عقیدہ وہ ہو جو نبی کریم ﷺ نے دیا۔ اس کا کردار وہ ہو جو نبی کریم ﷺ نے بتایا تب وہ ہمیں بھی سکھا سکے گا۔

جو پیر نشہ کرتا ہو، سود کھاتا ہو، ایسے پیر کی کسی کو ضرورت نہیں، پیروی کا معیار ہدایت کا اتباع کرنا ہے۔ یہ کوئی پیری مریدی نہیں کہ بے دین لوگوں کو پیر مانا جائے یا کسی بھی انسان کو مشکل کشا اور حاجت روا مانا جائے۔ بے دین پیر تو خود بے روزگار ہوتے ہیں کسی کو روزگار کیا دلائیں گے؟ خود نکمے ہوتے ہیں کسی کو محنت کرنا کیا سکھائیں گے؟

ہاں وہ پیر' واقعی پیر ہے جو خود سنت رسول ﷺ کا متبع ہو اور اتباع سنت میں رزق حلال کا حصول

اولین شرط ہے۔ یہ شرط ہے کہ وہ اپنی روزی خود پیدا کر سکتا ہو۔ رزق اس کا حلال ہو، کردار اس کا سنت کے مطابق ہو۔ ایسے لوگوں کے لئے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے انداز و اطوار کے امین ہوں۔ فرمایا' **فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ** ان کی پیروی کرو۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ اے میرے حبیب ﷺ! ان لوگوں سے کہہ دیجئے اگر تم کفر کرتے ہو، انکار کرتے ہو تو سن لو میں تو تم سے کسی اجرت کا طلبگار نہیں، میں اللہ کا پیغام پہنچانے، اس کی کتاب سمجھانے، اللہ کے احکام پہنچانے پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ مجھے تو وہی اجر دے گا جس کا کام ہے۔ دین میرا پیشہ نہیں ہے لہٰذا جو دین چھوڑے گا وہ اپنا نقصان کرے گا میرا کچھ نہیں بگاڑے گا۔

دین کی اجرت نہیں ہے:

دین پیشہ نہیں ہے۔ اگر کوئی اللہ اللہ سکھاتا ہے سنت کے مطابق تعلیم دیتا ہے، قرآن حکیم پڑھاتا ہے تو اسے اس کام کی اجرت نہیں دی جا سکتی۔ اجرت اس سے لی جاتی ہے جس کا کام کیا جائے۔ جیسے دنیاوی کام ہم کرتے کرواتے ہیں اور اس پر اجرت لیتے دیتے ہیں۔ دین اور کتاب اللہ کا پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ جس کا کام ہے اس کی اجرت وہی دے گا۔

فقہا فرماتے ہیں کہ آئمہ مساجد کے لئے اور قرآن پڑھانے کے لئے جو استاد مقرر کئے جاتے ہیں تو ان کو نہ امامت صلوٰۃ کی اجرت دی جاتی ہے نہ قرآن حکیم پڑھانے کی۔ انہیں اس وقت کی اجرت دی جاتی ہے جس وقت کے لئے انہیں پابند کیا جاتا ہے۔ چونکہ اسی وقت کو استعمال کر کے وہ مزدوری یا ملازمت کرتے اس لئے انہیں اس وقت کی اجرت دی جاتی ہے ورنہ دین کمائی کا ذریعہ نہیں ہے۔

ہماری تباہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اکثریت پیشہ ور علماء کی ہے جبکہ متقدمین کو دیکھیں تو آئمہ حدیث ہوں یا فقہ و تفسیر کے امام تمام حضرات کاروبار کرتے تھے۔ تجارت اور مزدوری کرتے تھے۔ روزی کے تمام جائز ذرائع استعمال کرتے تھے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ درآمد و برآمد کا کام کرتے اور بحری جہازوں میں ان کا سامان تجارت لدا ہوا آتا اور جاتا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح پڑھ لیجئے۔ بعد کے علماء دین کو پڑھیئے سب ہی معروف ذرائع سے کماتے اور اپنی کمائی شاگردوں اور سیکھنے والوں پر بھی خرچ کرتے تھے۔ جب سے دین پیشہ بن گیا ہے اور ایسے علماء کی کثرت ہوگئی ہے جو اپنی روزی پیدا کرنے کے لئے کوئی کام نہیں کرتے اور زندگی ایسی پر تعیش ہے کہ بادشاہوں کی بھی نہ ہو۔ جائیداد

اور مال و دولت کے حساب سے ارب پتی ہیں اور اس کمائی کا ذریعہ دین کو بنا رکھا ہے۔ تب سے کھوکھلے الفاظ رہ گئے ہیں ان میں سے برکت اٹھ گئی ہے۔ ان میں وہ درد نہیں رہا وہ نور نہیں رہا، وہ بات نہیں رہی اور جہاں کہیں کوئی اللہ کا بندہ ہے اس کے چند الفاظ ہی دلوں کو گھیر لیتے ہیں۔ بندے کی زندگی میں انقلابی تبدیلی آجاتی ہے۔ قرآن حکیم بھی وہی ہے۔ حدیث مبارکہ بھی وہی ہیں۔ دینی احکام ومسائل بھی وہی ہیں جو سب علماء جانتے ہیں لیکن ان سے وہ اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انہوں نے اسے پیشہ بنالیا ہے۔ لہٰذا ایسے پیروں اور ایسے مولویوں سے بچنا چاہیے جنہوں نے دین کو کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ دین سوائے اس کے کچھ نہیں کہ یہ تمام جہانوں کیلئے اللہ کی یاد کا اور نصیحت کا سبب ہے۔ دین ہر شخص کی بہتری چاہتا ہے۔ دین ہر شخص کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش ہے۔ دین ہر شخص کو اللہ کی رحمت سے مستفیض کرنے کی کوشش ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ نہ یہ ذریعۂ معاش ہے نہ چندے اکٹھے کرنے کے لئے ہے۔ نہ یہ کسی کے مال کا محتاج ہے۔ اس کا انحصار کسی کی کمائی پر نہیں ہے کہ مرید زیادہ ہوں گے تو آمدن زیادہ ہوگی اور لوگ چھوڑ دیں گے تو آمدن کم ہوجائے گی۔ ایسا نہیں ہے۔ رزق مالک نے دینا ہے اور رزق کمانے کے ذرائع معروف ہیں جو اللہ کے نبی کریم ﷺ نے واضح کر دیئے ہیں یعنی کاشتکاری، تجارت، ملازمت اور مزدوری۔ یہ چار ذرائع آمدن حلال ہیں ان کو چھوڑ کر کوئی الگ ذریعہ اپنایا جائے جیسے بینک میں رقم رکھ کر سود لینا یہ حرام ہے۔ جواء کھیل کر رقم حاصل کرنا حرام ہے۔ لاٹری کے ذریعے انعامی رقم یا کار وغیرہ حاصل کرنا حرام ہے۔

رزق حلال کے لئے جائز ذرائع اختیار کرنا اسی طرح فرض عین ہے جس طرح صلوٰۃ اور صوم فرض عین ہے۔ دین ہر شخص کی بہتری اور فلاح کا ضامن ہے اور بندے کو اللہ سے ملانے کا واحد ذریعہ ہے یہ ذریعہ معاش نہیں ہے۔

سورۃ الانعام رکوع 11 آیات 91 تا 94

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ

وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۗ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

اوران لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی آپ کہیئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے؟ جس کو موسیٰؑ لائے تھے جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے آپ کہہ دیجئیے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئیے ﴿۹۱﴾ اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تا کہ مکہ والوں کو اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ نماز پر مداومت رکھتے ہیں ﴿۹۲﴾ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آتی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے ﴿۹۳﴾ اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے

اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعوے رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا ﴿۹۴﴾

خلاصۂ رکوع

اے میرے حبیب ﷺ! آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں اس کام کی اجرت تم سے طلب نہیں کرتا ہوں یہ صرف نصیحت ہے اور سارے جہانوں کے لئے ہے۔ انہوں نے اللہ جل شانہٗ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح کی جانی چاہیے جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی وحی، کوئی کتاب نہیں اُتاری تو نبیؑ کی عظمت کا انکار دراصل عظمت الٰہی کا انکار رہے۔ ان سے پوچھیئے کہ جو کتاب موسیٰؑ لائے تھے وہ کس نے اُتاری؟ اس میں بھی لوگوں کے لئے ہدایت تھی۔ وہ سراپا نور تھی۔ وہ ہدایت ہے جس کو تم لوگوں نے علیحدہ علیحدہ صفحوں میں رکھا تاکہ جس چیز کو ظاہر کرنا چاہو بتا دو اور جسے چھپانا چاہو مخفی رکھو۔ جو تمہارے مزاج کے مطابق ہوتی وہ نکال لیتے اور جو تمہیں پسند نہ ہوتی اس صفحے کو چھپا لیتے۔ کتاب کی تو یہ عظمت ہے کہ کتاب الٰہی نے وہ حقائق تم تک پہنچائے جو انسان کو عقلاً یا مادی وسائل سے حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ تمہیں وہ علوم عطا فرمائے جنہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ اگر تم پھر بھی انکار کرتے ہو تو میرے حبیب ﷺ آپ ان سے اعراض فرمایئے انہیں چھوڑ دیجیے کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے پھریں۔ فرمایا' یہ کتاب ہے جسے ہم نے نہایت مبارک اور بابرکت نازل فرمایا۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور آخرت کی خبر دیتی ہے۔ اہل مکہ کو اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو اور جن لوگوں کا آخرت پر یقین ہے وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی عبادات اور اللہ کی اطاعت پر کاربند رہتے ہیں۔ اگر کسی پر وحی نازل نہ ہوئی ہو اور وہ کہتا ہو کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا کہ وہ اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ جیسا اس کتاب کا مضمون ہے ویسا میں بھی بنا سکتا ہوں تو یہ محض باتیں ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو اے کاش! تم دیکھو جب وہ موت کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں جب موت کے فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانوں کو کہ آج تمہیں ذلت کے عذاب کی طرف جانا ہے۔ اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے۔ غیر حق کہتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں تکبر کرتے تھے۔ انہیں روز محشر کو ارشاد ہوگا کہ تمہیں تو

اپنے مال دنیا پر، گاڑیوں اور سہولیات پر اور دوست احباب پر بڑا ناز تھا لیکن آج تم ویسے ہی خالی ہاتھ، ننگے بدن، ننگے سر، ننگے پاؤں آگئے ہو جس طرح تمہیں پہلے دن پیدا کیا گیا تھا اور جتنی نعمتیں تمہیں عطا کی گئی تھیں انہیں تم دنیا میں ہی چھوڑ آئے ہو۔ آج تمہارے ساتھ تمہارا کوئی سفارشی بھی نظر نہیں آتا۔ جنہیں تم دنیا میں اللہ کے مقابلے میں عزیز رکھتے تھے جن پر تمہیں بڑا گمان اور ناز تھا۔ آج ان کے اور تمہارے درمیان وہ رشتے ٹوٹ گئے۔

تفسیر ومعارف

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ انہوں نے اللہ جل شانہٗ کی قدر اس طرح نہیں کی جس طرح کی جانی چاہیے تھی **اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ** جب انہوں نے یہ کہا کہ کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ کسی بشر پر اللہ کی طرف سے کتاب نازل ہونا ممکن نہیں تو ان کے اس اعتراض کا جواب اللہ کریم نے یہ دیا۔ فرمایا' یہ کہنا نبوت کا انکار نہیں یہ عظمت الٰہی کا انکار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں اللہ کی عظمت کا احساس ہی نہیں۔ تمہیں سمجھ ہی نہیں کہ اس قادر مطلق کی شان کیا ہے۔ اللہ کی قدر اور عظمت کو پانے اور اس کا حق ادا کرنے کے لئے نبیؐ کی نبوت پر ایمان چاہیے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کریم کے خطاب براہِ راست سننے کی اہلیت ہر فرد و بشر میں نہیں۔ اس کے لئے اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے بندے منتخب کئے جو ازلی طور پر نبوت کے لئے پیدا کئے گئے۔ سیدنا آدمؑ سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک جتنے نبیؐ ہوئے سب انسان تھے اور آدمؑ کی اولاد میں سے تھے۔ بشر تھے لیکن ایسے خاص بشر جو نبیؐ تھے اللہ کے کلام کو لے کر اس کے بندوں تک پہنچانے کے ذمہ دار بنائے گئے تھے یہ معترضین انبیاءؑ کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں۔

اُمت کے لئے لمحہ فکریہ:

حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سب احکام الٰہی ہیں۔ اللہ کے عطا کردہ ہیں۔ اللہ کریم معاف فرمائے جب افراد امت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کرتے ہیں جس کام سے آپ ﷺ نے روکا ہے وہ کام کرتے ہیں تو یہ صرف نبی علیہ السلام کی نافرمانی نہیں یہ اللہ جل شانہٗ کی نافرمانی ہے۔ یہ درحقیقت اس ہستی کی نافرمانی ہے جس کا حکم نبیؐ پہنچا رہے ہیں۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى فرمایا' ان معترضین سے پوچھیے کہ یہود تو دعویٰ

کرتے ہیں کہ وہ موسیٰؑ کے پیروکار ہیں اور اپنے پاس آسمانی کتاب کے پہنچنے کے بھی دعویدار ہیں تو کیا موسیٰؑ انسان نہیں تھے؟ پھر انؑ کو کتاب کیسے مل گئی۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کسی بشر پر کوئی آسمانی کتاب نازل نہیں ہوئی اور یہ دعویٰ بھی رکھتے ہیں کہ ان کے پاس وہ آسمانی کتاب ہے جو موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ تو یہ کیسا تضاد ہے؟ کیا موسیٰؑ انسان نہیں تھے؟ کیا انؑ کی والدہ ماجدہ نہیں تھیں؟ انؑ کے والد گرامی نہیں تھے؟ وہ بنی اسرائیلؑ میں پیدا نہیں ہوئے تھے؟ کیا انہوں نے فرعون کے محل میں پرورش نہیں پائی تھی؟ لیکن اصل بات یہ ہے کہ معترضین نے اللہ کی عظمت کو نہیں پہچانا۔ اور حق کا انکار کر دیا حالانکہ جس کتاب الٰہی کو موسیٰؑ لائے تھے **نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ** وہ نور تھی۔ ظلمت کے مقابلے میں روشنی تھی اس میں لوگوں کے لئے ہدایت تھی۔ لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ کتاب ھدیٰ کے ورقے الگ الگ رکھتے ہیں **تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا** جو چاہتے ہیں وہ نکال لیتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ دیکھو کتاب الٰہی میں یہ لکھا ہے **وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا** اور اکثر باتیں بتاتے ہی نہیں۔ جو احکام انہیں پسند نہیں۔ ان کے مزاج کے مطابق نہیں۔ انہیں یہ چھپا لیتے ہیں حالانکہ کتاب الٰہی نور اور ہدایت ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کا کمال یہ ہے کہ ان میں تجلیات باری ہوتی ہے۔ انسانوں کی بداعمالیوں کے باعث چھا جانے والی ظلمت اور تاریکی کو کلام الٰہی کا نور دور کرتا ہے۔ کلام الٰہی کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے یہ ظلمت چھٹ جاتی ہے۔ اس میں ہر طرف نور آ جاتا ہے۔ ظلم مٹ جاتا ہے اور انصاف آ جاتا ہے۔ بدی دور ہو جاتی ہے اور نیکوکاری پھیل جاتی ہے۔

نور کا مفہوم:

نورِ حقیقی اللہ کی ذات ہے جو غیر منقسم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝** الاخلاص: 4/3 نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ اس نے کسی کو جنا۔ نہ اس کا کوئی ماں باپ ہے نہ اس کی اولاد ہے۔ نہ اس کے برابر کا کوئی ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ لہٰذا اللہ کا نور اس کی ذات سے مخصوص ہے اور غیر منقسم ہے۔ ایک نور وہ ہے جو ذات باری نے تخلیق کیا ہے اس میں سے فرشتہ اعلیٰ نوری مخلوق پیدا کی گئی ہے اور یہ نوری مخلوق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در کی خادم ہے۔ جو نبی کو بشر نہیں نور مانتے ہیں وہ نبیؐ کو ایک فرشتے کی حیثیت دیتے ہیں جبکہ فرشتہ نبیؐ سے کم تر حیثیت کا مالک ہے کہ نبیؐ کا خادم ہے۔ نبیؐ انسان ہوتے ہیں۔ بنی آدم میں سے ہوتے ہیں لیکن اللہ کے منتخب اور چنے ہوئے خاص بندے ہوتے ہیں۔

انسانِ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم بشریت کی عزت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر کامل ہیں۔ بشر تو وہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم جس کا وجود اقدس وہاں تشریف لے گیا۔ جہاں نوری مخلوق فرشتے بال برابر بھی قدم رکھیں تو تجلیات باری سے جل جائیں۔ یہی فرمایا تھا فرشتوں کے سردار جبرائیل امین نے کہ ان کی حد سدرۃ المنتہٰی ہے اس سے آگے جانا ان کے لئے ممکن نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجود باجود سے تشریف لے گئے جہاں تک اللہ نے چاہا کون جانتا ہے کہ کہ کہاں تک تشریف لے گئے؟ کون ان بلندیوں کی حد مقرر کرسکتا ہے؟ کوئی ہے جو وہاں گیا؟ کس نے دیکھا؟ لیکن یہ بشر کا اعزاز ہے۔ انسان کا اعزاز ہے بشریت اور انسانیت کا اعزاز ہے کہ حقیقی انسان اور خیر البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوع انسانیت میں سے ہیں اور کمال انسانیت ہیں۔ تمام انبیاءؑ انسانیت کا فخر تھے۔

ہم انبیاءؑ کی بشریت کا انکار اس لئے کرتے ہیں کہ دراصل خود کو بشر سمجھ رہے ہوتے ہیں حالانکہ ہم میں بشریت کم اور حیوانیت زیادہ ہے جبکہ انسانیت کا پیمانہ یہ ہے کہ کوئی جتنا تابع ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا وہ انسان ہے اور جہاں سے وہ اطاعت چھوڑ دیتا ہے وہاں سے انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک معیار انسانیت یہی ہے۔

آج کی تباہی کا سبب:

ہماری تباہی کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اتباع رسالت و نبوت کو چھوڑ دیا۔ ہم اپنی مرضی سے جیتے ہیں۔ ہم میں اور نبوت کا انکار کرنے والوں میں بس اتنا فرق رہ گیا ہے کہ وہ انکار کرتے تھے ہم انکار نہیں کرتے لیکن کام ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ دنیا ہی ہماری محبوب ہے۔ دنیا سے ہمارا مقصد حصول زر ہی ہے آخرت کسی پرلے درجے میں رکھتے ہیں کہ ساتھ ساتھ کچھ نمازیں بھی پڑھ لیں۔ مصروفیت بڑھ جائے تو دنیا کا کوئی کام نہیں چھوٹتا عبادت ہی چھوٹتی ہے، صلوٰۃ ہی رہ جاتی ہے، عملی میدان میں مختلف حیلے بہانے کر کے نام بدل بدل کر سود کھانے سے باز نہیں آتے۔ نام بدلنے سے حقیقت شئے تو نہیں بدلتی۔ زہر کا نام تریاق رکھ دینے سے اور تریاق کہہ کر زہر کھانے سے موت ہی واقع ہوگی کہ زہر کی حقیقت موت ہی ہے نام بدلنے سے کیا ہوگا؟ اسی طرح سود کا نام منافع رکھ دیں یا مارک اپ نتیجہ ایک ہی ہوگا جس کا اعلان قرآن حکیم میں کر دیا گیا ہے کہ سود کھانے والوں کے ساتھ اللہ کا اعلان جنگ ہے۔ بندے کی کتنی جرأت ہے کہ وہ اللہ کا اعلان جنگ بھی قبول کرلے اور پھر اس کے ساتھ یہ اصرار بھی ہو کہ وہ انسان ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسانیت کا معیار اتباع نبوی

علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ جتنا ہمارا ایمان وخلوص کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے احکام پر عمل ہے اتنے ہم انسان ہیں ورنہ ہم انسانیت سے گر گئے ہیں اور درندگی اس حد تک آ چکی ہے کہ مساجد میں بم پھٹ رہے ہیں۔ بازاروں میں دھماکے ہو رہے ہیں کیا یہ ظالم اور قاتل انسان ہیں؟ بشر ہیں؟ ان کا ظاہری ڈھانچہ انسانوں کا ہے ان کے اندر روح مر چکی ہے۔ کوئی ایمان دار شخص بلا جواز شرعی کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ جان لینا اس کا حق ہے جس نے زندگی دی ہے۔ جو زندگی دے نہیں سکتا وہ لے بھی نہیں سکتا۔ عدالت بھی اللہ کے قانون کے مطابق سزا دے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ میری رائے میں پاکستان کی عدالتیں بھی ناجائز اور ناروا قتل کرتی ہیں۔ اس لئے کہ قانون شرعی نہیں ہے۔ انگریز کا بنایا ہوا ہے۔ قانون شہادت انگریز کا بنایا ہوا ہے۔ پینل کوڈ 1835ء کا چل رہا ہے۔ اگر قانون شرعی کو چھوڑ کر عدالتیں انگریزی قانون کے مطابق فیصلے کرتی ہیں تو جسے عدالت انصاف کہتی ہے وہ انصاف نہیں ظلم ہے۔ یہ بڑی سخت بات ہے اور حکمرانوں و عدلیہ کو سخت ناپسند آئے گی لیکن حق یہ ہے کہ سچائی ہمیشہ تلخ ہوتی ہے۔ یہ ایک سچائی ہے، حقیقت ہے کہ وطن عزیز کافروں کے بنائے ہوئے قانون پر چل رہا ہے۔ انصاف اور عدل صرف اسلام میں ہے۔ اللہ کے عطا کردہ قانون کے خلاف جو قانون بھی ہوگا اس کے نتیجے میں انصاف ممکن نہیں۔ ہم اس لئے بشریت کا انکار کرتے ہیں کہ ہم خود کو انسان سمجھتے ہیں اور یہ تو اللہ ہی جانے ہم کیا ہیں؟ ہمارا کردار انسانیت سے کوسوں دور ہے۔

کتاب ھدیٰ اور نظام زندگی:

انسان اور بشر جسے اللہ نے نور نبوت سے نوازا اور اپنے کلام سے ہمکلام فرمایا۔ جسے یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ساری مخلوق میں افضل ہے۔ اس کی رحمۃ للعالمینی کے طفیل ہم گناہگاروں کو اللہ کریم سے بات کرنے کی سعادت نصیب ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو چاہتا ہے کہ اپنے رب سے باتیں کرے فلیقراء القرآن وہ قرآن پڑھے۔ ہم قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک کتاب ہے جو اللہ نے بھیج دی نبی کریم ﷺ نے اُمت تک پہنچا دی یہ سب کے لئے ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے لیکن یہ کتاب تو امت کے ایک ایک فرد کے لئے ہے لہٰذا اسے اس انداز سے پڑھنا چاہیے کہ جو بات اس میں کہی جا رہی ہے وہ اللہ کریم مجھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ یہاں جاؤ اور یہاں نہ جاؤ۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ قرآن پڑھنے کا کیا لطف ہے؟

موسیٰؑ پر جو کتاب نازل ہوئی وہ بھی کتاب ھدیٰ تھی اور قرآن حکیم ھدی للناس ہے۔ عربی لغت

میں کسی کام کے کرنے کے صحیح طریقے کو ھُدیٰ کہتے ہیں۔ صحیح طریقہ ہمیشہ سہل ترین ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ غیر شرعی طریقوں سے کماتے ہیں وہ اپنا پیٹ تو بھر لیتے ہیں لیکن چھپ چھپ کر لوٹتے ہیں۔ آرام سے کھا نہیں سکتے۔ عزت سے محروم ہوتے ہیں۔ سکون نہیں ہوتا۔ طرح طرح کی پریشانیوں گھیرے رکھتی ہیں۔ خوف اور اندیشہ ہراساں رکھتا ہے اور جو لوگ شرعی طریقے سے کماتے ہیں انہیں نور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے۔ توفیق عمل بھی عطا ہوتی ہے اور سکون بھی نصیب رہتا ہے۔ اس لئے کہ ہر غلط کام مشکل ہوتا ہے اور صحیح طریقہ آسان ہوتا ہے۔ فرمایا' یہ کتاب محض کتاب نہیں جو موسیٰ کو عطا فرمائی گئی یہ نورِ قرآن حکیم بھی سراپا نور ہے۔ اس کا ہر حکم نور ہے۔ نور سے مراد انصاف ہے۔ عزت وحفاظت ہے۔ یہ ظلم کو ختم کرتی ہے۔ ہر کام کے کرنے کا صحیح طریقہ بتاتی ہے اور ساری اولاد آدم کے لئے ہے۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس کتاب ھُدیٰ ہے تو وہ دنیا بھر میں کافروں سے کیوں پٹ رہے ہیں؟ اور کافر کیسے عیش کر رہے ہیں؟ اس کا بڑا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کفار نے اسلام کے عطا کردہ اصول زندگانی جہاں جہاں اپنائے ہیں وہاں وہاں وہ اس کے دنیاوی ثمرات پا رہے ہیں اور مسلمانوں نے اسلام کو عملی زندگی میں خیر باد کہہ دیا ہے کافروں کے انداز زندگانی اپنالیے ہیں اس لئے وہ کافروں کے رحم وکرم پر آگئے ہیں۔

کافروں نے اس بات کی کھوج لگائی کہ مسلمان کس طرح پوری دنیا میں چھا گئے تھے؟ تو تاریخ نے اپنے خزانے کھول دیئے۔ انہیں پتہ چل گیا کہ اسلام تھوڑے عرصے میں کس طرح روئے زمین پر پھیل گیا!

اس بوڑھے آسمان کو یاد ہے۔ ایک اکیلے اللہ کے رسول ﷺ نے توحید کا نعرہ بلند کیا۔ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ خواتین میں خدیجہ الکبریٰؓ بچوں میں حضرت علیؓ شامل ہوئے۔ یوں آپ ﷺ ایک سے چار ہوئے پھر ایک ایک فرد شامل ہوتا گیا اور ایک دن صحابہؓ کی تعداد چالیس ہوگئی۔ جس دن صحابہ کرامؓ کی تعداد چالیس ہوئی انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور اکرم ﷺ کافر تو بتوں کو بیت اللہ میں پوجیں اور ہم گھروں میں صلوٰۃ ادا کریں۔ اجازت عطا ہوگئی۔ صحابہؓ بیت اللہ روانہ ہوئے۔ بڑا معرکہ بپا ہوا انہیں روکنے کے لئے ہر حربہ آزمایا گیا یہاں تک کہ عورتوں نے پانی کے گھڑے پھینکے، ابوجہل نے مسلح دستے بھیج دیئے کہ سب کو قتل کر دیا جائے لیکن اہل قریش نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ لوگ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں قتل کرو گے تو کس کس سے مقابلہ کرو گے۔ انہیں جانے دو۔ اسلامی نظام زندگی جو چند لوگوں پر نافذ تھا وہ مکہ

مکرمہ کے تیرہ برس اور بعد ہجرت مدینہ منورہ کے دس برس میں جزیرہ نمائے عرب پر نافذ ہو چکا تھا۔ اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ جب دین مکمل ہو گیا اور حضور اکرم ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے تو خلفائے راشدین نے اپنے زرین عہد کے ابتدائی تیس برسوں میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام شمال میں سائبریا سے جنوب میں افریقہ تک۔ مغرب میں ہسپانیہ سے چین تک پہنچا دیا۔ اور یہ اتنی بڑی ریاست بنی کہ دنیا میں پھر اس کے بعد اتنی بڑی ریاست کبھی نہ دیکھی گئی اور صرف علاقے فتح نہیں ہوئے بلکہ جہاں جہاں صحابہؓ پہنچے اسلامی نظام کی برکات سے لوگ از خود مسلمان ہوتے چلے گئے۔

مغربی مفکرین نے اسی بات کو مرکز ومحور بنایا کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہؓ جہاں گئے تو لوگ بخوشی ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ یوں انہوں نے ترقی کا راز پالیا۔ آج ان کی تجارت میں اسلامی قوانین رائج ہیں ان کے نظام حکومت وسیاست میں فوجی ڈسپلن میں، محکمانہ نظام میں وہ چیزیں ملتی ہیں جو فاروق اعظمؓ نے نافذ کی تھیں۔ برطانیہ کو فلاحی ریاست بنانے کے لئے عمر فاروقؓ کا تیار کردہ نظام لاگو کیا گیا جس میں بے روزگاروں کو الاؤنس، بیواؤں کو الاؤنس، شیر خواروں کے لئے الاؤنس، تعلیم کی سہولت، بیماروں کا علاج اور بے گھروں کو گھر مہیا کرنے کا اہتمام ہوا۔ اور برطانیہ کے دفاتر میں کام کرنے والے ان اصولوں کو Omer's law عمر زلاء کہا کرتے تھے۔ جہاں جہاں اہل مغرب نے اسلامی اصولوں کو اپنایا وہاں انہیں دنیاوی کامیابی ملی۔ چونکہ آخرت پر ان کا یقین نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت پر ان کا ایمان نہیں اس لئے ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا فائدہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ اور جہاں جہاں انہوں نے اسلامی اصول نہیں اپنائے وہاں وہ دنیاوی طور پر تباہ حال ہیں مثلاً ان کی معیشت سودی ہے جس سے معاشی توازن خطرناک حد تک بگڑ چکا ہے۔ آج وہ زکوٰۃ کی طرز کے نظام کے خواہاں ہیں۔ اسی طرح مرد وعورت کے تعلقات میں انہوں نے اسلامی قانون کو نہیں اپنایا تو آج ان کا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ شراب نے ان کے مزاج کو مسخ کر دیا ہے۔

آج بھی وہ روئے زمین پر کہیں اسلامی نظام کا نفاذ برداشت نہیں کر پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں جب طالبان نے اسلامی نظام کو نافذ کرنا شروع کیا اور پہلے مرحلے میں انہوں نے ملک کو حفاظت فراہم کی۔ پورا افغانستان غیر مسلح ہو گیا۔ ہر کسی کی جان ومال اور آبرو کو اتنا محفوظ کیا گیا کہ لوگوں نے از خود اسلحہ حکومت کے پاس جمع کروا دیا۔ فوری اور سستا انصاف جائے وقوعہ پر مہیا کیا گیا۔ ابھی اتنا ہی کر پائے تھے کہ امریکہ کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے اور افغانستان پر حملے کا جواز پیدا کرنے کے لئے امریکہ نے خود اپنے ملک میں فلک بوس عمارتیں گرا کر تباہ کر دیں اور طالبان پر چڑھ دوڑے۔ اس وقت کے

امریکی صدر نے ان الفاظ میں کہا

They were going to destroy our culture round the glob.

کہ یہ محض طالبان کی حکومت نہیں تھی یہ تو ہماری تہذیب کو تباہ کرنے والے تھے۔ واقعی اگر اس اسلامی نظام کو پنپنے دیا جاتا تو اہل امریکہ خود امریکہ میں بیٹھے اس نظام کے دلدادہ ہو جاتے اور اسلامی تہذیب کو اپنا لیتے پھر مغربی تہذیب خود دم توڑ جاتی۔

مسلمان کہنے کو تو دنیا میں دو ارب کے لگ بھگ ہیں۔ چھپن اسلامی ریاستیں ہیں لیکن غیرتِ اسلامی نہیں تھی۔ معصوم بچوں عورتوں اور جوانوں پر بارود کی بارش کی گئی لیکن کسی نے اُف تک نہ کی۔ اگر چھپن مسلمان ریاستیں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اُٹھ کھڑی ہوتیں تو انصاف اور عدل سے زمین بھر جاتی۔ لوگ اسلام کی برکات سے بہرہ ور ہو جاتے لیکن یہ حکومتیں کیسے کھڑی ہوتیں؟ یہ حکمران تو خود عیش کر رہے ہیں۔ یہ تو خود اس بات سے ڈرتے ہیں کہ طالبان حکمرانوں کی طرح انہیں بھی عوام کے ساتھ دال روٹی کھانی پڑے گی۔ عوامی سطح پر زندگی گزارنا پڑے گی اس لئے یہ کسی نظام ریاست میں اسلامی نظام کا نفاذ نہیں چاہتے۔ وہی کرتے ہیں جو اس وقت کے یہود نے کیا جس کے بارے یہ آیت بتاتی ہے تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا جو بات اپنے لئے فائدہ مند سمجھتے ہیں اس کا ورقہ کتاب سے نکال کر دکھاتے ہیں اور جو بات پسند نہیں وہ ورقہ نہیں نکالتے اور اکثر باتیں بتاتے ہی نہیں حالانکہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں وہ حقیقتیں بتائیں جو پشتوں سے تمہارے آباؤ اجداد بھی بھول چکے تھے۔ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ حضرت عیسیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے جو عہد فترت کہلاتا ہے۔ اس عرصے میں لوگ ان حقائق سے ناآشنا ہو چکے تھے کہ اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ اس کی ذات کیسی ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ آخرت کیا ہے؟ ابدی زندگی کیا ہے؟ اس کی راحت و تکلیف کا باعث کیا ہے؟ فرشتے کیا ہیں؟ جنت و دوزخ کیا ہے؟ یہ وہ حقیقتیں ہیں جو بغیر نبیؑ اور کتاب الٰہی کے تم نہیں جان سکتے تھے اللہ نے تم پر بڑا احسان کیا۔ پھر بھی اگر تم نہیں مانتے تو ان سے کہہ دیجئے۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ مجھے اللہ کافی ہے۔ تم نہیں مانتے تو نہ مانو اور یہ بہت بڑی سزا ہے۔ بڑی سخت سزا ہے۔ فرمایا انہیں چھوڑ دیں۔ جس گمراہی میں یہ بھٹکتے پھرتے ہیں انہیں بھٹکنے دیں۔

سب سے بڑی سزا:

جس سے نبی ﷺ رُخ انور پھیر لیں اس کے پاس دو عالم میں کوئی جائے پناہ نہیں۔

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو تیرے آستاں سے اٹھتا ہے

جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے رخ پھیر لیا اس کی دنیا بھی گئی۔ آخرت بھی گئی۔

ساری بداعمالیاں دھونے کے لئے دامانِ رسول ﷺ سے وابستہ ہونا ضروری ہے:

سمجھنے کے لئے چھوٹی سی بات ہے۔ نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں۔ خطا کاروں کے لئے جائے پناہ ہیں۔ ہم سوچتے وقت، کام کرتے وقت اور کچھ کہتے ہوئے یہ سوچ لیں کہ میں جو کر رہا ہوں کہیں اس سے آقا ﷺ خفا تو نہیں ہو جائیں گے؟ رخ انور تو نہیں پھیر لیں گے؟ آج اگر ہم مسلمان بحیثیت قوم اس فکر کو اپنا لیں تو انقلاب آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ ہر بندہ خود بخود بدل جائے گا۔ انقلاب غارتگری کا نام نہیں۔ انقلاب تبدیلی کا نام ہے۔ اچھی تبدیلی سے امن آتا ہے اور بری تبدیلی سے تباہی آتی ہے۔ انقلاب اسی تبدیلی سے آسکتا ہے کہ ہم اللہ کی عظمت کو پہچانیں۔ اس کا احسان مانیں کہ اس نے اپنا حبیب ﷺ مبعوث فرمایا اپنا کلام قرآن حکیم نازل فرمایا اور اپنے افکار و کردار کو نبی کریم ﷺ کے اتباع میں لے آئیں۔ اللہ خلوص دے تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے اور انسان اپنے آپ پر محنت کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ دوسرے کیا کر رہے ہیں نہ یہ کوئی دلیل ہے کہ دوسرے بہت سے لوگ حضور اکرم ﷺ کو ناراض کر رہے ہیں تو ہم بھی کر دیں۔ ایسا وہی سوچتے ہیں جو دنیاوی لذات کے اسیر ہو چکے ہیں۔ اور اُخروی لذات سے بے خبر ہیں۔

دامان رسول ﷺ سے وابستہ ہونے میں ہی دنیا کی حقیقی لذتیں بھی ملتی ہیں اور اخروی لذات بھی عطا ہوتی ہیں جو دنیا کے سرد و گرم کو حوصلے سے برداشت کرنے کا عزم عطا کرتی ہیں۔ ہم خود دامان رسول ﷺ سے وابستہ ہو جائیں تو دوسروں کو بھی اسلام کے دامن میں لانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

فرمایا' **هٰذَا كِتٰبٌ** یہ عظیم کتاب ہے بے مثل و بے مثال ہے۔ یہی کتاب ہے جسے کتاب کہا جا سکتا ہے۔ یہ ہی وہ کتاب ہے جسے الکتاب کہلانے کا حق حاصل ہے۔ جس کا ہر لفظ حرف آخر ہے۔ جس کی ہر بات قطعی، حتمی اور یقینی ہے۔ جس میں تبدیلی کا تصور ہی نہیں۔ اس کی کوئی آیہ کریمہ ایسی نہیں کہ بعد والا وقت اسے غلط ثابت کر دے اور اس کی جگہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا پڑے۔

کتاب الٰہی ہر موضوع پر حرف آخر ہے:

علم کے بے شمار موضوعات ہیں اور ایک ایک موضوع پر لاکھوں کتابیں مل جاتی ہیں لیکن ہر کتاب کسی

موضوع پر حرفِ آخر نہیں ہوا کرتی۔ جیسے طب ایک موضوع ہے اس پر بے شمار کتابیں ملیں گی جو مختلف لوگوں کے تجربات، مشاہدات اور آراء کا نتیجہ ہوں گی ان کے بعد آنے والے جب تحقیق کریں گے تو بعض اوقات وہ اپنے سے پہلے تجربات کرنے والوں کی تردید کردیں گے نئی تحقیق کچھ اور پہلو سامنے لائے گی جو پہلوں کی رائے سے مختلف ہوگی۔ یہی حال سائنسی تحقیق کا ہے بعد والے پہلے والوں کی تھیوری کو غلط ثابت کردیتے ہیں لیکن قرآن حکیم وہ کتاب ہے جس کا ہر لفظ حرف آخر ہے۔

الحمدللہ اس وقت دنیا میں چھپن کے قریب مسلمانوں کی ریاستیں ہیں لیکن سوائے مشرق وسطیٰ کی چند ریاستوں کے کہیں بھی اسلامی قوانین نافذ نہیں۔ شرق اوسط کی ان چند ریاستوں میں بھی صرف حدود اسلامی کی حد تک اسلامی قانون رائج ہے باقی سارے قوانین ان کی اپنی مرضی کے ہیں۔ باقی ساری مسلمان ریاستوں میں کفار کے دیئے ہوئے ضابطے اور قوانین پر تو عمل ہوتا ہے لیکن جب قرآن کے ضابطوں کے نفاذ کی بات کی جائے تو حکومتی ارکان بالخصوص پاکستان میں برسراقتدار لوگ یہ واویلا کرتے ہیں کہ نفاذ اسلام کی بات کرنے والے دراصل ہمیں پتھر کے زمانے میں لے جانا چاہتے ہیں۔ جہالت کے دور میں لے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ کتنے جاہل ہیں کہ اسلام کے سنہری دور کو جہالت کا دور سمجھتے ہیں۔ قرآن حکیم تو اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے لئے ہے اور انسانی زندگی کے موت و حیات کے تمام تعلقات پر محیط ہے۔ تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے اصول وضوابط کا احاطہ کرتا ہے۔ موجودہ دور کے نام نہاد دانشور کہتے ہیں کہ زمانہ بہت تبدیل ہوگیا ہے اور اسلام کے قوانین دور قدیم کے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ صرف ذرائع بدل گئے ہیں۔

قرآن حکیم کے اصول ہر عہد کے لئے کارگر ہیں:

قرآن حکیم نے ایسے اصول بتائے ہیں جو زمانے کے ساتھ پرانے نہیں ہوتے۔ ہر عہد میں اتنے ہی کارگر ہیں جتنے نزول کے وقت کارگر تھے۔ یہی اس کتاب کی شان ہے اور اسی کی طرف اللہ کریم رہنمائی فرما رہے ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کبھی کسی تبدیلی کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اس میں ایسے اصول ہیں جو انسانی زندگی کا قیام قیامت تک ساتھ دیتے رہیں گے اور انسان کی رہنمائی کرتے رہیں گے لہٰذا یہ کہنا نہایت بودی بات ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے۔

کیا بدل گیا ہے؟ کیا قدیم زمانے کے لوگوں کو بھوک لگتی تھی اور آج کے لوگوں کو نہیں لگتی۔ اس زمانے کے لوگوں کو نیند کی ضرورت ہوتی تھی آج نہیں ہوتی؟ اس زمانے کے لوگ کسی غرض کے لئے سفر کرتے

تھے آج کیا بے مقصد پھرتے ہیں؟ اس زمانے میں یہی رات دن نہیں تھے؟ اس زمانے میں زراعت، تجارت، ملازمت یا مزدوری نہیں کی جاتی تھی؟

آج بھی تمام انسانی ضرورتیں وہی ہیں جو زمانہ قدیم میں تھیں۔ نہ انسان بدلا ہے نہ اس کی انسانی ضروریات بدلی ہیں۔ پیدائش سے لے کر صحت و بیماری اور موت تک سب کچھ وہی ہے۔ صرف وسائل و ذرائع بدل گئے ہیں۔ ہر زمانے کے وسائل اپنے عہد کے مطابق ہوتے ہیں۔ پہلے اونٹ گھوڑے پر سفر ہوتا تھا آج جہاز اور کار پر ہوتا ہے۔ سفر کی ضرورت تب بھی تھی آج بھی ہے۔ کاروبار تب بھی ہوتا تھا اب بھی ہوتا ہے صرف وسائل بدل گئے ہیں۔ لباس کی ضرورت تب بھی تھی اب بھی ہے اب صرف کپڑے کی صنعت کے انداز بدل گئے ہیں۔ جنگیں تب بھی ہوتی تھیں اب بھی ہوتی ہیں۔ اسلحہ بدل گیا ہے۔ ضروریات انسانی وہی ہیں صرف تکمیل ضرورت کے اسباب بدل گئے ہیں۔ قیامت تک انسان اسی طرح پیدا ہوتے رہیں گے دنیا سے جاتے رہیں گے۔ بیمار اور صحت مند ہوں گے۔ کاروبار زندگی رواں دواں رہے گا سفر ہوگا حضر بھی ہوگا اور قرآن حکیم کے تمام اصول کسی زمانے میں پرانے نہیں ہوں گے۔ یہ ہر عہد میں اتنے ہی کارگر رہیں گے جتنے نزول کے وقت کارگر تھے۔

قرآن حکیم میں تجلیات باری ذاتی ہیں:

فرمایا' **اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ** اسے ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی کتاب ہے اس میں برکات ہیں۔ عربی کا ایک مقولہ ہے'' کلام الملوک ملوک الکلام'' بادشاہوں کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔ کلام میں متکلم کی ذات کا اثر ہوتا ہے۔ ہر بات کہنے والے کی بات میں اس کی ذات کا اثر جھلکتا ہے۔ یہ کتاب اپنی شان میں بلند ہے کہ یہ احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس میں وہ تجلیات اور برکات ہیں جو اللہ کی ذات سے متعلق ہیں۔

قرآن حکیم سے بڑا کوئی وظیفہ نہیں:

اگر کوئی بطور وظیفہ پڑھنا چاہے تو سورۂ فاتحہ سے شروع کرے اور والناس تک پڑھتا چلا جائے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں۔ اس میں صرف اصول و قواعد ہی نہیں برکات الٰہیہ اور تجلیات ذاتی بھی ہیں جو باعث برکت ہیں۔ قرآن حکیم کے پڑھنے سے علوم کے خزانے کھلتے ہیں۔ زندگی بسر کرنے کا شعور آتا ہے۔ عظمت انبیاءؑ کا پتہ چلتا ہے۔ نیک بندوں کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ لین دین کے طریقوں کی سمجھ آتی ہے۔

معاملات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کے تعلقات، والدین کے حقوق، بہن بھائیوں سے تعلقات، بیوی کے گھر والوں سے نباہ کس طرح کرنا ہے۔ قوموں اور ملکوں کے معاملات، سیاسیات، کاروبار غرض ہر کام کی رہنمائی ملتی ہے لیکن اس کے علاوہ قرآن حکیم کی تلاوت برکت کا باعث ہے کہ اس میں برکات ہیں۔ اور قرآن حکیم کی تلاوت کا اصول یہی ہے کہ جب بھی تلاوت کرتے ہوئے والناس پر پہنچیں تو پھر پہلے پارے کا ایک رکوع پڑھ کر چھوڑیں تاکہ تلاوت میں تسلسل رہے۔ یعنی تلاوت مسلسل ہونی چاہیے۔ اللہ کا کلام نہ صرف سب سے بڑا وظیفہ ہے نہ صرف زندگی گزارنے کی مکمل رہنمائی ہے بلکہ حقائق اخرویہ کی نقاب کشائی بھی کرتا ہے۔ موت کی خبر دیتا ہے اور مابعد الموت کی باتیں بھی بتاتا ہے۔ قبر سے حشر تک کی بات بتاتا ہے۔ اور جنت و دوزخ کا نقشہ کھینچ دیتا ہے۔ روح کا سفر عالم امر سے بیان کرنا شروع کرتا ہے شکم مادر، دار دنیا اور اخروی انجام تک کے تمام مرحلوں کو بیان کرتا چلا جاتا ہے۔

مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ یہ اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کے حقائق کی تصدیق کرتی ہے۔ بعثت عالی اور نزول قرآن سے صدیوں پہلے آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دنیا میں تشریف لائے اور بتایا کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے اس کی ذات اور صفات سے مطلع فرمایا۔ موت کے بعد کی زندگی، قبر و حشر و دوزخ کی خبریں دیں۔ جتنی خبریں حضرت آدمؑ نے دیں ہر آنے والے نبیؑ نے ان سب کی تصدیق فرمائی اور ہر الہامی کتاب اور صحیفہ آسمانی میں ان خبروں کی تصدیق ہوتی رہی۔ یہ باتیں ہمیشہ تسلسل سے بتائی جاتی رہیں کہ آخرت ہے۔ جہاں نیکی کا اجر ملے گا اور برائی کی سزا ملے گی ہر کتاب نے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کی۔ قرآن حکیم کا یہ معجزہ ہے کہ قرآن حکیم سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں بہت پہلے نابود ہو چکی تھیں۔ ان کی اصل عبارت اور ان کے حقائق معدوم ہو چکے تھے۔ عیسیٰؑ پر نازل ہونے والی کتاب میں تبدیلیاں آ چکی تھیں تحریف اور تبدیلیوں نے اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ قرآن حکیم کا یہ کمال ہے کہ یہ کتاب پانچ سو سال پہلے آئی اور سارے حقائق پھر سے روشن کر دیئے۔ پہلی کتابوں پر جو غبار بیٹھ چکا تھا قرآن حکیم نے ان حقائق کو واضح کر دیا۔ احکام الٰہی تو ہر کتاب میں تبدیل ہوتے رہے کہ تمام کتابیں اپنے اپنے زمانے کے لئے نازل ہوئی تھیں لیکن خبر میں تبدیلی نہیں آئی۔ عقائد ہمیشہ وہی رہے۔ قرآن حکیم نے ان عقائد ضروریہ کی تصدیق کی جو ہر کتاب الٰہی کا حصہ تھے۔ یہ بات قرآن حکیم کے حق ہونے کی بڑی واضح دلیل ہے۔ سچ ہمیشہ سچ ہوتا ہے۔ صدیوں بعد بھی سچ بتانا قرآن حکیم کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دنیا کے سب سے اچھے اور نیک، بھلے اور سچے لوگ اللہ کے نبیؑ تھے۔ کم و بیش سوا لاکھ انبیاء کرامؑ دنیا پر تشریف لائے۔ کون

بد بخت یہ سوچ سکتا ہے کہ نیک ترین اور معصوموں کا یہ گروہ معاذ اللہ جھوٹ پر متفق ہو گیا۔ یعنی جسے کتاب کے احکام یا کتاب کی روایات میں شک گزرتا ہے تو اس کا شک کرنا سوا لاکھ انبیاءؑ اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کی صداقت پر شک کرنا ہے۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ فرمایا' اس بابرکت اور حقیقی کتاب کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ اہل مکہ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو متنبہ کریں۔

انذار کا مفہوم:

عربی لفظ انذار کا اردو میں ترجمہ ''ڈر'' لکھا جاتا ہے جو اس کے مفہوم کو ادا نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ڈر اردو کا ایک عام لفظ ہے جو ہر قسم کے خوف کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے تاریکی سے ڈرنا، چور، ڈاکو سے ڈرنا، کسی درندے سے ڈرنا وغیرہ۔ عربی لفظ انذار کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی کسی کو آنے والے خطرے کے آنے سے پہلے خبردار کردے۔ مثلاً کوئی مسافر کسی راستے پر سفر کر رہا ہو اور کوئی راستے سے آگاہ شخص اسے بتا دے کہ اس راستے پر فلاں مقام پر ڈاکو لوٹ مار کرتے ہیں لہٰذا اس راستے سے بچنا یعنی آنے والی تباہی کا اس کے آنے سے پہلے بتا دینا انذار ہے۔ یہاں یہی فرمایا کہ آپ ﷺ اہل مکہ اور آس پاس والوں کو ان خطرات سے متنبہ کردیں جو ان کے کفر کے باعث ان پر موت کے وقت، موت کے بعد، برزخ میں، میدان حشر میں اور جہنم کے عذاب کی صورت میں آنے والے ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ سے مراد یہ ہے کہ اہل مکہ جو اس بنیادی نقطہ زمین پر بیٹھے ہیں ان کو بھی متنبہ کریں اور یہاں پھیل کر زمین جہاں تک گئی ہے وہاں تک کے انسانوں کو بھی ان خطرات سے آگاہ کریں یعنی آپ ﷺ تمام نوع انسانی کو آخرت میں پیش آنے والے خطرات سے بروقت مطلع فرمادیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ جسے آخرت کا خیال ہوگا وہی اس کتاب کو مانے گا۔ جسے یہ یقین ہوگا کہ اس زندگی کے بعد بھی زندگی ہے وہی کتاب پر عمل کرے گا۔ یعنی پہلے آخرت کا اعتبار ضروری ہے پھر عمل کی توفیق نصیب ہوگی۔ جنہیں آخرت پر ایمان نصیب ہے وہی اس کتاب کے حرف حرف کو مانیں گے۔ ماننے سے مراد ہے کہ اس پر عمل کریں گے۔

زبانی ماننا بھی اسلام ہے لیکن اس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے:

کلمہ پڑھنا یا خود کو مسلمان کہنا یہ زبانی دعویٰ ہے۔ ہر دعوے کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت اور دلائل

چاہییں۔ زبانی دعویٰ اسلام کا ثبوت بندے کا عمل ہے۔ جب وہ عمل کرتا ہے تو ثبوت ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ پانچویں یا چھٹی ہجری کے ایک بزرگ کا قول ہے فرماتے تھے کہ اگر آج اللہ کریم صحابہ کرامؓ کو دنیا میں بھیج دیں تو صحابہؓ مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ کون سی مخلوق ہے۔ یہ تو انسان ہی نہیں لگتے۔ اور لوگ ان کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ قدیم لوگ جو آ گئے ہیں یہ تو عقل سے ہی عاری لگتے ہیں۔

اب ہم پندرھویں صدی میں ہیں اور حالت یہ ہے کہ جو لوگ سود نہیں لیتے رشوت نہیں لیتے حرام نہیں کھاتے، حق پر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں آج کے جدید دور کے لوگ پاگل اور بیوقوف کہتے ہیں۔ بلکہ آج کے وفاقی وزیر ذرائع ابلاغ یہ کہنے میں باک محسوس نہیں کرتے کہ کرپشن Corruption آج کل سب سے اچھا ذریعہ آمدن ہے اور جو کرپشن نہیں کر رہا وہ بیوقوف ہے کہ اپنا نقصان کر رہا ہے۔ سو فرمایا' جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ اللہ کی کتاب کو بھی مانے گا۔

وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩٢﴾ اللہ کریم نے **يُحَافِظُونَ** کا لفظ استعمال فرما کر بڑے خوبصورت انداز سے مفہوم واضح فرمایا ہے۔ یعنی جو آخرت پر ایمان رکھے گا وہ اپنی عبادات کی بھی حفاظت کرے گا۔ عمل کرنا اور بات ہے اور اس عمل کی حفاظت کرنا، اس طرح کرنا کہ اس کا حق ادا ہو جائے یہ اور بات ہے۔ ایک کام کرنا اور بات ہے اور اس کی حفاظت کرنا دوسری بات ہے۔ حفاظت سے مراد ہے کہ اس کی تمام جزئیات کا تحفظ کیا جائے۔ محض خانہ پری نہ ہو۔ **عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ** سے مراد ہے کہ وہ لوگ اپنی صلوٰۃ کی اپنی عبادت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اپنے لباس کو پاک رکھتے ہیں۔ باوضو رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اوقات کی فکر رکھتے ہیں۔ وقت صلوٰۃ آجائے تو فوراً ادا کرتے ہیں۔ رکوع و سجود اور ارکان کی ادائیگی درست کرتے ہیں۔ یعنی صلوٰۃ کی حفاظت کا تعلق بھی ایمان بالآخرۃ سے ہے۔ اگر آخرت پر یقین نہیں تو پھر یہ مشقت کوئی کیوں کرے گا؟

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ اس آیہ مبارکہ میں قرآن حکیم کے کتاب اللہ ہونے پر حضور اکرم ﷺ کی ذات والا

صفات کو بطور دلیل ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کفار یہ کہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے معاذ اللہ یہ کتاب خود گھڑی ہے۔ اس پر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی سے تو تم واقف ہو کہ آپ ﷺ تمہارے شہر میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی، بچپن، لڑکپن تمہارے ساتھ گذرا جوانی تمہارے درمیان بیت گئی۔ کہولت یعنی چالیس برس کی عمر مبارک ہو چکی ہے۔ جس ہستی نے چالیس برس کسی بات میں جھوٹ نہیں کہا وہ یکا یک اللہ کریم پر جھوٹ بولنے لگ جائے گا؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ فرمایا یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ تو کوئی انتہائی ظالم آدمی اور بدترین خلائق ہوگا جو ایسا کہے گا۔ اور وہ شخص بھی سخت جھوٹا اور ننگِ انسانیت جو یہ کہے گا کہ اس پر وحی آتی ہے جبکہ اس پر وحی نہیں آئی ہوگی۔ ہر گناہ اس کی ذات میں موجود ہوگا جس طرح مرزا قادیانی کذاب تھا۔ اس کی ذات میں ہر گناہ جمع تھا۔

میرے ایک دوست تھے پڑھنے کا خاصا ذوق تھا ان کو کسی نے قادیانی لٹریچر پڑھنے کے لئے دیا اور کہا کہ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں۔ مطالعہ کر کے بتائیے۔ انہوں نے کچھ دن بعد کتابیں اس شخص کو لوٹا دیں اور کہا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ جس شخص کی یہ کتابیں ہیں یہ تو انسان ثابت نہیں ہوتا تم اسے نبی مانتے ہو۔ اس لٹریچر کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ لکھنے والا پرلے درجے کا جھوٹا، بدترین کردار کا مالک اور انتہائی بدکار شخص ہے۔ اسے تو انسان ثابت کرنا مشکل ہے کجا یہ کہ اسے نبی مانا جائے۔

یہی بات حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر کسی پر وحی نہیں آتی اور وہ وحی کے نزول کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ بدترین خلائق ہوگا جبکہ اللہ کا نبیؐ مثالی انسان اور فخر انسانیت ہوتے ہیں جن جیسا دوسرا کوئی انسان نہیں ہوتا۔ **وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ** فرمایا وہ بھی انتہائی جھوٹا اور بدبخت ہے جس نے کہا کہ میں ایسی عبارت بنا سکتا ہوں جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔

قرآن حکیم نے تو اعلان کیا تھا کہ اس جیسا ایک فقرہ بنا کر لے آؤ اور بڑے بڑے اہل زبان تھے لیکن سب عاجز رہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعلان آج بھی موجود ہے کہ قرآن حکیم کے ایک جملے میں جو کمالات ہیں جو برکات ہیں اس جیسا کوئی جملہ بنا لاؤ۔ لیکن ایسا کوئی بنا نہیں سکتا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اے مخاطب! کاش تو انہیں موت کے غوطے کھاتے ہوئے دیکھے۔ کاش! انہیں اس وقت دیکھے جب یہ موت کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ملک الموت کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں جو ہر آدمی کی روح قبض کرنے کے لئے الگ مقرر ہیں۔ جب وہ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بدن سے باہر نکلو اب تمہیں عذاب کی طرف جانا ہے، یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سکرات موت کے وقت کی باطنی حالت دیکھنا ممکن ہے۔ اگر یہ دیکھا ہی نہ جا سکتا اور ناممکن ہوتا تو قرآن حکیم اس کی مثال نہ دیتا۔ قرآن حکیم میں کبھی ناممکن کام کرنے کا کہا ہی نہیں گیا۔ اور قرآن حکیم میں یہ جو آیا ہے کہ اے کاش! تو دیکھ سکتا تو اس کا مطلب ہے کہ بندۂ مومن دیکھ سکتا ہے اگر وہ نبیؐ کا اتباع کرے اور اللہ اسے مشاہدہ عطا کر دے۔ انبیاءؑ کے بارے تو کسی کو شبہ نہیں ہے کہ نبیؐ کا کشف تو روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے نبیؐ فرشتے کو کشفاً ہی دیکھتا ہے وحی الٰہی کو الہاماً قبول کرتا ہے اور فرشتے سے کلام کرتا ہے اور سنتا ہے یہ نبیؐ کا معجزہ کہلاتا ہے اور ولی اللہ کو کشف والہام بطور کرامت کے نبیؐ کے اتباع سے نصیب ہوتا ہے۔

یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ کافر، بدکار منکرین رسالت اور نبوت کے جھوٹے مدعی جب موت کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور موت کے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی انہیں یہ خبر بھی دے رہے ہوتے ہیں کہ چلو اب جانے کا وقت آ گیا۔ تمہارے پاس جو مہلت تھی وہ ختم ہوگئی۔ تم اللہ پر ناحق باتیں لگاتے تھے۔ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑاتے تھے اور اللہ کی آیات کے بارے کہتے تھے کہ ہم خوب جانتے ہیں ان کو لے جاؤ۔ کسی اور کو سناؤ۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ اب اس بات کے انجام کا وقت آ گیا ہے۔ جتنا تم دنیا میں تکبر کیا کرتے تھے اتنے ہی عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے اتنے ہی ذلیل کئے جاؤ گے۔

اے مخاطب! کاش تو میرے نبیؐ سے اتنا تعلق پیدا کر لے۔ اس کی اتنی برکات تیرے دل میں در آئیں کہ تیرا دل روشن ہو جائے اور تو اس حقیقت کو دیکھ سکے کہ ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ فرمایا' اللہ کریم حشر کے دن ان سے فرمائے گا **وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ** تم تو ویسے ہی برہنہ حالت میں میرے پاس آ گئے ہو جیسا تمہیں شکم مادر سے پیدا کیا تھا۔ کہاں ہیں تمہارے قیمتی لباس، ریشمی پوشاکیں، ساز و سامان، اور کر و فر؟ وہ محلات اور سواریاں وہ عیش و عشرت کا سامان، جس پر تم اتراتے تھے اور جسے جمع

کرنے کے لئے حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ **وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ** وہ سب کچھ تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ تم نے اللہ کو چھوڑا۔ اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑا۔ اللہ کی کتاب کو نہ مانا اور آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کی تباہی مول لی۔ اتنی بڑی قربانی تم نے جن چیزوں کے لئے دی وہی سب چیزیں بھی چھوڑ کر آ گئے ہو۔ اب تمہارے پلّے کیا بچا؟

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾ فرمایا' دنیا میں تو تم میری بات نہیں مانتے تھے۔ میرے نبی کریم ﷺ کی بات نہیں مانتے تھے لیکن بڑے بڑے لوگوں سے تمہیں امیدیں تھیں کہ فلاں تمہارا دوست ہے اور فلاں بڑا افسر ہے۔ تاجر ہے، صاحب اقتدار ہے تم سمجھتے تھے کہ فلاں بت میں بڑی برکت ہے۔ تمہارے وہ تمام سفارشی کہیں نظر نہیں آتے؟ وہ کہاں گئے جن کی دوستیوں میں تم نے عمریں خرچ کر دیں۔ تمہارا اقتدار کہاں ہے؟ جس پر تم ناز کرتے تھے۔ یہاں تمہارے پاس نہ تو پہننے کو کپڑا ہے نہ جوتا اور تمہارے وہ سفارشی بھی ساتھ نہیں ہیں جن پر تم بھروسہ کرتے رہے ہو۔ موت نے تمہارے سارے رشتے توڑ دیئے۔ نہ تمہارا مال سے رشتہ رہا نہ جائیداد سے نہ اقتدار سے نہ دوستوں سے۔ ہر چیز سے اس نے تمہیں الگ کر دیا۔ اور تم خالی ہاتھ اور بے یارو مددگار ہو کر رہ گئے۔

سورۃ الانعام رکوع 12 آیات 95 تا 100

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَىِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾
فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ
الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ
الَّذِىْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ
ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىْءٍ
فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ
النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى
ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ
وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلیوں کو وہ جاندار چیز کو بے جان چیز سے نکال لاتا ہے اور وہ بے جان چیز کو جاندار سے نکالنے والا ہے اللہ ہی ہے سوتم کہاں اُلٹے چلے جارہے ہو؟ ﴿۹۵﴾ وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنائی ہے اور سورج اور چاند کی رفتار کو حساب سے رکھا ہے یہ ٹھیرائی ہوئی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے بڑے علم والا ہے ﴿۹۶﴾ اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ معلوم کرسکو بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں ﴿۹۷﴾ اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم سب کو اصل میں ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ﴿۹۸﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے نکلتے ہیں جو مارے بوجھ کے نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور اسی پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جو کہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے ذرا ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور پھر اس کے پکنے کو دیکھو ان میں بھی دلائل توحید کے موجود ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے کی فکر رکھتے ہیں ﴿۹۹﴾ اور ان لوگوں نے شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ﴿۱۰۰﴾

خلاصۂ رکوع

اللہ ہی وہ ذات ہے جو گٹھلیوں سے بیج کو پھاڑتا ہے اور وہی ذات ہے جو زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے۔ اور یہ کام صرف اس ذات لاشریک کا ہے تو تم اسے چھوڑ کر کہاں بھٹک رہے ہو۔ وہ صبح کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے رات کو آرام کا سبب بنا دیا۔ سورج اور چاند کو شب و روز کے حساب کا سبب بنا دیا ہے۔ یہ اس کے فیصلے ہیں جو غالب اور علم والا ہے۔ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کے مقام کو سمت اور راستے متعین کرنے کا سبب بنا دیا۔ رات کی تاریکیوں میں بھی، زمین کی وسعتوں میں بھی اور سمندروں میں بھی۔ اور ہم نے لوگوں کے لئے جنہیں علم نصیب ہے بہت واضح دلائل بیان کئے۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے پوری انسانیت کو ایک فرد سے پیدا فرمایا۔ پھر مستقل ٹھکانہ بنایا اور عارضی ٹھکانہ بنایا۔ اور بہترین رہنمائی کے لئے دلائل کے انبار لگا دیئے لیکن دلائل بھی ان ہی لوگوں کے کام آتے ہیں جو باشعور ہو۔ جو سمجھ سکتے ہوں۔ اللہ ہی ہے جو بلندیوں سے پانی برساتا ہے اور اس پانی سے ہر قسم کی نباتات کو نکالتا ہے پھر اس میں سے سبز شاخیں نکالتا ہے اور ان میں اوپر تلے لگے ہوئے دانے اور پھل اُگاتا ہے۔ اور کھجور کے درختوں میں پھل کے گچھے اور پھل سے جھکے ہوئے خوشے لگاتا ہے اور طرح طرح کے پھلوں کے باغات جن کے پھل بظاہر ملتے جلتے ہوتے ہیں لیکن ذائقے اور تاثیر میں الگ ہوتے ہیں۔ اور انہیں دیکھو جب ان پر پھل آتا ہے اور جب پھل پکتے ہیں اس میں ایمان والوں کے لئے عظمت الٰہی کی بہت بڑی دلیلیں ہیں۔ لوگوں نے جہالت سے کبھی جنوں کو اللہ کا شریک بنالیا اور کبھی اس کی ذات کو اپنے اوپر قیاس کر کے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر دیں حالانکہ وہ ذات پاک ہے اور ان باتوں سے بہت بلند ہے جو یہ کہتے ہیں۔

تفسیر و معارف

یہاں تک مشرکین کی بات چل رہی تھی ان کا جو حشر شرک کے باعث میدان حشر میں ہوگا اس پر بات ہو رہی تھی اس کے بعد توحید باری کا بیان ہے۔ فرمایا' اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ط زمین میں جو بیج یا گھٹلیاں ہوتی ہیں ان سے بڑی بڑی لہلہاتی فصلیں اور اونچے اونچے درخت کون پیدا کرتا ہے؟ مراد یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود سمجھتے ہو ان کو تو تم خود زندگی اور موت کے تسلسل میں سے گزرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ تو جو ہستی خود اس عمل میں مبتلا ہو کہ پیدا ہوتی ہو اور مرجاتی ہو وہ کیسے معبود ہو سکتی ہے؟ سوچو! کہ جب تمہارے یہ

معبودان باطلہ نہیں تھے تو ان گٹھلیوں اور بیجوں سے فصلیں کون اُگا تا تھا؟ درخت کون پیدا کرتا تھا؟ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ دنیا میں آئے اور انہوں نے یہ کام کیے تو جب وہ مر گئے تو پھر یہ کام کون کر رہا ہے؟ جو خود قدرت کے اس عمل سے گزر رہے ہیں جس کے تحت چیزیں ظہور میں آتی ہیں اور پھر گزر جاتی ہیں تو جو خود اس عمل سے گزر رہا ہے اسے کیسے سمجھا جائے کہ وہ اس عمل کا مسبب ہے یا اس کا خالق ہے۔

توحید باری کے دلائل:

اللہ کی ذات کریم ہے اور اس کا نظام ایسا عجیب ہے کہ اس کی قدرت کے عجائب کائنات میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے درختوں مثلاً پیپل اور برگد کا بیج خشخاش کے دانے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی ننھے سے بیج سے وہ ذاتِ کریم جڑ پیدا کرتا ہے، کونپل نکالتا ہے پھر اسے تناور درخت بنا دیتا ہے۔ برگد کا یہ ننھا سا بیج دو سو سال میں اتنے عروج پر پہنچتا ہے کہ بے شمار پرندے، انسان اور دیگر مخلوق اس سے مستفید ہوتی ہے لیکن برگد کا درخت صرف اسی بیج سے پیدا ہوتا ہے جو کسی پرندے کے فضلے سے نکل کر زمین پر گرتا ہے اللہ جل شانہٗ نے ایسا نظام بنا دیا ہے کہ پرندے کے معدے میں جا کر دانہ گل جاتا ہے اور اتنا نرم ہو جاتا ہے کہ اگنے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کریم نے ایسے پرندے پیدا کئے ہیں جن کی غذا ہی کنکر مقرر کر دی ہے۔ ایسے پرندے سخت ہاضم معدہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح انسان چاول، گندم یا باجرہ اگانے کے لئے زمین میں دانے ڈال دیتا ہے۔ ہر دانے سے پودا بنتا ہے۔ ہر پودے پر متعدد سٹے لگانا اور ان میں سینکڑوں دانے پرو دینا۔ یہ کون کرتا ہے؟ اسی طرح انسانوں کے دنیا میں وارد ہونے اور دنیا سے رخصت ہونے کے سفر کو دیکھو۔ کس طرح تسلسل قائم ہے۔ ان پتھروں کو دیکھو جن سے تم بت بنا کر انہیں معبود کہتے ہو۔ پتھروں کی ہیئت بھی کبھی ایک سی نہیں رہتی۔ کبھی وہ پہاڑ کی چوٹی پر ہوتے ہیں کبھی وہاں سے ٹوٹ کر چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ ریت مٹی میں تبدیل ہو جاتے ہیں یا کسی نالے میں پڑے ہوتے ہیں۔ تو جو چیز تخلیق کے عمل سے گزرتی ہے اسے خالق کیسے مانا جائے؟ پھر تم کیوں اس ذات واحد کے ساتھ شریک بناتے ہو جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ہے۔ جو ازل سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ جو نہ پیدا ہوا ہے نہ اسے کسی نے تخلیق کیا۔ وہ اپنی ذات میں خود بخود موجود ہے اور وہی ذات ہے جو بیجوں سے پودے اور درخت نکالتا ہے۔

اللہ کی قدرت کاملہ کے دلائل اللہ کی ہر تخلیق سے ظاہر ہیں **يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ** اللہ کریم قادر ہے کہ کسی زندہ سے مردہ کو پیدا کر دے۔ زندہ پرندے کے بطن سے انڈہ نکلتا ہے جو مردہ ہوتا ہے لیکن اسی سے

وہ زندہ پرندہ پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کے توالد وتناسل کے نظام کو دیکھ لو۔ ایک قطرہ منی سے وہ زندہ انسان پیدا کر دیتا ہے۔ یوں کس طرح ایک مردہ چیز سے زندہ انسان پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح بے جان چیز سے کیسے کیسے خوبصورت جانور پیدا کرتا ہے۔

وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فرمایا' وہ بے جان چیز سے زندہ، پوری حیات سے منور، بڑے دانش ور انسان، صاحب علم، صاحب فن، خوبصورت، کڑیل جوان پیدا کر دیتا ہے۔ اور زندوں کو موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ مردہ شئے سے یعنی ایسی چیز سے جس میں حیات معروضہ کا تصور نہیں ہے۔ اس سے معروف زندگی کے حامل وجود پیدا کر دیتا ہے اور جس طرح چاہے موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ انسان ہوں یا دیگر مخلوق سب کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ سب فانی ہیں یعنی تخلیق کے عمل میں سوائے اس کی ذات کے سب برابر ہیں۔ سب مخلوق ہیں تو تم مخلوق کو خالق کس طرح مانتے ہو۔ یہ بات تو عقلاً بھی محال ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے اور مر جاتا ہے وہ معبود کس طرح ہو سکتا ہے؟ ان دلائل حقہ کے ہوتے ہوئے تم کہاں بھٹکے پھرتے ہو؟

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ رب کریم نے ایسا نظام بنا دیا ہے جس میں کام کے اوقات مقرر ہیں اور آرام کے اوقات بھی وہ اکیلی ذات ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے اس نظام کو چلا رہی ہے جس میں ہر ایک کے لئے سکون کا سامان ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ اس کے فیصلے کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ یہ اس اللہ کے فیصلے ہیں جو ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کا علم ہر چیز کے بارے ہے اور حتمی ویقینی ہے اور وہ ہر لمحہ جانتا ہے۔

تقدیر:

تقدیر کسے کہتے ہیں؟ تقدیر علم الٰہی کو کہتے ہیں اس کائنات کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی ذات ہر ذرّے سے واقف تھی۔ یہ کائنات فنا ہو جائے گی تو بھی اس کے علم میں ہر چیز موجود ہوگی۔ اس کا علم حضوری ہے۔ اس میں نہ ماضی ہے نہ مستقبل۔ جو چیزیں ابھی دنیا میں نہیں آئیں اور انہوں نے آنا ہے، اس کے علم میں موجود ہے جو چیزیں دنیا میں آ کر فنا ہو گئیں اس کے علم میں وہ بھی موجود ہے۔ اب اس سارے کا جاننا تقدیر ہے۔ اللہ جانتا ہے ہمارے عمل کرنے سے پہلے اللہ جانتا ہے کہ بندہ کیا کرے گا۔ لہٰذا اس میں سے جو متعلقہ تھا، جتنا وہ چاہتا تھا وہ اس نے لکھ دیا۔ سارا نہیں لکھا۔ اللہ کے علم کا کوئی اندازہ کوئی حد کوئی حساب نہیں۔ جتنا علم

مخلوق سے متعلق تھا جس کا اسے حساب کرنا تھا وہ اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا اب اگر ہم قتل کرتے ہیں چوری کرتے ہیں تو اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ اس کے لکھ دینے کی وجہ سے نہیں کرتے اس لئے کہ اس نے منع کیا ہے کہ جھوٹ نہ بولو، سود نہ کھاؤ، ہم برائی کرتے ہیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم سے اللہ کروا رہا ہے۔ اگرچہ وہ برائی پہلے لکھی ہوئی ہے لیکن وہ اس کے علم کے مطابق لکھی ہوئی ہے اس کا حکم نہیں ہے کہ برائی کرو اس کا حکم تو یہ ہے کہ وہ ہمیں برائی سے روک رہا ہے ہمیں غلطی یہ لگتی ہے کہ جتنے دن ہم دنیا میں ہیں اس نے ہمیں اختیار دے دیا ہے کہ میں تمہیں راستہ بتاتا ہوں اس راستے پہ چلو۔ اس پر نہ جاؤ۔ تمہیں یہ اختیار دیتا ہوں کہ اگر تم اس راستے پر برائی پہ چلنا چاہو گے تو تمہارے ہاتھ پاؤں شل نہیں کروں گا تمہاری روزی بند نہیں کروں گا، دیتا رہوں گا لیکن برائی کی سزا دوں گا نیکی پر چلو گے تو میں تمہیں توفیق دیتا رہوں گا اور اس کا انعام دوں گا اب یہ انسان کے ذمے ہے کہ وہ برائی کرتا ہے یا بھلائی کرتا ہے۔ یہی امتحان ہے اور اسی بات کا اجر ملے گا۔ مسلمانوں نے یہ بہانہ تراش لیا ہے کہ جو ظلم ان کے ہاتھ سے ہو جاتا ہے وہ کر گزرتے ہیں۔ اس پر توبہ نہیں کرتے یعنی حق تو یہ ہے کہ اگر احساس ہو تو بندہ توبہ کرے کہ اللہ کریم تو مجھ سے نیکی کرنے کو کہتے ہیں لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ اللہ کو منظور تھا ایسا ہو گا۔ یعنی یہ جرم اللہ کریم کے ذمے لگا دیتے ہیں وہ کسی نے خوب کہا تھا۔

بات بن جائے تو یہ شان تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے تو خطا کاتب تقدیر کی ہے

کہ جو کوئی کام ان سے اچھا ہو جائے تو اس پہ تو اپنی واہ واہ اور شہرت وصول کرتے ہیں کہ میں نے یہ کام کر دیا جب ظلم کرتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ کو منظور تھا۔ حالانکہ اللہ کو منظور ہوتا تو اللہ اس سے منع کیوں فرماتے؟ اور یہی آزمائش ہے کہ اس نے چند روز کے لئے اختیار دیا ہے تو فرمایا' یہ چیزوں کا پیدا ہونا، کھیتوں کا اُگنا یہ اتفاق نہیں ہیں، یہ حادثات نہیں ہیں۔ تم بڑی کھیتیاں تیار کرتے ہو۔ پانی دیتے ہو باڑ لگاتے ہو، بیج ڈالتے ہو اگر وہ نہیں چاہتا تو اس میں سے ایک دانہ بھی نہیں اگتا تمہارے بس میں نہیں ہے تم لاپرواہی سے ہل چلاتے ہو بیج ڈال دیتے ہو وہ کریم ہے اگانا چاہتا ہے تو فصل لہلہانے لگتے ہیں۔ ہوتا وہ ہے جو وہ چاہتا ہے تمہارے ذمے ہے کہ تم جو کام کرو وہ پوری دیانتداری سے اور صحیح طریقے سے کرو۔ تمہارا یہی رویہ دیکھا جائے گا کہ تمہارے پاس اولاد اللہ کی امانت ہے تم نے اس کی صحیح پرورش کی؟ حصول رزق تمہاری ذمہ داری تھی۔ تم نے حلال وسائل اختیار کر کے ان کی پرورش کی؟ انہیں اللہ کا دین سکھایا؟ انہیں نیکی اور برائی میں تمیز

سکھائی؟ تمہارے ذمے دنیا کے حالات واقعات تھے جتنی تمہاری حیثیت ہے اتنے تم بھی حکمران ہو۔ جو تمہارے دائرہ اختیار میں ہے اس کی باز پرس ہوگی کسی کے اختیار میں صرف اس کا اپنا وجود ہے۔ کوئی دوسرا اس کی بات نہیں سُنتا۔ اس سے اس کے وجود کی پرسش ہوگی۔ کسی کے اختیار میں اپنا کنبہ ہے اس کے بارے اس کی پرسش ہوگی۔ کسی کے اختیار میں شہر ہے، کسی کے اختیار میں ملک ہے۔ کوئی ایسا بااختیار ہے کہ اس کی بات دنیا پہ مانی جاتی ہے۔ تو جتنے لوگ تم سے متعلق ہیں ان میں سے ایک ایک کے بارے پوچھا جائے گا ہم جو بیعت لیتے رہتے ہیں میری تو جان لرز جاتی ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ یہ میری ذمہ داری ہے، میری نوکری ہے، مجھے کرنا ہے لیکن ایک ایک بندے کی بیعت لیتے ہوئے پریشان ہو جاتا ہوں اب اس کے ساتھ بھی مجھے کھڑا ہونا پڑے گا۔ میں ہفتے میں دو رکعت جمعہ کی امامت کرتا ہوں میں ممبر پہ بیٹھا ہوں میرے سامنے اللہ کا قرآن پڑا ہے لیکن کانپ جاتا ہوں کہ یا اللہ یہ اتنے لوگ لے کر میں تیری بارگاہ حاضر ہوں۔ پتہ نہیں ان میں کیسے کیسے لوگ ہیں؟ کیسا کیسا عقیدہ رکھتے ہیں؟ کیسے سوچتے ہیں؟ تو جب حساب ہوگا تو پوچھا جائے گا کہ تم کن کو لے کر آئے تھے تو کیا ہوگا؟ یہاں تو بڑی پذیرائی ہے میں کھڑا ہوتا ہوں میرے پیچھے ہزاروں لوگ آ جاتے ہیں لیکن جب ہزاروں لوگوں کے ساتھ پرسش احوال ہوگی پتہ تب چلے گا ایک ایک کے بارے پوچھا جائے گا کہ اس کا ایمان کیا تھا؟ عقیدہ کیا تھا؟ یہ کرتا کیا تھا؟ اور جب تمہارے پاس آیا تو کیا تم نے پوری دیانتداری سے اسے دین کی، نیکی کی تعلیم دی؟ برائی سے روکا؟ اگر تم نے اپنا حق ادا کر دیا تو پھر ہم اس سے نبٹ لیں گے اگر تم بھی شرینیاں لیتے رہے ہو اور اسے شاباش دے کر بے فکر کرتے رہے کہ جو جی چاہے کرو تو پھر تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ تو یہ آسان کام نہیں ہوگا۔

رات سکون کے لئے:

فرمایا' اس کی ذات لاشریک ہے اس کے ساتھ اس کی ذات اس کی صفات میں کوئی شریک نہیں وہ اکیلی ذات ہے جو اس سارے نظام کو بنا رہی ہے چلا رہی ہے پھر اس کی قدرت کاملہ دیکھو **جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا** تم رات سے گھبراتے بھی ہو اندھیرے سے ڈرتے بھی ہو کہتے ہو کام رُک گیا تھوڑا سا وقت ملتا تو یہ مکمل ہو جاتا لیکن اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے رات بھی بنائی جو سکون رات کی گود میں ہے اگر صرف دن ہی ہوتا تو دنیا کے سارے انسان ساری حکومتیں مل کر بھی چاہتیں کہ ایک وقت مقرر کر کے سارے دفاتر بند ہو جائیں اور کاروبار بند ہو جائے اور لوگ خود آرام کر لیں تو ممکن نہیں تھا۔ اس نے رات بنا دی پھر اس میں اس نے تاریکی

پیدا کر دی پھر اس کا ماحول ایسا بنا دیا ایسا سناٹا بنا دیا کہ ہر چیز آرام کرنے کو لیٹ جاتی ہے اور بندے کی توانائیاں جو دن بھر خرچ ہوتی ہیں رات کی گود میں آرام کر کے ساری توانائیاں دوبارہ حاصل کر کے تازہ دم اٹھ کے پھر کام پہ لگ جاتے ہیں۔تم رات سے گھبراتے تو ہو لیکن اگر سوچو تو اس کی کتنی بڑی رحمت ہے پھر اس کا عجیب نظام ہے پھر اس نے ہر چیز کو اوقات کا پابند کر دیا ساری دنیا پہ ایک وقت میں رات نہیں ہوتی کہ ساری دنیا کاروبار بند کر کے سو جائے۔عجیب نظام ہے اس کا رات چلتی رہتی ہے۔دن گزرتا رہتا ہے۔ایک جگہ صبح طلوع ہو رہی ہے آگے سورج طلوع ہو رہا ہے ایک جگہ طلوع ہو رہا ہے ایک جگہ غروب ہو رہا ہے وہی سورج ہے ایک جگہ رات آ رہی ہے ایک جگہ سے رخصت ہو رہی ہے پھر جو نظام کائنات چوبیس گھنٹے چلتا رہتا ہے وہی چوبیس گھنٹوں میں آدھا دن آرام وسکون کے لئے بھی مل جاتا ہے اس کا سارا نظام بھی چلتا رہتا ہے اور اس میں لوگوں کو چھٹی بھی مل جاتی ہے اور اس نے **وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا** رات کو سکون پرور بنا دیا۔غریب، امیر، فقیر ہر کوئی ایک جیسا اس کی گود میں سو جاتا ہے۔

مولوی سعدی کی حکایات میں ہے کہ ایک بادشاہ اٹھ کر محل کے جھروکے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ پتھریلی زمین پر ایک فقیر لیٹا ہوا ہے اس نے حکم دیا کہ اس کو بلایا جائے۔خادم گئے جب بادشاہ دربار میں آیا تو پھر اسے حاضر کر دیا اس نے پوچھا بڑی عجیب بات ہے تو پتھریلی زمین پر بغیر بستر لیٹا ہوا تھا تیری رات کیسے بسر ہوئی؟ حیران ہوا کہ اس طرح رات کیسے بسر ہو سکتی ہے جب کہ شاہی بستر پر اور نرم وریشمی گدوں میں نوکروں چاکروں کے ہمراہ بے شمار نعمتوں میں ہمیں ساری رات نیند نہیں آتی کروٹیں لیتے رہتے ہیں، دوائیاں کھانا پڑتی ہیں، تو اس نے پوچھا تمہاری رات کیسی گزری؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت کچھ تو ایسی گزری جیسے آپ کی گزری اور میری گزری دونوں کی ایک برابر گزر گئی۔کچھ آپ سے بہتر گزر گئی۔تو وہ بڑا حیران ہوا وہ کہنے لگا عجیب بات کرتے ہو مجھ سے بہتر کیسے؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت میں جتنی دیر جاگتا رہا میں اللہ کا ذکر کرتا رہا اور آپ جتنی دیر جاگتے رہے سلطنت کے بکھیڑے سلجھاتے رہے وہ وقت میرا آپ سے بہتر گزرا۔اور جب میں سو گیا آپ بھی سو گئے جیسے آپ غافل ہوئے ویسا میں غافل ہو گیا۔کوئی شاہی بستر پہ سو رہا ہو یا پتھر پہ سو رہا ہو سونے والے کو تو کوئی پتہ نہیں کہ بستر شاہی ہے یا پتھر ہے جب آپ سو گئے تو میں اور آپ برابر تھے اور جتنی رات میں جاگتا رہا وہ میں نے آپ سے بہتر بسر کی۔رب کریم نے تو ایسا نظام ترتیب دے دیا جس میں ہر ایک کے لئے سکون اور راحت ہے تو بندے کو چاہیے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔اس نے اپنے نبی

اور رسولؑ بھیجے اولوالعزم رسولؑ بھیجے کتابیں بھیجیں پھر امام الانبیاءؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر کے فلاح وابدی کامیابی کو پالیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم ذرا اپنی حیثیت دیکھیں، اپنے آپ کو دیکھیں، اپنے خاندان کی طرف دیکھیں پھر یہ سوچیں کہ میں کون ہوں کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانوں۔ میری کیا حیثیت ہے۔ کاش! کبھی ہم یہ سوچیں کہ اللہ کریم اتنی بڑی ہستی خالق کائنات، واحدہٗ لاشریک نے میری طرف مبعوث کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو باعث تخلیق کائنات ہیں اور پھر قرآن اپنا ذاتی کلام بھیجا پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے اس کی تفسیر بھی بتائی اور میں اس کی پرواہ نہیں کرتا تو میرا کیا ہوگا؟ **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط** شمس یعنی سورج زمین سے کروڑوں گنا بڑا کرّہ ہے جس میں آگ ہی آگ ہے چاند سورج سے روشنی لیتا ہے اور وہ بھی منور کرتا ہے بہت بڑا کرّہ ہے اتنے بڑے بڑے کرّوں کو اس نے سیکنڈ کے کروڑویں حصے تک پابند کر دیا ہے کہ اس وقت تمہیں ہونا ہے اس رفتار سے چلنا ہے اس اس راستے پہ چلنا ہے تاکہ یہ نظام کائنات چلتا رہے اور دنیا کے سارے سائنسدان مل کر سورج کو ایک لحظہ مؤخر نہیں کر سکتے دنیا کی ساری ریاستیں مل کر اسے ایک لحظہ وقت سے پہلے نہیں لاسکتیں۔ نہ سورج کو نہ چاند کو اور اس نے ان کا ایسا نظام بنا دیا ہے اور فرمایا تمہیں عقل وشعور عطا کر دیا ہے کہ رات دن گھنٹوں منٹوں کا حساب جوڑ لیتے ہو اور اپنے کاروبار میں بھی استعمال کرتے ہو اور روزمرہ کے معمولات میں بھی استعمال کرتے ہو۔ یہ کس نے اتنے بڑے بڑے کرّوں کو مسخر کر دیا؟ وہ اس وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے کیا اس کے ساتھ تم دوسروں کو شریک کرتے ہو؟ فرمایا' اس نے چاند کی ایسی منزلیں بنائی کہ کوئی ان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ وہ معدوم ہو جاتا ہے پھر طلوع ہوتا ہے پھر بڑا ہوتا جاتا ہے۔ پھر پورا چاند ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا جاتا ہے پھر تھوڑا سارہ جاتا ہے پھر ڈوب جاتا ہے پھر نکل آتا ہے۔ سورج ایک سرے سے نکلتا ہے دوسرے سرے پہ غروب ہو جاتا ہے اپنے اوقات پر پوری پابندی سے کاربند ہے اس کا راستہ بھی متعین ہے۔ اوقات کار بھی متعین ہیں۔ اس نے سورج اور چاند دونوں کے ساتھ دنوں مہینوں سالوں موسموں کا حساب وابستہ کر دیا۔

عبادات قمری مہینوں کے حساب سے ہیں:

یہ بات بھی یاد رہے کہ عبادات کو اللہ کریم نے قمری مہینوں کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے یہ اس کا حکم ہے کہ حج کی تاریخیں بھی چاند کے ساتھ ہوں گی۔ رمضان کی تاریخیں بھی قمری تاریخوں کے ساتھ ہوں گی لیکن

باقی معمولات زندگی اگر شمسی تاریخوں پہ بھی شمار رکھے جائیں تو یہ بھی جائز اور درست ہے اس لئے کہ یہ حساب بھی اللہ نے بنایا ہے ہمارے ہاں یہ بھی ایک رواج ہے کہ کہتے ہیں صرف ہجری تاریخ ہی یاد رکھنی چاہیے حالانکہ یہ شمسی مہینے کافروں کے لئے نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ نے بنائے ہیں دنوں کو سورج کو چاند کو اللہ نے بنایا ہے اور دونوں اور مہینوں کا نظام بھی اللہ نے ترتیب دیا ہے۔ یہ گنتی جو ہم اس طرح ایک، دو، تین، چار، 4,3,2,1 لکھتے ہیں یہ انگریزوں کے ہندسے نہیں، یہ عربوں کی اور مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ انگریزوں کے ہندسے وہ تھے جو سب سے پہلے رومن ایمپائر نے ایجاد کئے تھے اور سارے مغرب میں وہی رائج تھے۔ عدد ایک لکھنے کے لئے وہ ایک I کھڑی لکیر لگاتے ہیں 2 کے لئے II دو کھڑی لکیریں، 3 کے لئے III تین کھڑی لکیریں، 4 کے لئے IV ایک کھڑی لکیر اور پانچ کے لئے صرف V اور 6 کے لئے V کے آگے I ایک کھڑی لکیر۔ یہ رومن ہندسے مغرب والوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ بعد میں اہل مغرب نے مسلمانوں کے ایجاد کردہ ہندسے اپنا لئے۔ قمری مہینے یاد رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ ان کے ساتھ عبادات وابستہ ہیں اور انہیں یاد نہ رکھنا گناہ ہے۔ قمری مہینے چاند کے طلوع سے وابستہ ہیں۔ اور شمسی مہینے سورج سے متعلق ہیں۔ ان کو کوئی یاد نہ رکھے تو گناہ نہیں ہے لیکن جاننا ضرور چاہیے کیونکہ بین الاقوامی لین دین حساب اور چھٹیاں شمسی مہینوں سے ہوتی ہیں۔ اور سورج کے ساتھ جو مہینے وابستہ ہیں ان سے حساب کرنا جرم نہیں ہے یہ بھی اللہ نے بنائے ہیں۔ اس کے علاوہ بت پرست اور غیر مسلم اقوام کے ایجاد کردہ مہینوں کے شمار کرنے کے نظام کو اپنانا غیرتِ اسلامی کے خلاف ہے۔ لیکن ہمارے ہاں میں اس علاقے کی بات کروں تو ہمارے لوگ ایسے بدنصیب ہیں کہ انہیں سمت بکرمی یاد رہتی ہے جو ہندوؤں کی ہے مہاراجہ بکرمہ جیت سے شروع ہوئی ہے تو وہ انہیں یاد رکھتے ہیں جیسے ساون، بدھروں، اسواں، کاتت اور قمری مہینے محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی انہیں یاد نہیں بلکہ یہ تو سرے سے آتے ہی نہیں۔ اور انگریزی کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہندوؤں کے مہینے ہی یاد رکھتے ہیں اور اسی پر تاریخیں بناتے ہیں کہ جیٹھ کی فلاں کو یہ کام ہونا طے پا گیا حتیٰ کہ مذہبی اجتماع بھی ہندوؤں کی تاریخوں پر رکھتے ہیں یہ بڑی عجیب بات ہے بندہ حیران ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے سوچتے ہیں؟ فرمایا' اس مالک الملک نے سورج چاند کو راستوں پر پابند کر دیا ہے حضرت ابراہیمؑ سے جب نمرود نے جھگڑا کیا اور حجت بازی کرنے لگا تو انہوں نے کہا سادہ سی بات ہے میرا مالک تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو کہتا ہے کہ تو کائنات کا مالک ہے اور تو اپنے آپ کو معبود سمجھتا ہے تو پھر تو سورج کو مغرب سے نکال دے۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ○ البقرۃ: 258

اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کہ یہ تو میں نہیں کر سکتا تو فرمایا تو عاجز ہے تو کچھ نہیں کر سکتا۔

فرمایا' رات کو اس نے نیند کا سبب بنایا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ سورج اور چاند کو ان کی نوکری پر مقرر کر دیا اور سورج کی گرمی سے بیج بھی پھوٹتے ہیں، پھل بھی پکتے ہیں، بے شمار کام سورج کی روشنی سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ اب سائینس نے تو اس کا بہت دور تک استعمال شروع کر دیا ہے اسے لیزر تک لے گئے، اس کی کرن کو پکڑ کر لیزر ٹیکنالوجی بنالی یہ سب کیا ہے؟ یہ ساری روشنیاں ایک سورج بکھیرتا ہے لیکن نہ اپنے راستے سے ہٹتا ہے نہ اپنے وقت سے آگے پیچھے ہوتا ہے۔ چاند سے روشنی ہوتی ہے پھلوں میں مٹھاس ہوتی ہے اور بے شمار چیزیں اس کے طلوع وغروب سے وابستہ ہیں گنی نہیں جاسکتیں۔ لیکن نہ سورج کو پتہ ہے کیا ہو رہا ہے۔ نہ چاند کو پتہ ہے کیا ہو رہا ہے۔ ان کی نوکری ہے۔ رستہ مقرر ہے۔ اوقات مقرر ہیں۔ انہیں اس پر چلتے رہنا ہے جو ہوتا ہے وہ ان کے سبب ہوتا ہے کرنے والی ذات الہٰ العالمین کی ہے۔ وہ ہی جانے اس کا کام جانے فرمایا یہ سب کیا ہے فرمایا' ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ یہ اس عظیم اس جاننے والے جو ہر چیز پہ غالب ہے، کے فیصلے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت کہاں ہونا ہے پھر اس ذات کے ساتھ تم مخلوق کو شریک کرتے ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے ستاروں کو پابند کر دیا کہ خاص وقت پر طلوع ہوتے ہیں خاص مقام پر نظر آتے ہیں اور خاص سمت کو چلتے ہیں تمہیں عقل وشعور دے دیا تم ان کی رفتار کو دیکھ کر ان اوقات کار کا تعین بھی کر لیتے ہو۔ جب یہ گھڑیاں نہیں تھیں ہم جب چھوٹے ہوتے تھے تو یہ گھڑیاں تو نہیں ملتی تھیں ملازم پیشہ لوگ تھے یا کوئی فوجی افسر تھے ان کے پاس ہوتی تھیں عام لوگوں کو کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ نہ ٹیلی فون تھا نہ گھڑی تھی، نہ موٹر نظر آتی تھی تو ہمارے لئے رات کو اوقات بتانے والے یہی ستارے ہوتے تھے کہ اب فلاں ستارہ فلاں جگہ ہے اب یہ وقت ہو گا۔ اٹھو بھئی فلاں ستارہ سحری والا طلوع ہو گیا چلو کام پہ چلو اور مرغوں کی آوازوں سے ہم وقت پہچانتے تھے کہ اب مرغوں نے پہلی اذان دی ہے تو وہ وقت ہو گا اب دوسری دی ہے وہ وقت ہو گا۔ اب تیسری دی ہے اب فجر ہو گئی ہو گی۔ اللہ کی قدرت ہے کہ مرغ کو آپ دس اندھیرے کمروں کے اندر بند کر دیں جیسے ہی صبح کاذب ہو گی تہجد کا وقت ہوتا جائے گا وہ اندر سے بولنا شروع کر دے گا۔ نہ اسے باہر موسم نظر آ رہا ہے نہ اسے باہر چاند نظر آ رہا ہے نہ اسے باہر رات ڈھلتی نظر آ رہی ہے یہ اس کی قدرت کاملہ

ہے کہ اس نے ستاروں کو ایک منظم نظام میں پرو دیا ہے وہ اپنے مقررہ اور متعین راستوں پر مقررہ رفتار اور مقررہ سمتوں میں رواں دواں رہتے ہیں اور ان ہی کے سبب تم اندازے لگا کر سفر کرتے ہو۔ تاریکیوں میں سمندروں میں اور خشکی پر بھی سمت متعین کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں جگہ ہے تو وہ جگہ اس سمت میں ہے۔ اس سمت میں ہے اس کا مطلب ہے یہاں شمال ہے یہ قطبی ستارہ ہے۔ یہاں شمال ہے مجھے مغرب کو جانا ہے تو مجھے دوسری طرف جانا ہوگا یہی حال سمندر میں بھی ہوتا ہے کچھ لوگ اس سے آگے چلے جاتے ہیں پھر وہ بروج کی تقسیم جو اللہ نے کی ہے اس میں دیکھتے ہیں فلاں ستارہ فلاں برج میں ہے اس سے قسمت کے حال بھی بتاتے ہیں تو یہ سب عقل انسانی کی ایجادات ہیں جس طرح ایک طبیب دو چار جڑی بوٹیاں اکھاڑ کر لے آتا ہے ہمیں کہتا ہے یہ پیس کے سفوف بنا لو۔ اسے کھاؤ تو تمہارا معدہ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس سے ٹھیک بھی ہو۔ اس سے بگڑ بھی سکتا ہے اور ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ ہم اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن یہ ماننا ضروری ہے کہ ان چیزوں میں اصل محرک کون ہے؟ وہ قادر مطلق جس نے ان میں وہ تاثیر رکھی اس بندے کو علم دے دیا یہی ستاروں کا بھی علم ہے یہی کچھ نجومی بھی بتاتے ہیں کہ ایک ستارہ نجومی کے حساب سے اس جگہ ہونا چاہیے لیکن وہ قادر ہے اسے وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ کر دے پھر نجومی کیا کرے گا؟ ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بتاتے ہیں یہ ہو گا وہ ہو گا لیکن یہ لکیریں بناتا مٹاتا کون ہے؟ اگر کسی کو یہ فن آتا ہو تو روزانہ صبح اٹھ کر اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھے تو یہ ساری لکیریں بدلی پڑی ہوتی ہیں۔ صبح دیکھو اور ہوتی ہیں شام کو، دوپہر کو ان کی صورت اور بنی ہوتی ہے۔

علمِ نجوم کے بارے عقیدہ:

ان سے راستے متعین نہیں ہوتے۔ نہ ستاروں سے نہ ہاتھ کی لکیروں سے راستے متعین کرنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ کے متعین کردہ راستوں پر رہبری کرنا یہ کام ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ ستاروں کی رفتار سے قسمت کا حال جاننا ایسے ہی ہے جیسے ہم ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں ڈاکٹر اپنے علم اور تجربے کی بناء پر دوا تجویز کرتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دوا اچھی ہے اور کبھی ڈاکٹر کو غلطی بھی لگ سکتی ہے۔ یہاں تک تو جائز ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ نجومی کہہ رہا ہے یہ لکیریں دیکھ کر کہ ایسا یقینی ہوگا تو یہ شرک ہے یہ کفر ہے یقینی ماننا قطعی کفر ہے۔ اندازہ سمجھنا کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے نہیں بھی ہو سکتا اس میں کوئی حرج نہیں چونکہ ستاروں، چاند، سورج ان سب کو اللہ کریم نے مختلف راستوں اور جگہوں پر متعین فرمایا ان میں مختلف تاثیرات مقرر کر دیں تو ان سب سے اندازہ یہ لگانا چاہیے کہ یہ تو اس کی مخلوق ہے اور اس کے بندے اس کے ملازم اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔ معاملہ تو اس

سے کرنا چاہیے جس کا حکم ان پر بھی چلتا ہے بات تو اس کی مانی جائے اب اس کی بات ہم کیسے مانیں؟ ہم اس قابل تو نہیں ہیں کہ اللہ ہم سے بات کرے ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہم سے تو کوئی بچہ بات کرنے کو تیار نہیں ہوتا جن بچوں کی ہم پرورش کرتے ہیں اپنے بیٹے ہیں، اپنی اولاد ہے، پالتے ہیں، ان کی اپنے بوڑھے والدین کے بارے رائے یہ ہوتی ہے کہ انہیں کیا پتہ۔ انہیں دنیا کی خبر نہیں۔ اور اللہ ایسا کریم ہے کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کے ذریعے انسانوں سے بات کی۔ اس نے بات کی محمد رسول اللہ ﷺ سے۔ آپ ﷺ اتنے امین تھے کہ جتنی بات اللہ کی حضور اکرم ﷺ سے ہوئی آپ ﷺ نے ساری بات مخلوق کو پہنچا دی۔ قرآن کی صورت میں۔ حدیث کی صورت میں، عمل کی صورت میں، ارادے کی صورت میں اور ایک مقدس جماعت ایک ریاست ایک حکومت بنا دی تیس سال کی قلیل عرصے میں جس کا الف سے ے تک ہر کام اللہ کے احکام کا پابند تھا۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ وہاں سے سبق حاصل کریں اگر نہیں کریں گے تو کب تک؟ آج اگر میں یہاں بیٹھا ہوں اور میں اس وہم میں مبتلا ہو جاؤں کہ بہت بڑا آدمی ہوں تو مجھے یاد رکھنا چاہیے کہ کل یہاں کون ہوگا؟ آنے والے کل کو کون ہوگا؟ آدمی بڑے نہیں ہوتے بڑا اللہ ہے۔ عظمت اس کے واسطے ہے کبریائی اسے زیب دیتی ہے، انسانوں میں بڑائی اللہ کے رسولوں کے لئے ہے۔ وہ انسانیت کا شرف ہیں۔ اللہ کے نبی اور محمد ﷺ سب نبیوں کے بھی امام ہیں۔

اللہ کے بندو! خالص اور کھرے ہو کر سوچو جو بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بھی بات نہ مانے پھر وہ کس کی مانے گا سو فرمایا جاننا چاہو تو اس کی قدرت کاملہ کو دیکھ کر اندازہ لگاؤ کہ اس کی ہستی کتنی عظیم ہے جس نے ہر چیز کو ایک نظام کا پابند کر دیا ہے۔ ایک رائی کے دانے سے لے کر سورج جیسے عظیم کُرّہ تک، چاند، ستاروں، زمین، بادل، فضاء ہر چیز کو معین نظام کا پابند کر دیا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس راستے سے ہٹ جائے۔ تم انہیں دیکھ کر دنوں مہینوں گھنٹوں کا حساب لگا لیتے ہو اور اور وہ اتنے پابند ہیں کہ وہ اس طرح چل رہے ہیں **قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴿۹۷﴾** فرمایا وہی سمجھیں گے جن میں کچھ علم ہوگا، جہالت کا تو کوئی علاج نہیں۔

دلائل سمجھ داروں کے لئے:

علم کے لئے ضروری نہیں کہ بندہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو تقریر کرنا جانتا ہو لیکن اتنا شعور تو ہو کہ بھلائی اور برائی کو الگ الگ سمجھ سکے اتنا شعور تو ہو کہ رات اور دن کو سمجھ سکے صبح اور شام کا اندازہ کر سکے تو اسے سمجھ آ جائے گی کہ یہ کتنی واضح دلیلیں ہیں جو عظمت الٰہی پہ قرآن نے بیان کر دیں۔ فرمایا' **وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ**

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اسی طرح ذرا اپنی ذات پہ غور کرو تم سب کو حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک وجود سے تخلیق فرمایا۔ ایک وجود سے ساری انسانیت کو دنیا میں پھیلا دیا۔ اور آج کے سائنسدان کہتے ہیں کہ انسان کے وجود میں ڈھائی کھرب سیل ہیں اور ہر سیل میں اس کی زندگی کا پورا نصاب درج ہے ایک کتاب موجود ہے جس میں پیدا ہونے سے مرنے تک اس کے سارے حالات درج ہیں اور ہر سیل مرجاتا ہے اور اس جیسا دوسرا پیدا ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں چھ مہینے میں سارے سیل بدل جاتے ہیں، ڈھائی کھرب موتیں اس وجود کے اندر چھ مہینے میں ہو جاتی ہیں بڑا باریک نظام ہے اس کا ہر سیل کو وہ خود پیدا کرتا ہے اس کے اندر پھر حیات ہے۔ منفی مثبت ہے۔ اس کے اندر ایک کتاب ہے یہ وہی سیل ہیں۔ بچوں کے جو نئے سیل پیدا ہوتے ہیں وہ پہلے سے طاقتور ہوتے ہیں تو بچہ جوان ہونا شروع ہو جاتا ہے اور جب سیل جو نئے بنتے ہیں پہلے سے کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں تو بندہ بڑھاپے کی طرف چل پڑتا ہے تو ایک ایک سیل کو وہ خود بنا رہا ہے چلا رہا ہے پھر تم سب کو اس نے ایک وجود سے پیدا فرمایا فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ کچھ ٹھکانے اس نے تمہارے عارضی بنائے ''سبحان اللہ'' کہ پشت پدر میں آنے سے پہلے تمہارے اجزاء زمین میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اجزاء جن سے وہ سیل بنتے ہیں پھر تم پشت پدر میں آتے ہو۔ کچھ عرصہ بعد پھر شکم مادر میں آتے ہو لیکن عرصہ معین ہے کچھ عرصہ بعد دنیا میں آجاتے ہو اگرچہ عرصہ معین ہے۔ کچھ عرصہ بعد پھر قبر میں پہنچ جاتے ہو قبر میں چلے جاتے ہو وہاں بھی عرصہ معین ہے۔ کچھ عرصہ وہاں رہو گے پھر قیامت ہو گی۔ اس کے بعد مستقل ٹھکانے پہ پہنچ جاؤ گے جنت یا اللہ پناہ دے دوزخ۔ یہ دونوں مستقل گھر ہیں تو تمہارا سفر بھی آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک عارضی ٹھکانوں میں ہے۔ تم کہیں برسوں رہتے ہو کہیں مہینوں رہتے ہو کہیں دنوں رہتے ہو یہ عارضی ٹھکانے ہیں۔ ذرا دن کو بدل کر دیکھو۔ کچھ کر سکتے ہو؟ کوئی چاہے میں پشت پدر میں نہ جاؤں شکم مادر میں نہ جاؤں ویسے ہی زمین پہ اتر جاؤں ذرا اتر کر دیکھو۔ کوئی کہے میں یہیں رہ جاؤں قبر میں نہ جاؤں رہ کے دیکھو! جس طرح چاند، سورج، ستارے، رستے، سفر اور اوقات کے پابند ہیں اسی طرح تم بھی اسی سفر کے پابند ہو۔ ہاں تمہارے بہت عارضی ٹھکانے ہم نے بنائے ہیں صلب پدر میں آتے ہو، شکم مادر میں آتے ہو وہ بھی گھر ہے، زمین پہ آتے ہو وہ بھی گھر ہے، قبر میں جاتے ہو وہ بھی گھر ہے، وہ عارضی ہے پھر قیامت کے میدان میں وہ بھی عارضی ہے ایک دن وہ حشر بھی ختم ہو جائے گا، پھر رہ جائے گی جنت یا دوزخ۔ فرمایا اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ عارضی ٹھکانے بھی بہت سے بنا دیئے پھر مستقل ٹھکانہ بھی بنا دیا قَدْ فَصَّلْنَا

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ﴿۹۸﴾ اگر بندہ سمجھدار ہو، سمجھنا چاہے پھراس میں تفقہ ہوتو اس میں دلائل ہیں۔ اللہ کریم فرماتا ہے میں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی سمجھنا چاہے تو اس میں کوئی کمی نہیں اور نہ سمجھنا چاہے تو اس کی بدنصیبی ہے کہ آخراس سفر سے اس منزل سے وہ بچ نہیں سکتا آنا اس نے آخری گھر میں ہے، صرف اسے میں نے ایک اختیار دے دیا ہے ورنہ نہ عالم امر میں اس کے پاس کچھ کرنے کا اختیار ہے نہ صلب پدر میں نہ شکم مادر میں دنیا میں آتا ہے تو میں اسے تھوڑی سی چھٹی دے دیتا ہوں کہ اگلے گھر کے لئے فیصلہ کرکہ توکس گھر میں جانا چاہتا ہے اگر جنت میں جانا چاہتا ہے تو یہ ہے میرا رسول ﷺ ان کا دامن تھام لے اور اگر جنت کی ضرورت نہیں ہے تو جدھر مرضی ہے جا۔ جب تو وہاں پہنچے گا تو پتہ چل جائے گا اتنی سی بات ہے۔ اور فرمایا اس کے لئے میں نے قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ دلائل کے انبار لگا دیئے کھول کر دلیلیں بیان کردیں لیکن دلائل بھی انہیں کو کام آتے ہیں جو باشعور ہوں جو سمجھنا چاہیں جو سمجھ سکتے ہوں۔

عظمت الٰہی پر دلائل:

اسلام کی بنیاد آج نہیں آدمؑ سے لے کر آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ تک یہ سارا اسلام تھا جو انبیاءؑ نے بتایا اور ہر دین اپنے وقت میں اسلام تھا۔ اسلام کی بنیاد توحید باری پہ استوار ہے یعنی اللہ واحد ہے لاشریک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی اس جیسا ہے نہ اس کی صفات میں کوئی اس جیسا ہے وہ اپنی ذات میں بھی اکیلا ہے اور اپنی صفات میں بھی اکیلا ہے۔ وہ خالق ہے اور باقی سب مخلوق ہے۔ خالق کسی چیز کا محتاج نہیں اور مخلوق بغیر احتیاج کے رہ نہیں سکتی بہت بڑا واضح فرق تو یہاں توحید کے دلائل میں فرمایا کہ یہ دیکھ لو وہ ایسا قادر ہے کہ کتنے پانی کو وہ سمندروں سے اٹھا کر بلندیوں پہ لے جاتا ہے یہ ہلکی پھلکی چلنے والی ہوا یہ کتنا پانی اٹھائے پھرتی ہے کہ جب وہ برستا ہے تو زمین سے برداشت نہیں ہوتا۔ جب آسمان سے یا بلندیوں سے پانی کو اُتارتا ہے تو زمین سنبھالنے سے عاجز آجاتی ہے۔ طوفان آجاتے ہیں، طغیانیاں آجاتی ہیں، لوگ غرق ہونے لگتے ہیں، مکان بہہ جاتے ہیں، سڑکیں بہہ جاتی ہیں تو یہ پانی زمین پہ آنے سے پہلے کہاں تھا؟ وہ ایسا قادر ہے کہ اسی کے حکم سے یہ ہلکی پھلکی ہوائیں اس کو اٹھائے پھرتی ہیں یہی بادل جو محض دھند نظر آتے ہیں ان ہی میں یہ بے پناہ پانی سمویا ہوا تھا اور وہ قادر ہے اس نے ہوا کو وہ قوت دے دی کہ بادلوں کو اٹھائے پھرتے اور بادل کو قوت دے دی اسے برداشت کرنے کی لیکن جب وہ برستا ہے تو زمین جس نے اتنی مخلوق کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اس پانی کو سنبھالنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔ کون ہے اس کے علاوہ جو ایسا کر سکے؟ فرمایا اسی سے اندازہ لگالو۔

وہ قادر ہے جیسا چاہتا ہے کرتا ہے پھر وہ ایسا قادر ہے کہ جتنا پانی برسا وہ مختلف طرح کا نہیں تھا نہ اس کے رنگ میں فرق تھا نہ اس کے ذائقے میں فرق تھا نہ اس کی تاثیر میں فرق تھا **فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ** جتنی نباتات زمین سے اُگی اسی ایک پانی سے اُگی آپ اس کو گن نہیں سکتے کہ کتنی قسم نباتات ہے اور ایک قسم کے پودے آپ گن نہیں سکتے۔ آپ گھاس کے تنکے نہیں گن سکتے، آپ ایک خاص قسم کی جڑی بوٹی گن نہیں سکتے کہ کتنی ہے، آپ درختوں کی تعداد گن نہیں سکتے، آپ زرعی، زراعت اور فصلوں کی تعداد کو گن نہیں سکے تو جتنی بے شمار یہ روئیدگی ہے اسی ایک پانی سے حیات پا رہی ہیں نمودار ہو رہی ہیں اسی سے یہ پھوٹ کر نکل رہی ہیں **فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا** اسی سے یہ سبزہ پیدا ہوتا ہے اور ہر سبزے پہ پھل لگتا ہے۔ کمال ہے ہر سبزے کی خوشبو الگ ہے ہر سبزے کا ذائقہ الگ ہے ہر سبزے کی تاثیر الگ ہے ہر نباتات پہ چھوٹے سے تنکے سے لے کر بڑے سے بڑے درخت پر سب پر پھل آ رہا ہے سب کا پھل الگ قسم کا ہے اس کا ذائقہ الگ قسم کا ہے اس کی تاثیر الگ ہے لیکن سارا کس سے اُگا ہے اسی پانی سے جو سب پر برسا وہ ایسا قادر ہے کہ اسے کتنے رنگ اس نے دے دیئے ہیں کتنے ذائقے دے دیئے کتنی قسم کے مختلف اثر عطا کر دیئے۔ کسی دوسرے کے بارے سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ مخلوق سے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایسا کر سکے **وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ** اور اس نے کھجور کا درخت اگا دیا اب عجیب بات ہے کھجور کا ایک درخت تنہا ایک تنا سا اُگتا ہے اور وہ بڑھتا چلا جاتا ہے اس پر چند شاخیں نکلتی ہیں اس کا سایہ بھی نہیں بنتا یعنی آپ کھجور کے درخت کے سائے میں بیٹھ جائیں تو وہ پندرہ منٹ بعد آگے کھسک جاتا ہے تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے آپ دھوپ میں آ جاتے ہیں لیکن وہ ایسا قادر ہے کہ اس تنہا تنے پہ اس نے اتنے پھل لگا دیئے کہ خوشے جھکے پڑتے ہیں سنبھالے نہیں سنبھلتے اور ان میں اس طرح کی مٹھاس پیدا کر دی ہے اور وہ شیرینی اور وہ لذت پیدا کر دی کہ آدمی اس پر وقت گزار سکتا ہے۔

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ اس نے انگوروں کے باغوں کے باغ اگا دیئے زیتون اور انار کے بہتات سے باغ لگا دیئے۔ اور ذرا سوچو کہ ایک بیل جو اپنا وزن نہیں اٹھا سکتی جسے کھڑا کرنے کے لئے لوگ باغوں میں سہارے دیتے ہیں، لکڑیاں ڈالتے ہیں، چھپر سے بناتے ہیں، اس پر انگور کی بیل کو چڑھاتے ہیں اسی بیل پر وہ کیسا عجیب قسم کا پھل لگا دیتا ہے کہ جو اپنے رنگ میں بھی بے مثال ہے، اپنی شیرینی میں اور اپنے اثرات میں بھی بے مثال ہے اور خوشوں کے خوشے لٹا دیتا ہے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔ اسی

طرح زیتون کو دیکھ لو کہ یہ ایک بظاہر جنگلی پودا ہے اور جنگلوں کے جنگل بھرے ہوئے ہیں اس پر پھل آجاتا ہے اس میں شیرینی بھی ہے لذت بھی ہے دوا بھی ہے پھر اس سے تیل نکلتا ہے جس کا کمال ہے کہ وہ تیل اصلی گھی سے بھی کئی گنا زیادہ طاقتور اور جسم کو قوت دینے والا ہے یعنی پانی تو ایک ہی برسا تھا۔ روئیدگی ایک ہی زمین سے ہوئی، زمین بھی ایک ہے، پانی بھی ایک ہے، پھر یہ کون ہے جس نے اتنے ان گنت پودے پیدا کئے ہیں؟ اتنی وسیع زمین پر سبزہ پیدا کیا اور جو تنکا گھاس سے نکلتا ہے ہر تنکہ گل بکاں ہے ہر تنکے نے ایک پھول اٹھا رکھا ہے۔ بارشوں کے موسم میں دیکھیں جنگل کا جنگل ہرا ہے ایسے پودے اُگے ہیں جیسے کسی نے مخملیں چادر بچھا دی ہیں اور اس پر اتنی گلکاری کی ہے کہ ہر تنکے پر پھول ہیں اور ان کا رنگ الگ ہے ہر پھول میں اتنی باریکیاں ہیں کہ ایک پتی کو توڑ کر دیکھنے بیٹھ جائیں تو آپ سمجھ نہیں سکتے کہ اس میں کتنے رنگ ہیں؟ اس ایک پتی میں آگے کتنی گلکاری اور کتنے پھول ہیں؟ پھر اس کی ایک قسم کے پھول کی جتنی پتیاں ہیں اس قسم کے ہزاروں پھول توڑیں تو پتہ چلے گا کہ وہی پھول ہے ساتھ دوسری قسم کا ہے تو وہ الگ ہی ہے تیسری قسم کا ہے تو الگ ہی ہے۔ سب کے رنگ اپنے ہیں خوشبو اپنی ہے۔ ذائقہ اپنا ہے۔ تاثیر اپنی ہے۔ اب بنیاد کیا تھی یہی مٹی اور یہی پانی جو آسمان سے برسا کون ہے وہ قادر مطلق؟ کون ہے ایسی ہستی جو اِن سب میں رنگ آمیزی اور رنگ سازی کر رہا ہے؟ جو اِن میں تاثیرات پیدا کر رہا ہے؟ جو اِن میں اثر پیدا کر رہا ہے؟ جو اِن میں خوشبوئیں بھر رہا ہے؟ وہ ہستی کون ہے؟ فرمایا وہ وحدہٗ لاشریک ہے ساری دنیا کے کارخانے، ساری دنیا کی سائنس، ساری دنیا کے انسان و جن اکٹھے ہو جائیں ایک تنکہ ایسا نہیں بنا سکتے جو قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے، جو زمین سے اگتا ہے۔ میاں محمد مرحوم نے کہا تھا پنجابی میں ان کا ایک شعر ہے کہ

جے ہک مچھر دا پر بھجے سارا ای عالم لگے　　　　فیر نئیں او ثابت ہوندا جیوں کر آہا

یعنی ایک مچھر کا پر ٹوٹ جائے اور دنیا کے سارے کاریگر جمع ہو جائیں پھر اس کے ساتھ ویسا پَر نہیں اُگا سکتا جیسا اس کو قدرت نے دیا تھا۔ بنا بنا کے لگاتے رہیں ویسا نہیں بن سکتا۔ سائنس نے بڑی ترقی کی ہے اور چیزیں جلدا گا لیتے ہیں، بے موسم پھل اُگا لیتے ہیں تو کیا مشینوں میں اگاتے ہیں؟ نہیں! وہی پانی دے کر اسی زمین میں مختلف اجزاء ملا کر بناتے ہیں اور بناتا وہی قادر مطلق ہے، مشین میں ایک تنکہ بھی نہیں بن سکتا۔ جو تنکے مشین میں بنتے ہیں وہ کسی دھات کی کوئی تار ہی ہوگی۔ قدرتی تنکے جیسا اور ان خصوصیات کا حامل اس طرح ایک تنکا بھی نہیں بنا سکتا۔

فرمایا' اس نے باغوں کے باغ اگا دیئے انگور کے، زیتون کے اور انار کے ان کی مثال اس لئے دی ہے کہ یہ تین پھل بڑے خاص قسم کے ہیں۔ انگور ایک ایسا خاص پھل ہے جو غذا اور بیماروں کے لئے دوا بھی ہے اگرچہ نافرمان اس سے شراب بھی بنا لیتے ہیں۔ فرمایا وہ قادر مطلق تو ایسا ہے کہ جس نے انسان کے فائدے کے لئے ایک مفید چیز بنائی اور نافرمان ایسے بد بخت ہیں کہ اس آب حیات کو انہوں نے زہر میں تبدیل کر دیا۔ اسی طرح زیتون کا ذکر ہے یہ تینوں پھل پھلوں کے سردار ہیں زیتون کا ذکر فرمایا کہ یہ وہ پھل ہے جو کھانے میں مزیدار ہے اور اس کا کھانا بے شمار بیماریوں کا علاج ہے یعنی غذا بھی ہے دوا بھی ہے۔ یہ کلیسٹرول کا بہترین علاج ہے کہ چار پانچ دانے زیتون کے روز کھا لئے جائیں اور اس میں اس قدر مفید تیل رکھ دیا گیا ہے کہ اس کی افادیت بے مثل ہے۔ ایسے عجائبات ہیں ان میں یہ تاثیریں کون پیدا کرتا ہے؟ ہے کوئی جو ایسی چیز بنا سکے؟ ہے کوئی جو اس طرح کی مثال پیش کر سکے؟ اسی طرح فرمایا **وَالرُّمَّانَ** انار کو دیکھ لو اسے کھول کے دیکھیں تو اللہ کی صنعت پر بندہ عش عش کر اٹھتا ہے کہ کس ترتیب سے قدرت طور پر اس میں دانے پرو کر جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ پیدا کرنا تو بہت دور کی بات ہے مٹی سے اگتا ہے ایک پودا اور اس کا تنا سرسبز ہوتا ہے بلکہ انار کا تنا خشک نظر آتا ہے پتے بھی ہوتے ہیں اور تنے کو دیکھو تو اسے لگتا ہے خشک لکڑی کھڑی ہے جب پھل آتا ہے تو اتنا خوبصورت اتنا بہترین اور اتنا خوش ذائقہ ہوتا ہے اس کے علاوہ یہ بے شمار امراض کی دوا بھی بنتا ہے۔ اس کا شربت بھی دوا بنتا ہے خود اس کا کھانا بھی دوا بنتا ہے اور چھلکا بھی ضائع نہیں جاتا۔ اس کا چھلکا بھی دوا بنتا ہے۔ کہاں سے آ رہا ہے؟ کون بنا رہا ہے؟ یہ اس کی صنعت ہے۔ انار کے درخت کو دیکھو تو ایسے پتہ چلتا ہے سوکھی ٹہنیاں کھڑی ہیں پھل دیکھو تو گول مول گیند کی نظر آتی ہے اسے کھولو تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں صنعت باری کیا ہے؟ اور جس طرح سے اس قادر مطلق نے اس میں دانے پرو دیئے ہیں کبھی کھول کے سامنے رکھ کے دیکھ کے اندازہ کیجئے اور ایک دفعہ اس سے دانے نکال لیجئے اور پھر اسے کسی کاریگر کو کہیئے اسے اس ترتیب سے جوڑ کر ایسے بند کر دے تو وہ سمجھے گا کہ یہ تو ایسے دس اناروں میں بھی بند نہیں ہوتے تو فرمایا یہ تو اس نے تین چیزیں مثال کے لئے پسند فرمائیں ورنہ ہر پھل میں ہر نباتات میں، ہر جنس میں ہر دانے میں اس کی قدرت کے مظاہر ہیں اور عجیب وغریب تاثیرات کا مظہر ہیں۔ عجیب وغریب اثرات رکھ دیئے ہیں اور اس کی قدرت کاملہ ہے کہ اس نے ہر چیز کا مزاج الگ بنایا ہے بادام ہوتا ہے خشک لکڑی کا ایک پھل ہوتا ہے اس پر سبز سا چھلکا ہوتا ہے۔ چھلکا اتارو تو نیچے سے خشک لکڑی سی آ جاتی ہے اب اسے توڑو تو اس

میں سے بادام کا مغز نکلتا ہے جو دماغ کو تقویت دیتا ہے۔قوت دیتا ہے اس کا شربت بنتا ہے اس کی دوائیں بنتی ہیں جو حیات بخش اور حیات آفریں ہیں اور یہی بادام آٹھ دس توڑ کر اس کا مغز اچھے بھلے گھوڑے کو کھلا دو گھوڑا مرجائے گا یعنی باقی مخلوق کے لئے صحت کا سبب ہے۔گھوڑے کے مزاج میں یہ رکھ دیا ہے کہ اگر اسے بادام کھلا دو تو وہ مرجائے گا۔اس کے لئے یہی زہر کافی ہے۔ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں بے شمار جانداروں کے لئے صحت افزاء ہے اور ہی چیز ایک جاندار کے لئے موت کا سبب ہے۔اشیاء میں اس طرح کے عجیب وغریب اثر کس نے رکھ دیئے۔

مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ فرمایا' جیسے بھی ہوتے ہیں لیکن سب الگ الگ ہیں یعنی ایک خوشے سے آپ انگور کھائیں ہر دانے کا ذائقہ الگ ہے دو بیلیں انگور کی الگ الگ لیں یا دو گچھے انگور کے الگ الگ لیں ایک نیم پختہ ہے ایک پک گیا، ایک میٹھا ہے، ایک توڑیں تو کھٹا ہے، ایک درخت پر انار کھڑے ہیں ایک پک گیا ہے، ایک میٹھا ہے، ایک کو توڑیں تو کھٹا ہے، کچا ہے، ایک درخت پہ بادام لگ گئے ہیں ایک توڑیں تو میٹھا ہے، ایک توڑیں تو کڑوا ہے، زہر کی مانند، تلخ ہے۔اس کی اپنی قدرت ہے، اس کی اپنی صنعت ہے۔ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ایک دوسرے سے الگ بھی ہیں یعنی دیکھنے میں ایک درخت جیسے ہیں، میٹھے اور کڑوے بادام کے درخت ظاہراً ایک جیسے ہوتے ہیں، ایک درخت پر میٹھے اور کڑوے یکجا نہیں لگتے۔قدرت کی صناعی ہے کہ کڑوے بادام کا درخت ہی الگ ہوتا ہے اور داس پر لگتے ہی سارے کڑوے بادام ہیں۔ہاں فروخت کرنے والے ایسا کرتے ہیں کہ کڑوے بادام بھی میٹھے میں ملا دیتے ہیں یعنی انسان جب اللہ سے دور ہوتا ہے تو جو چیزیں اللہ نے انسان کی بھلائی کے لئے بنائی ہیں وہ انہیں انسانوں کے لئے بھی نقصان دہ بنا دیتا ہے۔

اللہ ایسا نہیں کرتا اس نے کڑوے بادام کا الگ درخت اگایا ہے میٹھے کا الگ اگایا ہے اس نے شناخت دے دی ہے کچے پکے خوشے کی، کچا خوشہ الگ ہر آدمی دیکھ سکتا ہے اور میٹھا الگ ہے، ہم کیا کرتے ہیں؟ ہم اسے ملا کر پیسہ کماتے ہیں ہم کیسے عجیب انسان ہیں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا تب ہوتا ہے جب ہم اس کی ذات وصفات میں شرک کرتے ہیں بندہ دولت کے لئے شرعی قاعدے کے خلاف جب جاتا ہے تو یہ یقین رکھ لے کہ اس کا اللہ کی رزاقیت سے ایمان اٹھ جاتا ہے اگر وہ اللہ کو رازق سمجھتا ہے تو جائز کام کرتا حلال مزدوری لیتا ہے جب وہ حرام کی طرف جاتا ہے کام میں بددیانتی کرتا ہے یا رشوت کھاتا ہے یا ڈاکہ کرتا ہے یا ناجائز پیسہ لیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی رزاقیت پر سے اس کا ایمان اٹھ گیا ہے۔اہل اللہ اس معاملے

میں بڑی سختی کرتے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالے ''خدام الدین'' میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ اذان سنتے رہتے ہیں اور صلوٰۃ کے لئے مسجد نہیں جاتے کہ دکان بند کریں تو نقصان ہو جائے گا حالانکہ چند منٹ لگتے ہیں دس پندرہ منٹ بندہ صلوٰۃ سے فارغ ہو کے آجاتا ہے لیکن بند کر کے نہیں جاتے صلوٰۃ مؤخر ہو کر دیتے ہیں کہ گاہک نہ چلا جائے تو وہ فرماتے تھے کہ ان کا رب ان کی دکان ہے۔ یہ اللہ کو رب نہیں مانتے۔ اللہ کو رب مانتے، اس کو رازق مانتے تو اس کے حکم پر عمل کرنا ضروری سمجھتے۔ انہوں نے دکان کو رب سمجھ لیا ہے اگر اس جملے کو ہم اپنے آپ پر لگائیں تو جہاں ہم بد دیانتی کرتے ہیں حصول زر کے لئے غلط کام کرتے ہیں وہاں ہمارا ایمان اللہ کی رزاقیت سے اٹھ چکا ہوتا ہے اور یہی شرک ہے۔ بتوں کو پوجنا پتھروں کے آگے سجدے کرنا یہ تو بڑا مشکل ہو گیا ہے یہ میرا اور آپ کا کمال نہیں یہ کمال ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے بتوں پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اب جو بتوں کو پوجتے ہیں وہ بھی شرمندہ شرمندہ پوجتے ہیں وہ کہتے ہیں نہیں جی ہم اس بت کو نہیں پوج رہے اس کے اندر فلاں دیوی یا فلاں دیوتا سرائیت کئے ہوئے ہے۔ پتھر کو بت کو تو ہم بھی بت ہی سمجھتے ہیں یعنی اب کسی میں جرأت نہیں رہی کہ بت کو مؤثر سمجھے یہ ضرف لگائی ہوئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ لا الہ الا اللہ کی ضرب لگی ہے۔ اب ایسی ضرب لگی ہے کہ جب بیت اللہ سے بت توڑے گئے تو بت دنیا سے نابود ہو گئے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ آج جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم بتوں کی پوجا نہیں کرتے اس کے اندر کچھ ہے یعنی سیدھا سیدھا جیسے لوگ بتوں سے امیدیں رکھتے تھے اب بتوں کے پجاریوں کو بھی وہ بات کہنے کی جرأت نہیں ہوتی یہ ضرب لگائی ہوئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی اور یہ ضرب لگائی ہے آپ ﷺ کے خدام کی۔ صحابہ کرامؓ کی جنہوں نے جانیں دیں اور اس کلمے کو پھیلایا۔ ہم کیا کر رہے ہیں؟ جنہیں اسلام نصیب نہیں ہے ان کو تو چھوڑ دیں اللہ سب کو نصیب کرے چونکہ زندہ کافر کے لئے بھی ہدایت کی دعا کی جا سکتی ہے کافر کفر پر مر جائے تو اس کے لئے دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ دنیا میں زندہ کافر کے لئے ہدایت کی دعا کرنا بھی نیکی ہے۔ اللہ اپنی ساری مخلوق پر رحم فرمائے لیکن فکر اس بات کی کرنی چاہیے کہ ہم جو دعویٰ اسلام کا رکھتے ہیں ہم جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پڑھتے ہیں یہ کلمہ ہمیں اس اعتماد تک کیوں نہیں لے جاتا کہ ہم رَبّ بھی اللہ ہی کو مان لیں اور بد دیانتی سے باز آجائیں۔

وطنِ عزیز میں دہشت گردی کا بنیادی سبب:

آج ملک میں ایسی لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے جو افسران بالا سے حکمرانوں سے لے کر عام آدمی کی

سطح تک جاری ہے اور ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ ہم صرف حکمرانوں کے پیچھے تقریر کرتے رہتے ہیں۔ عملاً خود بھی اصلاح پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ٹھیک ہے جو بھی ظلم کرے ظلم کو بیان کرنا چاہئے کہ وہ ظلم سے رک جائے اللہ اسے توفیق دے وہ باز آ جائے اپنی اصلاح کرلے لیکن مقام فکر یہ ہے کہ جو عام آدمی ہیں جن کو شکوہ ہے کہ ان پر ظلم ہوتا ہے کیا انہوں نے ظلم کرنا چھوڑ دیا؟ کیا ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں؟ کیا ہمارے دکاندار اور تاجر بھائی دیانتداری سے تجارت کرر ہے ہیں؟ کیا کوئی ایسی دکان اس پورے ملک میں ہے جس پر بلاخوف وخطر کسی بچی کو بھیج دیں بچے کو بھیج دیں بزرگ چلا جائے کیا اس کا نرخ بھی صحیح ہوگا اس کا وزن بھی صحیح ہوگا اور اس چیز کی کوالٹی بھی صحیح ہوگی پورا پورا دے گا؟ کوئی ہے ایسی ایک دکان؟ یہ کون سا اسلام ہے جس کا ہم اقرار کرتے ہیں یہ کون سی صلوٰۃ ہے جو ہم ادا کرتے ہیں؟

دین کے دو حصے ہیں عبادات اور اعمال۔ عبادات کا مقصد صرف ایک ہے کہ اللہ کریم سے ایسا تعلق نصیب ہو جائے کہ اعمال وکردار کی اصلاح ہو جائے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہو جائیں قرآن کریم نے مسئلہ بیان فرمایا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ○ العنکبوت:45 اللہ کی عبادت بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے یعنی عبادت کا نقد ثمرہ جو ہے وہ برائی سے بچنے کی توفیق ہے۔ انعام وہ ہے جو آخرت میں ملے گا۔ اسے اجر کہا تو جاتا ہے لیکن آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ انعام ہوگا چونکہ بندہ اگر ہوش سنبھالنے سے لے کر اس کی سو سال عمر ہو اور مرنے تک صرف سجدے ہی کرتا رہے تو کسی ایک نعمت کی قیمت ادا نہیں کرسکتا یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ○ البقرہ:21 اس آیہ کریمہ نے یہ بات واضح کردی لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا جو کچھ تم نے عبادت کرنی ہے اس سے کروڑوں گنا زیادہ نعمتیں پہلے لے چکے ہو۔ وجود، صحت، دماغ، عقل، آنکھیں، زبان اور کان یہ بے شمار نعمتیں تمہارے پاس ہیں یہ تم لوگوں کو وہ پہلے عطا کر چکا ہے اگر تمہاری ہزار برس عمر ہو اور تم ہزار برس سجدوں میں گزار دو تو ایک نعمت کی قیمت ادا نہیں کر سکتے آخرت میں جو دے گا وہ اس کا انعام ہے یہ تمہاری اجرت نہیں بنتی تمہارا حق نہیں بنتا یہ اس کی عطا ہے۔

عبادات پر دنیا میں انعام کی صورت:

عبادات پر انعام دنیا میں بھی دیتا ہے آخرت میں جو دے گا وہ اس کا کرم ہے جو انعام دنیا میں عطا فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب اللہ اکبر کہہ کر صلوٰۃ ادا کرتے ہیں اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اس سے

اپنا تعلق قائم کرتے ہیں تو وہ ایک ایسا رشتہ بن جاتا ہے کہ بندوں کا کردار سدھر جاتا ہے وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ کم نہیں تولتے یا رشوت نہیں کھاتے، ناجائز طور پر کسی کو قتل نہیں کرتے۔ کسی کو ایذا نہیں دیتے۔

بدکاری عام ہونے کا عذاب:

اور اگر حال یہ ہے کہ کوئی مسجد میں ہے تو قتل ہو جاتا ہے کوئی سجدہ ریز ہے تو قتل ہو جاتا ہے کوئی عدالت میں کھڑا ہے تو قتل ہو جاتا ہے کوئی پولیس کے تحفظ میں ہے تو قتل ہو جاتا ہے کوئی بازار میں ہے تو قتل ہو جاتا ہے ایک قتل عام جاری ہے۔ تو یہ اللہ کا عذاب ہے۔ جب کسی قوم میں بے حیائی پھیلتی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کسی قوم میں بدکاری زیادہ ہوتی ہے تو جو عذاب اس پہ آتا ہے وہ یہ ہے کہ قتل عام بڑھ جاتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاتے ہیں اور جسے ہم آج تہذیب کہتے ہیں جس کے مقابلے میں دین کی بات کی جائے تو کہتے ہیں یہ بیوقوف ملاں ہمیں چودہ سو سال پہلے کے زمانے میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ تہذیب حاضرہ ہے کہ ہم قتل عام میں ملوث ہیں۔ ہر بندہ دوسرے کا جانی دشمن ہے یہ عذاب الٰہی ہے اللہ دلوں میں دشمنی پیدا کر دیتے ہیں جب لوگ بدکار ہو جاتے ہیں برائی میں بدکاری میں ملوث ہو جاتے ہیں اگر ہماری تہذیب ہمیں یہاں لے آئی ہے کہ بیٹی ناچے اور باپ بیٹھ کر تالیاں بجائے بہن ناچ رہی ہو اور بھائی اس پر فخر کر رہا ہو عورتیں بازار میں برائی کر کے پیسہ لے آئیں اور مرد اس سے جوئے کھیلیں جس قوم کا یہ عالم ہو اسے تہذیب سمجھا جائے گا؟ وہ قوم قتل عام کے عذاب میں مبتلا ہو گی یہ فیصلہ ہے قدرت کا اور اس کی خبر دی ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ آج کہا یہ جاتا ہے کہ دہشت گردی کی Root cause تلاش کرو ہمارے لوگ اردو بھی انگریزی کے سہارے بولتے ہیں۔ اردو میں Root cause کا ترجمہ ہو گا ''بنیادی سبب'' یعنی اصل باعث اس کا کیا ہے؟ بنیادی سبب کیا ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دہشت گردی کا بنیادی سبب بدکرداری ہے۔ جب لوگوں میں بے حیائی اور زنا عام ہو جاتا ہے وہ قوم خانہ جنگی اور آپس کے قتل و غارت گری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا خود ان لوگوں پر قیاس مت کرو جن پر کافروں نے حملہ کیا اور وہ مقابلہ کر رہے ہیں وہ تو جہاد کر رہے ہیں۔ ہم کس کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ ہم بازاروں میں قتل عام کر کے کون سا جہاد کر رہے ہیں۔ ہم مساجد میں بم پھینک کر کون سا جہاد کر رہے ہیں؟ ہم مختلف گھروں کو آگ لگا کے کیسا جہاد کر رہے ہیں؟ ہم دوسروں کو لوٹ کر کون سا جہاد کر رہے ہیں؟ یہ جہاد نہیں عذاب الٰہی ہے اور جسے حکمران بالا Root cause روٹ کاز کہتے ہیں میں اسے بنیادی سبب کہتا ہوں آج کے تمام عذابوں کا۔ شراب خانے ہیں۔ بے حیائی ہے جو رات دن ٹیلی ویژن پر دکھائی جاتی ہے اس کا بنیادی سبب وہ بے حیائی ہے جو

دلوں کو دکھاتے ہیں اور اب تو تہذیب بہت ترقی کر گئی ہے کہ اب پاکستان میں بھی مقابلہ حسن ہوگا اور نوجوان بچیوں کا مقابلہ کرایا جائے گا کہ ملکہ پاکستان کون ہے؟ اور جب ملکہ حسن کا انتخاب ہوگا تو قتل عام بھی عام ہوگا گھبراتے کیوں ہو؟ ایک آدمی آگ جلاتا ہے پھر شکوہ کرتا ہے کمرے میں دھواں بھر گیا، گھر کو آگ لگ گئی، آگ تو اس نے خود جلائی تھی، بھئی دھواں بھی دے گی جو چیز اس کے قابو میں آئے گی اسے جلائے گی بھی لیکن اسے لگایا کس نے تھا؟ اگر بنیادی سبب تلاش کرنا ہے تو اللہ کریم کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ جو ہو چکا اس کی معافی مانگو وہ بہت کریم ہے۔ آج بدل جاؤ، آج واپس آجاؤ تو معاف کر دے گا۔ نوحؑ نے قوم سے بات کرتے ہوئے کہا تھا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ نوح: 11 لوگو! توبہ کر لو وہ بہت کریم ہے إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ بہت بخشنے والا ہے تمہارے گناہ اس کی بخشش کو عاجز نہیں کر سکتے۔ جب تم توبہ کرو گے وہ تم پر آباد کرنے والی بارشیں برسائے گا۔ تم کو نیک اولاد دے گا۔ تم کو مال دے گا۔ دنیا میں بھی تم خوشحال ہو گے تم صاحب اقتدار بھی بن جاؤ گے تمہارے خاندان بھی آباد ہو جائیں گے اور آخرت بھی سدھر جائے گی لیکن قوم نہ مانی تو غرق ہو کر تباہ ہو گئی۔

توبہ ہی واحد علاج ہے:

آج ہمارے پاس بھی موقع ہے اور وہی بات ہم سب کو یاد کرنی چاہیے۔ اس پر عمل کرنا چاہیے اور دوسرے بھائیوں تک پہنچانی چاہیے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ توبہ کا مطلب یہ نہیں ہوتا زبانی توبہ توبہ کہہ دی جائے توبہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو برائی کر رہے ہو وہ چھوڑ دی جائے ترک کر دی جائے اللہ سے معافی مانگی جائے اور آئندہ سے اپنے کردار کی اصلاح بھی کی جائے اور اللہ سے نیکی کی توفیق بھی طلب کی جائے عملی زندگی میں تبدیلی لانے کو توبہ کہتے ہیں ورنہ ایسے لوگ بھی دیکھے گئے کہ شراب کا گلاس بھر کے سامنے رکھ لیتے تھے اور کہتے تھے ''توبہ توبہ'' زبان سے کہتے رہتے تھے اور شراب پیتے رہتے تھے۔ یہ توبہ نہیں ہوتی یہ اس کی بارگاہ میں گستاخی اور مذاق شمار ہوتا ہے اور اس کا پتہ تو اس وقت چلے گا جب وہ حساب لے گا پھر بندے کو سمجھ آئے گی کہ میں کیا کرتا رہا تو اس سے پہلے کے مزید حالات خراب ہوں اس سے پہلے کے مزید قتل و غارت گری ہو اس سے پہلے کہ ہم مزید لوگوں پہ ماتم کریں اس سے پہلے کے بے شمار ماؤں کی گود اجڑے اس سے پہلے کہ بے شمار اونچے اونچے سر پکے ہوئے پھلوں کی طرح کٹ کر زمین پر گریں اس سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ اپنی اصلاح کرو اپنے کردار کو درست کرو اور اس کی روٹ کاز Root cause یہی ہے لیکن حیرانی کی بات ہے بڑے سے بڑا حادثہ بھی ہمیں اس علاج کی طرف متوجہ نہیں کرتا۔

وطن عزیز میں ایک بڑا حادثہ ہوا۔ جہاز گر گیا ڈیڑھ سو سے زائد لوگ آنِ واحد میں لقمہِ اجل ہو گئے، ان میں بچے بھی تھے، بزرگ بھی تھے اور نو بیاہتا جوڑے بھی تھے۔ ظاہر ہے ان میں کچھ لوگ خطا کار ہوں گے تو یقیناً کچھ نیک لوگ بھی ہوں گے اچھے بھی ہوں گے باحیاء بھی ہوں گے آن واحد میں ایک مخلوق لقمہ اجل بن گئی۔ پورے میڈیا پر بہت بڑی باتیں ہو رہی ہیں اسی پر بحث ہو رہی ہے لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ کسی ایک بندے کے منہ سے نہیں نکلا کہ ہمیں توبہ بھی کرنی چاہیے اپنی اصلاح بھی کرنی چاہیے اللہ کی طرف سے ہم پر عذاب آرہے ہیں۔ ہر طرف سے بارش ہوتی ہے تو بجائے آباد ہونے کے زمینیں غرقاب ہو رہی ہیں بندے بھی ڈوب کر مر رہے ہیں جانور بھی مر رہے ہیں بارش جو باعث رحمت تھی ہمارے لئے باعث مصیبت بن گئی ہے۔ نہیں ہوتی تو پیاس سے مرنے لگ جاتے ہیں۔ بازار میں جاتے ہیں تو قتل ہو جاتے ہیں گھر میں بیٹھے ہیں تو قتل ہو جاتے ہیں تو یہ اتنا قتل عام جو ہو رہا ہے تو ہمیں چاہیے کہ اللہ سے توبہ کریں اللہ سے بخشش چاہیں اس سے سلامتی کی استدعا کریں۔ میں نے ان تین دنوں میں کسی کے منہ سے یہ بات نہیں سنی کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے؟ ایک دوسرے پر الزام لگائے جا رہے ہیں کوئی کہتا ہے جہاز پرانا تھا۔ کوئی کہتا ہے پائلٹ ریٹائرڈ تھا انہوں نے پھر رکھ لیا۔ کوئی کنٹرول ٹاور والوں کو موردالزام ٹھہرا رہا ہے سب ایک دوسرے پہ الزام لگائے جا رہے ہیں یہ سوچنے کو کوئی تیار ہی نہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ بھی کرنی ہے یہ بدبختی کی حد ہے یہ بدنصیبی کی انتہا ہے۔ لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اس کی بارگاہ میں آجاؤ۔ اور اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرو۔ اپنا کردار تبدیل کرو۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ جس قوم کو ایمان نصیب ہے اس کے لئے تو بارشوں کے برسنے میں، روئیدگی میں، پھلوں کے پکنے میں، غلے اور دانے میں، سارے نظام کے ایک ایک کام میں اس کی عظمت کی بے شمار دلیلیں ہیں۔

ہر گیاہ کہ از زمین روئید --- وحدہٗ لاشریک لاگوئید

ہر تنکا اس کی توحید پہ گواہی دے رہا ہے۔ پھول اس کی توحید پہ گواہی دے رہا ہے، ہر پتہ اس کے لاشریک ہونے پہ گواہ ہے لیکن لوگ اتنے کم حوصلہ ہیں وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ جنوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔

عاملوں کی جعلسازی:

بے شمار مخلوق ہے جس کو لوگوں نے فرضی عامل کا نام رکھ کر پروفیسر کا روپ دھار کر اور کبھی پیر کا حلیہ بنا کر اور کبھی مولوی کا حلیہ بنا کر اس میں پھنسا رکھا ہے کہ آپ کا یہ کام جنوں سے کرا دیں گے یہ قوم اللہ سے اتنی دور ہو چکی ہے کہ عاملوں کو اپنا حاجت روا سمجھتی ہے۔ ہر اخبار میں ہفتہ وار ایک رسالہ بھی آتا ہے۔ جسے ویکلی

ایڈیشن کہتے ہیں اس میں عاملوں کی طرف سے پورے پورے صفحے کا اشتہار ہوتا ہے کہ بھئی میرے پاس آؤ میں تمہارا یہ سارا کام جنوں سے کرادوں گا کیا کسی میں اتنا سوچنے کی فرصت نہیں کہ جو کہتا ہے کہ اسے پچاس یا پانچ سو روپے دے دو میں تمہارا پانچ کروڑ کا کام کرادوں گا تو بندہ یہ سوچ کہ یہ پانچ سو روپے مجھ سے کیوں مانگتا ہے؟ اپنا پانچ کروڑ ادھر سے لے لے۔ مجھ سے پانچ سو لیتا ہے اور مجھے جنوں سے پانچ کروڑ کا کام کرا کر دینے کا کہتا ہے۔ اس کے بس میں ہے تو پانچ کروڑ خود کیوں نہیں لیتا تو بات سمجھ میں آ جائے کہ یہ سارا جھوٹ ہے۔ اگر اس کے بس میں پانچ کروڑ لینا ہوتا تو یہ کسی کو دلانے کی بجائے خود لیتا۔ اپنی روٹی کھانے میں تو دوسروں کی شیرینیوں کا محتاج ہے بچے پالنے میں تو لوگوں کے دیئے ہوئے پیسوں کا محتاج ہے گھر بنانے میں تو لوگوں کے پیسوں کا محتاج ہے آپ کو کہتا ہے آپ کا سارا کام میں جنوں سے کرادیتا ہوں۔ مسلمان تو کلمہ پڑھنے کے بعد یہ یقین رکھتا ہے کہ کارساز تو وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ جن کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ کریم فرماتا ہے **وَخَلَقَهُمْ** تم انہیں میرا شریک بناتے ہو جنہیں میں نے خود پیدا کیا ہے جو پیدا ہونے میں اپنے وجود میں میرے محتاج ہیں انہیں میرے برابر کرتے ہو۔ مخلوق کو خالق کے برابر کر لیتے ہو۔ یاد رکھو! ہم زبان سے نہیں کہتے عمل ہمارا یہی ثابت کرتا ہے کہ ہم کروڑوں روپے روزانہ ان عاملوں کو نذرانہ دیتے ہیں کہ ان کے پاس اتنا پیسہ جمع ہو جاتا ہے کہ وہ لاکھوں کا تو ہر ہفتے اشتہار دیتے ہیں یہ جو کمپنیاں اشتہار دیتی ہیں یا یہ کاروباری لوگ جو اشتہار دیتے ہیں تو اس کا ایک معیار ہوتا ہے۔ ان کا ایک معیار یہ ہے کہ جتنا نفع آتا ہے اس کا دو فیصد اشتہاروں پر خرچ کیا جائے یہ ان کا ایک معیار ہے۔ تو اگر یہ جھوٹے جنات کے عامل ہر ہفتے لاکھ روپے کا بھی اشتہار دیں تو اس کا مطلب ہے ان کی مہینے کی کمائی کا چار لاکھ روپے جو ہے یہ دو فیصد ہے۔ اتنے پیسے انہیں کون دیتا ہے؟ دینے والے آج کے مسلمان ہی ہیں جو کلمہ بھی پڑھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور کام کرانے کے لئے جنوں والوں کے پاس جاتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جن تیرے کارساز نہیں ہیں۔ جن تو خود عاجز مخلوق ہیں **وَخَلَقَهُمْ** میں نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ میری مخلوق ہے تم انہیں میرے برابر کہاں بٹھا رہے ہو؟ سب کے کام تو میں نے کرنے ہیں مجھ سے مانگو۔ میری بارگاہ میں درخواست کرو اور تمہارے اتنے کام میں کرتا ہوں جو تم جانتے ہی نہیں اور اللہ کی نعمتیں استعمال کرتے رہتے ہو اور اندازہ نہیں کرتے کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی۔ ساری عمر تم آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہو اور آنکھ جیسی نعمت کا اندازہ تمہیں نہیں ہوتا۔ جب وہ تم سے چھین لیتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ بینائی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ساری عمر ان

دانتوں سے کھاتے ہوا ایک دانت میں ذرا سا درد ہو جائے تو سمجھ آ جاتی ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی اور اس میں تکلیف ہو تو کتنا دکھ ہوتا ہے کتنی نعمتیں ہیں جو میں نے دے رکھی ہیں۔ تمہیں ان کا احساس ہی کوئی نہیں اور پھر تم میری بارگاہ چھوڑ کر جنوں کے پیچھے بھاگ رہے ہو لیکن یہ جتنے ہمارے نام نہاد پیر اور بعض مولوی بھی اللہ معاف کرے اور یہ جو عامل کہلاتے ہیں جب ان آیات کو پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ کافروں کے لئے ہیں حالانکہ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ برائی تو برائی ہے کافر کرے تو برائی ہے، مسلمان کرے تو دس گنا زیادہ برائی ہے کہ یہ کلمہ پڑھنے کے بعد پھر برائی کیوں کرتا ہے۔ برائی 'برائی ہے۔ **وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ** بعض جاہلوں نے اس کے لئے بیٹے تصور کر لئے۔ عیسائیوں نے کہا عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں یہودیوں نے کہا **عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ** التوبہ:30 عزیزؑ اللہ کے بیٹے ہیں **بِغَيْرِ عِلْمٍ** فرمایا 'ان پر کوئی علمی دلیل کہیں سے کوئی نہیں لایا، پیغمبر دلیل کے، بغیر کسی ثبوت کے، بغیر کسی وجہ کے خوامخواہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کر دیتے ہیں۔ **سُبْحٰنَهٗ** وہ ذات پاک ہے۔ بہت بلند ہے نہ کوئی اس کا ہم سر ہے نہ اس کا کوئی برابر کا ہے نہ اس کا کوئی ماں باپ ہے نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے وہ واحد ہے وہ لاشریک ہے **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ③ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ** الاخلاص:4 وہ واحد ہے لاشریک ہے کوئی اس کا بیٹا بیٹی ماں باپ نہیں ہے، کوئی اس کی برابری کی ہستی نہیں ہے، وہ واحد لاشریک ہے۔ **سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ** ⑩⑩ یہ لوگ جو باتیں گھڑتے ہیں وہ ان سب سے بلند و بالا ہے اور ان سب باتوں سے اس کی ذات پاک و ماورآء ہے۔

عقیدہ توحید کی عملی تصویر:

اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید باری سے آشنا ہو جانا ہے اور اپنی عملی زندگی سے یہ ثابت کرنا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا امتی ہوں۔ وہ کروں گا جس کی اجازت میرا اللہ دے گا۔ اللہ کا رسول ﷺ دے گا اور جہاں سے مجھے میرا اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ روک دے گا وہاں سے سے رُک جاؤں گا۔ نفع ہو یا نقصان، کوئی بت، کوئی جن، میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ نفع ہوگا تو اللہ کی طرف سے، نقصان ہوگا تو میری کسی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ اگر مجھے فائدہ ہوتا ہے تو میرے رب کا انعام ہے۔ اگر میرا نقصان ہوتا ہے تو یقیناً میری کسی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ مجھے اپنی اصلاح کی کوشش کرنی ہوگی۔

اللہ کریم ہمیں توبہ کی توفیق بھی دے ہماری توبہ قبول بھی فرمائے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بھی دے۔ اس ملک کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس پر عدل و انصاف کی حکومت قائم فرمائے۔

سورۃ الانعام رکوع 13 آیات 101 تا 110

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ
تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ
﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ
فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ
الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾
قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ
وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ
نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ
وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾
وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ
عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ
اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کے یعنی اللہ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے ؟ حالانکہ اس کی کوئی بیوی تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿۱۰۱﴾ یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے ﴿۱۰۲﴾ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے ﴿۱۰۳﴾ اَب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگراں نہیں ہوں ﴿۱۰۴﴾ اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سب کو پہنچادیں اور تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کردیں ﴿۱۰۵﴾ آپ خود اس طریق پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے ﴿۱۰۶﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے اپ کو ان کا نگراں نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر مختار ہیں ﴿۱۰۷﴾ اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں یعنی ان کے معبودوں کو کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل

مرغوب بنا رکھا ہے پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے ﴿۱۰۸﴾ اور ان منکر لوگوں نے اپنی قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر بلکہ ہم کو خبر ہے کہ وہ نشان جس وقت آجائیں گے ﴿۱۰۹﴾ یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لائیں گے اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے ﴿۱۱۰﴾

خلاصۂ رکوع

وہ زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے تو تم اس کے لئے اولاد کیسے تجویز کر سکتے ہو؟ اس کی نہ کوئی اولاد ہے نہ کوئی اس کی بیوی۔ اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز اس کی مخلوق ہے اور وہ ہر چیز کے ہر حال سے واقف ہے۔ اللہ ہی تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر چیز کے ہر حال سے واقف ہے۔ یہ شان ہے اس اللہ کی جو تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں کہ ہر شئے مخلوق ہے اور وہ ہر شئے کا خالق ہے۔ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے لہٰذا اللہ ہی کی عبادت کرو وہ ہر ایک کا کارساز ہے۔ تمہاری بصارت، تمہاری آنکھوں کی بینائی اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اسے نہیں دیکھ سکتی لیکن وہ تمہاری بصارت اور بصیرت کو دیکھتا ہے۔ بہت باریک بین اور باخبر ہے۔ تمہارے پاس بے پناہ نصیحتیں تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکیں اب جو ان پر غور کرے گا جو ان پر ایمان لائے گا وہ اپنے فائدے کیلئے کرے گا اور جس نے آنکھیں بند کر لیں تو میرے حبیب ﷺ تم کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں کہ تم نہ بھی مانو تو پھر بھی میں تمہیں منواؤں۔ یہ میری ذمہ داری نہیں۔ اور ہم یوں مختلف انداز میں اتنے روشن دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سب لوگوں تک پہنچا دیں تاکہ منکرین کلام الٰہی کے لئے یہ حجت ہو جائے اور اہل علم اس سے استفادہ کر سکیں۔ آپ پر جو وحی آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے رہیے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مشرکین سے کنارہ کشی کر لیجئے۔ اللہ چاہتا تو وہ شرک ہی نہ کرتے طاقت

سے منوانا منظور ہوتا تو کس کی مجال تھی کہ شرک میں مبتلا ہوتا۔ یہ آزمائش اللہ نے خود رکھی ہے انسانوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ اللہ کو پانے کا راستہ چن لیں یا خودسری کے راستے کا انتخاب کریں لہٰذا آپ کے ذمہ ان کی ایسی حفاظت نہیں ہے کہ کوئی انسان گمراہی اور شرک میں مبتلا نہ ہو۔ یہ انسانوں کے اپنے فیصلے ہیں۔ آپ ایسے لوگوں سے رخ انور پھیر لیجئے جو شرک کا راستہ اپنالیں۔ آپ ان کی ہرگز پرواہ نہ کریں اور اپنے فرائض نبوت ادا کرتے رہیں۔ یہ مشرکین جن معبودان باطلہ کی پرستش کرتے ہیں ان کو برا نہ کہیں کہ یہ اللہ کی عظمت سے ناآشنا ہونے کے باعث اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے اس لئے کہ انسانی مزاج ایسا ہی بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی رائے کو ہی صحیح سمجھتا ہے۔ جب تک اللہ کی طلب دل میں پیدا نہ ہو جائے انسان اپنی رائے کو نہیں چھوڑ سکتا لہٰذا آپ دلائل بیان فرمائیں سلجھے ہوئے پسندیدہ انداز سے بیان فرمائیں اور کردار سے واضح کریں۔ اگر یہ قبول نہیں کرتے تو انہیں بھی لوٹ کر اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں ہی حاضر ہونا ہے پھر وہ پر واضح فرمادے گا کہ انہوں نے اپنی پسند کون سا راستہ اپنایا تھا اور اس کا انجام کیا ہے۔ یہ منکرین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ایک بار نشانی آجائے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے حالانکہ نبی رحمت ﷺ کی بعثت عالی ہو چکی ہے یہ تو ایسے کر رہے ہیں گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ انہیں کہہ دیجئے اللہ قادر ہے چاہے تو اور نشانیاں نازل کردے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ بہت بڑا معجزہ اور بھی نازل کردے تو یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لئے کہ جو آپ ﷺ کی بعثت جیسی نعمت کے بعد بھی شکر نعمت نہ کرے اسلام پر مطمئن نہ ہو، شرک اور گمراہی کو ہی پسند کرے تو یہ ایسا بڑا جرم ہے کہ اس دروازے سے ہٹ جانے والے کو اللہ کریم کبھی اپنے دروازے کا راستہ دیکھنے کی توفیق ہی نہیں دیتے۔ ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں پھیر دیں گے جیسا کہ انہوں نے حق سے آنکھیں پھیر لیں۔ ہم ان کو اس جرم کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے گمراہی میں بھٹکنا چھوڑ دیں گے۔

تفسیر و معارف:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ علماء کا ارشاد یہ ہے کہ آسمانوں کے اندر جو کچھ ہے یہ دنیا ہے۔ اس کا تعلق دنیا سے ہے۔ ستارے ہیں، سیارے ہیں، شمس و قمر ہے یا دیگر مخلوق ہے۔ نباتات ہے، جمادات ہے، حیوانات ہے جو کچھ آسمانوں کے حلقے کے اندر ہے اس کا تعلق دنیا سے ہے اور آسمانوں سے ورے جو کچھ ہے اس کا تعلق آخرت سے ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو اس حال سے پیدا کیا کہ کچھ بھی نہیں تھا عدم

سے پیدا کیا'' بدع '' ہوتا ہے کسی کام کو نئے سرے سے شروع کرنا۔ جس کے وجود کا کوئی تصور موجود نہ ہو۔ اسی لئے دین میں اگر کوئی رسم عبادت کے نام پر شروع کی جائے اس کی اصل عہد نبوی ﷺ میں خیر القرون میں یا سلف صالحین میں سے ثابت نہ ہو تو اسے بدعت کہتے ہیں۔ یعنی ایجاد بندہ قسم کی چیز اپنی گھڑی ہوئی چیز۔ تو فرمایا بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ یعنی ایسے نہیں کہ پہلے کہیں آسمانوں کا نقشہ اس نے دیکھ رکھا تھا تو اس کی نقل بنالی یا کچھ ٹکڑے بکھرے پڑے تھے تو ان کو جوڑ کر آسمانوں کی نقل بنالی اور زمین بنا دی ایسا نہیں ہے بلکہ کچھ بھی نہیں تھا اور اللہ تھا پھر اس نے چاہا تو عدم سے آسمانوں کو وجود میں لے آیا اس نے آسمان بنا دیئے۔ آسمانوں پہ بے پناہ کارگاہ حیات بنادی۔ فرشتے بنا دیئے۔ اس نے زمین پید کر دی۔ پھر بے پناہ قسم کی مخلوق اس میں پیدا کر دی پھر اس میں ایک نظام بنا دیا تو یہ جو تم کہتے ہو فلاں اللہ کا بیٹا ہے عیسائی کہتے ہیں معاذ اللہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں یا یہودی کہتے ہیں معاذ اللہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں تو تم نے اللہ کا بیٹا کیسے تجویز کر لیا؟ انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے اس میں انسانی خصوصیات ہوتی ہیں۔ جانور کا بیٹا جانور ہوتا ہے۔ پرندے کا بچہ پرندہ ہوتا ہے۔ یعنی بیٹا جو ہوتا ہے وہ وجود کا حصہ ہوتا ہے اور جو صفات باپ میں ہیں وہی بیٹے کی ہوتی ہیں۔ اسے بھوک لگتی ہے، خوش ہوتا ہے، غمی ہوتی ہے، پیاس لگتی ہے تو وہ ساری خصوصیات بیٹے میں بھی ہوتی ہیں خواہ وہ قابل ہو یا نالائق ہو یا معذور ہو یا طاقتور ہو لیکن انسانی خصوصیات انسان کے بیٹے میں ہوتی ہیں۔ اللہ وہ ذات ہے جو واحد ہے لاشریک ہے۔ جس کی کوئی مثال نہیں تو تم انسانوں کو اس کا بیٹا کیسے تصور کر لیتے جو جبکہ انسان پیدا ہوتے ہیں تمہارے سامنے اسی طریقے سے جیسے سارے انسان پیدا ہوتے ہیں۔ تمہارے ساتھ کھاتے پیتے ہیں انہیں بھوک پیاس گرمی سردی لگتی ہے۔ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، فوت ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ کے بیٹے کیسے بن سکتے ہیں؟ وہ تو ایسی ذات ہے کہ ساری کائنات کی بقاء کا سبب وہ ہے اور جب چاہے سب کو فناء کر دے گا وہ خود ہمیشہ سے ہے ہمیشہ کے لئے ہے تو پھر کوئی جب پیدا ہوتا ہے پھر فوت ہو جاتا ہے اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جب اس کی ذات کی مثال کوئی دوسری ہے ہی نہیں تو پھر اس کی بیوی کہاں سے آگئی اگر اس کا بیٹا ہے تو پھر چاہئے کہ بیوی بھی ہو اس کی ذات تو بے مثل و بے مثال ہے۔ واحد ہے لاشریک ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا چونکہ اگر بیوی بھی ہو تو ہم جنس ہوتی ہے تو یہ تصور کر لینا کہ یہ پتھر کا بت ہے اس میں اللہ موجود ہے اس دیوار میں اللہ موجود ہے اس انسان میں اللہ موجود ہے یہ درست نہیں کہ وہ ایسی ذات ہے کہ مخلوق اس کو نہیں سمو سکتی اس کی ایک ذات کے علاوہ باقی ساری اس کی مخلوق

ہے اور یہ یاد رکھ لو وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ہر چیز کو اس اکیلے نے پیدا کیا ہے تم جو بھی چاہو سوچو۔ تم دیوی سوچو، دیوتا سوچو، آسمانی مخلوق سوچو، فرشتے سوچو، فرشتوں کو معاذ اللہ، اللہ کی بیٹیاں تصور کرو تم کچھ بھی سوچو وہ تمام چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ جن ہیں انسان ہیں، فرشتے ہیں، پتھر ہیں، دریا ہیں، درخت ہیں، پہاڑ ہیں ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ مخلوق خالق کو سمو نہیں سکتی کیونکہ خالق ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ کے لئے ہے۔ باقی ہے اور مخلوق فانی ہے۔ مخلوق کی حد ہے۔ پہاڑ ہے تو اس کی بھی ایک حد ہے، بت ہے تو اس کی بھی ایک حد ہے، انسان ہے تو اس کی بھی ایک حد ہے اور وہ حدوں سے وراء الاوراء ہے تو تم ایک ایسی ہستی کو جو کائنات کی خالق ہے اس کی ایک ادنیٰ سی مخلوق میں مقید سمجھتے ہو؟ کیا یہ جہالت کی بھی حد ہے؟ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ یہ نہ سمجھو کہ اس نے بے شمار مخلوق پیدا کر دی تو اب اسے کیا خبر کہاں کیا ہو رہا ہے؟ غیر مسلموں کے تو عقائد باطل ہیں ہی لیکن آج کے مسلمانوں کا عقیدہ بھی صحیح نہیں رہا۔ اس دور میں صحیح عقیدہ لے کر مر جانا بھی میں سمجھتا ہوں بڑی کامیابی ہے بلکہ مجھ سے کوئی پوچھے تو میں سمجھتا ہوں جو بندہ آج صحیح عقیدے پہ جان دیتا ہے اس وقت کا وہ ولی اللہ ہے۔ مسلمان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کریم مخلوق کو پیدا کر کے بھول گیا ہے۔ اکثر لوگ اللہ پر سے اعتماد اٹھا چکے ہیں۔ آج بھی ایک خط تھا کہ ہمارے گھر میں نا اتفاقی بڑی ہے۔ ہم آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ اچھا بھلا کاروبار تھا وہ تباہ ہو گیا ہے۔ بچے پڑھ لکھ گئے ہیں لیکن ان کو ملازمت نہیں ملتی۔ والد کا کاروبار تھا وہ نہیں چلتا۔ کسی نے ہمارا سارا کچھ باندھ دیا ہے۔ بتایئے! اب یہ عقیدہ کیا ہے؟ یہ عقیدہ یہی ہے کہ اللہ نے مخلوق بنا کر اسے چھوڑ دیا۔ اب ہم لوگوں کے رحم و کرم پر ہیں وہ ہماری روزی کھولے تو کھل جائے گی۔ انہوں نے بند کر دی ہے۔ بند ہو گئی تو کیا آپ سمجھتے ہیں یہ عقیدہ اسلامی ہے؟ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ہر ذرے کے ہر حال سے ہر وقت وہ واقف ہے۔ میں نے جواب میں اسے لکھا ہے کہ نظام کائنات میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ اگر روزی میں تنگی ہے تو اس کے حکم سے ہے اور اسے کھولنے والا بھی وہ خود ہے۔ میں نے کہا ذرا اللہ سے اپنے تعلقات کا جائزہ لو تم نے اس سے کتنی بنا کر رکھی ہوئی ہے۔ تم اس کی کتنی اطاعت کرتے ہو لیکن ایسا تو نہیں تم گستاخی کی اس حد تک پہنچ گئے ہو کہ اس نے تمہیں حقارت سے تم پر تنگی بھیج دی ہے۔ عذاب بھیج دیا ہے اگر ایسی بات ہے تو ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا اس سے پہلے کہ موت آ جائے توبہ کرو۔ کوئی انسان دوسرے انسان کی روزی روزگار نہ بند کر سکتا ہے نہ کھول سکتا ہے۔ اس لئے کہ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ جب ایک وجود میں لاکھوں نئی زندگیاں

پیدا ہوتی ہیں کہ ڈھائی کھرب سیل چھ مہینے میں ختم ہو جاتے ہیں چھ مہینے بعد ڈھائی کھرب سیل نئے ہوتے ہیں ناخن سے بالوں تک پورا وجود نیا ہوتا ہے تو جو ایسا قادر ہے کہ وہ ایک ایک سیل میں تسلسل ہر وجود میں بنا رہا ہے اور ان پرانے سیلوں کو موت دے رہا ہے کیا وہ اس وجود سے بے خبر ہے؟ اسے اس وجود کی ضرورتوں کا علم نہیں؟ جب وہ کہتا ہے کہ میں رب العالمین ہوں، ساری کائنات کی ساری مخلوق کا پالنے والا میں ہوں تو ایسی کون سی طاقت ہے جو اللہ کی دی ہوئی روزی کو روک دے ہم پر اگر دہشت گردی کی ضلالت سوار ہے، ہم پر اگر طوفان آگئے ہیں، ہم غرق آب ہو گئے ہیں اور فصلیں تباہ ہو گئیں، قحط سالی آگئی تو ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ اللہ رب العالمین کے ساتھ ہمارا رشتہ جو ہے اس کی صورتحال کیا ہے؟ کیا ہم اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں؟ کیا ہمارا عقیدہ تک درست ہے؟ اگر نہیں ہے تو یہ انہی اعمال کے ثمرات ہیں۔ اگر جھوٹ بولیں گے بددیانتی کریں گے چوری کریں گے دوسروں کا نقصان کریں گے تو ہمارے لئے یہی کچھ ہوگا جو ہو رہا ہے تو فرمایا یہ بھول جاؤ کہ کوئی ذرہ اس کی نگرانی سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز کو خود اس نے پیدا فرمایا ہے **وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾** اور ہر چیز سے ہر وقت باخبر بھی ہے اگر تمہاری صحت خراب ہو گئی ہے تو اسے پتہ ہے اگر تمہاری روزی تنگ ہو گئی ہے تو اس کے علم میں ہے اور اس کی قدرت میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو صحت بحال کر دے چاہے تو روزی کو فراواں کر دے لیکن تم تو اس کی طرف رخ ہی نہیں کرتے تم تو جادوگروں کو اور ٹونے ٹوٹکے والوں کو مؤثر سمجھے بیٹھے ہو یعنی جو لوگ اسلام سے ناآشنا ہیں ان کو تو جانے دیجئے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پڑھتا ہے پھر اسے اس کا کوئی ایمان یقین نہیں۔ ایک خاتون میرے پاس اگلے دن آئیں جی میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری اولاد میرا کہنا نہیں مانتی میں نے سادہ سا سوال پوچھا بی جی آپ تو اللہ کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم مانتی ہیں تو خاموش ہو گئی تو میں نے کہا تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا کہنا نہیں مانتی تو تم ہو کون کہ آگے لوگ تمہاری مانیں تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تمہیں یہ خیال نہیں آتا کہ تم اللہ کی نافرمانی کر رہی ہو اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کر رہی ہو تو بچے تمہاری بات نہیں مانتے تو تمہیں بڑا غصہ ہے۔ تم اللہ کی بات ماننا شروع کر دو وہ تمہاری بات ماننے لگ جائیں گے۔ **وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾**

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

فرمایا **ذٰلِكُمُ اللّٰهُ** ایسا ہے تمہارا اللہ، ایسا ہے کہ ہر چیز زمین، آسمان، جنت، دوزخ، انسان، حیوان، فرشتے، جن غرض ہر ذرہ اس نے خود پیدا کیا اور اس سے ہر لمحہ ہر وقت باخبر ہے ہر لمحے ہر شئے کی ہر ضرورت پوری کر

رہا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ ایسا ہے تمہارا اللہ رَبُّكُمْ جو تمہیں پال رہا ہے تمہاری پرورش کر رہا ہے نہ وہ بے خبر ہے، نہ وہ کمزور ہے نہ اس کے خزانوں میں کوئی کمی ہے بلکہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر آن ہر شئے ہر ذرے کا خالق بھی ہے۔ اس کے حال سے واقف بھی ہے اور اس کی ضرورتیں بھی خود اس نے بنائی ہیں اس کے ساتھ وہ انہیں پورا بھی کر رہا ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ شان ہے اللہ کی جو تمہارا پالنے والا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔

عبادت کا مفہوم:

عبادات اکیلے اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ اس کو بھی خوب سمجھ لیا جانا چاہیے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رکوع کرنا، سجدہ کرنا، صلوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، روزہ رکھنا یہ عبادات اب یہ تو ہم صرف اللہ کی کرتے ہیں اللہ کے لئے روزہ رکھتے ہیں صلوٰۃ اللہ کے لئے ادا کرتے ہیں رکوع وسجود اللہ کے حضور کرتے ہیں دعا اس کے حضور مانگتے ہیں صدقات خیرات اس کی رضا کے لئے دیتے ہیں لیکن عبادت ہے کیا؟ اصل عبادت کس کو کہتے ہیں؟ عبادت کہتے ہیں نفع کی امید پر یا نقصان کے ڈر سے کسی کی بات ماننا۔ کسی کا حکم اس لئے ماننا کہ نہ مانا تو میرا نقصان ہو گا مانا تو مجھے فائدہ ہوگا۔ اس لئے عبادت ہے اب اگر یہ حکم اللہ کے احکام اور شریعت کے اندر ہو پھر وہ اللہ کا حکم ہے۔ جیسے اللہ نے حکم دیا ماں باپ کی بات مانو تو اگر ہم اس لئے والدین کی بات مانتے ہیں کہ اللہ کا حکم ہے تو وہ غیر اللہ کی عبادت نہیں اللہ کی عبادت ہوگی یہ ہم اللہ کا حکم مان رہے ہیں۔ ایک بندہ مزدوری کرتا ہے اللہ کا حکم ہے جو اجرت لیتے ہو دیانت داری سے کام کرو اب وہ جس کی مزدوری کرتا ہے اس کی بات مانتا ہے اس کا کام صحیح کرتا ہے تو وہ اللہ کا حکم مان رہا ہے یہ اس کی عبادت نہیں ہے یہ اللہ کی عبادت ہے لیکن اللہ کے حکم کے خلاف جب کسی کی مانے گا وہ پیر صاحب ہوں وہ حکمران ہوں وہ کوئی ہو اللہ کے حکم کے خلاف جب کسی کی اطاعت کرے گا اور اس وجہ سے کرے گا کہ نہ مانے گا تو نقصان ہوگا اور بات مانی تو فائدہ ہوگا تو یہ اس شخص کی عبادت ہوگی اور یہی شرک ہے۔ اسی سے روکا جا رہا ہے کہ لاالہ الا ھو اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کی اطاعت کی جائے غیر مشروط اور جس سے یہ امید رکھی جائے کہ یہ مجھے نفع پہنچائے گا یہ میرا نقصان کر سکتا ہے یہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ جو نظام زندگی اس نے دیا ہے اور جس بات کو ماننے کا حکم اس نے دیا ہے وہ تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہوگیا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام سے باہر نکل کر غیر اللہ کی اطاعت کرنا اسے خوش کرنا کہ یہ مجھے کچھ دے گا فرمایا' یہ تو شرک ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ پیدا تمہیں کس نے

کیا؟ قائم کس نے رکھا ہوا ہے؟ تمہارے وجود کے ایک ایک ذرے کو زندگی کس نے دے رکھی ہے اور تم کس کے سامنے سر جھکا رہے ہو؟ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا اس اکیلے کی عبادت کرو غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کریم کی ہے۔ ہر لمحہ ہر آن اس کی تم پر عطا ہے۔ اس کی ربوبیت تمہاری پرورش کر رہی ہے۔ تم اگر دیکھ رہے ہو تو بینائی اس نے دے رکھی ہے اور مسلسل دے رہا ہے وہ قادر ہے جب چاہے روک دے۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ یکا یک نظر ختم ہو گئی۔ اس نے دے رکھی ہے۔ ٹھیک ہے لے لے تو وہ قادر ہے۔ جتنی قوتیں تمہارے وجود میں ہیں اتنا رزق تمہیں مل رہا ہے۔ جتنی صحت تمہارے پاس ہے۔ تمہارے وجود کے ایک ایک سیل ہر لمحے بن رہے ہیں لاکھوں سیل ایک لمحے میں بن رہے ہیں، مر رہے ہیں۔ کون بنا رہا ہے، کون موت دے رہا ہے؟ وہی وحدہٗ لاشریک اس وجود کو دوسرے کے در پہ جھکاتے ہو؟ اور دوسرے سے خیر کی توقع رکھتے ہو؟ ہر چیز کا خالق تو اللہ ہے اگر مخلوق' خالق کی عبادت شروع کر دے گی تو باقی بچا کیا جیسے تم مخلوق ہو باقی اسی طرح اللہ کے علاوہ سب مخلوق ہے۔ لہٰذا فَاعْبُدُوْهُ ۚ صرف اس کی عبادت کرو وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ یہ مت بھولو کہ جو کچھ ہو رہا ہے ہر چیز کا کارساز وہ اکیلا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہستی ہے جو اس نظام کائنات کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے ہوئے ہے۔ چلا رہی ہے، کارساز ہے، کائنات کا ایسا نظام ترتیب دے دیا ہے اور اس خوبی سے چلا رہا ہے کہ صرف سورج کی تمازت اگر بڑھتی جاتی تو آج تک دنیا بھسم ہو چکی ہوتی۔ تھوڑی تھوڑی کم ہوتی جاتی تو آج تک لوگ مر چکے ہوتے۔ رات اور دن کے اوقات میں تبدیلی ہوتی جاتی تو نظام کائنات تباہ ہو جاتا، دوٗ دو، چارٗ چار دن اکٹھے آ جاتے یا دوٗ دو، چارٗ چار راتیں اکٹھی آ جاتیں تو دنیا کا نظام تلپٹ ہو چکا ہوتا۔ صدیوں سے نظام چل رہا ہے بغیر کسی رکاوٹ اور بغیر کسی خرابی کے۔ فرمایا اس مستقل مزاجی سے چل رہا ہے کہ تم آئندہ سالوں کا بھی اندازہ لگا لیتے ہو۔ دو سال بعد فلاں تاریخ کو سورج کتنے بجے طلوع ہو گا اور کتنے بجے غروب ہو گا اس طرح پابندی سے اس نے نظام کو جاری رکھا ہوا ہے ہر چیز اور ہر کام کا کارساز وہ ہے اور یاد رکھو تم کہتے ہو وہ کہیں نظر تو نہیں آتا دکھائی نہیں دیتا لیکن یہ ساری مخلوق اس کے ہونے پہ گواہ ہے۔ جب کسی کو زخم لگتا ہے وہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو کیا ڈاکٹر کو وہ آلہ دکھائی دیتا ہے جس سے مریض کو زخم لگا ہو۔ ڈاکٹر کو تو وہ زخم دکھائی دیتا ہے جو مریض کے وجود پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زخم دیکھتا ہے تو وہ زخم گواہی دیتا ہے کہ یہ چھری کا ہے، لاٹھی کا ہے یا گولی کا ہے۔ ڈاکٹر پر تو اعتماد کر لیتے ہیں تو یہ اتنی وسیع کائنات جو زبان حال سے ہر لمحہ گواہی دے رہی ہے کہ ہمیں کسی نے بنایا ہے تو ہم بنے

ہیں، کوئی چلا رہا ہے تو ہم چل رہے ہیں۔ فرمایا' اس سے زیادہ تمہیں کس شہادت کی ضرورت ہے؟ تو پھر بھی تم کہتے ہو کہ تمہیں نظر نہیں آتا تو یاد رکھو تمہاری نظر تو مخلوق ہے۔ وہ خالق کو کیسے پاسکتی ہے؟ مخلوق فانی ہے۔ خالق لافانی ہے۔ فانی لافانی پہ محیط ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں تو تمہاری نظر اس دنیا میں اللہ کریم کو نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن وہ اتنا باریک بین ہے کہ وہ تمہاری نظر کو بھی دیکھ رہا ہے۔ **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ** اب تمہاری بصارت اس کا ادراک نہیں کرسکتی لیکن وہ تمہاری بصارت کو بھی دیکھ رہا ہے کتنی عجیب بات ہے ہم نے خود کبھی اپنی نظر دیکھی ہے، ہم نہیں دیکھ سکتے ہم دیکھیں گے تو ہمیں آنکھ نظر آئے گی آنکھ کا ڈھیلا نظر آئے گا اس میں سفیدی سیاہی نظر آئے گی اگر کوئی سرخی ہوگی وہ نظر آئے گی پانی ہوگا وہ نظر آئے گا لیکن ہمیں نظر جو ہماری قوت ہے دیکھنے کی جو نظر ہے وہ ہمیں نظر نہیں آئے گی لیکن وہ اتنا باریک بین ہے کہ وہ ہماری نظر کو بھی دیکھ رہا ہے **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ** نظر تمہاری اس کا ادراک نہیں کرسکتی **وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ** اور وہ اتنا باریک بین ہے کہ جس کی نظر ہے وہ خود نہیں دیکھ سکتا لیکن اللہ اس کی بینائی کو بھی دیکھ رہا ہے تمہاری نظر کو بھی دیکھ رہا ہے اس پر علماء نے بڑی خوبی سے تفصیلاً لکھا ہے مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ یہ قانون دنیا کی آنکھ اور دنیا کی نظر کے لئے ہے اس دنیا میں اس وجود اور اس آنکھ کے ڈھیلے میں جو قوت بصارت ہے یہ حکم اس کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰؑ اولوالعزم رسول اور ہستی جس کو اللہ سے براہ راست شرف ہمکلامی نصیب تھا جب انہوں نے عرض کی **رب ارنی انظر الیک** کہ ان کی مراد یہ تھی کہ مجھے اپنا جمال جہاں آرا دکھا میں اس بصارت سے دیکھنا چاہتا ہوں مادی آنکھ کے لئے بصارت کا لفظ مستعمل ہے اور دل کی آنکھ کے لئے بصیرت کا لفظ ہے۔ اب دل کی آنکھ سے اللہ کی تجلی کوئی دیکھ لے تو اس کا اس آیت سے تعلق نہیں ہے کہ دل کی آنکھ دل کی آنکھ ہے اور یہ اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔ جب اللہ چاہے نصیب ہوجاتی ہے تو نبیؑ تو نبیؑ ہوتا ہے نبیؑ کا دل اور نبیؑ کے دل کی آنکھ تو جمال باری سے آشنا ہوتی ہے اب انہیں شوق یہ پیدا ہوا کہ یا اللہ میں اس دنیا میں ہوں اور میں چاہتا ہوں **انظر الیک** کہ اس دنیا کی آنکھ سے آپ کا جمال دیکھ سکوں۔ فرمایا **لَنْ تَرٰىنِيْ** O الاعراف:143 دنیا میں اس آنکھ کو یہ قوت میں نے نہیں دی کہ میرا جمال دیکھ سکے۔ آخرت کے بارے قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے **فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ** O ق:22 اور تمہاری نگاہ کو آج میں نے فولادی کر دیا ہے یعنی بہت مضبوط کر دی ہے تو آخرت میں حشر میں جنتیوں کو دیدار باری ہوگا اس پہ کسی کو اختلاف نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کو ہم کیسے دیکھیں گے؟ فرمایا جس طرح چاند کو

آنکھیں بھر کے دیکھ رہے ہو جمال باری کو بھی اسی طرح دیکھو گے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شب معراج کیا رسول اللہ ﷺ نے وجود عالی کی آنکھوں سے اور اس نگاہ سے جمال باری کو دیکھا۔ اللہ کریم کو دیکھا تھا؟ اس میں کچھ حضرات نے تو انکار کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ایسا ممکن نہیں لیکن اکثریت ان علمائے حق کی ہے اور صوفیاء اور علمائے ربانیین سارے اس بات کے قائل ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ کا یہ وجود اطہر جسے ہم بشری وجود کہتے ہیں جو اولاد آدم سے ہے اس وجود میں اتنی نظافت آگئی کہ ایک نوری مخلوق فرشتوں کا سردار جبرائیل امین سدرۃ المنتہٰی پر رک گیا اس نے کہا کہ میں آگے جھانک بھی نہیں سکتا تو حضور اکرم ﷺ اس وجود باجود کے ساتھ جہاں تک اللہ نے چاہا تشریف لے گئے تو عالم دنیا تو بہت پیچھے رہ گیا کیونکہ آسمانوں سے نیچے دنیا ہے۔ آسمان سے اوپر جو کچھ ہے وہ آخرت کا حصہ ہے۔ آسمان بھی رہ گئے سدرۃ المنتہٰی پر ساتوں آسمانوں کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ آگے عرش عظیم ہے۔ آگے جو ہے وہ اللہ جانے کیا ہے۔ لیکن یہ طے ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس سے آگے جہاں رب نے چاہا تشریف لے گئے اور وجود باجود وہی تھا جو زمین پر حضور اکرم ﷺ کا وجود اقدس تھا۔ تو فرمایا یہ تو پھر حضور اکرم ﷺ کا معجزہ ہے کہ وجود بشری کو یہ لطافت اللہ نے دے دی تو نگاہ کو بھی یہ قوت دے دی ہوگی اس عالم میں دیکھنے پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے چونکہ اس کا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے اور دنیا میں بصارت کی بات ہے کہ بصارت اس کا ادراک نہیں کر سکتی بصیرت کا انکار نہیں ہے۔ بصیرت ہوتی ہے دل کی روشنی۔ دل کی آنکھ۔ یہ اس کا کرم کسی کو چاہے کوئی شمہ اپنے جمال کا دکھا دے اس کی مرضی۔ نہ دکھائے اس کی مرضی۔ رہا عام آدمی کا سوال تو بیوقوف تیرے پاس تو دیکھنے کا آلہ ہی نہیں تیری بصارت تو اس کا ادراک ہی نہیں کر سکتی اور وہ اتنا باریک بین ہے کہ وہ تیری نظر کو بھی دیکھ رہا ہے تو تیرے دیکھنے کے لئے یہ کائنات بسیط بول بول کر اس کی واحدانیت اور اس کی قدرت کاملہ کی گواہی دے رہی ہے اور جو تجھے نظر آتا ہے اسے دیکھ کر تو اسے پہچان **وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾** اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے تو نے کبھی اپنی نظر کو نہیں دیکھا لیکن اسے تو تیری بصارت قوت بصارت اور تیری نظر اور تیری نگاہ بھی نظر آتی ہے۔ جب تیری نگاہ کا رنگ بدلتا ہے جب کہیں تیرے دل میں میل آتا ہے وہ تیری نگاہ میں دیکھ رہا ہوتا ہے وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس بندے کی نگاہ میلی ہوگئی۔ اللہ کی عطا سے اللہ کے بندے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا تو آپؓ نے فرمایا لوگ ایسی حالت میں مسجد میں چلے آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے اس نے عرض کی امیر المومنین کیا وحی باقی ہے؟ فرمایا نہیں وحی تو حضور اکرم ﷺ

کے ساتھ ختم ہوگئی وہ صرف حضور اکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ تھی۔ مومنین کی فراست باقی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا **اتقوا فراسة المومن فانهٗ ينظرو بنورالله تعالىٰ او كما قال رسول الله** ﷺ کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ جب وہ دیکھتا ہے تو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ بہت سی خفیہ باتیں اس کے سامنے کھل جاتی ہیں۔ اس شخص نے اقرار کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میں نے راستے میں ایک حسین وجمیل خاتون کو بری نظر سے دیکھا تو فرمایا کسی خاتون کو بری نظر سے دیکھنا نظر کا گناہ ہے تو تمہیں توبہ کرکے میرے پاس آنا چاہیے تھا اور اس حال میں تم میرے پاس مسجد نبوی میں کیسے چلے آئے وہ تو وہ حکمران تھے جن کی ریاست کی حدیں شمال میں سائبیریا اور جنوب میں افریقہ تک تھیں اور مغرب میں ہسپانیہ اور مشرق میں چین تک تھیں مگران کا جو دفتر تھا وہ مسجد نبوی تھا۔ امامت بھی کراتے تھے خطیب بھی تھے۔ صلوٰۃ کی امامت بھی کرواتے تھے اور ساری حکومت بھی چلاتے تھے آج کل سیکریٹریٹ بڑے بڑے بن گئے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے جیسے ان میں بندر بندھے ہوئے ہیں پتلی تماشا کر رہے ہیں ناچ کود رہے ہیں لوگوں کو بہلا رہے ہیں حکومت نہیں کر رہے۔ **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ** تم سوچ بھی نہیں سکتے تمہاری سوچوں سے اس کی قدرت بالا ہے۔ خبیر ہر بات کی پہلے سے خبر رکھتا ہے آگے فرمایا **قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ** ﴿۱۰۴﴾ میرے حبیب ﷺ! یہ باتیں بناتے رہتے ہیں یہ معجزہ ہوجائے تو ہم مان لیں گے وہ معجزہ ہوجائے تو ہم مان لیں گے ان سے کہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات جیسا کوئی معجزہ نہیں۔ ایسا انسان کبھی تم نے سوچا بھی ہے؟ کوئی ہستی تلاش کرکے لاؤ پھر آپ ﷺ کے معجزات کی نہ گنتی ہے نہ کبھی شمار کرسکتے ہو۔ یہ قرآن آپ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ ایک ایسی ہستی جس نے کسی انسان سے کوئی حرف نہیں پڑھا۔ نہیں سیکھا اس نے نہ صرف اس وقت کی دنیا بلکہ بعثت سے لے کر قیامت تک کی روئے زمین کی انسانیت کے مسائل حل کردیئے اور ان کا حل تحریر کروادیا اس کے بعد کسی معجزے کی گنجائش باقی رہ گئی ہے؟ یہ تو معنوی باتیں تھیں حسّی معجزات اتنے ہیں کہ تم گن نہیں سکتے ہو، پتھروں نے کلمے پڑھے، درختوں نے صلوٰۃ وسلام پڑھا یہ تمہارے سامنے ہوا اس کے بعد فرمایا **فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ** جس نے اس پر غور کرلیا ان چیزوں کو دیکھ لیا اور حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اس نے بھی اللہ پر یا حضور اکرم ﷺ پر احسان نہیں کیا اس نے اپنے بھلے کے لئے کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے معجزات قرآن کریم حدیث پاک ارشادات نبوی اور سنت رسول ﷺ کو دیکھ کر جو ایمان لے آیا اس نے اپنا بھلا کیا نہ اللہ پر احسان

کیا نہ رسول اللہ ﷺ پر نہ اسلام پر **فَلِنَفْسِہٖ** اپنی جان کے لئے اپنے فائدے کے لئے **وَمَنْ عَمِیَ** اور جس نے آنکھیں بند کرلیں جو اندھا بنا رہا **فَعَلَیْھَا** اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا۔ اب تو یہ لوگوں کے ذمے ہے مخلوق کے ذمے ہے پھر وہ کریں اندازہ کریں اور مانیں ان کا اپنا بھلا ہے نہیں مانیں گے تو اس کی سزا خود بھگتیں گے اے میرے حبیب ﷺ! آپ انہیں فرما دیجئے **وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ۝۱۰۴** مجھے اللہ نے تم پر تھانیدار بنا کر نہیں بھیجا کہ میں ڈنڈے سے منواتا پھروں نہیں میرا کام اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے مانو گے تمہارا بھلا ہوگا نہیں مانو گے تو بھگتو گے۔ یہ آیات کریمہ یہ بھی بتاتی ہیں کہ جب مشرکین نے مزید معجزات کے مطالبے کئے اور اللہ کریم نے یہ جواب دیا کہ جو آچکے ہیں کیا ان سے تم نے مانا ہے؟ اور فرمایا **قَدْ جَآءَکُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ** جو معجزات آنے تھے آچکے اب کوئی نیا معجزہ رونما نہیں ہوگا اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اگر نبی کا آنا ہوتا تو معجزات کا ظہور بھی یقینی ہوتا تو جب معجزات ہی بند ہوگئے تو نبی کہاں سے آگیا۔ تو یہ آیت ختم نبوت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ میرا خیال ہے کم ہی علماء نے اس کو دلیل پکڑا ہوگا لیکن یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ جب اللہ نے طے کردیا کہ میاں جو معجزات میرے نبیؐ سے ظاہر ہوچکے وہ گنے نہیں جاتے اگر ان کو دیکھ کر تم نے نہیں مانا تو نہ مان کر بھی دیکھ لو میرے پاس آنا ہے میں نبٹ لوں گا اب کوئی نیا معجزہ نہیں آئے گا اس کا مطلب ہے حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی بھی نہیں آئے گا۔

نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کو کافر نہ سمجھنے والا خود کافر ہو جاتا ہے:

یہ سب کذاب ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور سب مردود ہیں جو ان کو کافر نہیں سمجھتا وہ بھی کافر ہے یہ تو کافر ہیں ہی۔ جو ان کو کافر نہیں مانتا کسی مدعی نبوت کو کذاب کو کافر نہ ماننے والا بھی کافر ہوتا ہے بلکہ علماء فرماتے ہیں جو جھوٹے مدعی نبوت سے دلیل مانگے کہ تیرے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے وہ بھی کافر ہے کہ وہ بھی ختم نبوت کا قائل نہیں اس کا بھی خیال ہے کہ اگر اسے دلیل دے تو پھر اسے نبی مان لے۔ میرے پاس پچھلے دنوں ایک بندہ آیا تھا ایک بیگ اس نے بھرا ہوا تھا یوسف کذاب کی وکالت کرنے کے لئے کہنے لگا آپ نے اس کی تردید کی پھر اس کا یہ ثبوت ہے۔ میں نے کہا اس نے ختم نبوت کا دعویٰ کیا۔ عدالت میں ثابت ہوا عدالت نے اسے سزائے موت دی۔ جیل کی سزائے موت کی کوٹھری میں دوسرے سزائے موت کے قیدی نے اسے قتل کردیا۔ اس نے کہا شاید اس مردود کو مار کر میری جان عذاب الٰہی سے بچ جائے۔ پھانسی تو ویسے لگنا ہی ہے۔ اب اس کو بھی مار دیا تو دو دفعہ تو پھانسی نہیں۔ پھانسی کی کوٹھری میں تو پہلے ہوں اس نے کوئی اسلحہ منگوا کر

اسے مار دیا اب میں اس کے ثبوت مانگوں تو جو جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرتا ہے اس سے ثبوت مانگنے والا بھی کافر ہوتا ہے۔ تو تم اپنا ایمان تو ضائع کر چکے ہو کہ تم اس کی صفائیاں دیتے پھرتے ہو میرے ایمان کے پیچھے مت لگو یہ بیگ مت کھولو کوئی کتاب کاپی، کوئی شئے اس سے باہر مت نکالو اور تشریف لے جاؤ اس نے کہا آپ یہ ساری رکھ لیں۔ میں نے کہا خدا کی لعنت کو کوئی اپنے گھر میں رکھتا ہے۔ یہ تو تمہارا نصیب ہے تم گدھے کی طرح اٹھائے پھرتے ہو یہ تو مردہ خنزیر ہے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ خنزیر ویسے ہی نجس ہوتا ہے۔ مر کے تو پھر ویسے ظاہری طور پر بھی ہر بندے کو پتہ لگ جاتا ہے کہ نجس ہے۔ یہ تو تم متعفن خنزیر اٹھائے پھرتے ہو یہ دلیلیں اٹھا کر میرے دفتر سے نکل جاؤ۔ تو اس آیہ کریمہ سے اللہ کریم نے یہ ارشاد بھی فرمادیا کہ معجزات آ چکے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اب کوئی نیا معجزہ نہیں آئے گا۔ اب جس کو نہیں ماننا وہ نہ مان کر بھی دیکھ لے لیکن بہتر یہ ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ دعوت دے رہا ہے۔ اللہ کو مانو۔ اللہ کے نبی کی بات مانو۔ آج بھی در تو بہ وا ہے۔ جتنے بھی دور جا چکے ہو واپس آ جاؤ۔ آج بھی وہ تمہیں قبول فرمالیں گے کہ خلوص سے توبہ کرو جو ہو چکا اسے بھول جاؤ آئندہ سے اس کی اطاعت کا عہد کرلو اس در پہ آ جاؤ اللہ بھی کریم ہے اللہ کا رسول ﷺ بھی کریم ہے۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

شاعر کہتا ہے کہ اللہ کا احسان ہے کہ ہم دو کریموں کے درمیان ہیں اللہ جل شانہ' بھی کریم ہے اس کا رسول ﷺ بھی کریم ہے۔ اب جو اس کے رسول ﷺ کا دامن جھٹک دے تو خود سوچ لو پھر اس کے ساتھ کیا ہونا چاہیے ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ سے دامان رسالت پھسل رہا ہے اور ہم بارگاہ رسالت سے دور ہوتے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ یہی ہے کہ جو آبادیوں سے دور ہوتا ہے وہ ویرانوں میں بھٹکتا ہے۔ طوفانوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ درندوں سے مار کھاتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔

گذشتہ آیات میں اللہ جل شانہ' کی توحید کے بہت سے دلائل گزرے ہیں اس کی توحید کے اثبات رسالت پر یقین اور آخرت پر یقین کے بعد ارشاد ہوتا ہے **وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ** ہم اسی طرح ہمیشہ بڑے واضح اور روشن دلائل بیان کرتے ہیں اور بات کے ہر پہلو پر دلیل دی جاتی ہے وہ توحید ہو رسالت ہو برزخ ہو اعمال اور ان کے اتباع ہوں ہر موضوع پر اللہ تعالیٰ دلائل سے بات ارشاد فرماتے ہیں حالانکہ وہ قادر ہے اور وہ حکم دے دے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ یہ مانو اور یہ چھوڑ دو یہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اس

کے باوجود چونکہ اس نے بندے کوشعور دیا اختیار دیا تو اس پر زبردستی نہیں کی اس کے سامنے دلائل رکھے اور اعمال متعین فرمائے ان کے نتائج متعین فرما دیئے۔ برائی کرو گے اس کا نتیجہ اور انجام برا ہوگا۔ نیکی کرو گے تو اس کا انجام نیک اور اچھا ہوگا اور ان ساری آیات میں ہر موضوع پر ہم کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔

وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ لیکن لوگوں کا یہ عالم ہے کہ جنہیں نور ایمان نصیب نہیں وہ کہتے ہیں یہ باتیں حضور اکرم ﷺ نے کسی سے سیکھ لی ہیں کسی سے پڑھ کر یاد کر لی ہیں حالانکہ وہ خود جانتے ہیں نبی کریم ﷺ کا پیدائش سے لے کر چالیس سال تک کا زمانہ اعلان نبوت تک کا زمانہ ان کے سامنے بیتا ہے اور انہیں علم ہے کہ آپ ﷺ نے کسی انسان سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی اس کے باوجود جب یہ دلائل سنتے ہیں اور ان میں معقولیت اور وزن دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی سے سیکھ لیا ہے۔ کہیں سے یہ سارا پڑھ لیا ہے جو ہمیں سنا رہے ہیں **وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾** فرمایا ہم دلائل بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو صاحب علم ہیں۔ صاحب علم ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ کسی مدرسے یا سکول کا پڑھا ہوا ہو۔ ہر وہ شخص صاحب علم ہے جو صحیح دلیل کو اور صحیح بات کو غلط سے الگ کر لیتا ہے جو صحیح کو صحیح سمجھتا ہے اتنی دانش جس میں ہے جس کی عقل اتنی سلامت ہے کہ وہ صحیح کو صحیح سمجھتا ہے اور غلط کو غلط سمجھتا ہے وہ صاحب علم ہے اور بہت پڑھا لکھا ہو لیکن اس کا طرز عمل یہ ہو کہ وہ برائی کرتا ہو اور نیکی اور بدی میں تمیز نہ کرتا ہو تو قرآن کریم نے اسے جاہل قرار دیا ہے کہ ہر گناہ جہالت ہے جب بندہ گناہ کرتا ہے تو گناہ کرنا علم نہیں جہالت ہے وہ اپنی جہالت پہ عمل کرتا ہے خواہ وہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو تو فرمایا آیات بیان کی جاتی ہیں صاحب شعور صاحب دانش لوگوں کے لئے اور جو لوگ اپنی حیوانی خواہشات اور نفس کی آرزوؤں میں مبتلا ہو کر ان کی تکمیل کے پیچھے پڑ جاتے ہیں انہیں اچھی باتیں پسند نہیں آتیں، انہیں وہ گوارا نہیں کرتے۔ سوچنا تو دور کی بات وہ سننا پسند نہیں کرتے تو فرمایا یہ مفید ہوتی ہیں ان لوگوں کے لئے جو ان پر غور کرتے ہیں اپنی دانش کو استعمال کرتے ہیں۔ بھلے برے کی تمیز رکھتے ہیں۔ انہیں ان دلائل سے نصیحت حاصل ہوتی ہے اور ہدایت نصیب ہوتی ہے یہ تو لوگوں کا معاملہ ہے اب رہا معاملہ آپ ﷺ کا تو فرمایا **اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** آپ کا کام یہ ہے کہ جو وحی الٰہی آپ پر اللہ رب العزت آپ کے پروردگار کی طرف سے آتی ہے آپ اس کا پورا پورا اتباع کیجئے۔ آپ اس پر پوری طرح سے عمل پیرا ہو جایئے یعنی اگر کسی نبی کی بات دنیا میں کوئی بھی نہیں سنتا ہے تو یہ نہیں ہوگا کہ اکثریت اس طرف ہے اور اللہ کا نبیؑ اب ان کی بات ماننا شروع کر دے کہ لوگ اس طرف ہیں سارے لوگ ایک طرف ہو گئے ہیں

ان کی مانی جائے ۔نہیں نبیؑ کے پاس وحی الٰہی ہوتی ہے اگر کوئی ایک شخص بھی اس کی بات تسلیم نہیں کرتا تو اللہ کا نبیؑ ہمیشہ وحی الٰہی پہ عمل کرتا ہے اب یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ کا عمل مبارک عین وحی الٰہی کے مطابق ہوگا تو ہمیں یہ دیکھنا یا اس بات پہ سوال کرنا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ یہ زیب نہیں دیتا اس کا سادہ سا جواب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو کیا وہ اللہ کا حکم تھا ہمارا کمال یہ ہے کہ ہم اپنی رائے اپنی خواہشات کو چھوڑ کر حضور اکرم ﷺ کا اتباع اختیار کریں ۔دانشمندی اسی میں ہے ذہانت اسی میں ہے ۔عقلمندی اسی میں ہے ۔قرآن حکیم بتاتا ہے بعض چیزیں تمہیں اچھی نہیں لگتیں جہاد کا حکم ہے جان دینی پڑتی ہے بعض لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے لیکن فرمایا اس کے نتیجے کا انہیں پتہ ہے جو شہید ہوتے ہیں یا جو غازی بن کر اللہ کے پاس جاتے ہیں تو انہیں پتہ چلتا ہے کہ بظاہر اس تکلیف دہ حکم میں کتنی آسانیاں، کتنی آسائشیں اور کتنی رحمتیں پوشیدہ تھیں ۔انسان نے دنیا میں ہمیشہ تو نہیں رہنا کہ دنیا کے حساب سے جمع تفریق کرتا رہے ۔

ایک مثال:

کتنے ہزارہا بلکہ لاکھوں لوگ سیلاب میں بے خانماں ہوگئے ایک ایک پائی ایک ایک چیز ایک ایک نعمت بستر چارپائیاں گھر کا سامان ٹیلی ویژن ریڈیو گھڑیاں کارپٹ دریاں جو کچھ انہوں نے جمع کیا تھا کہاں گیا؟ وہ اسے روک سکتے ہیں؟ لیکن کیا کوئی سیلاب کسی کی نیکیاں بہا کر لے گیا؟ کیا کوئی سیلاب کسی کی اچھائی بہا کر لے گیا؟ تو رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں دونوں جہانوں کی بھلائی اور فلاح ہے اب یہ جو عذاب و سیلاب اور تباہیاں اور زلزلے آتے ہیں ارشاد باری ہے **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ** الروم: 41 زمینوں میں، سمندروں میں، طغیانیاں آتی ہیں زمین پہ تباہی آتی ہے زلزلے آتے ہیں فساد مچ جاتا ہے کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوتی **بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ** یہ لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے ہمارے کردار کو بعض اوقات کوئی شکل مل جاتی ہے اور یہ بھی تنبیہ کے لئے ہوتی ہے کہ لوگ تائب ہوں متوجہ الی اللہ ہوں برائی چھوڑ دیں اور اپنے نبی کریم ﷺ کا دامن پاک مضبوطی سے تھام لیں لیکن حیرت ہوتی ہے ہم اپنے دین سے اتنے دور نکل گئے ہیں اللہ ہمیں معاف فرمائے اس ساری تباہی کے باوجود کوئی شاید اللہ بندہ کہہ دے کہ توبہ کرو لیکن یہ بات کوئی نہیں کہتا حکومت پہ گلے شکوے ہو رہے ہیں، حکومتی اداروں پہ گلے شکوے ہو رہے ہیں، بے شمار باتیں ہو رہی ہیں، یہ ہوسکتا تھا وہ ہوسکتا تھا اس نے نہیں کیا کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہم ہی جھوٹ بولنا چھوڑ دیں، بددیانتی چھوڑ دیں، رشوت کھانا چھوڑ دیں، لوگوں کے حقوق دبانا چھوڑ دیں، اللہ ہمیں معاف کرے تو سیدھا

راستہ محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ ایک ہی ہے۔ فرمایا اے میرے حبیب ﷺ آپ پر اپنے پروردگار کی طرف سے وحی آتی ہے، آپ ﷺ اس پر عمل کیجئے، آپ اس سے بے نیاز ہو جایئے کہ اس کی ضرورت نہیں کہ لوگ زیادہ کس طرف ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ حق کس طرح ہے آپ نے حق کا ساتھ دینا ہے اکثریت کا نہیں **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** اس کی ذات کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے یہ صرف اللہ کو زیبا ہے یہ غیر مشروط اطاعت عبادت ہوتی ہے اور عبادت کا مستحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے اب یہ تیسرا جملہ فرمایا یہ بہت سخت ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں تین احکام:

اللہ کریم معاف فرمائے حکم دیا جا رہا ہے نبی کریم ﷺ کو اور اس ایک آیت میں تین احکام ہیں پہلا حکم یہ ہے کہ آپ کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو آپ ﷺ پر وحی آتی ہے اس پر عمل کیجئے۔ دوسری بات فرمائی اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کے حکم پر بلاچوں وچرا عمل کیا جائے یہ شان اسی کی ہے کہ اس کے حکم کو غیر مشروط طور مانا جائے اور تیسرا حکم یہ ہے کہ **وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۰۶﴾ آپ مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے۔ اعراض ہوتا ہے منہ پھیر لینا **وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ** آپ مشرکین کی طرف سے رخ انور پھیر لیجئے۔ مشرکین کس کو کہا گیا ہے؟ ہر اس بندے کو جو اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا حکم مانتا ہے اسے خوش کرنے کے لئے۔ بت پرست تو پہلے ہی مشرک تھے لیکن اگر کوئی اللہ کا حکم اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے حکمران ناراض ہوں گے یا فلاں افسر ناراض ہوگا یا فلاں سیٹھ ناراض ہوگا تو میں وہ کام کروں جس سے میری نوکری بنی رہے جس سے مجھے پیسے ملتے رہیں فرمایا یہ بھی تو شرک ہے کیا اس کی روزی اس کے ساتھ وابستہ ہے؟ کیا اس کا پروردگار اللہ ہے؟ تو اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا حکم ماننا بھی شرک ہے۔ تو فرمایا جو بھی شرک کرے آپ اس سے اپنا رُخ انور پھیر لیجئے۔ پھر آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے پھر اس کے ساتھ جو ہوتا ہے وہ ہوتا رہے۔ اس لئے آگے بڑی زبردست دلیل دی **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا** اگر اللہ کا یہ ارادہ ہوتا کہ ہر کوئی اس کی واحدانیت کو مانے تو کسی کی جرأت تھی کہ وہ شرک کرے اس نے انسان کو شعور دیا آگہی دی سمجھنے سوچنے کی قوت دی انبیاءؑ مبعوث فرمائے کتابیں بھیجیں اور اس کے سامنے دنیا کا سینہ کھول کر رکھ دیا اب دنیا اس کی مہمان سرائے ہے میزبان اللہ ہے **وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا** O ھود: 6 زمین پر ذی روح کوئی بھی ہے اس کی روزی اللہ کے ذمے ہے وہ اسے دیتا ہے تو دنیا ایک مہمان سرائے ہے ہم بھی اور باقی

جتنی مخلوق جاندار جو روزی حاصل کرتی ہے سب اس کے مہمان ہیں وہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق عطا کر رہا ہے اب مہمان اگر ایک گھر میں آجاتے ہیں اور ان کو بہت اچھا کھانا دیا جاتا ہے تو ان سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ ایک دوسرے سے لڑیں گے ایک دوسرے کا کھانا چھین لیں گے ایک دوسرے کی پلیٹ توڑ دیں گے یہ توقع تو نہیں کی جاتی تو اسلام کیا ہے؟ قرآن کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا ہے؟ کہ اللہ کے اس مہمان خانے میں تمیز سے اپنا حصہ کھاؤ دوسرے کو اس کا اپنا کھانے دو چھینا جھپٹی نہ کرو ایک دوسرے پر جھپٹو نہیں اور ایک دوسرے کے لباس مت پھاڑو پلیٹیں برتن مت توڑو اگر ایسا کرو گے تو تمہارا میزبان تم سے روٹھ جائے گا خفا ہو جائے گا اور وہ قادر ہے تم مخلوق ہو، جانے وہ ناراض ہو تو کیا سزا دے، تو فرمایا اگر اللہ نے زبردستی منوانا ہوتا **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** تو اللہ اگر چاہتا کہ مجھے سب ضرور مانیں تو کسی کی جرأت نہیں تھی کہ کوئی شرک کرتا لیکن اس نے انسانوں کو ایک خاص وقت کے لئے مہلت دی ہے، عقل دی ہے، شعور دیا ہے، کتابیں نازل فرمائی ہیں، انبیاءؑ مبعوث فرمائے ہیں، انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ تمیز کے ساتھ اس دسترخوان پر شرافت کے ساتھ اپنا پیٹ بھی بھرتا ہے اور میزبان کا بھرم بھی رکھتا ہے۔ اگر کوئی نہیں رکھتا تو اس نے اس کی سزا معین فرما دی اور کھول کر بتا دی ہے وہ بھگت لے گا **وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا** اگر اللہ نے زبردستی توحید نہیں منوائی تو آپ نے بھی ان سے زبردستی نہیں منوانا۔ آپ ﷺ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ وہ مانتے ہیں یا نہیں۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ آپ نے اللہ کا پیغام من وعن پہنچانا ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں رہی۔ آپ ﷺ نے سارا پیغام پہنچا دیا۔ اب اگر کوئی نہیں مانتا یا مانتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کریم کے ساتھ ہے آپ کو ان کا نگران نہیں بناتا۔ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ** ﴿۱۰۷﴾ اور نہ ہی آپ کو ان پر مختار بنایا ہے کہ آپ کے کہنے پر وہ ضرور مان لیں گے۔ نہیں مانتا نہ مانے۔ نہ ماننے کی جو سزا ہے وہ بھگت لے گا وہ تو آنکھ بند ہوگی تو آنکھ کھل جائے گی۔ قبر میں آئے گا تو سمجھ آجائے گی۔ آخرت میں داخل ہوگا تو پتہ چلے گا کہ کس عمل کا اور کس عقیدے کا کیا نتیجہ ہے؟ انبیاءؑ کے تو حوصلے ان کی شان کے مطابق ہوتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ایذائیں برداشت کیں اور ایذائیں دینے والوں کے لئے دعائیں کیں بلکہ جب آپ ﷺ کو طائف میں پتھر پھینک کر زخمی کر دیا گیا اور بہت پریشان کر دیا گیا تو اللہ کریم نے ملک الجبال کو حکم دیا جو پہاڑوں پر مقرر ہے اسے حکم دیا کہ انہوں نے میرے نبی کریم ﷺ پر پتھر پھینکے ہیں تو پہاڑ اٹھا کر جن پہاڑوں پر یہ آبادیاں ہیں یہ پہاڑ ہی اٹھا کر الٹ دے ان پر پہاڑ اٹھا کر پھینک دے لیکن میرے نبی کریم ﷺ کی اجازت سے تو حضور اکرم ﷺ اس حالت

میں تشریف فرماتے کہ جسم اطہر زخمی تھا اور خون اقدس بہہ بہہ کر پاؤں مبارک تک گیا اور پاؤں مبارک جوتوں میں جم گئے پھنس گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے مشکل سے نکالے تو فرشتے نے سلام پیش کیا اور عرض کی میں فرشتہ ہوں جو پہاڑوں پر مقرر ہے اللہ کریم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں یہ پہاڑ اٹھا کر ان پر پھینک دوں انہوں نے آپ پر پتھر پھینکے ہیں میں ان پر پہاڑ پھینک دوں گا حضور اکرم ﷺ نے فرشتے کو جواب دینے کی بجائے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کی بارالٰہا میری قوم کو ہلاک نہ کر انہیں ہدایت دے دے یہ جانتے نہیں ہیں اس لئے پتھر مار رہے ہیں یہ تیرے رسولؐ کو پتھر مار رہے ہیں انہوں نے تیرے رسولؐ کو پہچانا ہی نہیں یہ ایک پڑوسی بھائی کو، اپنے ایک قریش کے نوجوان کو، مکہ کے رہنے والے عبداللہ کے بیٹے کو پتھر مار رہے ہیں۔ رسالت کو تو انہوں نے پہچانا ہی نہیں۔ تیرے رسول ﷺ کو پتھر نہیں مار رہے کیا عجیب انداز ہے اور کیا شفقت ہے کہ اگر یہ پہچان لیں کہ واقعی میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں تو یہ میری غلامی کا حق ادا کر دیں لیکن انہوں نے تو مجھے پہچانا ہی نہیں۔ لہٰذا انہیں معاف فرما دے۔ اگر یہ نہیں تو شاید ان کی نسلوں سے وہ لوگ پیدا ہوں جو میری اطاعت کریں اور تیرے دین کی مدد کریں اور تیرے دین پر عمل کریں تو کیا شان کریمی ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو ایذ دے رہے ہیں اور آپ ﷺ ان کی ہدایت کی دعا فرما رہے ہیں۔ یہ تو اخلاق ہوتا ہے انبیاءؑ کا پیچھے جو آپ ہم ہوتے ہیں جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں تو مساجد میں بھی بم پھینکے جا رہے ہیں اور مختلف فرقوں کی عبادت گاہوں میں بھی بم پھینکے جا رہے ہیں لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہے اب قتل کرنے والوں کے نزدیک واقعی ہم لوگ سارے واجب القتل ہیں۔ اس لئے وہ ہمیں قتل کر رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اگر کسی کو تم سے اختلاف بھی ہو، تم حق پر ہو اللہ کو واحد و لاشریک مانتے ہو اللہ کے نبی کو تسلیم کرتے ہو لیکن جو لوگ تمہاری بات نہیں مانتے بتوں کی پوجا کرتے ہیں تم ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو **وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** تسب ایسی بات کو کہتے ہیں جو کسی سے کی جائے تو اسے سخت ناگوار لگے۔ ناپسند ہو اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں گالی، گالی دینا ہی ایسی ناگوار بات ہے کہ آپ جسے گالی دیں گے اسے پسند نہیں آئے گا تو فرمایا بے شک لوگ شرک کرتے ہیں زیادتی کرتے ہیں لیکن ان کے معبودوں کو گالیاں نہ دو۔ کیوں **وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہیں انہیں گالیاں مت دو بدزبانی اصلاً اسلام میں منع ہے بات کرنا ہے تو خلق سے اخلاق کے دائرے کے اندر کرو اختلاف بھی ہے تو بات کرنے کا ایک انداز ہے۔ اس حد کے اندر رہ کر بات کرو اور اگر تم ان کے بتوں کو یا ان کے باطل

معبودوں کو گالیاں دو گے تو جواب میں وہ تمہارے معبود حق کو گالیاں دیں گے **فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا** بغیر علم وہ جاہل ہیں اللہ کی عظمت سے آشنا نہیں ہیں تو وہ اس ہستی کی شان میں گستاخی کریں گے جس کو تم معبود مانتے ہو تو اس کا مطلب ہے اللہ کی شان میں گستاخی کروانے کا سبب تو وہ بندہ ہوا جس نے ان کے بتوں کو گالیاں دیں۔ حضورا کرم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے گالی نہ دو جو مجھے گالی دے گا اس پر اللہ کا بہت بڑا غضب ہوگا تو عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ ایسا بد بخت کون ہوگا جو آپ ﷺ کو گالی دے۔ فرمایا وہ بندہ جو کسی کے مذہبی رہنما کو گالی دے اور وہ جواب میں مجھے گالی دے تو مجھے گالی دلوانے کا سبب وہ بندہ بنا جس نے ان کے مذہبی پیشوا کو گالی دی یہی قانون یہاں ہے اللہ کریم فرماتے ہیں تمہارا اختلاف اپنی جگہ تم مشرکین کی بات نہ مانو اگر وہ تمہاری نہیں مانتے تو وہ اپنی شخصی آزادی میں آزاد ہیں لیکن یادرکھیں آزادی کی بھی حدود ہوتی ہیں کوئی آزادی ایسی نہیں ہوتی کہ جو جی چاہو کرو آزادی کی بھی حد ہوتی ہے یہ آزادی نہیں ہے کہ جسے چاہو قتل کردو۔ یہ کوئی آزادی نہیں ہے کہ جو چاہو کرو، جسے چاہو لوٹ لو، آزادی یہ ہے کہ حلال طریقے سے کماؤ، کوئی رکاوٹ نہ آئے اپنا مال جائز طریقے سے خرچ کرو کوئی تمہیں روکے نہیں یہ آزادی ہے اب آزادی کو یہ سمجھ لینا کہ میں جو جی چاہے کروں تو یہ آزادی نہیں ہے یہ تو بے لگام ہونے والی بات ہے بے مہار ہونے والی بات ہے اس سے معاشرے نہیں چلتے اسی طرح مذہب اختیار کرنے کی آزادی ہے دو بنیادی حق اللہ نے دیئے ہیں وہ مومن ہے یا کافر ہے عقیدہ اختیار کرنے کا ہر بندے کو حق حاصل ہے آپ اس کے ساتھ خلق سے پیش آئیں اخلاق سے پیش آئیں اس کے سامنے آپ کا کردار ہو آپ کے وعظ کہنے سے زیادہ اثر کرے گا، آپ کا عمل نیک ہے آپ کا کردار صالح ہے تو وہ زیادہ اثر کرے گا صحابہ کرامؓ نے تیئس سالہ عہد نبوت کے بعد تقریباً تیئس سال میں روئے زمین پر اسلام پہنچا دیا اور کوئی جلسہ نہیں ملتا کوئی رسالہ شائع نہیں ہوتا تھا کوئی ٹیلی ویژن نہیں تھا کوئی لمبی تقریر نہیں ملتی وہ جہاں تشریف لے گئے لوگوں میں سے جن کا سابقہ پڑا جنہیں معاملہ کرنا پڑا انہوں نے کہا ایسا ہونا چاہیے جیسے یہ لوگ ہیں۔ یوں لوگ کلمہ پڑھتے چلے گئے تو حقیقی تبلیغ یہ ہے کہ آپ اپنے عمل سے اپنے کردار سے ثابت کریں کہ یہ حق ہے۔ میں حق پر قائم ہوں۔ دوسروں کے حقوق کا بھی لحاظ ہونا چاہیے تو مذہب اختیار کرنے کی اللہ نے آزادی دی ہے کسی کی گردن پر بندوق رکھ کر آپ نہیں کہہ سکتے کہ کلمہ پڑھو ورنہ گولی ماردوں گا اسے مذہب رکھنے کا حق ہے جو اس کا حق ہے وہ استعمال کرے دوسرا حق ہے ہر شخص کو زندہ رہنے کا اللہ کے حکم سے کسی کو قتل کیا جائے تو وہ مالک ہے جس نے زندگی دی

ہے وہ لے بھی سکتا ہے اس کے علاوہ کسی کو قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں اس لئے کہ جو زندگی دے نہیں سکتا وہ زندگی لے بھی نہیں سکتا اور زندہ رہنے کا جو حق ہے وہ بڑا وسیع ہے یہ حکومت کے ذمے ہے ملک کے ہر شہری کو زندہ رہنے کا حق دے۔ زندہ رہنے کے حق میں اس کا کاروبار اور ملازمت کا حق بھی ہے بچوں کی تعلیم کا حق بھی ہے علاج معالجے کا حق بھی ہے یہ ساری چیزیں اس ایک حق میں آ جاتی ہیں زندہ رہنے کے حق میں یہ مسلمانوں کی ریاست ہے تو اس میں کافر کو بھی مواقع ملنے چاہیں کہ وہ اپنا کاروبار کرے اپنے بچوں کو پالے اس کے بچوں کی تعلیم و تربیت ہو وہ بیمار ہو یا بچے بیمار ہوں تو ان کے علاج معالجے کی سہولتیں میسر ہوں یہ حق اللہ کریم نے ہر بندے کو دیا ہے اور یہ کوئی نہیں چھین سکتا اگر کوئی چھینے گا تو اللہ کے نزدیک جوابدہ ہوگا كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ فرمایا ہم نے انسانی مزاج ایسا بنایا ہے کہ وہ جس چیز کو اختیار کر لیتا ہے اس کا عادی ہو جاتا ہے اس کی پسند ویسی ہی ہو جاتی ہے عجیب بات ہے کہ وہ چیز بے مزہ ہوتی ہے لیکن اسے مزہ دیتی ہے مثلاً جیسے سارا مغرب اور اب تو مشرق بعید میں بھی کوئی نہیں ہر جگہ کافر تو سارے شراب پیتے تھے اب مسلمانوں کے ہاں بھی کمی نہیں پاکستان میں بھی کمی نہیں تو آپ کو کوئی شراب ایسی نہیں ملے گی جو کڑوی نہ ہو اور بدبودار نہ ہو یعنی شراب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی بدبو بھی ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور پینے والے بڑی خوشی سے پیتے ہیں اور اس پہ جان دیتے ہیں۔ کیوں عادی ہو جاتے ہیں؟ فرمایا ہم نے انسانی مزاج ایسا بنا دیا ہے کہ اگر وہ نیکی کرتا ہے تو نیکی راسخ ہو جاتی ہے۔ اس میں نیکی کی عادت ہو جاتی ہے، برائی سے نفرت ہو جاتی ہے اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کو چھوڑ کر برائی پر لگ جاتا ہے تو اسے پھر برائی میں لذت آنے لگتی ہے اور اسے بھلی معلوم ہونے لگتی ہے اور پھر وہ اس میں لگ جاتا ہے اسے پھر اسی میں مزہ آنے لگتا ہے كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ان کا عمل انہیں بھلا لگنے لگتا ہے یہ انسانی مزاج ایسا ہے تو اس پہ مت جاؤ کہ مجھے کون سی چیز اچھی لگتی ہے تو اگر غلطی کرو گے ایک بار، دو بار، چار بار، پھر وہ تمہاری عادت ہو جائے گی پھر تمہیں وہی اچھی لگنے لگ جائے گی لہٰذا معیار یہ نہیں کہ مجھے کیا پسند ہے معیار یہ ہے کہ اللہ کریم کو کیا پسند ہے؟ اللہ کے نبی کریم ﷺ کو کیا پسند ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم کیا ہے؟ اس کے مطابق کیا جائے۔ تو یہ جو لوگ گمراہ ہیں اور گمراہی کرتے ہیں انسانی مزاج ایسا ہے کہ جس معاملے میں پڑ جاتا ہے اس کا عادی ہو جاتا ہے میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو سانپ سے ڈسواتے ہیں اب سانپ سے ڈسوانا کون سا کمال ہے بھئی۔ تو ہمارا ایک ساتھی ہوتا تھا اس نے سانپ رکھے

ہوئے تھے لاہور چڑیا گھر میں اسے نوکری مل گئی سانپوں پر وہ سانپ پکڑے ہوئے پھرتا تھا۔ دس دس بارہ بارہ خطرناک سانپ اس نے ہاتھ میں پکڑ کر گلدستہ بنایا ہوتا تھا وہ روزانہ سانپ سے ڈسواتا تھا۔ وہ کہتا تھا سانپ مجھے نہ ڈسے تو مجھے مزہ ہی نہیں آتا ساری دنیا بھاگتی ہے کہ اللہ بچائے وہ کہتا تھا سانپ نہ ڈسے تو یار مزہ ہی نہیں آتا تو بندہ جو فعل اختیار کرتا ہے اسے پہلے اتفاقاً ڈسا ہوگا پھر اس نے کچھ مرضی سے ڈسوائے پھر کرتے کرتے یہ عادت بن گئی تو اس طرح سے ہر قوم جس عمل میں لگی ہوئی ہے اسے وہ بڑا مزہ لگتا ہے لیکن وہ معیارِ حق نہیں ہے کہ جو چیز تمہیں پسند آجائے وہ حق ہے نہیں معیارِ حق اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے لوگوں کی پسند پہ دین نہیں ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پسند دین ہے اس لئے کہ پھر یہ تمہیں بھلا لگتا ہے پھر تم اس میں مبتلا رہتے ہو نتیجہ کیا ہوگا **ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ** تمہیں واپس اپنے پروردگار کی بارگاہ میں جانا ہے سب لوگوں کو مومن، کافر، نیک، بد، سب کو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور وہاں معاملہ یہ نہیں ہوگا کہ کچھ باتیں آپ بتائیں گے کچھ آپ کو بھول گئی ہوں گی وہ رہ جائیں گی۔ کچھ بتائیں گے کچھ جان بوجھ کر چھپالیں گے کہ یہ بتانے والی نہیں ہیں وہاں یہ نہیں ہوگا **فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٠٨** وہ خالقِ کل جو ہے وہ خود تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے رہے ہو جو تمہیں بھول گئی ہیں وہ بھی وہاں موجود ہوں گی اور جو تمہیں یاد ہیں وہ بھی وہاں موجود ہوں گی اور تم جن چیزوں سے انکار کرنا چاہو گے وہ بھی وہاں موجود ہوں گی۔ اللہ نے گواہ بھی کھڑے کر رکھے ہوں گی۔ کفار انکار کریں گے مومن انکار نہیں کرے گا۔ مومن معافی چاہے گا۔ یا اللہ جو غلطی ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں کافر کہے گا میں نے یہ کیا ہی نہیں اللہ اس کے ہاتھ پاؤں کو کھال کو حکم دے دے گا بتاؤ اس نے کیا کہ نہیں؟ وہ گواہی دیں گے ہاتھ پاؤں وجود کھال گواہی دیں گے۔ وہ کہے گا تمہیں کیا ہوگیا ہے میں جہنم جاؤں گا تو تم بھی میرے ساتھ جلو گے میرے ساتھ دنیا میں رہے تم بولے چالے نہیں برزخ میں رہے تم نے کوئی بات نہیں کی آج تمہیں کیا ہوگا ہے وہ کہیں گے **اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ** ۝ حٰم السجدہ: 21 جس اللہ نے ہر چیز کو بولنے کی قدرت دی تھی آج اس نے ہمیں قوت گویائی دے دی ہے اور حکم دیا ہے سچ بولو ہم سچ بول رہے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہوگا وہ بھگتنا پڑے گا تو فرمایا وہاں کوئی چیز پوشیدہ اور خفیہ نہیں رہے گی بلکہ **فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٠٨** وہ ذات قادر ہے۔ علام الغیوب ایسا ہے کہ وہ لوگوں کو بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے رہے ہو **وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا** فرمایا بڑی قسمیں کھاتے ہیں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھاتے ہیں اگر کوئی معجزہ کوئی دلیل کوئی نشانی آجائے تو ہم مان لیں گے۔

فرمایا ذات کریم محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑا کوئی معجزہ نہیں۔ ایک ہستی جس نے ایک لق ودق بیابان صحرائی شہر میں ولادت پائی، پرورش پائی کسی سے پڑھا نہیں، کسی سے سیکھا نہیں تو جب ارشاد باری ہوا تو بیان فرمانے لگا اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے پوری زندگی کا آئین ودستور مرتب کر دیا اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں جو ہمیشہ کے لئے ہے تبدیل نہ ہونے والا ضابطۂ حیات بنا دیا اس سے بڑا بھی کوئی معجزہ ہے؟ تیس پارے کلام الٰہی کے بعد بھی کوئی معجزہ ہے؟ پھر معجزات کا صدور اتنا ہے کہ کوئی شخص اسے گن نہیں سکتا انگلی کے اشارے سے چاند شق ہو گیا، خشک چشموں سے پانی پھوٹ آیا۔ ایسے جانور جنہوں نے بچہ نہیں دیا تھا وہ دودھ دینے لگ گئے۔ بے شمار معجزے ہیں جو آدمی شمار نہیں کرسکتا۔ پتھروں نے کلمے پڑھے۔ درختوں سے صلوٰۃ وسلام کی آوازیں آئیں یہ سارے معجزات دیکھنے کے بعد تم کہتے ہو کوئی معجزہ ہو جائے تو یاد رکھو یہ اللہ کا آخری نبیؐ اور آخری رسول ﷺ ہے۔ نہ اس کے بعد کوئی رسول آئے گا نہ اس کے بعد کوئی معجزات آئیں گے تمہارا جی چاہے تو مانو نہ جی چاہے تو نہ مان کر بھی دیکھ لو وہ بھی بھگت لو گے **قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُشْعِرُكُمْ** معجزات اللہ کی طرف سے آتے ہیں اے میرے حبیب ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ تمہارے مطالبوں پر تمہاری رائے پر، تمہارے کہنے پر نہیں آتے اس کی اپنی حکمت ہوتی ہے وہ جب چاہتا ہے جو چیز چاہتا ہے وہ ظاہر فرما دیتا ہے اور جو وہ ظاہر فرماتا ہے وہ بندوں کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ وہ رب ہے اور رب وہ ہوتا ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت ہر جگہ پوری کر رہا ہو تو جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں اظہار فرما دیتا ہے یہ تمہارے کہنے پہ نہیں ہے یہ بات اس کی پسند پر ہے **اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۰۹﴾ لیکن اگر کوئی معجزہ آ بھی جائے تو ان کی تاریخ گواہ ہے انہوں نے حضرت صالحؑ کو کہا کہ اس پتھر سے اونٹنی نکلے اور اونٹنی اسی وقت بچہ بھی دے۔ انہوںؑ نے دعا کی پتھر پھٹ گیا اس میں سے اونٹنی نکل آئی اس نے اسی وقت بچہ بھی دے دیا لوگوں نے مان لیا تھا؟ پھر اس اونٹنی کو انہوں نے مار دیا ذبح کر دیا اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور اس جرم پر تباہ ہو گئے۔ بے شمار معجزات سے تاریخ بھری پڑی ہے کہ قوموں نے معجزات طلب کئے پھر وہی معجزہ ظاہر ہوا انہوں نے انکار کر دیا۔ ابوجہل نے کہا تھا بھئی زمین پہ جادو چلتا ہے آسمان پہ تو نہیں چلتا اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو آپ چاند کے دو ٹکڑے کر دیں حضور اکرم ﷺ نے انگلی سے اشارہ فرمایا **وَانْشَقَّ الْقَمَرُ** ○ القمر: 1 قرآن مجید میں آتا ہے چاند شق ہو گیا دو ٹکڑے الگ ہو گئے حتیٰ کہ چاند دو حصوں میں تقسیم ہو کر پہاڑی کے ایک طرف ایک ٹکڑا اور دوسری طرف دوسرا ٹکڑا نظر آنے لگا۔ معجزہ دیکھ کر وہی کافر کہنے لگا ہو سکتا ہے ہماری نظر بندی

کر دی گئی ہو ہمیں ایسا نظر آرہا ہے حقیقت میں ایسا نہ ہو کوئی دیہاتی باہر سے آئیں گے تو پتہ چلے گا اگر انہوں نے بھی دیکھا ہے تو پھر سچ ہے پھر کچھ لوگ باہر سے مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے تصدیق کی تو اس نے کہا تو ان سب کی بھی نظر بندی ہو گئی فرمایا یہ جو معجزوں کے مطالبے کرتے ہیں یہ دعوے تو بڑے کرتے ہیں کہ یہ ہو جائے تو مان لیں گے وہ ہو جائے تو مان لیں لیکن انہیں ماننا نصیب نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس ضمن میں تاریخ بتاتی ہے کہ کولمبو کا ہندو راجہ تھا جسے آج کل سری لنکا کہتے ہیں اس نے بھی چاند کو شق ہوتے دیکھا تھا تو وہ بڑا حیران تھا کہ یہ کیسے ہو گیا کہ چاند درمیان سے الگ ہو گیا کچھ عرب تاجر وہاں پہنچے اور انہوں نے بتایا کہ یہ معجزہ تھا اللہ کے نبی ﷺ کا تو وہ وہاں مسلمان ہو گیا تھا ابھی تک اس لئے سری لنکا میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہے اور اچھے آسودہ حال لوگ ہیں جنہیں اسلام نصیب ہوتا ہے انہیں سمجھ آجاتی ہے اور جن کا مزاج مسخ ہو چکا ہوتا ہے وہ مطالبے تو کرتے ہیں لیکن اس پہ عمل نصیب نہیں ہوتا تو فرمایا یہ جو برائی ہے یہ جو بداعمالی ہے یہ اس کی سزا ہوتی ہے جو لوگ برائیاں کر کر کے، کفر کر کر کے، شرک کر کر کے توبہ نہیں کرتے ان کے کفر و شرک اور گناہ کی سزا ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کر دیتا ہے کوئی توبہ کرتا ہے اللہ سے معافی چاہتا ہے تو وہ صاف ہو جاتا ہے نہیں توبہ کرتا پھر گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ مسلسل گناہ کرتے کرتے سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور جب دل سیاہ ہو جائے تو اللہ کریم اس پر مہر لگا دیتے ہیں پھر توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی یہاں بھی وہی بات فرمائی **وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ** ہم ان کے دلوں کو بدل دیں گے اصل بات دل سے متعلق ہے اگر دل درست ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا یاد رکھو جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے لوتھڑا ہے **اذا صلحت صلح الجسد كله** اگر وہ ٹھیک ہو جائے سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے ہاتھ پاؤں بھی نیکی کرنے لگتے ہیں آنکھوں میں بھی حیاء آجاتی ہے زبان پہ بھی اخلاق آجاتا ہے اس میں بھی سلوک آجاتا ہے رویوں میں ایک خوبصورت تبدیلی آجاتی ہے **واذافسدت فسد الجسد كله** اگر خراب ہو جائے تو سب کچھ بگڑ کر رہ جاتا ہے۔ فرمایا **الاوھی القلب** غور سے سن لو یہ قلب ہے اوکما قال رسول اللہ ﷺ۔ قلب کی اصلاح ہو جائے تو ساری اصلاح ہو گئی اور قلب کی اصلاح اگر نہ ہو تو اوپر جتنی بھی پالش کرتے رہو تو دل سیاہ ہے تو اس کا کردار سیاہی مائل ہی ہو گا برائی ہی کرے گا تو یہاں فرمایا ہم گناہوں کی سزا یہ بھی دیتے ہیں کہ دلوں کو بدل دیتے ہیں **نُقَلِّبُ** ان میں انقلاب آجاتا ہے انقلاب کا لفظ بھی قلب سے ملتا ہے **نُقَلِّبُ** ان کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ وہ اور سے اور ہو جاتے ہیں **وَاَبْصَارَهُمْ** ہم آنکھوں میں بھی ایسی تبدیلی کر دیتے ہیں کہ

نیکی انہیں اچھی نہیں لگتی برائی انہیں بڑی خوبصورت لگتی ہے جب عورتیں ناچتی گاتی ہیں تو انہیں بڑا پسند آتا اور وہیں کوئی آیت قرآن کی پڑھ دو تو کہیں گے یہ کیا تم نے یار بے مزہ کردی ساری محفل۔ جہاں عورتیں ناچ گا رہی ہوتی ہیں اور لوگ تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں پھر وہاں کھڑے ہو کر آپ ایک آیت پڑھ دیں تو لوگ آپ کو شاید مارنے سے بھی نہ چوکیں کہ تم نے کیا بے لطف کردی ساری محفل۔حق انہیں کڑوا لگتا ہے۔قلب ونظر کی یہ تبدیلی یہ اللہ کی سزائیں ہیں كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ جب انہوں نے پہلے دیکھا یہ سارے معجزات دیکھے اللہ کا کلام سنا تو مانا کیوں نہیں جیسا یہ نہیں مانتے تو نہ ماننے کی سزا ہم یہ دیتے ہیں کہ ان کی پسند بھی بدل جاتی ہے انہیں برائی اچھی لگتی ہے نیکی بھلی لگتی ہے ان کے دل بدل جاتے ہیں ان میں اللہ کریم کی یاد نہیں رہتی۔ دنیا آباد ہو جاتی ہے اللہ جل شانہٗ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت نکل جاتی ہے دنیا اور دنیا کی دولت کی محبت آجاتی ہے اور پھر وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ پھر ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ کہاں تک بھاگیں گے کرلیں گناہ۔ کہنا تو نہ چاہیے لیکن کہے بغیر چارہ بھی نہیں بات سچی تو کرنی چاہیے یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دین بیان ہو رہا ہے۔مسجد اللہ کا گھر ہے سامنے اللہ کی کتاب ہے باوضو بیٹھے ہیں پھر ہم بھی سچ نہیں بولیں گے تو پھر کون بولے گا؟ پتہ ہے اللہ کیسے مہلت دے دیتا ہے یہ بڑا مزے دار سوال ہے شاید آپ کے دل میں بھی آیا ہو کہتے ہیں جی کمال ہے زلزلہ آیا غریب مارے گئے مفلس تباہ ہو گئے اور عیاش حکمران موج کر رہے ہیں۔اب سیلاب آیا لوگ خاندانوں کے خاندان تباہ ہو گئے، بہہ گئے، مرگئے، کسی کا سارا مال مویشی گھر کا سامان سب اجڑ گیا اور حکمران اوپر سے ہیلی کاپٹروں سے، جہازوں سے چکر لگا رہے ہیں وہاں جہاز میں بیٹھ کر چائے پی رہے ہیں، امرود کھا رہے ہیں کوئی کوئی نگاہ پیچھے بھی دیکھ لیتے ہیں یعنی پکنک منا رہے ہیں ہوا میں۔عجیب بات ہے یہ عذاب بھی صرف غریبوں کے لئے رہ گیا ہے۔فرمایا ان لوگوں کو دنیاوی سزائیں ملتی ہیں جن میں کچھ گنجائش باقی ہو وہ تو بہ بھی کرتے ہیں، کچھ مر جاتے ہیں تو مرنے کے سبب ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، کچھ کا مال چلا جاتا ہے اور وہ اللہ سے ڈرنے لگتے ہیں اور حرام مال جمع نہیں کرتے اُن کی اصلاح ہو جاتی ہے لیکن ایک طبقہ انسانوں کا ایسا ہے کہ ان کے جب ہم دل بھی سیاہ کر دیتے ہیں ان کی نگاہوں میں بھی حیاء باقی نہیں رہتی پھر ہم ان کو ان کے گناہوں میں چھوڑ دیتے ہیں کہ بھاگ کر' کرلو جتنے کر سکتے ہو، بھاگ کر دیکھو کہاں تک جاؤ گے آخر ایک دن وہ بھی پکڑے جائیں گے بڑے بڑے ناموروں کے گلے میں رسہ پڑ جاتا ہے سولی پہ جھلا دیئے جاتے ہیں اور بڑے بڑے باغیوں کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور بھوکے پیاسے رو رہے

ہوتے ہیں ان کا انجام بھی ہمارے قبضہ قدرت میں ہے لیکن ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تم نے برائی کی ٹھان لی ہے تو کر کے دیکھو کہاں تک بھاگ سکتے ہو لہٰذا جو وہ کر رہے ہیں وہ اپنے ساتھ ظلم کر رہے ہیں یہ سب کچھ انہیں کو بھگتنا پڑے گا اور جو کچھ آج ہو رہا ہے یہ بھی دیکھ لیجئے کہ اب اس کے بعد کتنی گردنوں میں رسے پڑیں گے وہ وقت بھی آئے گا تو اللہ کا جو نظام ہے وہ بڑا مضبوط ہے اس میں کوئی اینچ پیچ نہیں۔ اگر کوئی بے فکر بیٹھا ہے تو یہ درست نہیں۔ اگر ہم کہیں، ہم تو پہاڑ پر ہیں ہم تو بچ گئے ہیں مرنے والوں کی ہمیں کیا فکر تو یہ رویہ درست نہیں ہے۔ اللہ سے توبہ کرنی چاہیے ہم ان کی مدد نہیں کر سکتے تو ان کے لئے دعا تو کر سکتے ہیں اپنی اصلاح تو کر سکتے ہیں کہ اگر ہمارے ساتھ ہو گیا تو کیا ہو گا توبہ کریں اللہ سے رجوع کریں حرام سے اجتناب کریں اور اللہ کی راہ پر ہم دوسروں کی مدد کریں ہم ان کی مدد تو کر سکتے ہیں لیکن جو لوگ اس سب سے بے نیاز ہو کر عیش و عشرت میں مصروف ہیں فرمایا ایک مخلوق میری ایسی بھی ہے **وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾** ان کی بغاوت میں ہم انہیں مہلت دے دیتے ہیں باگ ڈھیلی کر دیتے ہیں کہ بھاگ کہاں تک بھاگے گا۔ کہ رسّی تو تیری ناک میں پڑی ہوئی ہے ہم کھینچیں گے تو رک جائے گی۔ بھاگ کے دیکھ لے۔ ایسے لوگ جدھر منہ ہوا ادھر بھاگنے لگتے ہیں۔ پھر وہ بے مہار ہو کر بھاگتے ہیں جو منہ میں آیا کہتے رہتے ہیں جس طرح ہو سکتے لوٹتے رہتے ہیں۔ جو سامنے آیا کھاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ موت آ جاتی ہے اور پھر ان کے بس میں کچھ نہیں رہتا اللہ کریم اس ضلالت سے پناہ دے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔